مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کا
علمی و دینی ترجمان

مالیرکوٹلہ ۱۴۸۰۲۳

REGD NO P/PTA/81
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
اس شمارے میں
دوسرے سال
کا
دوسرا و تیسرا شمارہ
مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کا دینی و علمی ترجمان
ماہنامہ
تعمیر سیرت
مالیرکوٹلہ
زیر سرپرستی۔ حضرت مولانا مفتی اعظم پنجاب
ہلال عثمانی بانی و مہتمم مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ
جمادی الاول، جمادی الآخر ۱۳۹۲ھ
مطابق مئی، جون ۱۹۷۲ء
ایڈیٹر
غلام محمد
رکن مشاورتی کونسل
مدرسہ تعمیر سیرت
مالیرکوٹلہ
فی پرچہ کی قیمت
ایک روپیہ
سالانہ ۔/۵
حرف و حکایت (ادارہ) ۲
شریعت کا نفاذ ۵
سیرت رسولؐ اخلاق کے آئینہ میں (کفیل الرحمٰن) ۸
نعت پاک شہباز صدیقی ۱۰
فقیہ اعظم قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (انجم عثمانی) ۱۱
تین تصویریں ۱۴
تابندہ ستارے (کفیل الرحمٰن) ۱۹
چند لمحات آقائے کونین کے ساتھ (فضیل الرحمٰن) ۲۲
حضرات علمائے دیوبند کا مسلک اعتدال (مولانا طیب) ۲۵
مسجد میں بیل (شمیم مدنی) ۳۲
سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے آخری لمحات ۳۳
قرآن خدا کا کلام ہے ۳۵
علم کی طلب (حضرت تھانویؒ) ۳۷
ایک خاتون کی دانائی ۳۹
خدا ہے یا نہیں؟ ۴۰
حق گوئی و بے باکی ۴۱
شاعری (سہیل عزیز) ۴۴
قاتل مائیں ۴۶
جب انسانیت جاگتی ہے ۴۸
احوال و کوائف ۴۹
ہمارے معاون ۵۳
حساب آمد و خرچ ۵۵
تشکر و امتنان (فضیل الرحمٰن) ۵۶
SVOL
Accession Number ......
Date ......

اداریہ

زمانہ انقلاب سے عبارت ہے، ۱۹۴۷ء کا انقلاب برصغیر ہند و پاک کی تقسیم کی شکل میں ہلاکت و تباہی کا پیغام بنکر آیا تھا، پنجاب کے لیے تو یہ انقلاب قیامت صغریٰ سے کم نہیں تھا، بڑے بڑے مسلم مرکز ختم ہوگئے۔

پنجاب کی یہ چھوٹی سی ریاست مالیر کوٹلہ اگرچہ قتل عام سے محفوظ رہی مگر اس عظیم انقلاب کے اثرات یہاں کیسے نہ پڑتے، چاروں طرف آگ لگی تھی اسکی تپش یہاں کیسے نہ پہنچتی، مالیر کوٹلہ جلا نہیں مگر جھلس ضرور گیا۔ آبادی کے پڑھے لکھے باشعور لوگوں کو اب اپنا مستقبل تاریک نظر آرہا تھا وہ پاکستان چلے گئے قوم کا مکھن نکل گیا تھوڑے بہت جو ایسے لوگ رہ گئے تھے جن میں رہنمائی کی صلاحیت تھی وہ اپنی جگہ اتنے سراسیمہ اور پریشان تھے کہ ان کے حوصلے جواب دے گئے تھے۔

۱۹۴۷ء کے بعد مجموعی طور پر مالیر کوٹلہ کی اکثر آبادی مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی رہ گئی کسان، مزدور، لوہار، بڑھئی، کپڑا بننے والے اور ان لوگوں میں تعلیم کا اوسط پہلے ہی بہت کم تھا ان میں نہ دین کی تعلیم تھی اور نہ دنیا کی۔

دھیرے دھیرے حالات پرسکون ہوئے، فضا تعمیری کاموں کے لیے سازگار ہوئی۔ دیہاتوں کے مسلمان جو خوف زدہ ہوکر اور کچھ ماحول سے متاثر ہوکر اپنا روپ بدل چکے تھے پرخوف تاریکی سے نکلے تو انھیں روشنی کی تلاش ہوئی —— وہ روشنی جو فاران کی چوٹیوں سے پھیلی تھی اور جس کی روشنی سے سارا جہاں روشن ہوا تھا اس کی چند کرنیں ہمیں عطا کر دو —— جیسے پیاسی روحیں پکار پکار کر کہہ رہی تھیں۔

پیاسی روحوں کی اس پکار کے جواب میں مدرسہ تعمیر سیرت قائم کرنے کی تجویز رکھی گئی۔ ایک ضرورت تھی اور اس کا احساس تھا —— تجویز کی حد تک شاید ہی کوئی انکار کر سکے۔ مگر جب احساس اور تجویز سے بڑھ کر عمل کی بات آتی ہے تو معاملہ مشکل ہو جاتا ہے کیونکہ اصلاح اور فکر سازی کا کام عشق و وفا کی رہ گذر ہے جس میں قدم قدم پر کانٹے ہی کانٹے ہیں۔ یہ کام مشکل بھی ہے اور طویل و جاں گسل بھی۔

یہ قدم قدم بلائیں یہ سواد کوئے جاناں + وہ یہیں سے لوٹ جائے جسے زندگی ہو پیاری

مالیر کوٹلہ میں مدرسہ قائم کرنے کی اہمیت اور ضرورت دو حیثیت سے تھی —— ایک تو یہ کہ خود مالیر کوٹلہ میں رہنے والے مسلمان دین کی تعلیم کے محتاج ہیں —— دوسرے یہ کہ پورے پنجاب میں اب لے دے کے مالیر کوٹلہ ہی ایک شہر ہے جسکو مسلم آبادی والا شہر کہا جاسکتا ہے پنجاب کے علاقوں میں دور دور بکھرے ہوئے مسلمانوں کے لیے یہی ایک دینی اور اسلامی مرکز بن سکتا ہے جہاں آکر ان کے بچے دین کی تعلیم حاصل کر سکیں۔

تجویز عظیم الشان تھی، پروگرام بڑا تھا، ارادے اونچے تھے مگر ہر بڑے کام کی ابتداء بڑی نہیں ہوتی ایک

نادر اور عظیم الشان درخت ایک چھوٹے سے بیج کی شکل میں اپنے آپ کو زمین کے سپرد کرتا ہے۔

مدرسہ تعمیر سیرت کی ابتدا ابھی بہت چھوٹی تھی ایک مدرس چند طلباء، نہ عمارت نہ وسائل و اسباب، ظاہری اسباب نہ تھے مگر مسبب الاسباب کی مدد تھی — اور اللہ کی مدد جب ہی آتی ہے جب انسان خود اپنی مدد کے لیے تیار ہو عزم کی پختگی، نیت کے خلوص اور حرکت و عمل کے ساتھ اللہ پر بھروسہ کام کی تکمیل کی ضمانت ہے۔

مدرسہ تعمیر سیرت دن بدن ترقی کرتا گیا۔ طلباء اور اساتذہ کی تعداد کے اعتبار سے بھی — اور آمدنی کے لحاظ سے بھی — ملاحظہ فرمائیے

طلباء اور اساتذہ کی تعداد

سنہ ۱۹۷۳ء (آغاز مدرسہ)	طلباء	دس	استاذ	ایک
دسمبر سنہ ۱۹۷۴ء تک	طلباء	۴۱	استاذ	۲
دسمبر سنہ ۱۹۷۵ء تک	طلباء	۸۴	استاذ	۴
۳۱ مارچ سنہ ۷۶ء تک	طلباء	۱۵۹	استاذ	۶
۳۱ مارچ سنہ ۷۷ء تک	طلباء	۲۵۶	استاذ	۷

اور اب اپریل سنہ ۷۷ء میں نیا داخلہ جاری ہے اور اساتذہ کی تعداد سات سے نو ہو گئی ہے

آمدنی اور اخراج

	آمدنی (روپے - پیسے)	خرچ	باقی
سنہ ۱۹۷۳-۷۴ء	۳۲۶۶ - ۴۴	۳۲۶۵ - ۷۰	۷۴ پیسے
سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء	۷۲۸۴ - ۹۵	۳۹۴۲ - ۷۵	۳۳۴۲ - ۹۳
سنہ ۱۹۷۵-۷۶ء	۱۳۶۳۶ - ۴۲	۱۱۳۸۷ - ۴۲	۵۵۹۲ - ۲۰
سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء تا ۳۱ مارچ	۲۱۲۰۹ - ۵۶	۱۹۱۰۸ - ۱۷	۷۶۹۳ - ۱۵

جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے ظاہر ہے الحمدللہ مدرسہ ہر اعتبار سے روبترقی ہے، مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ مدرسہ تعمیر سیرت کی ایک شاخ (برانچ نمبر ایک) محلہ سرہندی گیٹ میں قائم ہے جس میں اس سال طلباء کی تعداد ۷۱ تھی۔ نیا داخلہ جاری ہے اور اب اس میں تین مدرس تعلیم دے رہے ہیں۔

نصاب تعلیم

کسی مقصدی درسگاہ کے لیے اساتذہ کے ساتھ نصاب تعلیم کی اہمیت بھی کم نہیں ہوتی نصاب تعلیم میں ماحول ضرورت اور مقصد ہر چیز کا لحاظ ضروری ہوتا ہے —

مدرسہ تعمیر سیرت کے نصاب تعلیم کے دو مرحلے ہیں ایک مرحلہ پہلی جماعت سے پانچویں جماعت تک ہے جسکو پرائمری یا مکتب کہتے ہیں، مکتب یا پرائمری کا نصاب اس طرح مرتب کیا گیا ہے کہ ایک طرف تو بچہ وہ تمام مضامین سیکھ لے جو عام طور پر اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں یعنی حساب، جغرافیہ، سائنس، انگریزی، ہندی، پنجابی اور ان مضامین میں بھی اس کا معیار تعلیم کسی طرح بھی اسکولوں سے کم نہ ہو بلکہ ان سے اچھا ہے — دوسری طرف اردو زبان پر قابو یافتہ ہونے کے ساتھ اسکو قرآن مجید، دینیات، اور فارسی و عربی زبان بھی اتنی آجائے کہ اگر مدرسہ کی پانچویں جماعت سے فراغت کے بعد دوسرے کسی اسکول میں پڑھنا چاہے تو آسانی کے ساتھ بلا فخر کے ساتھ چھٹی جماعت میں داخلہ لے سکے اور دینی تعلیم و تربیت کے اعتبار سے اس طرح آراستہ ہو جائے کہ اسکول کا خالص مادی ماحول

اس کے اسلامی عقائد کو مجروح نہ کر سکے اور وہ اس اندھیرے میں ہلکی سی ہی دین کی ایک شمع بن کر چمکتا رہے۔ یہ تو ہے
مدرسہ تعمیر سیرت کے نصاب کا پہلا مرحلہ۔

مدرسہ تعمیر سیرت کے نصاب تعلیم کا دوسرا مرحلہ "درجہ عالمیت" ہے جس کا نصاب چار سال کا رکھا گیا ہے
اس مرحلہ تعلیم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید حفظ اختیاری، تجوید قرآن اختیاری۔ ترجمہ و تفسیر قرآن مجید
سیرت، دینیات، اسلامی تاریخ، فقہ، عربی زبان، فارسی زبان، انگریزی اور حساب کے علاوہ صنعت و حرفت
سکھانے کا انتظام ہے درجہ عالمیت کے نصاب تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ ایک طرف تو طالب علم دینی اعتبار سے خوب پختہ ہو جائے
اور متوسط درجہ کا دینی رہنما بن جائے، دوسری طرف دین کی خدمت کے ساتھ وہ صنعت و حرفت کے ذریعہ
اپنی روزی حاصل کر سکے تاکہ وہ دین فروش نہ بنے بلکہ ایک خود دار قوم کا خوددار فرد اور دین کا مخلص خادم ہو
عالمیت سے فراغت کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق رکھنے والے ملک کی بڑی دینی درسگاہوں میں داخلہ
لے سکتے ہیں

پہلے مرحلہ یعنی پرائمری کے نصاب میں حالیہ تجربات کے بعد کچھ جزوی ترمیم کی گئی ہے۔ نظریات کی اصلاح تجربات
کے ذریعہ ہوتی رہنی چاہیئے ورنہ نظریات کی عملی افادیت ختم ہو جاتی ہے چنانچہ گلستاں، اور مالا بد اور القرأۃ الواضحہ
تجربہ کے بعد پانچویں جماعت کے بجائے عالمیت کے پہلے سال میں رکھی گئی ہیں اور اب اس جزوی ترمیم کے بعد
پرائمری کا نصاب کافی حد تک مکمل اور جاندار ہو گیا ہے۔

ہم کچھ مشکلات کا بھی ذکر کریں گے جو مدرسہ کے سلسلہ میں درپیش ہیں۔ جیسا کہ ابتدا میں عرض کیا گیا ہے
مدرسہ تعمیر سیرت صرف مالیرکوٹلہ کے لیئے ہی نہیں بلکہ پورے پنجاب کے لیے قائم کیا گیا ہے چنانچہ مدرسہ کی آواز
پھیلتے ہی باہر کے طلباء داخل ہونے شروع ہو گئے ہیں لدھیانہ، لسوڑی، الوگی۔ بھٹن کے طلباء تعلیم حاصل کر رہے
ہیں اور کچھ علاقوں سے مزید طلباء کے آنے کی توقع ہے باہر کے طلبا کے لیئے قیام اور طعام کا انتظام ایک بڑا مرحلہ
ہے اس کے لیئے مدرسہ کی مستقل عمارت کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی ہے اور اب اسمیں زیادہ تاخیر سخت
تکلیف دہ اور مشکلات کے باعث بن رہی ہے کچھ طلباء کے کھانے کا انتظام محلہ کے مکان میں اور رہنے کا محلہ کی مسجد میں
کر رکھا ہے طلباء کیلئے مستقل دارالاقامہ (ہوسٹل) ہو جائے تو ان کی تربیت کا اچھا انتظام کیا جا سکتا ہے اور یہی مدرسہ
کا اصلی مقصد بھی ہوگا۔ اس لیئے مسلمان بھائیوں اور وقف بورڈ پنجاب کو اس کی طرف جلد توجہ دینا چاہیئے۔

مدرسہ کے اخراجات کے سلسلہ میں بھی ایک دشواری ہے اور وہ یہ کہ مدرسہ میں بڑی رقم مد زکوٰۃ کی آتی ہے
تملیک کر کے خرچ کرنے کے مسئلہ اپنی جگہ ہے بڑے بڑے ادارے اس کے لیے بعض اوقات مجبور ہو جاتے ہیں لیکن بھی
ہماری خواہش ہے کہ اس کی ضرورت پیش نہ آئے۔ مالیرکوٹلہ کے مسلمان بھائی ایک آسان طریقہ سے مدرسہ کی امداد میں حصہ
لے سکتے ہیں وہ طریقہ یہ ہے کہ مدرسہ کی جانب سے معاون فارم چھپے ہوئے ہیں دو روپے پانچ روپے دس روپے
مہینہ مقرر کر کے آپ اس طرح مدرسہ کی مدد کر سکتے ہیں کہ آپ پر کوئی بار نہ ہو اور مدرسہ کا کام چل جائے پنجاب
وقف بورڈ بھی اس سلسلہ میں اگر توجہ کر کے معقول ماہانہ امداد مقرر کر دے تو یہ اس کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اور
ہم مالیرکوٹلہ کے اور پنجاب کے مسلمانوں کی طرف سے وقف بورڈ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ مدرسہ کی مستقل معقول
امداد مقرر کر کے دین کے اس کام میں حصہ لے جو اپنی نوعیت کا بڑا اہم اور ضروری کام ہے

تیسری دشواری ہمیں ایک اور پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ اپنی حد تک ہم قابل استاذ تلاش کر کے مدرسہ میں

باقی صفحہ ۴۲ پر

شریعت کا نفاذ

اکثر لوگ اسلامی حکومت اور مسلمانوں کی حکومت کا فرق نہیں سمجھتے، اس وقت دنیا میں بہت سی حکومتیں مسلمانوں کی حکومتیں ہیں۔ ان میں سے کتنی ہی حکومتوں نے یہ اعلان بھی کیا ہے کہ ان کا "سرکاری مذہب" اسلام ہے لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت کا قانون دو ایک حکومتوں کو چھوڑ کر کہیں بھی نافذ نہیں ہے۔

لوگ سوال کرتے ہیں کہ ایسا کیوں ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ شریعت کا قانون کسی ملک میں اس وقت تک نافذ نہیں ہو سکتا جب تک اس کے تقاضے پورے نہ کیے جائیں یہ تقاضے کیا ہیں انھیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

پختہ ایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت ہی کو نافذ کرنے کے لئے مبعوث فرمائے گئے تھے آپؐ نے تیرہ برس مکہ معظمہ میں اس کے بعد مدینہ منورہ میں اپنی ساری طاقت صرف فرمائی تھی کہ لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں ایمان کی طاقت بٹھا دیں کیوں کہ یہ شریعت اس وقت تک نافذ ہی نہیں ہو سکتی جب تک اس کے چلانے والوں میں ایمان موجود نہ ہو اور جن پر وہ چلائی جانی ہے ان کے اندر بھی ایمان نہ ہو، اگر ایمان موجود نہ ہو تو یہ ممکن نہیں ہے کہ شریعت کو نافذ کیا جا سکے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ جس آبادی پر اس کو نافذ کیا جا رہا ہے وہ اسکو برداشت کرے مثال کے طور پر میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ حدود شرعیہ میں سے ایک حد شرعی یہ ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹ دو۔ اسکے اوپر عمل وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں ایمان ہو وہ سچے دل سے سمجھتے ہوں کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ سچے دل سے یہ سمجھتے ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسولؐ ہیں۔ سچے دل سے یہ مانتے ہوں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی اور کلام نازل ہوا ہے یہ اللہ کا حکم ہے جو رسولؐ کی زبان سے جاری ہو رہا ہے۔ اور سچے دل سے یہ مانتے ہوں کہ اگر ہم نے اس کے نافذ کرنے میں ذرہ برابر بھی کوتاہی کی تو آخرت میں ہمیں اللہ کے روبرو جوابدہ ہونا پڑے گا اگر یہ چیزیں موجود نہیں ہیں تو حدود شرعیہ کا اجراء ہو ہی نہیں سکتا۔ ممکن ہی نہیں۔ کوئی ایسا فرد جس کو قانون کی شکل میں حد شرعی ملے لیکن وہ اس پر ایمان نہ رکھتا ہو تو وہ پہلی فرصت تلاش کرے گا جس میں اس قانون کو منسوخ کرے اور اپنے لیے نیا قانون بنائے۔ اسی طرح جن لوگوں پر نافذ کیا جاتا ہے اگر ان کے اندر ایمان نہ ہو، وہ یہ نہ مانتے ہوں کہ قرآن حق ہے اور اسلام کے قانون میں چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہی ہے، اگر وہ اس کے اوپر یقین نہ رکھتے ہوں تو ہو سکتا ہے کہ کسی غریب، چھوٹے اور بے اثر آدمی کے تو ہاتھ کاٹ دیئے جائیں لیکن اگر کسی با اثر آدمی کا ہاتھ کاٹنے کی نوبت آ جائے تو بغاوت برپا ہو جائے۔ وہ آبادی اس چیز کو برداشت نہیں کرے گی کہ یہ قانون نافذ ہو اس لیے شریعت سب سے پہلے جس چیز کا تقاضا کرتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کو نافذ کرنے والے اور جن لوگوں پر کیا جائے

ان کے اندر ایمان ہو، ان کے دلوں میں ایمان ہو۔

اسلامی اخلاق

اس کے بعد دوسری چیز کا شریعت یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اسلام جو اخلاقیات دیتا ہے، بھلے اور برے کا جو امتیاز دیتا ہے، خیر و شر کا جو فرق بتاتا ہے اور جو اقدار انسان کو دیتا ہے کہ یہ چیز قیمتی ہے اور یہ چیز بے قیمت ہے اس کو ٹھیک ٹھیک مان کر سمجھ لیا جائے اگر یہ چیز موجود نہ ہوگی تو مانتے ہوئے بھی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے کیوں ان میں اخلاق موجود نہ ہوگا۔ اخلاقی حیثیت سے دیوالیہ لوگ جن کے اخلاق کو گھن کھا چکا ہو ان کے بس کا یہ کام نہیں ہے کہ شریعت کو نافذ کریں۔ اس لیے شریعت اسلامیہ ایمان کے ساتھ اخلاقیات بھی دیتی ہے اور اخلاقیات کا نہایت وسیع تصور دیتی ہے جو زندگی کے ہر معاملے سے تعلق رکھتا ہے۔

شریعت کو پوری زندگی پر نافذ کیا جائے

اس کے بعد تیسری چیز یہ ہے کہ شریعت کا نظام انسانی زندگی کے پورے دائرے پر پھیلتا ہے۔ وہ اس بات سے بھی بحث کرتا ہے کہ پانی میں پاک کیا ہے اور ناپاک کیا ہے اس سے بھی بحث کرتا ہے کہ انسان نجس کس حالت میں ہوتا ہے اور کس حالت میں کس طرح پاک ہو سکتا ہے۔ یعنی شریعت کوئی محدود سا قانونی تصور نہیں رکھتی۔ آپ دیکھیے کہ فقہ کی کتابیں باب عبادت سے شروع ہوتی ہیں اور دنیا کا کوئی قانون آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس کے اندر طہارت کے مسئلے سے بحث کی گئی ہو۔ بلکہ حقیقت میں دنیا کی کسی زبان میں طہارت کا ہم معنی لفظ موجود نہیں مغربی ممالک جانتے ہی نہیں کہ طہارت کس چیز کو کہتے ہیں۔ ان کی زبان میں اس کا ہم معنی لفظ موجود نہیں۔

لیکن مغربی تہذیب کے خلاف ہماری اسلامی شریعت طہارت سے بحث کرتی ہے جو کہ ایک فرد کا معاملہ ہے اور افراد کے اندر طہارت پیدا کرتی ہے افراد کے اندر اسلامی اخلاق پیدا کرتی ہے افراد کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کے لیے آمادہ کرنا، ان کو بندگی کے طریقے سکھانا یہ شریعت کا کام ہے پھر افراد کو جوڑ کر ایک جماعت بنانا اور اس جماعت کے اندر اسلامی طریقے رائج کرنا۔ غرض عبادات سے لیکر نکاح کے معاملات تک اور تجارت سے لیکر سیاست اور قانون و عدالت کے معاملات تک جنگ سے لیکر صلح تک، ملک کی مالیات سے لیکر ملک کی صنعت و حرفت تک، ہر چیز کے بارے میں قانون موجود ہے اس چیز کو اگر نافذ کرنا ہے تو آدمی یہ سمجھ لے کہ انسانوں کی پوری زندگی کو بدل ڈالنا ہے، یہ نہیں ہے کہ صرف ایک پہلو سے ان کی زندگی کو بدلا جائے بلکہ ان کی پوری زندگی کو ہر پہلو سے، افراد سے لے کر جماعت تک، پوری آبادی کو بدلنا ہے ان کے اندر ایمان داخل کرنا ہے ان کے اندر اخلاقیات پیدا کرنے ہیں، ان کے اندر آمادگی پیدا کرنی ہے کہ خدا کے قانون کی پابندی کریں اور اس کے بعد تمام معاملات کو اس کے مطابق ڈھالنا ہے، مارکیٹ میں جو لین دین ہو رہا ہے اس کے اوپر بھی شریعت کو نافذ کرنا ہے۔ بنکوں میں جو مالیاتی لین دین ہو رہا ہے ان کو بھی شریعت کے مطابق بدلنا ہے یہ انشورنس کمپنیاں جو چل رہی ہیں ان کو بھی شریعت کے مطابق بدلنا ہے حکومت جو ٹیکس لگاتی ہے اور ٹیکس لگا کر جس طرح خرچ کرتی ہے ان دونوں چیزوں میں جو قرض دیتی ہے اور جو قرض لیتی ہے، اور جس طرح قرض لیکر خرچ کرتی ہے، ان سب پر بھی شریعت کا قانون نافذ کرنا ہے عدالتوں میں بھی شریعت کے احکام نافذ کرنا ہے۔ حکومت کے انتظامی شعبوں کو بھی شریعت کے مطابق بدلنا ہے۔ مثلاً اگر پولیس بے ایمان ہے تو اسلامی شریعت کا نفاذ نہیں ہو سکتا ہے اگر ایک بے ایمان پولیس کے ہاتھ میں اسلامی شریعت دے دی جائے تو وہ پوری آبادی کو بگاڑ دیگی تو اسی طرح پوری انتظامی پالیسی کو بدلنا ہے، اس کی فوج کو بدلنا ہے، اس کی پولیس کو بدلنا ہے اس کے تمام حکام اور کارکنوں کو بدلنا ہے رشوت خور لوگ اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس طرح سے شریعت کی اس حیثیت کو نگاہ میں رکھیے کہ یہ پوری زندگی کا قانون ہے

کسی ایک پہلو کا نہیں، اور یہ ایمان سے لے کر معاملات
کے چھوٹے سے چھوٹے اجزاء تک حتیٰ کہ سڑکوں کی صفائی
تک سے بھی بحث کرتی ہے سڑک پر کوئی شخص کانٹے بچھاتا
ہے یا لوگوں کو تکلیف دینے والی چیز ڈالتا ہے، کوئی نجاست
پھینکتا ہے تو وہ ایک گناہ کرتا ہے ان سارے معاملات
پر شریعت حاوی ہے شریعت کے اس حاوی ہونے کے
پہلو کو نگاہ میں رکھنے کے بعد اب دیکھئے کہ اس نفاذ
کا کیا مطلب ہے

نفاذ شریعت کا مطلب

اس کے نفاذ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ
اپنے مدرسوں میں بیٹھ کر شریعت کی کتابیں پڑھیں یا سکھیں
نفاذ کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ آپ وعظوں میں اور تقریروں
میں اس کو بیان کریں۔ اپنے خطبوں میں اس کو بیان
کریں اس کے نفاذ کا مطلب یہ ہے کہ جو احکام شریعت
میں ہیں ان کو پوری طاقت سے نافذ کیا جائے جو کام
صدر مملکت کا ہے وہ اپنے دائرے میں اسے نافذ کرے
جو وزیر اعظم کے کرنے کا کام ہے وہ اپنے میں اسے نافذ
کرے۔ جو گورنروں اور صوبے کے وزراء کا کام ہے وہ
اپنے دائرے میں اسے نافذ کریں۔ جو مالیات کے محکمے
کا کام ہے، جو عدالت کے محکمہ کا کام ہے، جو اقتصادیات
کے محکموں کا کام ہے وہ سارے کے سارے شریعت
کے مطابق چلیں۔ یعنی کوئی ایک چیز نہیں ہے جو درکار
ہو بلکہ پوری کی پوری حکومت کا نظام، پورے کا پورا
تجارت وصنعت وحرفت واقتصادیات کا نظام پورے
کا پورا عدالتی اور معاشرتی نظام، سب کچھ اس کے مطابق
ہونا چاہیئے ہر چیز میں اس کو نافذ کرنا چاہیئے جو چیز کہ
محلے کے لوگوں کے نافذ کرنے کی ہے وہ نافذ کریں جو میونسپلٹی
کے نافذ کرنے کی ہے وہ نافذ کریں۔ جو چیز لیجسلیٹو اسمبلی کے کرنے کی
ہے وہ اپنے دائرے میں سے نافذ کرے۔ پوری کی پوری گورنمنٹ
اس کے مطابق ہونی چاہیئے۔ نہ یہ کہ کوئی شیخ الاسلام
بنا کر بٹھا دیا جائے یا وزارت مذہبی امور بنا دی جائے
اور سمجھ لیا جائے کہ شریعت کا نفاذ ہو گیا یہ کوئی بات
نہیں ہوئی پورے کے پورے نظام حکومت کو تبدیل
کر کے اسلام کے مطابق چلایا جائے اس کا نام ہے
نفاذ شریعت۔ ●●

حضرت ابوسعید اور حضرت جابر
رضی اللہ عنہما سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ غیبت زنا سے بھی
زیادہ سخت چیز ہے، صحابہ
نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ
کیسے ؟ آپ نے فرمایا آدمی
سے اگر زنا سرزد ہو جائے
اور اس کو توبہ کی توفیق
نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ
اس کی توبہ قبول کر لیتا
ہے (اور اس کا گناہ یوں معاف
ہو سکتا ہے) لیکن غیبت کرنے
والا اس وقت تک بخشا نہیں
جا سکتا جب تک کہ وہ شخص ہی
جس کی غیبت کی ہے خود معاف
نہ کر دے۔

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے آئینہ میں

مولوی کفیل الرحمٰن نشاط ایم۔اے

اخلاق سے لبریز طریقۂ تبلیغ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی خاطر مبارک خطوط جن مختلف بادشاہوں اور سرداروں کے نام روانہ فرمائے ان میں ایک خط روم کے بادشاہ قیصر کے نام بھی تھا قیصر روم جس کے ماتحت شام وغیرہ کے علاقے بھی تھے اور عرب کے سردار قیصر کے باج گذار اور ماتحت یہاں کے حکمراں تھے وہ اسلام کی روزافزوں ترقی اور فتوحات سے کھٹک گیا تھا کہ یہ طاقت ادھر بھی رخ کرے گی۔

قاصد نبوی حضرت حارث ابن عمیراز دیؓ کے شہید کیئے جانے پر آنحضورؐ نے تین ہزار کا لشکر شرجیل غسانی کی تنبیہ کیلئے بھیجا تھا یہ شرجیل قیصر کا باج گذار تھا اب مکہ مکرمہ اور حنین کی فتوحات کی خبریں قیصر اور شامی سرداروں کے کانوں تک پہونچیں تو ان کی گھبراہٹ خوف میں بدل گئی۔ انہیں اب اپنے اوپر حملہ کا اندیشہ ہوا اور اس کے تدارک کی خاطر انہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کا ارادہ کرلیا اور تیاریاں زور شور سے شروع ہوگئیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خطرناک اقدام اور تیاریوں کی اطلاع ہوئی تو آپنے وحی الٰہی کی روشنی میں ان دشمنوں کے ملک میں گھس کر ان سے دو دو ہاتھ کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ حنین و طائف کے معرکوں سے فارغ ہوئے زیادہ مدت نہیں گذری تھی اور تھکن ابھی پوری طرح دور بھی نہ ہو پائی تھی کہ غزوہ تبوک کی تیاری اور دشمنوں سے جنگ کا حکم ہوا فداکاران اسلام تن من دھن سے اس میں شرکت کیلیئے مستعد ہوگیئے یہ مدینہ منورہ میں کھجوروں کا موسم بہار تھا، درخت کھجوروں سے لدے ہوئے عجیب دل کش منظر پیش کررہے تھے۔ مگر اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی انہیں ان سے کہیں زیادہ محبوب تھی۔

چنانچہ رجب ۹ھ کو تیس ہزار کے لشکر جرار کے ساتھ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی سرحد کی طرف کوچ فرمایا۔ قیصر روم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پیش قدمی کا علم ہوا تو اس پر رعب طاری ہوگیا اور مقابلہ کی ہمت نہ ہوسکی، رومی فوجیں پیچھے ہٹ گئیں اور اسلامی لشکر شام کی سرحد پار کرکے مدینہ منورہ اور دمشق کے درمیانی مقام تبوک میں مقیم ہوگیا۔

بیس روز تک تبوک میں قیام رہا۔ اس دوران عیسائی قبیلوں کے سردار قیصر کی کمزوری اور مسلمانوں کی طاقت کا منظر دیکھ چکے تھے اس لیئے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدے کرلیئے۔

اس پیش قدمی اور قیصر کی مرعوبیت کا بہت اثر ہوا، سارے عرب میں مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اسلام کے مخالفین کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ یہ سوچکر کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر مسلمانوں کو یہ زبردست کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے

یا ماتحتی قبول کرلی غزوہ تبوک کے بعد اسی وجہ سے بکثرت وفود مدینہ منورہ پہونچے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان وفود کے ساتھ انتہائی اخلاق و مروت سے پیش آتے، خوش خلقی، فراخ دلی اور مہمان نوازی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے اور ان وفود کے افراد کو بہت قریب سے بانی اسلام اور اسلام کے خوبیوں کے معائنہ کا موقعہ مہیا فرماتے تھے۔

مسجد نبوی جیسے مقدس مقام میں اپنے نزدیک ان کو ٹھہرانے کا حکم ہوتا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے ان کے لئے کھانے کا انتظام فرماتے مسجد نبوی تک میں انہیں غیر مشرکانہ عبادت کی ان کے اپنے طریقہ کے مطابق اجازت دیدی جاتی۔

بعض بے وقوف اگر آداب و تہذیب کو بالائے طاق رکھکر اپنی نادانی کا مظاہرہ کرتے تو آنحضور صلی اللہ کی پیر اخلاق پیشانی پر بل نہ آتا اور ان کی خاطر تواضع میں کوئی کمی نہ کیجاتی۔

قبول اسلام کیلئے کبھی سختی نہ کی جاتی بلکہ کھلی چھوٹ تھی کہ اگر اسلام کی خوبیوں سے واقف ہو کر اسلام قبول کرنا چاہیں تو کرلیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تبلیغ و اخلاق عموماً موثر دلنشیں اور دلوں کی گہرائیوں میں اترنے والا ہوتا تھا۔ وفود کے لوگ جن کا مقصد قریب سے پرکھنا اور دور سے سنی ہوئی شہرت کی تصدیق ہوتی تھی جب قریب سے اسلام کی خوبیوں اور آنحضور کے اخلاق وکرم ملاحظہ کرتے تو خود بخود اسلام کی مقناطیسیت انہیں کھینچ لیتی اور وہ دل و جان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متوالے اور اسلام کے شیدائی بنجاتے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کی دلآویزی اور بانی اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کے زور سے پھیلا ہے۔ پوری تاریخ اسلام اس کی شاہد ہے

اخلاق و تواضع کی انتہا

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی خلیق و متواضع تھے مگر اول وہلہ میں آپ کو دیکھنے والا مرعوب ہوجاتا۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں لایا گیا تو وہ رعب نبوت سے کانپنے لگا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی گھبراہٹ اور خوف کو دیکھتے ہوئے انتہائی مشفقانہ اور پیرا اخلاق انداز میں فرمایا میں بادشاہ نہیں بلکہ ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو معمولی خوراک کھاتی تھیں۔

نری اردو کی کتابیں دیکھنے سے عالم نہیں ہوتا جب تک کہ ان کو کسی عالم سے سبقاً سبقاً نہ پڑھے جیسے طب کی کتابیں اردو میں ہونا کافی نہیں جبتک کسی حکیم کے یہاں مطب نہ کرے طب کی کتابیں دیکھنے سے جیسے کوئی حکیم نہیں بنتا اسی طرح دینیات دیکھنے سے دیندار نہیں بنتا جب تک کسی استاذ سے نہ پڑھے

(حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

جناب شہباز صدیقی امروہوی

ہر وقت میرے لب پہ ہے نام رسول پاک
ہے شغل میرا ذکر مدام رسول پاک

ردّ و قبول کا نہیں اس میں کوئی مقام
کافی ہے ہر جہت سے نظامِ رسول پاک

پڑھا اٹھتے کلمہ ان کی فصاحت کا بایقیں
سنتے اگر کلیم کلامِ رسول پاک

عیسیٰ پہنچ کے چرخ چہارم پہ رہ گئے
کیا دیکھتے وہ منظرِ بامِ رسول پاک

ہر چند خضر بادیہ پیما رہے مدام
پائی نہ پھر بھی طرز خرامِ رسول پاک

طے کر لیا اک آن میں صدیوں کا فاصلہ
اعجاز ہے یہ تیزئ گامِ رسول پاک

رہتی ہے ان کے رخ کی تجلی سے ضوفشاں
رشکِ صباحِ عید ہے شامِ رسول پاک

اللہ کی زبان سے ہے ان کا ہر سخن
شرحِ کلامِ حق ہے کلامِ رسول پاک

خاطر ہے ان کی ہر طرح اللہ کو عزیز
ہر کام پھر نہ کیوں ہو بکامِ رسول پاک

صلِّ علیٰ یہ حسنِ سلوک اور یہ خلوص
وحشی بھی آ کے ہوتے ہیں رامِ رسول پاک

تر دامنی سے دور ہیں سب ان کے بادہ خوار
پُر ہے مئے طہور سے جامِ رسول پاک

باقی بنا جو گم ہوا باقی کی ذات میں
کیا صاف ہے دلیلِ دوامِ رسول پاک

سایہ سے ان کے ظلِ ہما بھی ہے فیضیاب
روضہ پہ ہے جو خیلِ حمامِ رسول پاک

یہ آرزو ہے میری کہ آٹھوں پہر رہے
لب پہ مرے درود سلامِ رسول پاک

ہوتی نہیں ہوس میں کسی ملک کی کبھی
میداں میں بے نیام حسامِ رسول پاک

شہباز میں بھی سمجھوں کہ سلطان بن گیا
کہہ دے جو مجھ کو کوئی غلامِ رسول پاک

فقیہ اعظم عارف باللہ
قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح

از:- مولوی دلیل الرحمٰن انجم عثمانی (فاضل دیوبند)

خدائے عزوجل کچھ ہستیوں کو اپنی عنایت خاص سے نواز کر اس دنیائے آب و گل میں بھیجتا ہے، یہ خدا کے وہ بندے ہوتے ہیں جو اس کی بخشی ہوئی قوت صالحہ کے ذریعہ علم و عمل اور حق و معرفت کے آفتاب بن کر اپنی گہر باریوں اور ضیاء پاشیوں سے ایک عالم کو منور کر دیتے ہیں اور آنے والی نسلوں کے لیے حق کی راہیں روشن کر جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی یاد، ان کا تذکرہ، ان کی باتیں اور ان کا عمل بقائے عالم کے ساتھ لاینفک طور پر منسلک ہو جاتا ہے اور رہتی دنیا تک ایک عالم کے دل میں انکے لیے جذبۂ تقدس و احترام موجود رہتا ہے۔

خدا کے مقبول ترین بندوں اور ایسی ہی نہ بھلائی جانے والی ہستیوں میں سے حضرت مفتی اعظم قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی علیہ الرحمہ بھی تھے کہ جنہوں نے اپنے علم و عمل سے ایک دنیا کے لیے صداقت نیکی اور تقویٰ کی راہ روشن کر دی۔

حق و صداقت اور علم و عمل کا یہ گوہر بیش قیمت یہ آفتاب ضیاتاب تقریباً دو صدی قبل پانی پت کی تاریخی سرزمین سے طلوع ہوا اور حق تعالیٰ کی بخشی ہوئی قوت روحانی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا ہو کر راہ معرفت کے متلاشیوں کا رہبر بن گیا۔

مفتی اعظم قاضی ثناء اللہ بچپن سے ہی حلیم الطبع نیک اور دین کی جانب مکمل طور پر متوجہ تھے یہی وجہ تھی کہ آپ نے صرف سات سال کی عمر قلیل ہی میں قرآن کریم حفظ کر لیا اور سولہ سال کے سن صغیر تک ہی تمام علوم عقلیہ و نقلیہ بالاستیعاب پڑھ ڈالے۔ حصول علم شریعت کے ساتھ ساتھ آپ طریقت کی جانب بھی متوجہ تھے۔ یہی سبب ہے کہ آپ کی عمر ابھی زیادہ نہ تھی کہ آپ اس دور کے مشہور ولی اللہ حضرت محمد عابد سنامی علیہ الرحمۃ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور کسب کمال باطنی و فیوض روحانی کی تکمیل اتنی سرعت سے کی کہ خود مرشد عش عش کر اٹھے لیکن جلد ہی آپ کے مرشد اول رحلت فرما گئے ان کی رحلت کے بعد آپ حضرت مرزا مظہر جانجاناں قدس سرہ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے یہاں تک کہ حضرت شاہ صاحب نے آپ کو بیہقی وقت کا خطاب عطا فرمایا۔

خاندان و نسب

مفتی اعظم قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ خاندانی اعتبار سے بھی اس خاندان سے تعلق رکھتے تھے کہ جس میں علما و صلحا پیدا ہوتے رہتے تھے چنانچہ آپ خود رقمطراز ہیں کہ " در خاندان فقیر ہمیشہ علما شدہ آمدہ اند کہ در ہر عصر ممتاز بودند۔

نسب کے اعتبار سے آپ عثمانی، مذہب کے

اعتبار سے ... اور مسلک کے اعتبار سے مجددی
تھے۔ نسب اور خاندان دونوں اعتبارات سے آپ
ان خوش نصیب ہستیوں میں سے تھے کہ جن کے یہاں
پشتوں سے علم و شہرت و بزرگی چلی آتی ہے چنانچہ
افتا و قضا جیسے مہتم بالشان عہدوں پر آپ کے
آباء و اجداد فائز چلے آتے ہیں لیکن آپ کو عہدوں
اور شہرت سے کوئی رغبت نہ تھی اور کبھی آپ ان
منصبوں کو پانے کی کوشش تو درکنار بلکہ ان
کے ملنے کو بھی منجملہ دیگر آزمائشوں کے ایک ابتلاء
اور آزمائش تصور فرماتے تھے۔

کسقدر مبنی بر تقویٰ تھا آپ کا یہ خیال کہ
خداوند قدوس اپنے بندوں کو جہاں دیگر طرق
سے آزماتا ہے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کو مقتدر
بنا دیتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ایماندار صاحب
اقتدار کے لیئے عہدہ ایک آزمائش ہی ہے چنانچہ
وصیت نامے میں جہاں اور باتوں کی وصیت کی ہاں
یہ بھی تحریر فرمایا کہ "فقیر و برادر فقیر و پدر فقیر و جد
فقیر بخدمت قضا مبتلا شدند ......"۔

لیکن خدائے تعالیٰ کو اس قدر زبردست عالم
اور متقی سے اس عہدہ کا بھی کام لینا تھا جس کو وہ
ابتلا فرماتے تھے۔ چنانچہ جب آپ کا تبحر علمی اور تقویٰ
و دیانت کی خبر بادشاہ وقت کے کانوں میں پہنچی تو
اس نے باصرار تمام آپ کو منصب قضا سنبھالنے
کی گذارش کی آپ کسی طرح اس پر راضی نہ تھے لیکن خدمت
خلق کی خاطر اس ذمہ داری کو بھی قبول فرمایا اور اس
عہدۂ جلیلہ کو سنبھالنے کے بعد جو کارہائے نمایاں آپ
نے انجام دیئے وہ اپنی مثال آپ ہیں۔

تصنیفات: آپ ان قابل فخر اور لائق اتباع
قضاۃ میں سے تھے کہ جنہوں نے عہدہ قضا کی تمام
ذمہ داریوں کا حق نہایت مناسب طور پر پورا کرتے
ہوئے خدمت علم کی راہ کو ترک نہیں کیا مشہور ہے
کہ آپ کا عالم یہ تھا کہ دن بھر عوام کے مسائل نمٹاتے
فتاویٰ صادر کرتے فیصلے دیتے اور رات اشاعت
علم تصنیف و تالیف تعلیم و تعلم اور فیض روحانی
و ظاہری پر خرچ فرماتے آپ نے تذکرہ میں خود بھی
اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔
"عمر طویل در تحصیل علوم و افاضہ فیض ظاہر و باطن
و فصل خصومات و افتاء سوالات معروف بودند"
(تذکرہ صفحہ ۱۹۷)

آپ کے اس فرمان کا ثبوت یہ بھی ہے کہ آپ
کی مشہور و معروف تصانیف اسی زمانے کی ہیں
ویسے تو آپ کی تصانیف کی تعداد چالیس سے بھی زائد
ہے (السیف المسلول، ارشاد الطالبین، حقوق الاسلام
شہاب ثاقب، حرمت متعہ وغیرہ وغیرہ) لیکن سب سے
زیادہ مشہور و معروف تفسیر مظہری اور مالابد منہ ہیں
تفسیر مظہری کلام پاک کی بہت ضخیم تفسیر ہے تفسیر کیا
ہے علم کے موتی ہیں کہ جنہیں قاضی صاحب نے نہایت
خوبصورتی سے پرو دیا ہے، یہ تفسیر سات جلدوں
میں ہے (مکتبہ ندوۃ المصنفین دہلی نے اس کو بہت
اہتمام سے شائع کیا ہے اور بازار میں ملتی ہے) اس
تفسیر میں آپ نے تمام علوم و فنون سے بحث کی ہے
مگر تصوف اور فقہ پر زیادہ توجہ فرمائی ہے۔ اس کا
نام آپ نے اپنے پیر و مرشد مرزا مظہر جانجاناں
کے اسم مبارک پر رکھا ہے۔

مالابد منہ یہ مختصر ہے اور زبان فارسی میں ہے
یہ فقہ حنفی کا وہ جامع اور مبسوط رسالہ ہے کہ جس
کی تعریف میں ایک عالم رطب اللسان ہے، ہر جگہ درس
نظامی میں داخل ہے فقہ میں اس کو بنیادی حیثیت
حاصل ہے سب سے پہلے یہ کتاب ۱۲۸۰ھ میں شائع
ہوئی اور اس کے بعد سے مستقل شائع ہوتی
رہی ہے۔ اس کتاب پر ایک سے زائد حاشیے
ہیں لیکن مفتی عنایت اللہ پانی پتی مرحوم کے

حواشی زیادہ مقبول ہیں اس میں آپ کی وہ وصیت بھی ہے جس کو آپ نے ۸۰ سال کی عمر میں تحریر فرمایا تھا جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف آست با دوستان تلطف با دشمنان مدارا۔

اس وصیت سے آپ کے حسن معاشرت اور بلندی اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔

معاشرتی اور اخلاقی بلندی و پاکیزگی کے ساتھ آپ غایت درجہ کے متقی و عابد بھی تھے یہ تو بارہا ہوتا کہ عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے ساری رات عبادت خداوندی میں صرف فرماتے حتیٰ کہ سنت نبوی کی پیروی میں آپ کے پاؤں سوجھ جاتے۔

وفات

جس طرح خاور مشرق اپنی جلوہ ساماتیوں اور گہر افشانیوں کے بعد ایک وقت مقررہ پر او جھل ہو جاتا ہے اسی طرح نور و معرفت تقویٰ و ریاضت علم و ہنر کا یہ سورج کہ جس نے ہزارہا دلوں کو روشن اور ہزاروں دماغوں کو اپنے علم کے فیضان سے جلا بخشی یکم رجب ۱۲۳۵ھ کو عالم فانی سے عالم بقا میں روپوش ہو گیا (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اپنے علم و تدبر فہم و تقویٰ سے موجودہ اور آنے والی نسلوں کی دین سعید کی جانب رہنمائی کر گیا۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں مقام عالیہ عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کے اسوہ حسنہ پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی
میرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک
(اقبال)

◇

لوگوں کا یہ خیال کہ ثواب مُردوں ہی کو پہنچتا ہے غلط ہے بلکہ زندوں اور آئندہ آنیوالوں سب کو پہنچتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان زندہ اور مردہ سب یکساں ہیں جسکو ثواب پہونچاؤ اس کو پہونچتا ہے پہونچانے والوں کو اختیار ہے کہ چاہے زندوں کو پہونچائیں یا مردوں کو مگر ایسا ثواب نہیں پہونچتا جیسا جاہل گمان کرتے ہیں اگر ٹھنڈی چیز دو تو مردے کو ٹھنڈک پہونچتی ہے اور گرم دو تو گرمی کا اثر ہوتا ہے جیسا کسی پیر کی فاتحہ گرم کھیر پر دی تھی تو پیر نے کہا کہ میری زبان میں چھالا پڑ گیا یہ بالکل غلط ہے اور میں اس کی غلطی آج ہی ثابت کر دوں گا زندوں کو ثواب پہونچنا تو ثابت ہے پس اس کا امتحان ابھی کر لو کوئی گرم گرم کھانا کسی زندہ پیر کو بخشو اس کا منہ کھول کر دیکھو کہ چھالے پڑے یا نہیں اب محرم کا مہینہ قریب آتا ہے لوگ شربت کی سبیلیں جابجا مقرر کریں گے تو شربت کی تخصیص کیوں کرتے ہو اسی خیال سے کہ شہدا انبک پیاسے انتقال فرما گئے تھے شربت سے اُن کو تسکین ہو گی تو صاحبو کیا آپ کے نزدیک شہدا انبک پیاسے ہیں اور ابھی تمہارے شربت کے پیاسے ہیں۔ استغفروا اللہ انھوں نے تو مرتے ہی حوض کوثر کا وہ شربت پیا ہے کہ جس سے پیاس کا نام بھی نہیں رہا۔

(حضرت تھانویؒ)

پہلی تصویر

۱۱ نومبر ۱۹۷۶ء کے انڈین ایکسپریس دہلی کے ایک مضمون سے :

صدر فورڈ الیکشن ہار گئے اور جنوری ۱۹۷۷ء میں انہیں وہائٹ ہاؤس چھوڑنا پڑیگا اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ کے سابق صدر فورڈ کا ذاتی اثاثہ جائیداد اور سرمایہ سوا تین لاکھ ڈالر ہے۔ امریکہ کا صدر اپنی صدارت کے دوران وہائٹ ہاؤس میں شاہانہ زندگی بسر کرتا ہے، اس کے علاوہ اسے دو لاکھ ڈالر سالانہ تنخواہ ملتی ہے اور جب وہ صدارت سے علیحدہ ہوتا ہے تو اسے پینشن کے جو فائدے حاصل ہوتے ہیں اس کی مجموعی رقم ایک لاکھ ڈالر ہوتی ہے صدارتی پینشن ایکٹ کے مطابق صدر فورڈ کو ۶۳ ہزار ڈالر سالانہ پینشن ملے گی، مزید برآں ۲۵ سال تک امریکی کانگریس کی خدمت انجام دینے کے صلے میں وہ ساڑھے چالیس ہزار ڈالر سالانہ پائیں گے اگر صدر نے صدارت کے فرائض سے سبک دوش ہونے کے بعد دوسرا متبادل کام کرنا قبول کر لیا تو مزید چھتیس ہزار نو سو تئیس (۳۶۹۲۳) ڈالر سالانہ ملیں گے۔

ایک دوسرے قانون کی رو سے پینشن پر جانے کے بعد پہلی ششماہی میں انہیں دس ہزار ڈالر ملیں گے وہ جہاں پسند کریں امریکہ میں اپنا دفتر قائم کر سکتے ہیں عبوری مدت گذرنے کے بعد انھیں مستقل طور پر اسٹاف کی تنخواہ ادا کرنے اور دوسرے مصارف کے لیے ۹۶ ہزار ڈالر سالانہ ملیں گے۔ صدر اور انکی بیوی کو تا زندگی خفیہ حفاظتی خدمت بہم پہنچائی جاتی رہے گی۔

کوئی حساب لگا کر دیکھے کہ امریکہ نے عوامی خزانہ سے صدر پر کتنی رقم خرچ کی جاتی ہے۔ مگر چھوڑیئے یہ تو سرمایہ دار اور سرمایہ پرست ملک کے صدر کا حال ہے۔ آیئے دوسری تصویر دیکھیں۔

دوسری تصویر

ماہنامہ تحریک نئی دہلی دسمبر ۱۹۷۶ء کے اداریہ کا اقتباس :-

کریملن کے قریب ہی دو سلسلہ ہائے عمارت کو چھوڑ کر گرانوؤسکی اسٹریٹ ہے۔ یہاں ایک عمارت پر لکھا ہوا ہے۔ "ماسیوں کا بیورو" یہاں کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اسٹاف اور ان کے اہل و عیال کو ہی پاس ملتے ہیں اور جب وہ بیورو سے باہر نکلتے ہیں تو ان کے پاس بڑے بڑے لفافے اور پیکٹ ہوتے ہیں جنہیں لیکر وہ شاندار گاڑیوں میں، جن کو ڈرائیور چلاتے ہیں، بیٹھ جاتے ہیں۔ اس عمارت کے آگے یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ یہاں کسی کو گاڑی کھڑی کرنے کی

اجازت نہیں ہے لیکن شوفر وہاں بڑے اطمینان سے گاڑیاں کھڑی کر کے مالکوں کے منتظر ہوتے ہیں۔ ملک میں کتنی ہی قلت ہو لیکن کمیونسٹ اشرافیا کو کوئی پیش نہیں آتی اس عمارت میں جس پر پردہ پوشی کے لیے صرف پانسوں کا بیورو لکھا ہوا ہے ہر چیز دستیاب ہو جاتی ہے بعض سٹور سوویٹ اشرافیا کو غیر ملکی اشیا بھی مہیا کرتے ہیں۔ مثلاً اسکاچ وسکی، امریکی سگریٹ، برآمد شدہ جاکایٹ اطلی کی ٹائیاں برطانیہ کے اونی کپڑے فرانس کے عطر اور جاپان کے ٹیپ ریکارڈر۔ اشرافیا کو پکے پکائے کھانے بھی بند پیکٹوں میں مہیا کیے جاتے ہیں۔ یہ کھانے اتنے لذیذ ہوتے ہیں کہ عام لوگ ایک مخصوص طعام گھر میں صرف اسلیے پہنچ جاتے ہیں کہ وہاں اشرافیا کو مہیا کردہ خوراک کی جھوٹن مل جاتی ہے۔

کمیونسٹ پارٹی کے پولٹ بیورو کے لیڈروں پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے ممبروں کیبنٹ منسٹروں اور سپریم سوویٹ کو چلانے والے ایگزیکٹیو گروپ کو کریملن راشن ملتا ہے۔ کریملن راشن سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں اور ان کے پورے خاندان کو مہینہ بھر کے لیے خوب شاہانہ خوراک ملتی ہے۔ حالانکہ ایک شہری خاندان کو، جو چار افراد پر مشتمل ہو، اپنی خوراک پر ۱۸۰ روبل سے ۲۸۰ روبل تک خرچ کرنے پڑتے ہیں، جو اس خاندان کی نصف آمدنی کے برابر ہوتی ہے۔

مرکزی کمیٹی کے ایک سابق افسر نے برطانوی جریدے "سروے" میں لکھا تھا کہ پارٹی کے اعلیٰ لیڈروں کے لیے دو قسم کے راشن کارڈ ہوتے ہیں ایک وہ جن کی قیمت ۳۲ روبل ہوتی ہے اور دوسرے وہ جن کی قیمت ۱۶ روبل لیکن اس کا کہنا تھا کہ اس سے ان کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ کیونکہ انہیں کرنسی کی قیمت کے مطابق نہیں بلکہ اس کے متراد فِ سونے کی قیمت کے مطابق مہیا کی جاتی ہیں۔ اس سے ان کی قیمت پندرہ سے بیس گنا تک بڑھ جاتی ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کے اعلیٰ عہدے داروں کو ۴۸۰ ڈالر سے ۸۰۰ ڈالر تک کی اشیاء مفت مل جاتی ہیں۔

سوویٹ یونین میں کسی کی مقررہ تنخواہ سے اس کی حقیقی آمدنی یا اس کی مالی حیثیت کا اندازہ لگانا ممکن نہیں بریژنیف کی تنخواہ صرف ۹۰۰ روبل ماہانہ بتائی جاتی ہے لیکن اس کے علاوہ در پردہ طور پر جو سہولتیں اسے ملتی ہیں ان کا اندازہ لگانا۔ ایک عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ یہی بات باقی کمیونسٹ اشرافیا کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے صرف یہی نہیں کہ انہیں کچھ ایسی سہولتیں ملتی ہیں جنہیں سوویٹ روس میں پیسے سے کھلے بازار میں خریدا نہیں جا سکتا بلکہ بڑے بڑے افسروں کو ان کی تنخواہوں کے علاوہ ایسی تنخواہیں بھی دی جاتی ہیں جن کا انکشاف نہیں کیا جاتا عام ضروریات کی چیزیں بھی چھوٹے بڑوں کو یکساں طور پر دستیاب نہیں ایک روسی لڑکی نے جب اپنی ماں سے پوچھا کہ امیر اور غریب میں کیا فرق ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ "امیر آدمی سال بھر ٹماٹر کھا سکتے ہیں ہمیں صرف گرمیوں میں ملتا ہے"۔

تیسری تصویر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پورے جزیرۃ العرب کے سربراہ تھے اور ان کے عہد خلافت میں عراق و شام کے بھی بعض علاقے فتح ہو چکے تھے حیرہ کی سلطنت جو عربی سلطنتوں میں ایک پر شکوہ سلطنت سمجھی جاتی ہے، فتح ہو چکی تھی اور شام میں اسلامی فوجیں دمشق تک پہنچ چکی تھیں لیکن عوامی خزانے۔ بیت المال سے

انہوں نے کچھ لینا پسند نہیں کیا اور کپڑوں کے تھان
کندھے پر لاد کر اسے فروخت کرنے کے لیے نکلے
(حضرت ابوبکرؓ خلافت سے پہلے کپڑوں کی تجارت
کرتے تھے) راستے میں حضرت عمرؓ و حضرت ابوعبیدہؓ
سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں نے پوچھا اس
حال میں کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ کہا بازار
جا رہا ہوں۔ جواب ملا آپ پر خلافت کا بار ہے
واپس چلیے ہم لوگ آپ کے لیے بیت المال سے
کچھ وظیفہ مقرر کر دیں گے۔ صحابہ کرام نے مشورہ
کر کے ان کے لیے اور ان کے اہل و عیال کے لیے
کھانے کپڑے کا انتظام کر دیا۔

انہوں نے اپنی تمام دولت راہ خدا میں لٹا دی
تھی یہاں تک زمانہ خلافت میں ان پر بیت المال
کا چھ ہزار درہم (ڈھائی تین ہزار روپے) قرض
چڑھ گیا جب وفات کا وقت قریب آیا تو وصیت
کی کہ میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کا قرض ادا کر دیا
جائے۔ حضرت عائشہؓ سے انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ
جب سے خلافت کا بار میرے سر پر آیا ہے میں نے
معمولی سے معمولی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑے
پر قناعت کی ہے مسلمانوں کے مال۔ بیت المال۔
میں سے میرے پاس، ایک حبشی غلام، ایک اونٹ
اور اس پرانی چادر کے سوا کچھ نہیں ہے میرے
بعد یہ تمام چیزیں عمر بن الخطاب کو واپس دے کر
ان سے بری ہو جانا ان کی وفات کے بعد جب
یہ چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچیں تو خلیفہ دوم
کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے رو کر بولے
ابوبکر خدا تم پر رحم کرے۔ تم نے وفات کے
بعد بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی
کا موقع نہ دیا۔ یہ تھے اسلامی نظام حکومت کے
پہلے خلیفہ، خلیفہ راشد۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد
خلافت میں روم و ایران کی وسیع سلطنتیں بھی
فتح ہو چکی تھیں اور قیصر و کسریٰ کے خزانے حضرت
عمرؓ کے مٹھی میں تھے لیکن اپنی خلافت کے ابتدائی چند
برسوں میں خزانے سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا حالانکہ
زندگی بڑی تنگی سے بسر کر رہے تھے۔ آخر صحابہ
نے ان کی تنگ دستی دیکھ کر بیت المال سے تھوڑی
سی تنخواہ مقرر کر دی یہ تنخواہ کیا تھی؟ وہ اپنے بچے
کنبے کے لیے روزانہ صرف دو درہم لیتے تھے یعنی
تقریباً ایک روپیہ روز۔ اس تنخواہ سے ان کی
زندگی جس طرح بسر ہوتی تھی اس کے چند واقعات
یہاں پیش کرنا مناسب ہوگا۔

ایک بار عتبہ بن فرقد نے حضرت عمر کے ساتھ کھانے
میں شریک ہوئے۔ ابلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی
کے ٹکڑے سامنے تھے۔ وہ بمشکل اس کو حلق سے
نیچے اتار رہے تھے حضرت عمرؓ نے ان کا یہ حال دیکھ
کر کہا کہ اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ۔ ان سے
نہ رہا گیا۔ کہنے لگے امیر المومنین اگر آپ اپنے
کھانے کپڑے پر کچھ زیادہ صرف کریں تو مسلمانوں
کا مال کم نہیں ہوگا۔ انہوں نے جواب دیا افسوس
تم مجھے دنیوی عیش و تنعم کی ترغیب دے رہے ہو۔

ایک دفعہ ربیع بن زیاد حارثی نے کہا امیر المومنین
آپ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے اس کے لحاظ سے
آپ دنیا میں سب سے زیادہ عیش و نشاط کی زندگی
کے مستحق ہیں۔ حضرت عمر بہت خفا ہوئے اور فرمایا
میں قوم کا امین ہوں، امانت میں خیانت کب
جائز ہے۔

کپڑے پھٹ جاتے تھے لیکن اس خیال سے
کہ بیت المال پر ان کا بار زیادہ نہ پڑے اس میں
پیوند لگاتے رہتے تھے۔ حضرت حسن بن علیؓ کا
بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر جمعہ کے روز
خطبہ دے رہے تھے میں نے شمار کیا تو ان کے

تہہ بند پر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے۔ حضرت انس بن مالک کا بیان ہے میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ ان کے کرتے کے مونڈھے پر تہہ بہ تہہ پیوند لگے ہوئے ہیں۔

ایک دفعہ ابوموسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو وہاں صرف ایک درہم پڑا ہوا تھا انہوں نے یہ سوچ کر کہ یہ ایک درہم یہاں کیوں پڑا رہے اٹھا کر حضرت عمر کے ایک صاحبزادے کو دیدیا حضرت عمر کو معلوم ہوا تو انہوں نے وہ درہم پھر بیت المال میں داخل کرا دیا اور ابوموسیٰ اشعری کو بلا کر کہا افسوس تم کو مدینہ میں خاندان عمر کے سوا کوئی کمزور اور مفلس نظر نہیں آیا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدیہ کا مطالبہ میری گردن پر ہو۔

ایک دفعہ بازار میں ایک نہایت فربہ اونٹ فروخت ہوتے ہوئے دیکھا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ان کے بیٹے عبداللہ کا ہے ان سے پوچھا یہ اونٹ کیسا ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیجدیا تھا۔ اب موٹا ہو گیا ہے تو فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمر نے کہا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لیے تم صرف اتنی قیمت کے مستحق ہو جتنے میں تم نے خریدا تھا باقی رقم انہوں نے اپنے بیٹے سے لیکر بیت المال میں داخل کر دی۔

ایک دفعہ بیمار ہوئے اور طبیبوں نے شہد تجویز کیا بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بااختیار خود اس کو استعمال کرنا پسند نہیں کیا بیماری ہی کی حالت میں مسجد آئے اور مسلمانوں کو بلا کر اجازت طلب کی جب انہوں نے اجازت دے دی تو وہ شہد استعمال کیا ایک دفعہ مال غنیمت میں بہت سے زیورات آئے حضرت عمر کے صاحبزادے نے اس میں سے ایک انگوٹھی مانگی حضرت عمرؓ خفا ہوئے اور ان کو کچھ نہیں دیا۔

بار ہا سفر کا اتفاق ہوا لیکن خیمہ و خرگاہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ درخت کا سایہ شامیانہ اور فرش خاک بستر تھا ایک دفعہ اپنے ایام خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے، ایک غلام کو گدھے پر سوار جاتے دیکھا، چونکہ تھک گئے تھے اس لیے ساتھ بٹھا لینے کی درخواست کی۔ وہ مسرت کے ساتھ گدھے سے اتر گیا اور ان کے سامنے اسے پیش کر دیا۔ حضرت عمر نے کہا۔ میں تمہیں تکلیف دینا نہیں چاہتا تم جس طرح سوار تھے سوار ہو جاؤ میں تمہارے پیچھے بیٹھ لوں گا۔ اسی حالت میں مدینہ میں داخل ہوئے۔ مدینہ کی گلیوں میں امیرالمومنین کو لوگ ایک غلام کے پیچھے بیٹھے ہوئے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ چونکہ "غنی" تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنے ایام خلافت میں بیت المال سے ایک پیسہ بھی نہیں لیا اس کے برعکس جب سے اسلام قبول کیا اور مدینہ تشریف لائے اس وقت سے لیکر وفات تک، اسلام کی خدمت اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے اپنی لاکھوں کی دولت لٹا دی حضرت عثمان ایک بڑے تاجر تھے اور اپنی تجارت سے انہوں نے لاکھوں کی دولت کمائی تھی لیکن ان کی اپنی زندگی سادہ تھی اور سب کچھ اسلام کی خدمت کے لیے تھا۔ آخرت کا خوف اتنا غالب تھا کہ قبر کو دیکھکر اسقدر روتے کہ آنسوؤں سے داڑھی تر ہو جاتی تلاوت قرآن سے بے حد شغف تھا شہادت کے وقت بھی قرآن کی تلاوت کر رہے تھے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروع ہی سے زاہدانہ زندگی اختیار کی تھی اور خلافت کے بعد بھی اس میں کوئی فرق نہیں آیا خلیفہ مقرر ہوئے تو بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر ہو گیا اور اس پر زندگی کے آخری لمحے تک قائم رہے۔ دنیا کی جھوٹی نمائش اور اس کے چند روزہ عیش کو حضرت علی مرتضیٰ نے ہمیشہ حقارت کی نظر سے دیکھا کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمر بن الخطاب نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ مجھے بھی اس کی حاجت نہیں میدان میرے لیے بس ہے۔ موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی بڑی نعمت تھی۔ ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نام کے ایک صاحب شریک طعام ہوئے دسترخوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا انہوں نے کہا امیر المومنین آپ کو پرند کے گوشت کا شوق نہیں ہے؟ فرمایا ابن زریر خلیفۂ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے۔ ایک خود کھائے اور اہل عیال کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کر دے۔

دروازے پر نہ کوئی حاجب تھا، نہ دربان، غرض عین اس وقت جب کہ کسریٰ کی شاہنشاہی مسلمانوں کے لیے زر و جواہر اگل رہی تھی اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور داد و دہش کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی نوبت آجاتی تھی ایک دفعہ ممبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم میرے پاس ایک تہبند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا۔ امیر المومنین میں تہبند کی قیمت قرض دیتا ہوں۔

حضرت ام کلثوم کا بیان ہے کہ ایک بار۔ بیت المال میں نارنگیاں آئیں۔ امام حسن، امام حسین نے ایک نارنگی اٹھالی۔ جب امیر نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔

بتایئے ـــــــ آپ کو ان تین تصویروں میں سے کونسی تصویر پسند آئی۔؟

اور دنیا میں امن و سلام اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے کونسی تصویر کو نمونہ بنایا جاسکتا ہے۔؟

یقین رکھیئے جب تک سلطنت اور اس کے ذرائع و وسائل کو خدا کی امانت قرار دے کر قانون الٰہی کے ماتحت انھیں استعمال نہیں کیا جائے گا۔ دنیا میں امن و عدل کی بہار نہیں آئے گی۔

ایک سلسلۂ گفتگو میں نہایت شد و مد کے ساتھ فرما رہے تھے۔

”جیسے بھی ہیں ہیں علماء کے وجود کو دین کی بقاء کے لیے اس درجہ ضروری سمجھتا ہوں کہ اگر سارے علماء ایسے مسلک کے بھی ہو جائیں جو مجھے کافر کہتے ہیں تو میں پھر بھی انکی بقاء کیلئے دعا مانگتا رہوں کیونکہ گو وہ بعض مسائل میں غلو کریں اور مجھکو برا کہیں لیکن وہ تعلیم تو قرآن و حدیث ہی کی دیتے ہیں انکی وجہ سے دین تو قائم ہے۔ میں ان دہری مدعیان اسلام کے مقابلہ میں ہزار درجہ غنیمت سمجھتا ہوں جو سرے سے دین ہی کو اڑانا چاہتے ہیں اور خدا جانتا ہے کہ اس وسعت رائے میں میری کوئی ذاتی مصلحت نہیں بلکہ اسکا منشا حفظ حدود ہے۔“ (اشرف سوانح حصہ اول)

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ

تابندہ ستارے

از
مولوی کفیل الرحمٰن نشاط (فاضل دیوبند، ایم ۔ ۔)
دارالافتاء دارالعلوم دیوبند ———

دارالعلوم دیوبند کے فرزندوں

نے علم و عمل، حریت فکر، جذبۂ حب وطن کے جو چراغ روشن کئے اس نے افرنگیوں کی بنیادیں ہلا دیں اور اور آخر کار انہیں راہ فرار اختیار کرنی پڑی۔

علمی، تصنیفی، سیاسی و ملی خدمت کرنے والے ایسے فرزندانِ دارالعلوم کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے ہم ان میں سے چند کا مختصر ذکر کرکے ان خدمات کی ہلکی سی جھلک دکھانا چاہتے ہیں۔

حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم کے اولین سربراہوں میں سے ایک ہیں ممتاز عالم، مفکر، مدبر، شاہ ولی اللہؒ کے مسلک کی اشاعت تصانیف، اور تقریروں کے ذریعہ فرماتے اور عقائد دین کی اساس عقلی دلائل سے مضبوط کرتے رہے۔ عیسائیوں اور بڑے بڑے پادریوں سے ان کے مناظرے مشہور ہیں۔ ہمیشہ پادریوں کو ان کے ہاتھوں منہ کی کھانی پڑی۔

سیاسی اور ملکی خدمت کا موقعہ آیا تو اس میدان میں بھی پیش پیش رہے ۱۸۵۷ء کے مشہور انقلاب میں عملی اور قائدانہ حصہ لیا۔ شاملی کی جنگ میں سپاہیانہ جوش سے سرشار میدان کارزار میں موجود تھے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ

اپنے وقت کے زبردست فقیہ محدث اور امام تصوف، آپ بہت سے علوم کے جامع اور زہد و تقویٰ کا پیکر تھے۔ آپ سے علمی استفادہ کرنے والوں کی تعداد سینکڑوں اور آپ کے فیضان توجہ سے راہ ہدایت پانے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہونچتی ہے

یہ اس ادارہ کی خصوصیت رہی ہے کہ ہمیشہ اس کے فرزند علمی خدمات کے ساتھ سیاسی و ملکی خدمت کے لیے مستعد رہے۔ حضرت گنگوہیؒ جیسے یکسو اور علمی مشاغل میں مصروف شخص کے متعلق بظاہر سیاسی امور میں حصہ لینے کا گمان نہیں ہوتا تھا۔ مگر معاملہ اس کے برعکس ثابت ہوا ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں اور بزرگوں کے ساتھ افرنگ کے خلاف یہ بھی سینہ سپر رہے حتیٰ کے نو ماہ تک جیل کی صعوبتیں بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔

حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نانوتویؒ کے ممتاز شاگرد، محدث فقیہ مفسر اور اپنے استاذ کے علوم کے ترجمان، آپ نے بیک وقت درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور حریت ملک و قوم کی خدمات انجام دیں ریشمی رومال کی مشہور تحریک اسی بوریہ نشین نے چلائی جس کے بارے میں لوگوں کو اس قدر سیاسی بصیرت اور قائدانہ فراست کا گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔

آپ نے اس تحریک کے جرم میں پانچ برس مالٹا میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں علمی تالیفات میں سب سے زیادہ مشہور ترجمہ قرآن شریف ہے۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی رح

دارالعلوم کے اولین سربراہوں میں سے ایک حضرت مولانا فضل الرحمان صاحب دیو بندی کے صاحبزادہ، حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دیو بندی کے خلیفہ مجاز آپ کے جلالین شریف وغیرہ کا درس مشہور تھا

دارالعلوم دیو بند میں جب باقاعدہ دارالافتاء قائم ہوا اور اس کے لیے ایک مفتی کی ضرورت محسوس ہوئی تو بالاتفاق سب کی نگاہ انتخاب حضرت ممدوح پر پڑی اور عرصۂ دراز تک اپنی خدا داد فتویٰ نویسی کی صلاحیت سے لوگوں کو مستفید فرماتے رہے۔

آپ کے اور آپکے خلفاء حضرت مولانا قاری محمد اسحٰق صاحب میرٹھی اور حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی کے ذریعہ نقشبندیہ سلسلہ کی کافی اشاعت ہوئی سیکڑوں لوگوں کی اصلاح ہوئی۔

آپ اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، خدا ترسی بیکس نوازی، غرباء پروری خدمت خلق میں بزرگان سلف کی یادگار اور دارالعلوم دیو بند کے ان مایہ ناز فضلاء میں سے تھے جن کا ذکر خیر دارالعلوم کے ذکر کے ساتھ ہوتا رہیگا

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رحمتہ اللہ علیہ

دارالعلوم دیو بند میں صدر مدرس کے عہدہ پر سرفراز رہے حضرت شیخ الہند کے خاص شاگردوں میں آپ بھی ہیں قوت حافظہ اور وسعت مطالعہ آپ کی نظیر نہ تھی لوگ انھیں چلتا پھرتا کتب خانہ کہا کرتے تھے درس حدیث تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کا آئینہ دار ہوتا تھا۔

آپ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ عہد حاضر کے اکثر و بیشتر ممتاز علماء و فضلاء آپ کے خوشہ چینوں میں ہیں۔ کئی معرکتہ الآراء کتابیں آپ کی علمی یادگار ہیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی رح

دارالعلوم دیو بند کے مہتمم اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے ممتاز فرزندوں میں سے تھے

منجھی جسم کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے فہم و ذکاوت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی آپ کے فضل و کمال اور فہم و دانش کی بنا پر کہا جاتا تھا کہ آپ بادشاہت یا وزارت کے اہل تھے۔ دارالعلوم دیو بند کو آپ نے اپنی دانشوری اور نگاہ دوررس سے بہت فائدہ پہونچایا۔

آپ کا علم تواضع، مروت و تحمل مشہور رہے۔ کئی کتابیں آپ کے علم و فضل کی یادگار ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رح

حضرت شیخ الہند (مولانا محمود الحسنؒ) کے قابل اعتماد شاگرد، انتہائی ذکی و ذہین۔ زبردست عالم اللہ تعالیٰ نے بیک وقت قوت تحریر و تقریر سے نوازا تھا۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد اول دارالعلوم مسجد فتح پوری میں صدر مدرس کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں پھر ڈابھیل گجرات بحیثیت شیخ التفسیر تشریف لے گئے آخری دور میں دارالعلوم کے صدر مہتمم بھی رہے

آپ کے علمی کارناموں میں مشہور عربی شرح — "فتح الملہم" اور وہ تفسیری فوائد ہیں جو حضرت شیخ الہند کے انتقال کے باعث ادھورے رہ گئے تھے اور انہیں آپ نے پایۂ تکمیل کو پہونچایا۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رح

حضرت شیخ الہند کے مخصوص شاگردوں میں سے ایک، علم و فضل کے دریا اور حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء

محاذین میں سے تھے

حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ ڈابھیل تشریف لے گئے تو دارالعلوم کے لیے صدر مدرس اور محدث کی ضرورت محسوس ہوئی۔ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نگاہ انتخاب آپ پر پڑی اور آپ کو ۱۳۴۴ھ میں عہدۂ صدر مدرس پیش کیا گیا۔ آپ کا درس بخاری و ترمذی مشہور تھا۔

اپنے استاذ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ نے بھی تحریک آزادی میں پورا حصہ لیا کئی مرتبہ جیل گئے۔

آپ بحیثیت علم و فضل، جفاکشی و جرأت والوالعزمی دارالعلوم کے ممتاز فرزندوں میں سے تھے۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

فقیہ، محدث، عارف باللہ، مصنف، مقرر آپ کے شمار ان عظیم و یکتا افراد میں ہے جو لاکھوں اور کروڑوں میں ایک پیدا ہوتا ہے۔

تشنگان علوم و معرفت اور گم کردہ راہ لوگوں کو جسقدر فائدہ آپ کی ذات اور آپ کی تصانیف اور دل نشیں مواعظ سے پہونچا اس کی نظیر ملنی مشکل ہے ہندوستان کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں پہونچکر وعظ و تبلیغ کی خدمت انجام نہ دی ہو۔

آخر میں خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں قیام فرمایا تو ایک ہزار کتابوں اور بیعت و ارشاد کے ذریعہ لوگوں کے ظاہر و باطن کی اصلاح فرمانے میں دریغ نہیں کیا۔

آج بھی آپ کی تالیفات و تصانیف کا فیض عام ہے

حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ

حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص شاگردوں میں سے تھے غیر معمولی ذکی و ذہین اور قوی الحافظہ تھے۔ فطرتاً سیاسی صلاحیت موجود تھی حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت نے اس صلاحیت کو جلا بخشی اور ریشمی رومال کی مشہور تحریک آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ افغانستان کی اسکیم آزادی آپ ہی کے ذہن رسا کا کرشمہ تھی

حضرت مولانا محمد میاں صاحب منصور انصاریؒ

حضرت نانوتویؒ کے نواسے، حضرت شیخ الہندؒ کے قابل اعتماد شاگرد۔

ابتداءً حضرت شیخ الہند کے علمی کاموں میں معاون رہے پھر جب حضرت شیخ الہند نے تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا اور مکمل تحریک چلائی تو اس میں آپ کے دست راست اور رفیق و راز دار بن گئے

ریشمی خط حجاز پشاور لے جانے والے آپ ہی تھے برطانوی حکام کی جد و جہد کے باوجود۔ آپ ان کے قبضہ میں نہ آسکے اور افغانستان پہونچنے میں کامیاب ہو گئے ریشمی خط جہاں پہونچانا تھا پہونچا دیا گیا۔ انقلاب کابل کے وقت آپ وہیں موجود تھے

بچہ سقہ کی چند روزہ حکومت میں کابل سے چلے جانے کا حکم ہوا، آپ کسی نہ کسی طرح کابل سے روپوش ہو کر سرحد روس میں داخل ہو گئے اس دوران افغانستان میں انقلاب آیا اور جنرل نادر شاہ برسر اقتدار آگئے انہوں نے مولانا کو عقیدت کے ساتھ پھر کابل بلا لیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ آپ کو ہندوستان آزاد ہوتے ہی ہندوستان لانا چاہتے تھے مگر یہ مہاجر عالم آزادی ہند سے چند ماہ پیشتر ہی اپنے رب سے جا ملے۔

چند لمحات آقائے کونین صلعم کے ساتھ

مفتی فضیل الرحمن

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ عَنْهَا، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتَّى ظَنَنْتُ سَيُوَرِّثُهُ۔

●

حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جبرئیلؑ مجھے پڑوسی کیساتھ حسن سلوک کی اس طرح مسلسل تاکید کرتے رہے کہ مجھے گمان ہونے لگا شاید وہ اس کے بارے میں میراثؔ میں شرکت کا حکم لانے ہی والے ہیں۔

●

پڑوسی سے حسنِ سلوک کی ہدایت پر مشتمل روایات بہت سی ہیں۔ مگر تنہا یہی روایت یہ احساس دلانے کے لیے بالکل کافی ہے کہ ہمسایوں سے اچھے سلوک کی تاکید حضورؐ کس شد و مد، کس تکرار و اصرار اور کس انداز پرواز میں کرتے رہے ہوں گے۔

وہ تو کہئے کہ میراث کا قانون اور ہی اصولوں پر قائم ہے اور ہمسایوں سے حسن سلوک کا حق ان اصولوں سے نہیں لگ سکتا اس لیے ہمسائے وراثت میں شریک نہیں کئے گئے مگر ہمسایوں سے حسن سلوک کی اہمیت اس درجہ شدید ہے کہ حضورؐ نے قسم کھا کر فرمایا۔

"خدا کی قسم وہ شخص مومن نہیں ہو سکتا جس کے شر سے اس کا ہمسایہ محفوظ نہ ہو"

اس سے بڑھ کر اہمیت کے اظہار کا طریقہ اور کیا ہو گا۔

غور کیجئے کہ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی کا ہمسایہ ہے اور اگر ہمسایوں سے حسن سلوک کی ہدایات پر عمل کیا جائے تو کس طرح معاشرے کے تمام افراد میں باہم دگر محبت اور دوست داری کے رشتے استوار ہو سکتے ہیں مثال سے سمجھنا چاہیں تو شہر بھر میں پھیلے ہوئے بجلی کے بیچ در بیچ تاروں پر نظر کریں جو ہزاروں شاخوں میں منقسم ہونے کے باوجود ایک ہی مرکزی تار سے جڑے ہوئے ہیں، اور وہیں سے ان سب میں کرنٹ تقسیم ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح معاشرے کے تمام خاندان، کنبے، افراد اپنی گوناگوں شاخوں کے باوجود باہم دگر پیوست ہو سکتے ہیں اگر ان سب کا مرکزی تعلق اس جذبۂ محبت و دوست داری سے قائم ہو جائے جو انسانوں کو ایک دوسرے کے لیے ایثار، بہی خواہی، تعاون اور غم و راحت کی شرکت کا ولولہ اور داعیہ عطا کرتا ہے۔

کتنا قابل رشک اور جنت نظر ہو سکتا ہے وہ سماج جس میں ہر شخص اپنے ہمسایوں کا دوست، معاون، خیر خواہ اور شریک غم و راحت ہو۔

اسلام نعروں اور دعووں کا عادی نہیں۔ وہ زیادہ زور ان بنیادی موثرات پر دیتا ہے جو منطقی نفسیاتی اور طبعی طور پر امن و فلاح کی طرف ہی لے جاتے ہیں اور شدید مخالفت ان محرکات کی کرتا ہے جن کی کوکھ سے شر، فساد اور حرص و غرض کے سوا کوئی بچہ جنم لے ہی نہیں سکتی۔

عمارت نام ہے دیواروں، چھتوں اور ستونوں کے مجموعے کا اور یہ سارے اجزاء جس مسالے اور جن اینٹوں سے بنتے ہیں انہی پر پوری عمارت کے استحکام یا ناپائیداری کا مدار ہوا کرتا ہے۔
معاشرے کو بھی ایک عمارت ہی تصور کیجئے یہ مختلف خاندانوں اور کنبوں کے مجموعے کا نام ہے اور یہ خاندان اور کنبے افراد سے بنتے ہیں۔ لہٰذا افراد جس قسم کے ہوں گے پورا معاشرہ انہی کے رنگ میں رنگا ہوا ہوگا اگر افراد میں باہم دگر موانست اور محبت کے تعلقات نہیں ہیں تو سارے معاشرے میں سنگدلی اور خود غرضی کی فصل بہار لہلہائے گی اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو معاشرہ ایثار و محبت کے مناظر پیش کرے گا
عالم انسانیت اگر ہمسایوں سے حسن سلوک ہی کی ہدایت پر عمل کرے تو تنہا یہی ہدایات ایک عظیم فلاحی انقلاب اور ہمہ گیر اصلاح حال کی ضامن بن سکتی ہیں مگر افسوس کہ موجودہ تہذیب و تمدن نے جو قدریں اور افکار و نظریات دنیا کو دیئے ہیں وہ اور ہی ہیں۔ ان کی عین فطرت اور خمیر میں خود غرضی اور بے مہری اور حرص وحوس کی زہرناکیاں سمائی ہوئی ہیں ہمسائیگی کا رشتہ تو کہاں۔ خاندانی روابط بھی دم نزع میں ہیں اور دور کے رشتے داروں میں نہیں بہت قریب کے رشتے داروں میں بلکہ ماں باپ اور اولاد کے درمیان خود غرضی اور منافرت کی خلیجیں وسیع ہوتی جا رہی ہیں جن ممالک میں تہذیب نوی عروج پر ہے وہاں کے معاشرے کا مطالعہ کیجئے تو حیرت ہوگی کہ سگے باپ اور سگے بیٹے کے مابین اتنا جذباتی اور فکری بُعد پیدا ہو چکا ہے کہ شاید جانور بھی اس کی مثال پیش نہ کر سکیں
اللّٰھم احفظنا۔

ہم لوگ تو کچھ کرتے ہی نہیں بس

یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ایسی نظر ڈال دے یا دعا کر دے یا تعویذ دیدے کہ آپ سے آپ سب گناہ بھی چھوٹ جائیں اور عمل بھی خود بخود ہونے لگیں ہم کو کچھ کرنا نہ پڑے جو کچھ کرے دوسرا ہی کرے حضرت حاجی صاحبؒ سے بمبئی میں کسی نے حج کے لیئے دعا کرائی تو فرمایا میں تو تمام عمر دعا کر دوں اور تم تجارت کرتے رہو حج کیسے ہوگا اس شرط سے دعا کرتا ہوں کہ جس روز جہاز جانے لگے مجھکو اپنے اوپر کامل اختیار دیدو میں ہاتھ پکڑ کر جہاز پر سوار کر دوں گا بس حج کر لوگے غرض دعا بھی کراؤ اور خود بھی سعی کرو بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب ہم نے کوشش کی تو دعا ہی کا کیا اثر ہوا بات یہ ہے کہ دو قسم کی چیزیں ہیں ایک وہ جو بالکل ہمارے اختیار میں نہیں اور مطلوب من العباد نہیں ہیں اور دوسری وہ کہ ان کے اسباب اختیاری ہیں پہلی قسم میں تو محض دعا پر اکتفا کرنا چاہیئے جیسے کوئی آفت سماوی ہے اس کے لیے دعاء کرنا کافی ہے اور جن کے اسباب اختیار میں ہیں ان کے اندر تدبیر کرو لیکن چونکہ تدبیر کا موثر ہونا اختیار سے خارج ہے اس لیے اس کے لیے دعاء سے اس تدبیر میں برکت ہو جائے گی۔
(حضرت تھانویؒ)

رہِ جہاد میں ذکرِ شکست کیا معنی ✱ مآلِ مردِ مجاہد شہید یا غازی

بقیہ :- حرف وحکایت

لانے کی کوشش کرتے ہیں سکول والے مضامین کے لیئے تو ہمیں مقامی لوگ مل جاتے اور ان کی خدمات حاصل کر لی جاتی ہیں اگرچہ انتخاب کے وقت اس میں بھی یہ دشواری پیش آتی ہے کہ تعلیم کے ساتھ تربیت کا پہلو نظر انداز نہ ہونے پائے اور اس طرح کے استاذ کا ملنا بڑا مشکل ہوتا ہے جو تعلیم میں دینی تربیت کا لحاظ رکھ سکے دینی تعلیم اور قرآن مجید وغیرہ کے لیے ہمیں اساتذہ باہر سے بلانے پڑتے ہیں — قابل اساتذہ معقول مشاہرہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتے — مدرسہ کو مثالی حیثیت دینے کے لیے ہمیں بہر حال قابل اساتذہ کی ضرورت ہے اور ان کی معقول تنخواہ وغیرہ کا ہونا ضروری ہے اس لیئے زیادہ سے زیادہ امداد دینا خود مسلمان بھائیوں کے لیے مفید ہوگا کہ اس طرح ان کے بچوں کی تعلیم کے لیے قابل اساتذہ مہیا ہوں گے اور قابل اساتذہ کے سائے میں ان کے بچے بھی قابل بنیں گے کم تنخواہ ہونے کے باوجود دیکھو قابل اساتذہ الحمد للہ میسر آئے ہیں جن میں تین دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں ان تین میں ایک حافظ و قاری اور انگریزی سے واقف ہیں دو استاذ بی اے ہیں اچھی تنخواہ — ان اساتذہ کی قدر افزائی کے باعث ہوگی اور یہ لوگ زیادہ دلجمعی کے ساتھ محنت کرسکیں گے ۔

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ دارالعلوم دیوبند کے فیضان عام کی ایک صورت ہے دارالعلوم دیوبند کے اکابر اور بزرگوں کی روحانی سرپرستی الحمد للہ اس کو حاصل ہے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی ۔ دارالعلوم دیوبند کے مفتی اعظم مولانا مفتی نظام الدین صاحب اور دارالعلوم دیوبند کے رئیس المبلغین مولانا ارشاد احمد صاحب نیز مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب جیسے دانشور و مفکر اس مدرسہ کے بارے میں کلمات خیر فرماتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کی دعاؤں اور تمناؤں کے مطابق مدرسہ تعمیر سیرت کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور اس کی خدمات کو اپنی بارگاہ میں مقبولیت سے نوازے ۔

کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب سے کنارہ کشی فرمائی اور وعدہ ہائے الٰہیہ پر اعتماد کرکے گوشہ نشینی اور چلہ کشی اختیار کی ۔ نہیں نہیں آپ باوجود بڑھاپے اور سنگلاخ زمین اور پرخار ریگستان اور گرم ملک ہونے کے کبھی بدر کے میدان میں ہیں کبھی احد کے کبھی مدینہ کے گرد خندق کھود رہے تو کبھی مکہ پر چڑھائی کر رہے ہیں کبھی حنین میں ہیں تو کبھی خیبر میں بدن پر دو دو زرہیں ہیں، تلوار میان میں لٹک رہی ہے نیزہ ہاتھ میں ہے کبھی اونٹنی پر ہیں، کبھی خچر پر کبھی پیدل ۔ بڑھاپے میں حجرہ میں بیٹھ کر ذکر و مراقبہ اور تعلیم و تلقین فرماتے تو بظاہر بہت بہتر ہوتا، آپ ور میرے جیسے کم ہمتوں کے لیے بڑی اچھی راہ نکل آتی مگر ہم تو دیکھتے ہیں کہ باوجودیکہ جناب رسول سید المتوکلین جمعیاً ہیں اور خانہ تکوین اتحاد اور کارخانہ قضا و قدر کے سب سے بڑے عالم اور جاننے والے اور منوانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر سب سے زیادہ یقین رکھنے والے ہیں آپ کی مدینہ منورہ کی زندگی نہایت پر آشوب اور بے چینی اور تکالیف برداشت کرنے کی زندگی ہے " لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ " اللہ تعالیٰ بھی مدنیوں کو بار بار رسول ؐ کی پر آشوب حالت میں بھی تابعداری کا حکم دیتا ہے ما کان لاہل المدینۃ ومن حولھم من الاعراب " ان آیتوں میں ان کی معانی پر غور فرمائیے

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ۲/۱

علماءِ دیوبند اپنے مسلک کے اعتبار سے حقیقتاً اہل سنّت والجماعت ہیں

علماء دیوبند اپنے مسلک اور دینی رخ کے لحاظ سے کلیتہً اہل سنت والجماعۃ ہیں اور اہلِ سنّت کا بھی اصل حصہ ہیں، جس سے وقتاً فوقتاً مختلف شاخیں کٹ کٹ کر الگ ہوتی رہی ہیں، علماء دیوبند نے نہ صرف اہلسنت والجماعت کے تمام اصول و قوانین ہی کے از اوّل تا آخر پابند رہے ہیں، بلکہ ان کے متوارث ذوق کو بھی انھوں نے تھاما، پھر وہ خود رو قسم کے اہلِ سنّت نہیں، بلکہ اُوپر سے ان کا استناد اور سندی سلسلہ ملا ہوا ہے، اسلئے مسلک کے اعتبار سے نہ وہ کوئی جدید فرقہ ہیں، نہ بعد کی پیداوار ہیں بلکہ وہی قدیم اہلسنت والجماعت کا مسلسل سلسلہ ہے، جو اُوپر سے تسلسل و استمرار اور سند متصل کے ساتھ کابراً عن کابر چلا آرہا ہے۔

سو اہلسنّت والجماعت کے اس اصل طبقہ یا علماء دیوبند کے اس جامع اور معتدل ترین مسلک کو سمجھنے کے لیے جس میں افراط ہے، نہ تفریط، نہ غلو ہے، نہ مبالغہ بلکہ کمالِ اعتدال و جامعیت کا جوہر ہوتا ہے۔ اُس کے لقب اور ماخذ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو اجزاء سے مرکب ہے ایک اہلسنّت جس سے اصُول، قانون اور طریق نمایاں ہے اور الجماعت کے لفظ سے ذوات شخصیات اور رفقائے طریق نمایاں ہیں، جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مسلک میں اصُول و قوانین بغیر ذوات کے (مثلاً القرآن الحکیم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یعنی عمل کا نمونہ خود آپ نے کر کے دکھایا اور آپکے متبعین حضرات صحابہ کرام رض، ائمہ مجتہدین وغیرھم) اور ذوات بغیر قوانین کے معتبر نہیں، کیونکہ قوانین ان ذوات ہی کے راستے سے آتے ہیں، اس لئے ماخوذ کو لیا جانا اور ماخذ کو چھوڑ دینا کوئی معقول مسلک نہیں ہو سکتا اس لئے حدیث مَا اَنَا عَلَیہِ وَ اَصحَابِیُ میں بہتر فرقوں میں سے فرقہ حقہ کی نشاندہی فرماتے ہوئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معیارِ حق ان ہی دونوں چیزوں کو ظاہر فرمایا۔ اَ سے اشارہ اسی السنّۃ یعنی روشِ نبویؐ یا قانونِ دین کی طرف ہے جس سے ملّت حقہ پیدا ہوئی اور جس سے پھر مختلف دینی شعبے بنے اور اَنَا و اصحابی سے اشارہ الجماعۃ یعنی برگزیدہ شخصیتوں کی طرف ہے، جو پیغمبر سے شروع ہوئیں اور بعد میں دینی شعبوں میں کسی نہ کسی شعبہ حذاقت و مہارت سے بنتی رہیں، جس سے فرقہ حقہ پیدا ہوا۔

ان سب (صحابہ سے لے کر تابعین، ائمہ مجتہدین اور علماءِ راسخین فی العلم تک) کی عظمت و محبت اور متابعت اور ادب و احترام اسی مسلک کا جوہر ہے، کیونکہ جملہ دینی شخصیتیں ذاتِ نبویؐ کے ظلال سے بنیں، ورنہ اسے دینی شخصیت کیوں کہا جاتا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ساری شخصیتوں کے جامع اور ان میں فرد اکمل ہیں۔

شریعت کے تمام علمی و عملی شعبے بلکہ دین کی ساری جمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مختلف الانواع نسبتوں کے ثمرات و آثار ہیں، مثلاً آپؐ کی نسبت ایمانی سے عقائد

ف بلکہ امام احمد و ابو داؤد میں اسی مضمون کی روایت میں و اصحابی کی جگہ الجماعۃ کا صریح لفظ موجود ہے۔

عبہ پیدا ہوا جس کا فنی اور اصطلاحی نام کلام ہے آپ
نسبتِ اسلامی سے عملی احکام کا شعبہ پیدا ہوا جس کا
طلاحی نام فقہ ہے۔ آپؐ کی نسبتِ احسانی سے تزکیۂ
س اور تکمیلِ اخلاق کا شعبہ پیدا ہوا، جس کا اصطلاحی
م تصوّف ہے۔ آپؐ کی نسبت اعلاء کلمۃ اللہ سے سیاست
ہاد کا شعبہ پیدا ہوا، جس کا عنوانی لقب امارت و
خلافت ہے۔ آپؐ کی نسبت اسنادی سے سند کے
ساتھ نقل دین کا شعبہ پیدا ہوا، جس کا اصطلاحی نام فن
روایات و اسناد ہے، آپؐ کی نسبتِ استدلالی سے
ت طلبی اور حجت بیانی کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی
م درایت و حکمت ہے، آپؐ کی نسبتِ اتفاقی سے علومِ
راست و معرفت کا شعبہ پیدا ہوا جس کا اصطلاحی نام فنِ
حقائق و اسرار ہے، آپؐ کی نسبتِ استقرائی سے
یات دین کا شعبہ پیدا ہوا، جس کا اصطلاحی نام فنِ
صول ہے، خواہ اصولِ فقہ ہوں یا تفسیر و حدیث وغیرہ
پ کی نسبت اجتماعی سے تعاونِ باہمی اور حسنِ معاشرت
ا شعبہ پیدا ہوا، جس کا اصطلاحی نام حضارۃ و مدنیت
ہے، آپ کی نسبت تیسری سے سہولت پسندی اور میانہ
روی کا شعبہ پیدا ہوا، جس کا اصطلاحی لقب عدل
و اقتصاد ہے، پھر شرعی حجتوں کا سلسلہ دیکھیے، جس
سے اس جامع شریعت کا وجود ہوتا ہے آپؐ کی نسبت
ابنائی (نبوّت) سے جو وحی متلو کا ظہور ہوا جس کے
مجموعہ کا نام القرآن ہے، آپؐ کی نسبت الفائی اور
وجدانی سے استنباط اور استخراجِ مسائل کا ظہور
ہوا جس کا اصطلاحی نام اجتہاد ہے، آپ کی نسبتِ
خاتمیت سے اُمت میں دوامی ہدایت اور عدم اجتماع
بر ضلالت کا مقام پیدا ہوا جس سے اس میں حجت
کی شان ظاہر ہوئی، جس کا اصطلاحی نام اجماع ہے
غرض آپ ہی کی نسبتوں سے دین کی چار حجتیں
قائم ہوئیں (۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ (۳) اجماع
امت (۴) اجتہاد، مجتہد اگرچہ ان کے اصطلاحی

نام بعد میں رکھے گئے مگر ان کی حقیقتیں قدیم اور پہلے ہی سے
ذاتِ نبوّت سے وابستہ تھیں۔ ان سب کو علماء دیوبند
نے جوں کے توں لے کر اپنے مسلک کا رُکن بنا لیا اور وہ
اس کے مسلک کے عناصرِ ترکیبی قرار پائے۔ پھر ہر طبقے میں کمال
حذاقت و مہارت اور خداداد فراست و بصیرت کے
لحاظ سے اس فن کے ائمہ اور اولوالامر پیدا ہوئے اور
وہ اس فن میں اس درجہ منہمک و فانی ہوئے کہ یہ فن ان
کا اوڑھنا، بچھونا اور جوہرِ نفس ہوگیا۔ ایسی شخصیتوں
کو ان فنون کا امیرالمومنین اور اولوالامر مانا اور پکارا گیا
اور وہ امام و مجتہد کے ناموں سے یاد کئے گئے۔ مثلاً ائمہ
اجتہاد (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام
احمد بن حنبلؒ وغیرہ)، ائمہ حدیث جیسے بخاریؒ و مسلمؒ ابوداؤدؒ
وغیرہ، ائمہ تصوف جنیدؒ و شبلیؒ اور معروفؒ و بایزیدؒ وغیرہ
ائمہ درایت و تفقہ، ابویوسفؒ، محمد حسنؒ مزنی اور ابنِ رجبؒ
وغیرہ ائمہ حکمت و حقائق رازیؒ و غزالیؒ و ابن عربیؒ ائمہ کلام۔
ابوالحسن اشعریؒ، ابومنصور ماتریدی وغیرہ

ائمہ اسلام فخرالاسلام بزدویؒ و علامہ دبوسیؒ وغیرہ اور
اسی قسم کی دین کی برگزیدہ شخصیتیں، مسلکِ علماء دیوبند کے
اعضاء و اجزا قرار پائے، جن کی درجہ بدرجہ توقیر و عظمت
مسلک کا اہم ترین رُکن ہے، پس جیسے علما دیوبند کا رجوع
ان شعبوں کی طرف یکساں ہے اور کسی ایک شعبے پر غلو کے
ساتھ زور دینا ان کا مسلک نہیں کہ وہ تصوّف کو لے کر حدیث
سے بے نیاز ہو جائیں یا حدیث کو لے کر تصوّف و کلام سے
بیزاری کا اظہار کرنے لگیں یا فقہ میں لگ کر فن حقائق و اسرار
سے لاتعلقی کا اظہار کریں، وغیرہ

اس لئے علما دیوبند کے محدث ہونے کے یہ معنے نہ ہوں گے
کہ وہ متکلم کو کم رتبہ سمجھیں اصولی ہونے کا یہ مطلب نہ ہوگا کہ
صوفی کو حقارت سے دیکھیں یا ہونے کے یہ معنی نہ ہوں گے
کہ وہ متکلم کو کم رتبہ سمجھیں فقیہ ہونے کے یہ معنی نہ ہوں گے
کہ وہ حدیث سے یکسو ہوں جب کہ یہ مسلمہ نوع شخصیتیں کسی
نہ کسی جہت سے آثارِ نبوّت سے ہیں جیسا کہ صحابہؓ میں بہ رنگ

اور ہر طبقے کے افراد جمع تھے اور ایک دوسرے کی عظمت
ومحبت اور ادب واحترام میں بھی انتہائی مقام پر تھے
تمام شعبہ ہائے دین جن شخصیتوں میں جمع ہوئے، ان میں
جامعیت کی شان پیدا ہوئی، یہ الگ بات ہے کہ کسی
شخصیت پر غلبہ کسی خاص شعبے یا فن کا رہا ہو۔ الحمدللہ
اکابر دیوبند میں ایسی شخصیتیں رہی ہیں اور موجود ہیں۔

تمام دینی شعبوں کا خلاصہ

پھر ان تمام دینی شعبوں کے اصول و قوانین کا خلاصہ
دو ہی چیزیں ہیں، عقیدہ اور عمل۔ عقیدے میں بنیادی
عقیدہ اور تمام عقائد کی اساس توحید ہے اور عمل میں سارے
اعمال کی بنیاد اتباع سنت وپیروی اسوۂ حسنہ ہے۔

توحید

اس مسلک میں اصل چیز توحید خداوندی پر زور
دینا ہے، جس کے ساتھ شرک یا موجبات شرک جمع نہ ہو سکیں
اور کسی بھی غیر اللہ کی اس میں شرکت نہ ہو، لیکن ساتھ ہی
تعظیم اہل اللہ اور توقیر اہل فضل وکمال کو اس کے منافی
سمجھنا مسلک کا کوئی عنصر نہیں اور ایسے ہی تعظیم شخصیات
میں مبالغہ کرنا جس سے توحید میں خلل پڑتا ہو یا اس میں
شرک کی آمیزش کر دینا جو تعلیم کا غلو ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں علماء
دیوبند کا نقطۂ اعتدال یہ ہے کہ یہ مقدسین پیغام الٰہی
کے معین ہیں جنھوں نے کمال دیانت اور حزم واحتیاط
کے ساتھ پیغام الٰہی مخلوق تک پہنچایا وہ عالم کے
معلم ومربی ہیں، جو ہر تعظیم وعظمت کے مستحق اور ہر ادب
احترام کے مستوجب ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس مسلک کا
اہم جز یہ بھی ہے کہ وہ بشر بھی ہیں، نوع بشر سے الگ ان کی
کوئی نوع نہیں، اس لئے جہاں ان کی بے ادبی کفر اور عظمت
عین ایمان ہے، وہیں اس عظمت میں کفر کی آمیزش بھی کفر
سے بڑھ کر کفر ہے۔

خاتم الانبیاء سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

علماء دیوبند بصدق قلب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ
علیہ وسلم کو افضل الکائنات افضل البشر اور افضل الانبیاء یقین
کرتے ہیں، مگر ساتھ ہی آپ کی بشریت کا بھی اقرار کرتے ہیں
غلو کے عقیدت ومحبت میں نفی بشریت یا ادعاء اوتاریت
یا پردۂ مجاز وغیرہ کہنے کی جرأت نہیں کرتے، وہ آپ کی
ذات بابرکات کو تمام انبیاء کرام کی تمام کمالاتی خصوصیات
خلت، اصطفائیت، کلیمیت، فاروقیت، صادقیت
خلصیت اور صدیقیت وغیرہا کا جامع بلکہ مبداء نبوت
انبیاء اور منشاء ولایت اولیاء سمجھتے ہیں، لیکن پھر بھی آپ
کا سب سے بڑا کمال عبدیت سمجھتے ہیں، وہ آپ کے علو درجات
ثابت کرنے کے لئے حدود عبدیت کو توڑ کر حدود معبودیت
میں پہنچا دینے سے مدد نہیں لیتے وہ آپ کی اطاعت کو
فرض عین سمجھتے ہیں، لیکن آپ کی عبادت کو جائز نہیں
سمجھتے، وہ آپ کی خصوصیات الوہیت تسلیم نہیں کرتے
اور اس میں ذاتی وعرضی کا فرق بھی تسلیم نہیں کرتے
وہ آپ کے ذکر مبارک اور مدح وثنا کو عین عبادت
سمجھتے ہیں، لیکن اس میں عیسائیوں کے مبالغے جائز نہیں
سمجھتے ہیں کہ حدود بشریت کو حدود الوہیت سے جا ملائیں
وہ برزخ میں آپ کی جسمانی حیات کے قائل ہیں، مگر
وہاں معاشرت دنیوی کے قائل نہیں، وہ اس کے
اقراری ہیں کہ آج بھی امت کے ایمان کا تحفظ آپ کے گنبد خضراء
کے گنج ایمانی سے ہو رہا ہے، لیکن پھر بھی آپ کو حاضر و
ناظر نہیں جانتے، جو خصوصیات الوہیت میں سے
ہے وہ آپ کے علم عظیم کو ساری کائنات کے علم سے

خواہ ملائکہ ہوں یا انبیاء و اولیاء، بمراتب بے شمار زیادہ اور بڑھ کر جانتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے ذاتی اور محیط ہونے کے قائل نہیں ہیں غرض تمام ظاہری و باطنی کمالات آپ کو ساری مخلوقات میں بلحاظ کمال و جمال یکتا، بے نظیر اور بے مثالی یقین کرتے ہیں، لیکن خالق کے کمالات سے ان کے کمالات کی وُہی نسبت مانتے ہیں جو مخلوق کو خالق سے ہو سکتی ہے کہ خالق کی ذات اور صفات اور کمالات سب لا محدود اور مخلوق کی ذات وصفات اور کمالات سب محدود، وہ ذاتی ہیں، یہ عرضی اور عرضی ہو کر بھی محدود وہ خانہ زاد ہیں اور یہ عطا کا ثمرہ، بس یہ حدود کی رعایت وُہی نقطۂ اعتدال ہے، جو اس مسلکِ اعتدال کی اساس ہے۔

صحابۂ کرامؓ

علماء دیوبند صحابہ کی عظمت اور جلالت پر اس کے قائل نہیں کہ کسی کو لائقِ محبت سمجھیں اور کسی کو معاذ اللہ لائقِ عداوت۔ کسی کی مدح میں رطب اللسان ہوں اور عیاذاً باللہ کسی کی مذمت میں، وہ انھیں بلا استثناء نجوم ہدایت مانتے ہیں کہ بعد والوں کی نجات ان ہی کے علمی و عملی اتباع کے دائرے میں محدود ہے، لیکن انھیں شارع تسلیم نہیں کرتے کہ حق شرع ان کے لئے ماننے لگیں، علماء دیوبند کے نزدیک سب صحابہؓ شرفِ صحابیت اور صحابیت کی برگزیدگی میں یکساں ہیں اس لئے محبت و عظمت میں بھی یکساں ہیں، البتہ ان میں باہم فرقِ مراتب بھی ہے تو عظمتِ مراتب میں بھی فرق ہے لیکن یہ چونکہ نفسِ صحابیت کا فرق نہیں اس لئے محبت و عقیدت میں فرق نہیں پڑ سکتا پس اس مسلک میں الصحابۃ کلہم عدول یعنی صحابہؓ سب کے سب عادل تھے کا اصول کارفرما ہے جو اس مسلک کا سنگِ بنیاد ہے، صحابہؓ بحیثیت قرنی خیر من حیث الطبقہ پوری امت کے لئے نبیؐ کے قائم مقام اور معیارِ حق ہیں، نبوت کے منکر کی طرح ان کے اجماع کا منکر بھی کافر ہے اور جو ان کے بارے میں بدگمانی، یا بدزبانی کا شکار ہے، وہ حقانیت سے ہٹا ہوا ہے علماء دیوبند انھیں غیر معصوم کہنے کے باوجود بوجوہِ محفوظیتِ دین انھیں قابل تنقید و تبصرہ نہیں سمجھتے کہ بعد والے انھیں اپنی تنقیدات کا ہدف بنائیں، ان کے مشاجرات اور باہمی نزاعات میں خطاء و صواب کا تقابل ہے، حق و باطل یا طاعت و معصیت کا نہیں اور سب جانتے ہیں کہ مجتہد خاطی کو بھی اجر ملتا ہے نہ کہ زجر۔ پس ان کے معاملات میں جو نیک نیتی اور پاک نفسی پر مبنی تھے، حسب مسلک علماء دیوبند نہ بدگمانی جائز ہے، نہ بدزبانی۔ یہ توجیہ کا مقام ہے۔ تلک دماء طهر الله عنها ايدينا فلا نلوث بها السنتنا

تصوّف اور صُوفیاء

علماء دیوبند جملہ اولیائے امت (خواہ وہ کسی مسلک کے ہوں) کی محبت و عظمت کو تحفظِ ایمان کے لئے ضروری سمجھتے ہیں مگر غلو کے ساتھ اس محبت و عقیدت میں انھیں ربوبیت کا مقام نہیں دیتے ان کی تعظیم ضروری سمجھتے ہیں، لیکن اس کے معنی عبادت کے نہیں لیتے کہ انھیں یا ان کی قبروں کو سجدہ و رکوع یا طواف و نذر یا منت و قربانی کا محل بنا لیا جائے، وہ ان کی منور قبروں سے استفادہ اور فیض حاصل کرنے کے قائل ہیں، لیکن انھیں مشکل کشا اور دافع البلاء والوباء نہیں سمجھتے کہ وہ صرف شانِ کبریائی ہے، وہ اہل قبور سے حصولِ فیض کے قائل ہیں، استمداد کے نہیں وہ حاضریٔ قبول کے قائل ہیں، مگر ان کے عید گاہ بنانے کے قائل نہیں، وہ مجالس اہل دل میں شروطِ فقہیہ کے ساتھ نفسِ سماع کے منکر نہیں مگر گانے بجانے کے کسی درجے میں بھی قائل نہیں، البتہ نسبتِ

اور اتباعِ سنت کے غلبہ کی وجہ سے سماع سے الگ رہنا قابلِ ملامت نہیں، قابلِ مدح ہے، مشائخ دیوبندؒ کا عمومی معمول اس بارے میں یہی ہے کہ وہ رسوم شادی وغمی کو اسوۂ حسنہ اور سلف صالحینؒ کے سادہ اور بے تکلف طریقِ عمل میں محدود رکھنا چاہتے ہیں، وہ غمی کی رسموں مثلاً تیجہ، دسواں، چہلم برسی وغیرہ کو بدعت سمجھتے ہیں اور سختی سے روکتے ہیں کیونکہ وہ ثواب سمجھ کر کی جاتی ہیں اور شادی کی رسوم تمدن و معاشرت کے جذبے سے انجام دی جاتی ہیں، اس لئے وہ (رسوم) محض خلافِ سنت ہیں اور خلافِ سنت میں عقیدہ محفوظ نہیں رہتا، وہ ایصال ثواب کو مستحسن اور اموات کا حق سمجھتے ہیں، مگر اس کی نمائشی صورتیں بنانے کے قائل نہیں، جنھیں مخصوص اصطلاحات نیاز، فاتحہ وغیرہ کے وضع کردہ عنوانات سے یاد کیا جاتا ہے وہ تکمیلِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کے لئے حسبِ سلاسل طریقت کے اصول و ہدایات کی پابندی تجربۃً مفید اور ضروری سمجھتے ہیں، لیکن طریقت کو شریعت سے الگ کوئی مستقل راہ نہیں سمجھتے، بلکہ شریعت ہی کے باطنی اور اخلاقی حصہ کو طریقت کہتے ہیں، جسے شریعت نے احسان کہا ہے۔

وہ مشاہدہ آثار صلحاء کی برکت اور ان سے تبرک وہ استفادہ کے قائل ہیں، مگر انھیں سجدہ گاہ بنا لینے کے قائل نہیں، اگر آثارِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام جیسے موئے مبارک، پیراہن مبارک یا نعلین مبارک کا ایک تسمہ بھی مستند طریق پر مل جائے تو اسے سلاطین کے تاج اور دنیا و مافیہا کی ہر دولت سے کہیں زیادہ بڑھ کر دولت سمجھتے ہیں، غیر مستند ہوں تو بے ادبی سے بچ کر بے سند چیزوں سے کنارہ کش ہو جانا ضروری سمجھتے ہیں۔

اولیاء اللہ کے شطحیات اور غلبۂ حال کے کلمات و افعال کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وہ نہ تو ان اقوال و افعال کی بنا پر جنکی سطح بظاہر سنت و شریعت سے ہٹی ہوئی نظر آتی ہے، ان حضرات کی شان میں ادنی بے ادبی و گستاخی کو جائز سمجھتے ہیں اور نہ ہی ان موہوم یا مبہم کلمات کو غلوے محبت سے عین شریعت سمجھتے ہیں اور نہ ان کو حجتِ شرعی سمجھتے ہیں کہ ان کی طرف لوگوں کو بلائیں اور نہ ہی انھیں اسلام سے خارج کرنے کے درپے رہتے ہیں، دراصل ایسے کلمات و افعال ان کا ایک مخصوص حال ہے جو بظاہر خلاف سنت معلوم ہوتا ہے، درحقیقت نہیں، عارف اور مبصر علماء نے ان کی توجیہات میں مستقل رسائل تالیف کر دیئے ہیں، اس مسلک کا جز وجہاں یہ ہے کہ مغلوب الحال اہل اللہ کا عذر قابل قبول اور قابل تاویل ہے، وہاں یہ جز وبھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ مغلوب الحال کوئی اونچا مقام نہیں، بلکہ ایسے مقام میں علوِّ مقام کی بات یہ ہے کہ دامن سنت و شریعت ہاتھ سے نہ چھوٹے، مشائخ دارالعلوم کی روش اس بارے میں یہی رہی ہے کہ وہ غلبۂ حال میں از خود رفتہ نہیں ہوتے اور اتباع سنت کا دامن ہاتھ نہیں چھوڑتے

در کفے جامِ شریعت در کفے سنداں عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

فقہ اور فقہا

علماء دیوبند کا مسلک فقہی اور اجتہادی مسائل میں فقہ حنفی پر عمل کرنا ہے، لیکن اسے آڑ بنا کر دوسرے فقہی مذاہب کو باطل ٹھیرانا یا مذاہب پر زبانِ طعن دراز کرکے عاقبت خراب کرنا نہیں، کیونکہ یہ حق اور باطل کا مقابلہ نہیں، سب الحمد حق پر ہیں، دین کے بارے میں آزادیٔ نفس سے بچنے اور خود رائی سے دور رہنے کے لئے کسی ایک امام کی تقلید ضروری ہے، تقلید میں بھی علماء دیوبند کا مسلک افراط و تفریط سے پاک ہے، وہ کسی بھی امام مجتہد یا اس کے فقہ کی کسی چھوٹی سے چھوٹی جزئی کے بارے میں تمسخر یا سوء ادب یا رنگِ ابطال و تردید

سے پیش آنے کو خسرانِ دنیا و آخرت سمجھتے ہیں، ان
کے نزدیک یہ اجتہاداتِ شرائع فرعیہ ہیں شرائع
اصلیہ نہیں کہ اپنے فقہ کو موضوع بنا کر دوسروں
کی تردید کر دیں البتہ اپنے اختیار کردہ فقہ کی حد تک
ترجیح پر مطمئن ہیں۔

حدیث اور محدثین

علماء دیوبند کے مسلک میں قوتِ سند یا اصح
ما فی الباب ہونا اصل نہیں، بلکہ بصورت جمع مناط
حکم اور بصورتِ ترجیح تفقہ اصل ہے حنفیہ کے یہاں
بلا شبہ جمع بین الروایات اور تحقیق و تنقیح مناط کی
وجہ سے توجیہات کی کثرت ہے کہ اس کے بغیر روایات
باہم جڑ کر حکم کا جامع نقشہ پیش نہیں کر سکتیں، مگر یہ
توجیہات و تاویلات محض یا تخمینی بات نہیں، بلکہ اصول
اور نصوص سے مؤید ہونے کی وجہ سے تقریباً تفسیرات
حدیث ہم پلہ ہوتی ہیں، اس لئے حدیث کے بارے
میں علمائے دیوبند کا غالب عنصر جامعیت و اعتدال
ہے، جس میں نہ تشدد ہے، نہ تساہل بلکہ تعدد روایات
کے ساتھ تمام ائمہ کے اصول کو لے کر چلنا ہے۔

کلام اور متکلمین

علماء دیوبند کا مسلک تمام متکلمین کی عظمت کے ساتھ
امام ابو منصور ماتریدیؒ کا اتباع ہے، لیکن یہاں بھی
کلام معین کی پابندی و اتباع کے ساتھ تحقیق کا سرا
ہاتھ سے نہیں دیا گیا۔ کلامی مسائل کے ساتھ علماء دیوبند میں
قاسمیت غالب ہے، جو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم
صاحب نانوتویؒ کی حکیمانہ تعلیمات سے ماخوذ ہے، جس
کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے
اختلافات میں ردّ و قدح کی بجائے رفع اختلافات
اور تطبیق و توفیق کا راستہ اختیار کیا گیا ہے جس
سے بڑے سے بڑا اختلاف نزاعی محسوس ہونے لگتا
ہے۔ مذہب کے مخالف جنگ کرنے والوں نے عقل
کو بڑا استعمال کیا ہے، علماء دیوبند کا اس بارے
میں نقطۂ اعتدال یہ ہے کہ وہ دین کے بارے میں
نہ تو عقل کو دور از کار سمجھتے ہیں اور نہ ہی اسے
مستقل درجہ مانتے ہیں وہ عقل سے نقل کو نہیں پرکھتے
بلکہ نقل صحیح کو عقل کے صحت و سقم کے پرکھنے کی کسوٹی
سمجھتے ہیں، وہ عقل کو محسوسات کے ناپ تول کا
ترازو سمجھتے ہیں مغیبات کے ادراک کا آلہ اور حاسہ
باور نہیں کرتے، اس لئے ان کے نزدیک دین و مذہب
کی اصل وحی خداوندی ہے، اور اس کے اثبات
کے خدام میں ایک خادم عقل بھی ہے، گو شریف
ترین خادم ہے، مگر حاکم نہیں، مگر بے فکر اور بے ذکر
عقل خادمِ دین ہونے کے منصب کی اہل نہیں۔

سیاست اور خلفاء

سیاسی اور اجتماعی امور میں شریعت نے زیادہ تر
توسعات کو سامنے رکھا ہے، کیونکہ سیاست ملکی تدبیر
کے انصرام کا نام ہے اور تدبیر و وسائل ہر دور کے
مناسب حال الگ ہے، اس لئے شریعت نے اس کے
اصول بیان کر دیئے مخصوص صورتوں پر زور نہیں دیا
اس بارے میں علماء دیوبند کا مسلک امارات شرعیہ
ہے جس کی جہات، تفصیلات کا عقلی اور نقلی نقشہ
حکمتِ ولی اللّٰہی میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ
نے پیش فرما دیا ہے

ظاہر و باطن کے جامع

علماء دیوبند کا مسلک استدلال کے دائرے میں نصوص
کے ساتھ ظواہر و باطن دونوں کو جمع رکھ کر دونوں ہی

ط علماء دیوبند کے ہاں استاد اور کتاب دونوں کی حاجت ہے صرف کتاب کافی نہیں بدون صحبت مشائخ دین کا صحیح ذوق پیدا نہیں ہوتا کورس تو صرف الفاظ ہی سکھاتے ہیں جب کہ آدمی آدمی بناتے ہیں۔

کا علمی حق ادا کرنا ہے کہ کوئی ایک پہلو نظر انداز نہ ہو، پھر اس جامع ظاہر و باطن مسلک سے ایسے جامع لوگ بنتے رہیں، جو عالم باللہ بھی ہوں عالم باسرار اللہ بھی ثابت ہوں، اس لئے اس کا افادہ عمومی، ہمہ گیر اور نفع عام ہے۔

علماء دیوبند کا نقطۂ آغاز

اگر دارالعلوم کی تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اسلاف و مؤسسین صرف مدعیان مسلک ہی نہ تھے، بلکہ مسلک کا علمی نمونہ تھے، بالخصوص حضرت بانیٔ دارالعلوم قدس سرہٗ مسلک کے ان نظری و علمی پہلوؤں کے مجسم پیکر تھے، اس کا کچھ نقشہ پیش خدمت ہے۔

۱۔ حضرت بانیٔ دارالعلوم نے دارالعلوم کی بنیاد رکھکر درس و تدریس اور تعلیم کا آغاز کرایا، اور خود بھی چھتہ کی مسجد میں جو اس دارالعلوم کا نقطۂ آغاز ہے درس شروع فرمایا۔

۲۔ یہ مسجد چھتہ جو دارالعلوم کا نقطۂ آغاز اور حضرت بانیٔ قدس سرہٗ کی قیام گاہ تھی یہیں حضرتؒ نے حلقۂ ارشاد و تلقین قائم فرمایا، جس میں یہی اعضائے دارالعلوم شریک ہوتے اور حضرت کے روحانی توجہ و تصرف سے ان کی باطنی تربیت کی جاتی تھی، اس لئے بانیؒ ہی کے عمل سے علماء دیوبند کا دوسرا مقصد تربیت باطنی اور تزکیہ نفس بھی مشخص ہوا۔

۳۔ اسی دارالعلوم میں حضرت بانیؒ نے محکمہ قضاء قائم فرما کر صدر المدرسین دارالعلوم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو اس کا قاضی مقرر فرمایا، جس سے ہزارہا الجھے ہوئے مقدمات شرعی انداز سے فیصل ہونے لگے، اور اسلامی عدلیہ مسلمانوں کے قبضے میں آنے لگی جو حکومت کا ایک اساسی شعبہ ہے۔

۴۔ اسی دارالعلوم میں حضرت بانی قدس سرہٗ نے طلباء کو گتکا، بنوٹ اور لاٹھی چلانے کی مشقیں شروع کرائیں جس کا مقصد طلبہ میں فنِ سپہ گری اور مجاہدانہ اسپرٹ کو باقی رکھنا تھا، جو سیاست کا اساسی شعبہ ہے مخالفین نے اس پر اعتراض کئے کہ مدرسہ حربیہ ہو گیا مگر حضرت نے پرواہ نہ کی۔

۵۔ عیسائی مشنریوں، آریوں اور دوسرے فرقِ باطلہ کے اسلام کے بارے میں مشکوک انداز میں الزام تراشی اور متعصبانہ اعتراضات کے جواب میں جابجا مدافعانہ اور مناظرانہ تقریروں کا سلسلہ شروع فرمایا اور ساتھ ہی اصلاحی اور تبلیغی مواعظ حسنہ کا بھی آغاز فرمایا۔

۶۔ حضرت نے دیوبند کے شیوخ میں سنیت اور سنی مذاق رائج کرنے کی جدوجہد شروع فرمائی، کیونکہ یہاں شیوخ میں تفضیلیت کے اثرات رچے ہوئے تھے، گو وہ شیعہ نہ تھے۔

۷۔ حضرت بانی نے آخری عمر میں خواہش ظاہر فرمائی کہ کاش! میں انگریزی پڑھتا اور مدعیان حکمت فرنگ کو یورپ جا کر بتلاتا کہ حکمت وہ نہیں، جسے تم سمجھ رہے ہو، حکمت وہ ہے جو انبیاء کے قلوب سے اتر کر روشن سینوں میں اتری۔ الحمد للہ اس مقصد کے لئے دارالعلوم میں انگریزی و سنسکرت کی تعلیم کا اہتمام کر دیا گیا ہے اور بانیؒ کی آرزو مستقل جامہ پہن رہی ہے

۸۔ حضرت نے محققانہ اور مدافعانہ تحریرات کا خود بھی سلسلہ شروع فرمایا، اور اپنے تلامذہ کو بھی تصنیف و تالیف کی طرف لگایا۔

۹۔ حضرت بانی نے سلطان ترکی سے اپنی عقیدت و محبت کا رشتہ قائم رکھا اور ترکوں کی امداد کے لئے لاکھوں روپے چندہ جمع کیا اور ان کے مدح میں قصیدے لکھے۔

۱۰۔ دارالعلوم کے تمام تعلیمی و علمی کاموں کو مخالفت اغیار سے بچانے اور حکومتِ وقت کی امداد سے گریز کے لئے آٹھ اساسی اصول وضع فرمائے جو الہامی معلوم ہوتے ہیں۔

تلك عشرة كاملة: رئیس مسلک علماء دیوبند

صرف نظری مسلک نہیں، بلکہ عملی طور پر ایک مستقل دعوت ہے جس کا رنگ تعلیمی ہے، پھیلاؤ تبلیغی ہے، جماؤ معاشرتی ہے، بچاؤ محکمہ قضائی ہے، جڑھاؤ ریاضت سپہ گری ہے، ضبطِ نفس تربیتی ہے اور مدافعات مجاہدانہ ہے اور بین الاقوامیت دعویٰ ہے، اسی ہمہ گیر، جامع اور معتدل مزاج کو دیکھ کر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے دیوبندیت کے بارے میں ایک جامع اور بلیغ جملہ استعمال کیا تھا، جو اس مسلک کی صحیح تصویر کھینچ دیتا ہے، ان سے کسی نے پوچھا کہ "یہ دیوبندی کیا کوئی فرقہ ہے"؟ کہا، نہیں

"ہر معقول پسند دیندار کا نام دیوبندی ہے"

بہرحال اس جامعیت اصول و شخصیت سے پیدا شدہ امتزاج، کا نام مسلکِ علماء دیوبند ہے۔ تمت بالخیر

یہ آپ کا کام ہے کہ اسلام کی خاطر اپنے اپنے چھوٹے چھوٹے اختلافات اور فروعی نزاعات سے کنارہ کش مسلم قوم کو سنبھالنے اور سنوارنے کے لیے اتحاد و یکجہتی کے ساتھ کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو جاؤ اور قوم کو اس قابل بناؤ کے وہ نظام شریعت کو اپنا نظام زندگی بنالے، تعطل جمود، اور کسل و بطالت کو چھوڑ دو عمل صالح کے ہر میدان میں خدا ہماری مدد کرے گا
قل انما اعظکم بواحدة ان تقوموا للہ مثنیٰ وفرادیٰ

مولانا شبیر احمد عثمانی رح

(ماہنامہ دارالعلوم دیوبند اپریل ۶۶ء)

مسجد میں بیل

مسجد میں نظر آیا مجھے دوستو ایک بیل
دنگ عقل ہوئی آنکھ بھی حیرت سے گئی پھیل

ہر سمت ہوا شور کہ دوڑو ارے دوڑو
جیسے بھی بنے مومنو اس بیل کو پکڑو

پھر بیل کے مالک کو موذن نے بلایا
نام اس کا تھا غفار وہ دوڑا ہوا آیا

غصے میں کہا اس سے کہ لو جانور اپنا
آئندہ پھر آئے پائے نہ باندھ کے رکھنا

مسجد ہے یہ کمبخت چراگاہ نہیں ہے
اتنی بھی خبر تم کو مگر آہ نہیں ہے

غفار کھڑے سنتے رہے پہلے یہ پھٹکار
پھر بولے سن لیجئے میری بھی تو سرکار

حیوان ہے بے عقل یہاں گھس گیا ہو گا
مجھ کو بھی کبھی آپ نے مسجد میں دیکھا

سید شمیم احمد مدنی

(بہ شکریہ داعی بمبئی)

سلطان صلاح الدین ایوبی کے آخری لمحات

تصنیف بہاء الدین المعروف بابن شداد
ترجمہ :- کلیم الرحمٰن نشاط

۱۶ صفر المظفر ۵۸۹ھ سنیچر کی رات میں سلطان کسلمند تھے، نصف رات ہوتے ہوتے صفراوی بخار کا اثر ہوا سنیچر کی صبح کو اس کا اثر نمایاں تھا مگر اس کا اظہار سلطان نے صرف مجھ سے اور قاضی فاضل سے کیا ہم سلطان کے پاس بیٹھے ہی تھے کہ ہماری موجودگی میں صاحبزادہ الملک الافضل بھی آگئے ہم لوگ دیر تک سلطان کے پاس بیٹھ کر آپ سے گفتگو کرتے رہے گفتگو کے دوران رات کے بخار کا بھی ذکر آیا۔ پھر ہم سلطان کے پاس سے ہٹ گئے مگر ہمارے دل وہیں تھے ہم الملک الافضل کے ساتھ قصر سلطانی میں کھانے کے لیے بیٹھے دسترخوان بچھایا گیا الملک الافضل سلطان کی جگہ بیٹھے تو مجھے اپنی جگہ بیٹھنا دشوار ہوگیا اور لوگ سلطان کی غیر حاضری سے متاثر ہوکر اشکبار ہوگئے۔

سلطان کا مرض دن بدن بڑھ رہا تھا میں اور قاضی فاضل دن میں بار بار سلطان کے پاس پہونچ کر مرض میں کمی کی راہیں تلاش کرتے اطباء کی رائے یہ تھی کہ فصد کھلوائی جائے ان کی رائے کے مطابق مرض کے چوتھے روز فصد کھلوائی گئی تو رطوبات بدنیہ کم ہوگئیں، خشکی زیادہ بڑھ گئی مرض بجائے گھٹنے کے بڑھ گیا اور کمزوری میں حد سے زیادہ اضافہ ہوگیا۔

مرض کے چھٹے دن سلطان ٹیک لگا کر بیٹھے اور دوا کے بعد طبیعت ہلکی کرنے کی خاطر پانی طلب کیا تو پانی گرم پیش ہوا۔ سلطان نے پانی بہت گرم ہونے کا شکوہ کیا تو دوسری مرتبہ ٹھنڈا پانی پیش ہوا سلطان نے زیادہ سرد ہونے کی شکایت کی مگر اس وقت بھی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا خفگی کے بغیر صرف اتنا کہا، "کیا معتدل پانی نہیں مل سکتا"؟

اس کے بعد میں اور قاضی فاضل سلطان کے پاس سے نکلے تو ہم اشکبار تھے قاضی فاضل مجھ سے کہہ رہے تھے اس شخص کے اخلاق دیکھئے جو مسلمانوں کو داغ مفارقت دینے والا ہے۔ بخدا اگر سلطان کی جگہ کوئی اور ہوتا تو گلاس لانے والے کے سر پر توڑ دیتا۔

مرض کے چھٹے، ساتویں، آٹھویں دن مرض زیادہ بڑھ گیا اور غشی طاری ہوگئی مرض کے نویں دن غشی میں اضافہ اضافہ ہوا اور غذا کی ممانعت کر دی گئی۔ لوگوں پر خوف وہراس اور غم واندوہ کی ناقابل بیان کیفیت طاری تھی میں اور قاضی فاضل ہر شب تنہائی رات گذرنے پر بارگاہ سلطانی میں حاضر ہوتے اگر ہمیں موقعہ ملتا تو ہم اندر پہونچکر معائنہ ومشاہدہ کرکے لوٹتے ورنہ حال معلوم کرکے واپس ہو جاتے۔

ہم لوگوں کو اپنی ملاقات کا منتظر پاتے، لوگ ہمارے چہروں سے سلطان کا حال پڑھ لیتے مرض کے دسویں دن پاخانہ کے راستہ سے دو مرتبہ دوا پہونچائی گئی جس سے کچھ راحت محسوس ہوئی اور اچھی مقدار میں جو کا پانی پیا اس اطلاع پر لوگ شدت خوشی سے کھل گئے ہم نے گھر پہونچکر توران شاہ سے حال پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ پسینہ پنڈلیوں تک پہونچ گیا ہے ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دعا کی کہ پسینہ پیروں تک پہونچ جائے پھر توران شاہ نے ہمیں بتایا کہ پسینہ پیروں تک پہونچ گیا

مرض کے گیارہویں دن یعنی ۲۶ صفر المظفر ۵۸۹ھ کو ہم لوگوں نے حاضر ہو کر حال دریافت کیا تو بتایا گیا کہ بستر اور چٹائی سے زمین تک پہونچ گیا لیکن خشکی انتہا کو پہونچ چکی تھی۔

مرض کے بارہویں دن مرض میں اور زیادتی ہوئی کمزوری میں بے حد اضافہ ہوا ہیں، قاضی فاضل اور ابن الزکی اسوقت حاضر تھے الملک الافضل کی رائے یہ تھی کہ ہمیں رات یہیں گذارنی چاہیئے مگر قاضی فاضل بولے کہ ہمارا یہاں ٹھہر جانا موزوں نہیں اگر ہم ٹھہر گئے تو جو لوگ ہماری آمد کے منتظر ہیں ان میں ہراس پھیل جائے گا۔ اور سلطان کے متعلق ملک میں غلط خبر بھی پھیل جائے گی اس لیے ہمارا جانا ہی مناسب ہے البتہ شیخ ابوجعفر جو صالح بزرگ ہیں قلعہ میں رہیں گے اور کلمہ شہادت اور ذکر اللہ کا ورد رکھیں گے۔ چنانچہ اسی طرح کیا گیا ہم میں سے ہر ایک کی تمنا یہ تھی کہ ہماری جان سلطان کی جان کے فدیہ میں چلی جائے۔

سلطان کی یہ رات اللہ سے ملنے والوں کی سی گذری شیخ ابوجعفر قرآن کریم کی تلاوت اور ذکر اللہ میں ان کے قریب ہی مصروف رہے سلطان پر اس رات غشی طاری تھی گاہے گاہے ذرا افاقہ ہوتا۔ شیخ ابوجعفر کا بیان ہے کہ جب وہ اس آیت "ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ" پر پہونچے تو انہوں نے سلطان کو یہ کہتے سنا "درست ہے" یہ گویا اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بیداری تھی۔

۲۷ صفر ۵۸۹ھ بدھ کے روز سلطان اپنے حقیقی مولیٰ سے جا ملے۔ مجھ سے بیان کیا کہ جب شیخ ابوجعفر نے اس آیت کریمہ "لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت" کی تلاوت کی تو سلطان نے مسکرا کر خود کو اللہ کے حوالہ کر دیا

خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد مسلمانوں کی نظر میں یہ اسلام اور مسلمانوں کیلئے عظیم ترین حادثہ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ خطرناک زمانہ قریب ہی آنے والا ہے جبکہ اسلام کا صرف نام ہی باقی رہ جائیگا اور اسی طرح قرآن پاک کے بھی صرف نقوش باقی رہ جائینگے اس وقت اگر تم ان کی مسجدوں کو دیکھو گے تو وہ نمازیوں سے بھری ہوئی اور آباد نظر آئیں گی اور ہدایت کا ان میں نام بھی نہ ہوگا اس لحاظ سے وہ سب برباد ہوں گی، ان کے علماء دنیا طلب اور بے علم ہوں گے آسمان کے نیچے بسنے والوں میں سب سے بدتر ہوں گے اور ایسے فتنہ پرواز ہوں گے کہ فتنے ان ہی میں سے اٹھیں گے اور پھر لوٹ کر ان ہی میں داخل ہونگے

(رواہ البیہقی - مشکوٰۃ صفحہ ۳۸)

قرآن خدا کا کلام ہے

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کا انکار کرنے والے اگرچہ تعداد میں کم ہی ہیں لیکن بہت سے لوگ خدا کے وجود کو تو مان لیتے ہیں اور اس کی صفات ان کی سمجھ میں آجاتی ہیں لیکن یہ بات کہ انسانی زندگی کے لیے رہنمائی اور ہدایت بھی خدا کا کام ہے ان کی سمجھ میں نہیں آتا ذہن کی اس رکاوٹ کو دور کئے بغیر انسان اس نعمت سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا جو خدا نے اپنے بندوں کے لیے اسلام کی شکل میں اتاری ہے اس پہلو سے آپ کو خود بھی بہت زیادہ پختہ یقین اور اعتماد ہونا چاہیئے اور آپ کے ذہن میں ایسی دلیلیں ہونا چاہئیں جن سے آپ اپنے مخاطب کو یہ سمجھا سکیں کہ قرآن واقعی خدا کا کلام ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم واقعی اللہ کے رسول ہیں اور انہوں نے جو کچھ خدا کی طرف سے پیش کیا وہ ہرگز ان کا اپنا کلام نہیں ہے بلکہ وہ خدا کا کلام ہے جو براہ راست ان پر اترا اور انہوں نے اللہ کے بندوں تک پہنچایا۔

اوپر جو دعویٰ کیا گیا ہے اس کی دلیل کے لیے یوں تو بہت سی چیزیں پیش کی گئی ہیں لیکن ہماری نظر میں ان میں سب سے بڑی دلیل خود قرآن ہے قرآن نے خود بھی جگہ اپنے منزل من اللہ ہونے کی دلیل کے طور پر خود قرآن ہی کو پیش کیا ہے قرآن کے متعلق اگر کسی ذہن میں یہ شبہ موجود ہو کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے تو اسے چند باتوں پر ضرور غور کرنا چاہیئے :-

پہلی بات جو انتہائی قابل توجہ ہے وہ قرآن کی زبان ہے۔ اگر آپ تھوڑی سی عربی بھی جانتے ہیں تو آپ آسانی کے ساتھ محسوس کر لیں گے کہ قرآن کی زبان اور حدیث کی زبان میں بہت نمایاں فرق ہے۔ یہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے اتنی مختلف ہیں کہ معمولی سوجھ بوجھ کا آدمی بھی کم از کم یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک ہی ذہن و دماغ سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔ حدیث کی زبان اگرچہ بجائے خود نہایت عمدہ ہے اور عربی ادب میں اسے ایک معیاری چیز سمجھا جاتا ہے مگر اس کے باوجود قرآن کا انداز بلاغت روانی اور انداز کلام حدیث سے بالکل مختلف ہے اس سے کم از کم اتنی بات تو ماننی ہی پڑے گی کہ قرآن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن کی تخلیق نہیں اس کے بعد یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کلام انھیں کسی نے پڑھا دیا ہوگا اور وہ اسے نعوذ باللہ خدا سے منسوب کر کے پیش کر دیتے ہوں گے

لیکن اس حماقت میں مبتلا ہونے سے پہلے ذرا سنجیدگی سے یہ سوچنا چاہیئے کہ وہ دوسرا کون ہو سکتا ہے جس نے آپ کو یہ سب کچھ تیار کر کے دے دیا اور آپ نے اس کی بنیاد پر اپنی نبوت کے دعوے کی عمارت اٹھا کھڑی کی یہ تو ظاہر ہے کہ یہ کام آپ کے کسی مخالف اور دشمن نے تو کیا نہ ہوگا کہ وہ آپ کو اس اعلیٰ پیمانہ کا کلام لکھ لکھ کر دیتا رہتا اور آپ اسے بنیاد بنا کر نبوت کا دعویٰ کرتے رہتے اور لوگوں کو اپنے گرد جمع کرتے رہتے تو پھر کیا یہ کسی ساتھی اور دوست کا کلام ہے؟ اگر اس کلام کو آپ کے ساتھیوں کے ساتھ منسوب کیا جائے تو تاریخ اس کی تردید کرتی ہے۔ کیونکہ آپ کے ساتھ جو لوگ بھی تھے وہ سب کے سب آپ سے کم صلاحیت کے

لوگ تھے اور پھر یہ کس طرح ممکن تھا کہ جب کوئی شخص خود قرآن لکھ لکھ کر آپ کو دیتا رہتا تو وہ کس طرح آپ کو نبی مان کر آپؐ پر ایمان لاتا تاریخ بتاتی ہے آپؐ کی نبوت پر ایمان رکھنے کے سلسلہ میں سب سے زیادہ مخلص وہی لوگ تھے جو آپؐ کے زیادہ قریب تھے پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ اگر کوئی ایک ساتھی آپ کے دعوئ نبوت کے لیے سامان فراہم کرتا تو دوسرے کسی ساتھی کو اس کی کبھی کانوں کان خبر نہ ہوتی اس لیے یہ بات نہایت احمقانہ ہے کہ کوئی شخص یہ گمان کرے کہ آپؐ نے جو کچھ پیش کیا وہ کسی نے آپ کو تیار کر کے دے دیا تھا

تیسری چیز جو قرآن کی صداقت کے سلسلہ میں ذہن میں رہنا چاہیے اور دوسروں کے اطمینان کے لئے پیش بھی کرنا چاہیے وہ قرآن کے پیش کیے ہوئے نظام زندگی کی وہ خصوصیات ہیں جن کے بل پر ہم آج بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ انسانوں کے تجویز کیے ہوئے تمام نظاموں کی ناکامی کے بعد اگر کوئی چیز انسانی مسائل کو حل کر سکتی تو وہی خدائی ہدایت نامہ ہوگا جس کی صداقت پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ یہاں تفصیلات میں جانے کا موقع نہیں لیکن جب آپ اس نقطہ نظر سے اسلامی نظام زندگی کا مطالعہ کریں گے تو خود محسوس کر لیں گے کہ جن مضبوط بنیادوں پر اس نظام کو قائم ہوتا ہے اور جس خوبی کے ساتھ انسانی مسائل اس سے حل ہوسکتے ہیں وہ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ کسی انسانی ذہن کی پیداوار نہیں ہے جو چند صدیوں کے بعد از کار رفتہ ہو جائے اور پھر اس کی جگہ کچھ نئی چیزوں کو لانا پڑے۔

علم کی طلب

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "دو حریص ہیں ان کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا، علم کے طالب کا اور دنیا کے طالب کا" یہاں علم سے مراد دین کا علم ہے کیونکہ شریعت نے علم اسی کو قرار دیا ہے۔ رہا دنیا کا علم تو شریعت کی نظر میں علم نہیں ہاں اگر دین کا ذریعہ بن جائے تو تابع ہو کر علم دین میں داخل ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ لکڑی کھانے کی چیز نہیں ہے اور وہ کھائی نہیں جاتی لیکن چونکہ ذریعہ ہے کھانا تیار کرنے کا اس لیے اس کو بھی کھانے کے حساب میں شمار کرتے ہیں غرض یہ کہ جو چیز ذریعہ ہو وہ علم نہیں بلکہ جہالت ہے بخود میں ہے کہ بعض علم ایسے ہیں کہ ان کا نام تو علم ہے اور حقیقت میں وہ جہالت ہیں اس میں دنیا کا علم بھی داخل ہے جبکہ وہ اطاعت دین کا ذریعہ نہ ہو اور وہ علم دین بھی اس میں داخل ہے جس پر عمل نہ ہو کیونکہ مقصود دیندار بننا ہے اور جب علم سے یہ بات پیدا نہ ہوئی تو وہ خواہ کیسا ہی علم ہو جہالت ہے۔

اس حدیث میں ایک حکم بھی مراد ہے اور وہ یہ کہ دنیا کی حرص چونکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہے اس لیے اس کو چھوڑ دو اور علم دین چونکہ ان کے نزدیک بہت پسند ہے اس لیے اس کو طلب کرو اس سے دنیا کی ترقی کو منع نہیں کیا گیا ہے بلکہ دنیا کو قبلہ توجہ اور مقصود اصلی بنانے سے روکا گیا ہے دنیا کو حاصل کرنا منع نہیں ہے لیکن دنیا کی حرص منع ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حلال کا حاصل کرنا فرض ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ دنیا کی محبت جڑ ہے ہر گناہ کی تو کمانا دنیا کا دنیا نہیں ہے لیکن محبت اور طلب دنیا کی دنیا ہے جہاں یہ پیدا ہو جاتی ہے تو حرص غالب ہو جاتی ہے اور ضرورت کی مقدار پر کفایت نہیں ہوتی اور یہی خدا کے نزدیک ناپسند ہے دیکھو جب ایک گھوڑے کی خدمت کرتا ہے تو اصلی غرض یہ ہوتی ہے کہ سواری یا سفر کے کام آئے اب اگر کوئی شخص گھوڑے کو کھلائے اور پلائے اور اس سے کبھی کام نہ لے تو سب اس کو بیوقوف کہیں گے غرض گھوڑے کی خدمت منع نہیں ہے مگر جب اس قدر اس کی خدمت ہو کہ اصل مقصود بھی فوت ہو جائے اور گھوڑا ہی مطلب بن جائے تو اس سے روکا جائے گا اور اصل مقصود حاصل کرنے کا حکم دیا جائے گا اسی طرح دنیا حاصل کرنا اس درجہ میں کہ اس اصل مقصود میں کچھ خلل نہ آئے کوئی گناہ نہیں ہے۔

دین کی طلب میں کمی کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے ایک تو دین سے بے پرواہی ہے اور دوسرے یہ کہ لوگوں نے بہت سے کاموں کو دین سے الگ کر رکھا ہے ان کو دین ہی نہیں سمجھتے جیسے آپس کے معاملات خریدنے بیچنے وغیرہ یا رہنے سہنے کا طریقہ اور رہنے چلنے کے قاعدے یا اچھی بری خصلتیں جیسے صبر و شکر کینہ و حسد وغیرہ۔ دین خدا تعالیٰ کا ایک قانون ہے اور قانون ہر چیز کے متعلق ہوتا ہے آپ حکومت کے قانون کو دیکھ لیجئے کیا حکومت کے قانون میں معاملے

شامل نہیں یا قانون پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے تعجب ہے کہ دنیا کے حاکم کو تو اختیار رہو کہ وہ معاملات وغیرہ سب کے لیے قانون بنائے لیکن خدا تعالیٰ جو اصلی حاکم ہے اس لیے اس کا اختیار نہ سمجھا جائے اور اس کے قانون کی ضرورت کا اقرار نہ کیا جائے خواہ عقیدہ ایسا نہ ہو لیکن عمل ہی ظاہر کرتا ہے کہ ہم اس کے لیے قانون مقرر کرنے کا حق نہیں سمجھتے

دراصل مسلمان کی یہ حالت ہونا چاہیئے کہ علم کی طلب سے کبھی اسکا پیٹ نہ بھرے تو ہر مسلمان کا فرض ہوا کہ کتنی ہی عمر ہو جائے برابر دین کی طلب میں رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب کی طلب کو نہیں فرمایا ہے بلکہ علم کی طلب کا حکم فرمایا ہے تو شریعت کے احکام معلوم کرلو خواہ پوچھ کر یا پڑھ کر۔ صحابہ اور پہلے بزرگوں کا یہی دستور رہا ہے کہ جس بات کی ضرورت ہوتی پوچھتے اور اس پر عمل کرتے تو یہ ایک طریقہ ہے علم کی طلب کا اور اس طریقہ سے ہر شخص یہ فضیلت حاصل کرسکتا ہے مگر اس کی اصلی صورت یہ ہے کہ دین کے جتنے حصے ہیں عقیدے، عبادتیں، معاملات، خصلتیں رہنے سہنے کے طریقہ سب کی اصلاح کرے اور جو نہ معلوم ہو پوچھتا رہے۔ بس یہ طالب علم ہوگیا اور اس کی وہی فضیلت ہوگی جو باقاعدہ پڑھنے والے طالب علم کی خلاصہ یہ کہ اول تو یہ خیال ہر وقت رکھو کہ کون کام شریعت کے خلاف ہے اور کونسا شریعت کے موافق اور ہر بات میں جائز اور ناجائز کا خیال رکھنا چاہیئے اور مسلمان کی شان ہونی چاہیے کہ علم دین کی طلب سے اس کا پیٹ نہ بھرے اور دنیا کو طلب نہ کرے کیونکہ وہ علم دین کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی

جمہوریت ایک ایسا کلمہ ہے جسے دنیا کے بدترین ڈکٹیٹر بھی پڑھتے ہیں

ابو امامہ رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کا حاکم جب اپنی رعایا کی عیب جوئی کے درپے ہو جائے تو سمجھ لو کہ وہ ان کو بگاڑ کر رہے گا۔ رواہ ابوداؤد

حضرت معاویہ رض سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے میں نے خود سنا ہے کہ جب تم لوگوں کے عیب کے پیچھے لگے تو تم ان کو بگاڑ کر رہو گے۔

رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۲

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ظاہر پرست اور صرف نمائش کے بندے ہوں گے اور اصلاحِ باطن کے دشمن ہوں گے۔ اس پر کسی سائل نے عرض کیا کہ ایسی غلط باتیں کیونکر ہوں گی۔ آپ نے فرمایا کسی کی خوشامد کے لئے اور کسی کے ڈر کے مارے۔ (احمد۔ مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۵)

ایک خاتون کی بصیرت افروز دانائی

جناب مولانا سید احمد قادری

یحییٰ بن سعید قاسم بن محمد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا میری ایک بیوی کا انتقال ہوگیا تھا اس کی تعزیت کے لیے محمد بن کعب قرظی میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھے جو فقیہ، عالم، عابد اور اللہ کی عبادت میں بہت سرگرم تھے ان کی ایک بیوی تھیں جن کے وہ شیفتہ و گرویدہ تھے ان سے بے حد محبت کرتے تھے ان کی اس بیوی کا انتقال ہوگیا ان کی وفات پر انھیں شدید غم ہوا اور ان پر حزن و غم کی ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ وہ اپنے گھر میں خلوت نشین ہوگئے لوگوں سے ملاقات ترک کر دی کوئی شخص ان کے پاس نہیں جا سکتا تھا ایک خاتون کو یہ بات معلوم تو وہ ان کے دروازے پر آئیں ان کے علاوہ اور بھی کچھ لوگ اسرائیلی فقیہ سے ملنا چاہتے تھے انہوں نے کہا کہ مجھے ایک مسئلہ دریافت کرنا ہے اور میں وہ مسئلہ ان کے روبرو ہی پیش کر سکتی ہوں دوسرے لوگ تو انتظار کر کے واپس چلے گئے لیکن وہ خاتون دروازے سے نہیں ہٹیں آخر ایک شخص نے (غالباً جن کو انھوں نے دربان پر مقرر کر رکھا ہوگا) فقیہ سے کہا کہ ایک خاتون آپ سے کوئی مسئلہ پوچھنا چاہتی ہیں اور کہتی ہیں کہ وہ آپ کے سامنے ہی اسے پیش کر سکتی ہیں۔ دوسرے لوگ تو واپس چلے گئے لیکن وہ دروازے سے نہیں ہٹتیں فقیہ نے کہا انھیں آنے کی اجازت دے دو وہ ان کے پاس آئیں اور کہا کہ ایک معاملے میں آپ سے ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ انہوں نے کہا۔ کہو وہ مسئلہ کیا ہے؟ خاتون نے کہا میں نے اپنی پڑوسن سے ایک زیور عاریۃً لیا تھا اور میں اس کو پہنا کرتی تھی اور دوسروں کو بھی عاریۃً دیا کرتی تھی اب مجھ سے اس زیور کا مطالبہ کیا جا رہا ہے کیا میں اسے واپس کر دوں؟ فقیہ نے کہا خدا کی قسم تمہیں اسے واپس کر دینا چاہیئے۔ خاتون نے کہا لیکن صاحب وہ زیور تو میرے پاس ایک مدت سے ہے۔ فقیہ نے جواب دیا تب تو بدرجۂ اولیٰ تمہیں واپس کر دینا چاہیئے کیونکہ ایک تو اس پڑوسن نے تمہیں وہ عاریۃً دیا اور دوسرا احسان یہ کہ تمہارے پاس بہت دنوں تک چھوڑے رکھا۔ اس سوال و جواب کے بعد اس خاتون نے کہا۔ اے فقیہ اللہ آپ پر رحم کرے کیا آپ اس چیز پر اس قدر افسوس و غم کر رہے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عاریۃً دی تھی اور پھر اس نے واپس لے لی اور وہ آپ سے زیادہ اس کا حقدار اور مالک ہے یہ سنکر فقیہ چونک گئے۔ ان کی بصیرت جاگ اٹھی اور اللہ نے انھیں اس خاتون کی دانائی سے نفع بخشا۔

(موطا مالک ج ۲)

اس واقعہ سے کئی سبق ملتے ہیں ایک یہ کہ کسی صاحب علم و عمل انسان پر بھی کبھی ایسی کیفیت طاری ہو سکتی ہے اور اس سے کسی ایسی بات کا ظہور ہو سکتا ہے جو اُن

خدا ہے یا نہیں؟

مضمون کا بنیادی تخیل از
طارق عمیر عثمانی
سابق متعلم مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

خدا ہے یا نہیں؟

اس سوال سے پہلے یہ سوال ہے کہ ہم یا نہیں ہیں یہ زمین جس پر ہم زندگی گذار رہے ہیں ہے یا نہیں؟ یہ سورج جو دن کو روشن و تابناک بناتا ہے اس کا وجود ہے یا نہیں؟

جیسے ہی ہم اپنے وجود کو تسلیم کرلیں —— اور اس کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں یہ قلم جس سے میں لکھ رہا ہوں — اور یہ دماغ جس سے میں سوچ رہا ہوں — یہ آنکھیں جس کے ذریعے آپ میری تحریر پڑھ رہے ہیں — ہمارے ہونے کی گواہ ہیں ثبوت ہیں کہ ہماری ایک ہستی ہے — جیسے ہی ہم اپنی ہستی کو تسلیم کرتے ہیں — ہمارے لیئے خدا کو ماننا ضروری ہو جاتا ہے۔

میری عمر اتنے سال ہے اتنے سال پہلے میں "نہیں" تھا اور اب میں ہوں یہی تخلیق اور پیدائش کے واقعہ کو مان لینے کے بعد خالق مانے بغیر چارہ نہیں — مخلوق کے ماننے کے بعد خالق کا نہ ماننا ایک بے معنی بات ہے۔

آپ ہندوستان کی دھرتی پر سترہویں صدی عیسوی کے بنے "تاج محل" کی حسین عمارت کو مانیں — تو کیا یہ نہ مانیں گے کہ اس تاج محل کا ایک بنانے والا بھی تھا۔ کیا ممکن ہے کہ ایک مخصوص تاریخ میں تاج محل خود بخود بن کر کھڑا ہو گیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ کائنات خود خدا کی گواہی دے رہی ہے۔
(Nature and Science Speak about God.)

ooo

حق گوئی و بے باکی

جناب اخلاق احمد چوہان ایم اے
مالیرکوٹلہ

حجاج گورنر عراق ایک بڑے مزین دربار ہال میں چند سرداروں کے ساتھ محو گفتگو ہے کہ اتنے میں ایک نوعمر خوبصورت لڑکا خوارج میں سے قیدی کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے وہ بڑی بے پرواہی سے اِدھر اُدھر اوپر نیچے نگاہ دوڑا کر دیکھتا ہے حجاج کی موجودگی کا احساس ہی نہیں۔ ان حرکات پر اہل دربار غصہ میں بھر جاتے ہیں مگر امیر کے اشارہ ابرو کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں

قیدی لڑکا ۔ ٹھنڈی آہ بھر کر ایک آیت تلاوت کرتے ہوئے ، اونچی اونچی زمینوں پر نشان بناتے ہو اور بے فائدہ مضبوط قلعہ جات کی تعمیر کرتے ہو شاید تمہارا خیال ہے ان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے رہو گے۔

حجاج جو ابھی تک تکیہ لگائے مسند پر نیم دراز تھا سیدھا ہو سمٹتا ہے ۔

حجاج = لڑکے تم قدرے ذہین اور عقل مند دکھائی دیتے ہو۔ کیا حافظ قرآن ہو

قیدی لڑکا ۔ مجھے اس کے ضائع ہونے کا قطعاً خوف نہیں جو حفاظت کرتا ۔ ارے نادان اس کا نگہبان تو خود خداوند تعالیٰ ہی ہے ۔

حجاج ۔ تو نے قرآن کو جمع کیا ہے ۔

قیدی لڑکا ۔ پہلے کونسا بکھرا ہوا تھا جو جمع کرتا ۔

حجاج :۔ تو پھر کیا محکم کیا ہے

قیدی لڑکا ۔ کیا خداوند قدوس نے اس کو غیر محکم نازل فرمایا تھا ۔

حجاج :۔ تو نے قرآن کو پشت پناہ کیا ہے

قیدی لڑکا :۔ خدا کی پناہ میں اس کو پیٹھ پیچھے کیوں ڈالوں ۔

حجاج :۔ (برافروختہ ہوکر) افسوس ہے تجھ پر خدا کی مار میں جو کچھ کہتا ہوں تو اس کا الٹ مقصد نکالتا ہے

قیدی لڑکا :۔ افسوس ہے تجھ پر اور تیری قوم پر کہ وصیت یعنی قرآن مجید کو تو نے اپنے سینے میں تو رکھ لیا یعنی حفظ کر لیا مگر عمل سے عاری ہے ۔

حجاج :۔ کچھ پڑھ ۔

قیدی لڑکا :۔ شیطان رجیم سے خدا کی پناہ مانگتا ہو رحمت کرنے والے خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں ۔ جبکہ خدا کی مدد اور فتح آئی اور تو دیکھے گا کہ لوگ خدا کے دین سے فوج در فوج نکلے چلے جاتے ہیں ۔

حجاج :۔ بیٹے منہ وہ تو دین خلوت میں یعنی داخل ہوتے ہیں ۔

قیدی لڑکا :۔ پہلے داخل ہوتے تھے مگر اب تو نکلے جاتے ہیں ۔

حجاج :- کیوں ؟

قیدی لڑکا:- تیری بدکاری سے -

حجاج :- (ایک دم اپنی مسند سے غصہ کی حالت میں اچھلتے ہوئے) تو جانتا ہے کہ کس سے بات کر رہا ہے -

قیدی لڑکا:- ہاں ثقیف کے شیطان سے

حجاج :- افسوس ہے تجھ پر - اچھا بتا کس نے تیری پرورش کی -

قیدی لڑکا:- جس نے تجھے پیدا کیا -

حجاج :- تیری ماں کون ہے ؟

قیدی لڑکا:- جس کے پیٹ سے پیدا ہوا -

حجاج :- کہاں پیدا ہوا ؟

قیدی لڑکا:- جنگل میں -

حجاج :- بڑھا کہاں ؟

قیدی لڑکا:- بیابانوں میں -

حجاج :- افسوس ہے تجھ پر تو دیوانہ ہو گیا ہے کیا تیرا علاج کرا دوں - ؟

قیدی لڑکا:- اگر میں دیوانہ ہوتا تو تجھ تک نہ پہنچتا اور تیرے سامنے اس طرح نہ کھڑا ہوتا جیسے کوئی فضل کا امیدوار اور غصے سے خوفزدہ کھڑا ہو

حجاج :- برہمی کی حالت میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور قیدی لڑکے کو واپس لے جانے کا حکم دیکر خود اپنی آرام گاہ کی طرف ایک شکست خوردہ جواری کی مانند پریشان چل دیتا ہے سارے درباری اس لڑکے کی گستاخیوں کی بنا پر قسم قسم کی چہ میگوئیاں کرتے رخصت ہوتے ہیں -

حجاج اپنی آرام گاہ میں بستر پر نیم دراز ہے مگر کسی گہری سوچ میں غوطہ زن غلام کھانے کی اطلاع دینے حاضر ہوا مگر بھوک نہ ہونے کا بہانہ بنا کر ٹال دیتا ہے اسی طرح دوپہر شام اور رات کٹ جاتی ہے اور دوسرے دن پھر دربار طلب کیا گیا اور وہی قیدی لڑکا حاضر تھا -

حجاج :- لڑکے تمہارا امیرالمومنین کے بارے میں کیا خیال ہے - ؟

قیدی لڑکا:- ابوالحسن پر خدا کی رحمت و برکات ہوں -

حجاج :- میری مراد یہ نہیں بلکہ میری مراد تو عبدالملک بن مروان سے ہے -

قیدی لڑکا:- لعنت ہو خدا کی اس بدکار اور بدعمل پر -

حجاج :- (غصے کی حالت میں) پھٹے منہ تیرا وہ کیوں لعنت کا مستحق ہوا - ؟

قیدی لڑکا:- اس نے اتنے گناہ کئے ہیں کہ زمین و آسمان کی وسعت کو بھر دیا ہے -

حجاج :- وہ کیا ؟

قیدی لڑکا:- اس نے تجھ ایسے کو رعیت پر حاکم بنا دیا اور تو ان کے مال مباح اور خون کو حلال سمجھتا ہے -

حجاج :- (مصاحبین کی طرف متوجہ ہو کر) اس منہ پھٹ اور گستاخ لڑکے کے بارے میں مشورہ دو -

مصاحبین :- (ایک زبان ہو کر) سخت ترین سزا کا مستحق ہے

ایک مصاحب :- (کھڑے ہو کر) اس نے اطاعت سے انکار کیا ہے اور جماعت سے الگ ہو گیا اس کے علاوہ امیرالمومنین کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کئے ہیں لہذا اس کو قتل کر دیا جائے -

قیدی لڑکا:- اے حجاج تجھ سے تو تیرے بھائی فرعون کے مصاحب بہتر تھے کیونکہ انہوں نے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی کے بارے میں نرم رویہ کا مشورہ دیا تھا اور یہ لوگ میرے مارنے میں خوش

ہیں خداوند قدوس کی قسم کل جب خدا
کے سامنے حجت ہوگی اور اس خدائے
برتر و بہتر کے آگے جو کہ تمام بادشاہوں
جباروں، قہاروں، رسوائی کرنے والوں
اور مغروروں کا بھی خدا ہے۔

حجاج :- (غصہ میں) تہذیب سے کام لے بدبخت اور
زبان کو لگام دے ڈر ہے کہ کسی امر میں
چوک نہ جائے۔ (قدرے نرم رویہ اختیار
کرتے ہوئے) جا میں نے تیرے لئے چار ہزار
کا حکم دیا ہے۔

قیدی لڑکا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ خدا تیرا
منہ سفید کرے اور ٹخنہ اونچا۔

حجاج :- (اپنے مصاحبین کی طرف متوجہ ہوکر) اس
نے اپنے ان الفاظ منہ سفید اور ٹخنہ اونچا
سے کیا مراد لی ہے۔

مصاحبین امیر بہتر جانتے ہیں۔

حجاج :- اس نے اپنے قول میں خدا تیرا منہ سفید
اور ٹخنہ اونچا سے مراد اندھا ہونا کوڑھ
کے مرض میں مبتلا ہونے اور سولی پر چڑھنا
مراد لیا ہے

(پورے دربار میں سناٹا چھا جاتا ہے)

قیدی لڑکا: خدا تجھ منافق کو ہلاک کرے کیا ہی خوب
سمجھا ہے۔

حجاج کا مزاج برہم ہو جاتا ہے
اور اس کے قتل کئے جانے کا حکم دیدیا
جاتا ہے، رقاشی بھی دربار میں موجود
ہے اور وہ اٹھ کر اس لڑکے کو اپنے لئے
مانگتا ہے، درخواست قبول کر لی جاتی ہے

رقاشی:- لڑکے کے زندگی بچ جانے سے خوش ہے۔

لڑکا :- میں نہیں جانتا کہ دونوں میں کونسا زیادہ
احمق ہے آیا کہ بخشنے والا اس موت کا
جو سامنے حاضر ہے یا جو ابھی نہ آنے والی
موت کا بخشوانے والا۔

رقاشی :- اے بے وقوف، میں نے تجھے موت سے
بچا لیا ہے اور تو اس کا یہ صلہ دے رہا
ہے

لڑکا :- اگر یہ سعادت مجھے حاصل ہو تو مجھے شہید
ہونا منظور ہے خدا کی قسم خالی ہاتھ
جانے سے مجھے قتل ہونا بہتر معلوم ہوتا
ہے۔

اگرچہ حجاج کے ساتھ اس بیباک
لڑکے نے گستاخانہ بات کی، مگر حجاج اس
کے باوجود اس سے بہت متاثر ہوا اور
بڑی شفقت کے ساتھ مخاطب ہوا

حجاج :- نادان لڑکے ہم نے تیرے لیے ایک لاکھ درہم
انعام کا حکم دیا ہے۔ اس رقم کو قبول کر
اور تیرے لڑکپن اور ذہن کی صفائی کی وجہ
سے تمام خطائیں بھی معاف کرتے ہیں۔

قیدی لڑکا: بخشش خدا کے ہاتھ میں ہے نہ کہ تیرے
ہاتھ میں اور شکر یہ خدا کے سوائے اور
کس کا خدا مجھے اور آپ کو پھر کبھی اکٹھا نہ کرے

اس نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور
اپنے ارد گرد کھڑے غلاموں سے بازو چھڑا
اور خدائے واحد و حقیقی کی تسبیح کرتا ہوا
باہر نکل گیا غلاموں نے اس کا پیچھا کرنا چاہا
مگر حجاج نے اشارے روک دیا۔

حجاج :- (اپنے مصاحبین سے) خدا کی قسم میں نے
اس سے زیادہ دلاور اور صاف گو آج
تک نہیں دیکھا اپنی جان کی قسم میں نے
ایسا آدمی ہرگز ہرگز نہیں پایا اور امیر ہے
اس نے مجھ جیسا بھی نہیں پایا ہوگا اللہ۔
ہے تم میں سے کوئی اس قدر بے باک جو

باقی ۵۴ پر

شاعری

مولوی سہیل عزیز (فاضل دیوبند)

شاعر کے لفظی معنیٰ صاحب شعور کے ہیں شعور اصل میں احساس کو کہتے ہیں یعنی شاعر وہ شخص ہے جس کا احساس قوی ہو انسان پر خاص خاص حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ مثلاً رونا ہنسنا۔ انگڑائی لینا یہ حالتیں انسان پر جب غالب ہوتی ہیں تو اس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتی ہیں۔ رونے کے وقت آنسو۔ جاری ہوتے ہیں ہنسنے کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہوتی ہے۔ انگڑائی میں اعضاء تن جاتے ہیں اسی طرح شعر بھی ایک خاص حالت کا نام ہے شاعر کی طبیعت پر رنج یا خوشی یا غصہ کے طاری ہونے کے وقت ایک خاص اثر پڑتا ہے اور یہ اثر موزوں الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے اسی کا نام شاعری ہے۔

شعر العجم صفحہ ۱۰ پر ہے کہ۔

شعر۔ جیسا کہ ارسطو کا مذہب ہے ایک قسم کی مصوری یا نقالی ہے فرق یہ ہے کہ مصور صرف مادی چیزوں کی تصویر کھینچ سکتا ہے بخلاف اس کے شاعر ہر قسم کے خیالات و جذبات و احساسات کی تصویر کھینچ سکتا ہے۔

ایک شخص کا عزیز دوست جدا ہو رہا ہے اس حالت میں جو اس پر صدمے گذرتے ہیں اور دل سوز خیالات کا طوفان جو اس کے دل میں امڈتا ہے شاعر اس کی تصویر اس طرح کھینچ سکتا ہے کہ اگر رنج و غم مادی چیز ہوتی اور اس کی تصویر کھینچی جاتی تو وہی ہوتی جو شاعر نے الفاظ میں کھینچی ہے شاعر کے جذبات اور احساسات فطرۃً نہایت نازک اور لطیف ہوتے ہیں دوست کی جدائی ہر شخص کے دل پر اثر کرتی ہے لیکن شاعر اس موقع پر بالکل بے تاب ہو جاتا ہے دریا کی روانی سے ہر شخص محفوظ ہوتا ہے لیکن شاعر پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے سبزہ دیکھنے سے ہر شخص کو فرحت ہوتی ہے لیکن شاعر جھومنے لگتا ہے ممکن ہے اس قسم کیفیت دوسروں پر طاری ہو لیکن وہ لوگ اس کیفیت کو الفاظ کے ذریعہ اس طرح بر ادا نہیں کر سکتے جس طرح شاعر کر سکتا ہے حاصل یہ کہ جو شخص واقعات اور مظاہر قدرت سے اور لوگوں کی نسبت زیادہ متاثر ہو اور اس اثر کو الفاظ کے ذریعہ سے پورا پورا ظاہر کر سکتا ہو وہی شاعر ہے۔

شعر العجم صفحہ ۸ پر ہے کہ

شعرائے فارس کے نزدیک دراصل شاعری تخئیل کا نام ہے نظامی عروض سمرقندی جو خود بہت بڑا شاعر تھا اپنی کتاب چہار مقالہ میں لکھتا ہے کہ شاعری اس کا نام ہے کہ مقدمات موہومہ کے ذریعہ اچھی چیز بری اور بری چیز کو خوشنما ثابت کیا جائے جس سے محبت اور غضب کی قوتیں مشتعل ہو جائیں شاعر کی حقیقت اور۔ اس کی ماہیت پر سب سے پہلے ارسطو نے بحث کی چنانچہ اس نے خاص اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی جسکا نام (بوطیقا) (پوئیٹری ہے) اس کتاب کا

ترجمہ عربی زبان میں ہوا اور ابن رشد نے اسکی تلخیص کی مسلمانوں نے ارسطو کی ادبی تصانیف کی طرف نظر نہیں کی اس لیے شاعری کے متعلق ارسطو کے جو خیالات تھے وہ مسلمانوں میں بالکل نہ پھیل سکے۔

شاعری صرف وزن اور قافیہ کا نام نہیں کتب ادبیہ میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حسان بن ثابت کے صغیر السن بچے کو بھڑ نے کاٹ کھایا وہ حسان کے سامنے روتا ہوا آیا کہ مجھ کو ایک جانور نے کاٹ کھایا ہے انہوں نے جانور کا نام پوچھا وہ نام سے واقف نہ تھا۔ حسان نے کہا اچھا اس کی صورت کیا تھی بچے نے کہا۔ "کانہ ملتف بردحبرۃ"۔ یعنی گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک مخطوطہ چادروں میں لپٹا ہوا ہے کیونکہ بھڑ کے پروں پر رنگین دھاریاں ہوتی ہیں اس لیے اس نے مخطوط چادر سے تشبیہ دی حسان اچھل پڑے اور خوشی کے جوش میں کہا "واللہ صار ابنی الشاعر"، یعنی خدا کی قسم میرا بیٹا شاعر ہو گیا ہے شعر موزوں نہیں تھا لیکن چونکہ نہایت عمدہ تشبیہ تھی حسان نے سمجھا بچے میں شاعری کی صلاحیت موجود ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اہل عرب کے نزدیک شعر کی اصل حقیقت کیا تھی۔

ابن رشیق قیروانی نے عرب کی شعر و شاعری پر ایک مستقل کتاب لکھی اس میں بھی شعراء اور علماء ادب کے جو اقوال ہیں ان سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

یہ قدم قدم تامل یہ تھکے تھکے ارادے
کہو میر کارواں سے کہ قدم کی لے بڑھا دے

بقیہ:- قاتل مائیں

یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لٹریچر اور اپنی قدیم روایات سے ایسے تمام اجزا ختم کر لے جو اس بے قدری کا باعث ہیں۔

اسی طرح مسلمانوں کی بھی ذمہ داری ہے کہ اگر درپیش کے حالات سے اس معاملے میں ان کے معاشرے میں جو گراوٹ آگئی ہے اسے دور کیا جائے اور ہماری خواتین خود اپنے ساتھ ہونے والی بے قدریوں کا سوال اٹھائیں اور اسے شریعت کی زیر ہدایت حل کریں۔

بقیہ:- حق گوئی و بیباکی

اتنے انعام و اکرام کو پائے حقارت سے ٹھکرا دے اور کسی بھی قسم کا لالچ اس کا پاؤں نہ باندھ سکے (اوپر آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر) خدایا شکر ہے ابھی تیری دنیا میں حق گو اور بیباک لوگ زندہ ہیں اور مزید شکر گذار ہوں کہ تو نے مجھے ایسے انسان سے ملنے کا شرف بخشا۔

دربار برخاست کر کے حجاج اپنے پرائیویٹ محل کی طرف چل دیا اور مصاحبین اپنی گردنیں جھکائے اپنے اپنے گھروں کو رواں ہو جاتے ہیں۔

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی ۰
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی ۰

قاتل مائیں

عرب جاہلیت کے بارے میں یہ شہرت عام تھی کہ وہاں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زمین میں زندہ دفن کردیا جاتا تھا مشہور ہے کہ غیرت و حمیت جاہلیہ نے عربوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھا رکھی تھی کہ کسی کو بیٹی دینا اپنا درجہ گرانے کے ہم معنیٰ ہے عرب ایک جفاکش اور جنگ جو قوم تھے اور اپنی جنگ آزمائی کا ایک لازمی تقاضا یہ بھی سمجھتے تھے کہ ان پر عورتوں کی حفاظت اور دیکھ بھال کی ذمہ داری کم رہے اور صرف نرینہ اولاد ہی ان کے ساتھ رہے اور ان کا ہاتھ بٹائے۔

یہ کیفیت ہزاروں سال سے عرب میں چلی آرہی تھی باپ اپنی جگر گوشہ لڑکیوں کا اپنے ہاتھ سے گلا گھونٹ دیتے تھے۔ ایک صاحب نے جو بعد میں تاریخی لحاظ سے بہت ممتاز تاریخی شخصیت ثابت ہوئے اپنا حال لکھا ہے کہ ان کی ۷، ۸ کی بچی ان سے بے حد محبت کرتی تھی ایک دن جی کڑا کر کے انھوں نے اپنی بیٹی کو ساتھ لیا اور ریگستان میں جاکر گڑھا کھودنا شروع کیا گڑھا کھودتے اور مٹی پھینکتے ہوئے باپ کے سر کے بالوں میں مٹی بھر جاتی، بیٹی پیارے پیارے ہاتھوں سے مٹی جھاڑتی اور بار بار کہتی کہ ابا آپ کے ہاتھ تھک گئے ہوں گے لائیے میں ہاتھ پاؤں دبا دوں۔

جب گڑھا کھودا جا چکا تو باپ نے بیٹی کو گڑھے میں کھڑا کردیا۔ بیٹی باپ کا مزاج سمجھتی جاتی تھی اور باپ اس گڑھے میں مٹی ڈال رہا تھا۔ جب مٹی لڑکی کی گردن تک آ پہنچی تو اس نے پوچھا کہ ابا جان میرا کیا قصور ہے اور آپ مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے باپ کا ضمیر اندر سے کچوکے لگا رہا تھا۔ مگر جاہل سماج اس کو سنگ دلی پر آمادہ کئے ہوئے تھا بیٹی کی بات سن کر باپ وہاں سے بھاگا بیٹی ابا ابا کی آوازیں لگاتی رہی اور باپ کانوں میں انگلیاں دئے بھاگتا رہا یہاں تک کہ دور نکل آیا بہت دور۔ ضمیر کو تھپک کر اور سماج کی روایات کی حفاظت کرتے ہوئے ایسی نجانے کتنی معصوم اور بھولی بھالی جانیں ہر دن بھینٹ چڑھتی تھیں اور کوئی نہیں تھا کہ ان بے گناہوں کا تحفظ کرتا۔

یہ سنہ ۶۰۰ عیسوی تک کا عرب تھا پھر اسی عرب میں ایک آواز اٹھی خدا کو ایک مان کر اس کا حکم ماننے اور آخرت میں دنیا کے سارے اعمال کا جواب دینے کی آواز اور اسی نے ایک دن یہ حکم سنایا کہ ان نومولود بچوں کے بارے میں کبھی تم سے سوال کیا جائے گا

کہ انھیں کس جرم میں قتل کیا گیا تو ہزاروں سال کی جاہلانہ ہدایتیں پلک جھپکتے میں ختم ہو گئیں پھر جب رسالت نے خوش خبری کی زبان میں یہ سنایا کہ جس نے تین یا دو بیٹیوں کی اچھی طرح پرورش کی تو وہ جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرح ہمرکاب ہوگا جیسے ہاتھ کے نیچے میں انگلیاں ساتھ ساتھ لگی رہتی ہیں۔ پھر انھیں مظلوم عورتوں کے حقوق کے قوانین مرتب ہوئے۔ ان کے بحیثیت بیٹی بیوی بہن اور ماں سارے کے سارے حقوق ترتیب دیئے گئے اور یہ کیفیت پیدا ہو گئی کہ ہر میدان میں ان خواتین کا درجہ بلند ہوا اور ممتاز مقامات کی مالک بنیں۔

چھٹی صدی عیسوی کی جہالت کی بات آپ نے سنی۔ اب

اس بیسویں صدی کا ایک واقعہ سنئے کسی اور ملک کا نہیں، آپ کے ہندوستان کا۔ اور کسی پسماندہ گاؤں کا نہیں ملک کی راجدھانی دہلی کا واقعہ۔ واقعہ یوں ہے کہ ہماری میڈیکل سائنس حاملہ عورتوں کی جانچ پڑتال کر کے یہ پتہ چلانے میں کامیاب ہو گئی ہے کہ جب حالت جنین میں بچے میں جان پڑ جائے تو اس کی جنس کیا ہے۔ چنانچہ ہماری راجدھانی کی تین سو حاملہ ماؤں کو جب میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں پتہ چل گیا کہ ان کے پیٹ میں لڑکیاں پرورش پا رہی ہیں تو انہوں نے یہ کوشش کی کہ یہ حمل گرا دیئے جائیں یہ تو ہمیں معلوم نہیں کہ یہ بچیاں قتل کی گئیں یا بچ گئیں لیکن یہ ضرور پتہ چل گیا کہ کم از کم تین سو مائیں قاتل بننے کے لئے آمادہ تھیں

کہتے ہیں لڑکیاں سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں آگے بڑھ رہی ہیں۔ وہ ڈاکٹر ہیں، معلم ہیں، تاجر ہیں، اخبار نویس ہیں۔ وہ صدر اور وزیر اعظم ہیں سیاست اور حرفت میں آگے آگے ہیں۔ ان کی ذہانت قابل داد اور ان کا مقام سماج میں بلند ہے مگر انہی لڑکیوں اور اسی ہونہار نسل سے پیچھا چھڑانے کے لئے آج بھی ۱۴ سو سال پرانی جہالت کا سلوک کیا جا رہا ہے

جنس لطیف کی یہ بے قدری کچھ اس وجہ سے ہی نہیں کہ ہمارے ملک میں جہیز کے معاملے میں انتہا پسندی اور خود غرضی پائی جاتی ہے بلکہ یہاں کے رسوم و رواج میں بھی جن کو دھرم کا تقدس حاصل رہا ہے عورت کی حیثیت کو گرا ہوا سمجھا گیا ہے۔ وہ اپنی آزاد اور خود مختار زندگی نہیں رکھتی بلکہ مرد کا ضمیمہ بنا دی گئی ہے۔ مرد اس کا معبود اور وہ اس کی بندی .... سمجھی جاتی تھی ان سب تصورات نے مل کر اسے سوسائٹی کے لیے برابر کا کارآمد وجود قرار دینے کے بجائے ایک بے زبان خادم بنا دیا اور یہ بیچاری مخلوق عزت و احترام کی مستحق نہ بن سکی کچھ لوگ ایک اور زاویے سے جنس کے اس فرق کو دیکھتے تھے اور وہ تھا اقتصادی نقطہ نظر مشترکہ خاندان کے نظام میں مرد ایک اقتصادی اکائی اور سرمایہ کی حیثیت رکھتا تھا اور عورت ایک بوجھ سمجھی جاتی تھی۔ اس ڈھانچے میں دولت کو جمع کرنا اور محفوظ رکھنا افضل مقصد زندگی بن گیا تھا۔ اس لیے اس مقصد کو نقصان پہنچانے والی ہر چیز کا ناپسندیدہ سمجھا جانا فطری امر تھا

جنس لطیف کی یہ بے قدری ہمارے اکثریتی سماج کا ایک مستقل حصہ ہے اور

باقی صفحہ ۵۴ پر

جب انسانیت جاگتی ہے

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

ذکر روشن خیالی و ترقی پسند بیسویں صدی عیسوی کا نہیں۔ جمود پسند رجعت پرست و تاریک خیال انیسویں صدی کے آخر کا ہے۔ بمبئی کے ایک اونچے ہوٹل میں ایک رئیس باہر سے آئے ہوئے ٹھہرے ہیں بالائی منزل کے سب کمرے انھیں کے لئے وقف ہیں نیچے سے آواز آئی ہے، کوئی سائل "راجہ راجہ" کہہ کر پکار رہا ہے۔ خدمت گار کو حکم ملتا ہے۔ اسے بلاؤ سائل آتا ہے اور ڈنڈوت کرکے عرض کرتا ہے کہ ــــــ "تین کنیاؤں کے وواہ کے لئے دان مانگنے گھر نکلا ہوں۔ ۵۰۰۰ کی ضرورت ہے۔ اس میں سے اب تک ۸، ۹ سو مانگ لایا ہوں۔ اب جو کمی رہ گئی ہے۔ اس کو ان داتا پورا کردیں۔"

مد سائل برہمن، رئیس مسلمان۔ حکم ہوتا ہے پانچ ہزار اسے دے دیئے جائیں۔ یعنی سائل کے آرزو و حوصلہ سے بھی کئی گنے زائد۔ سائل سچا برہمن ہے اتنی بڑی رقم کے قبول کرنے سے انکار کرتا ہے کہتا ہے "جو ارادہ کرکے گھر سے نکلا ہوں۔ اس سے زیادہ لینا دھرم کے خلاف ہے۔" ادھر سے اسی داد و دہش پر اصرار۔ مصاحبین بھی اس اصرار میں شریک، بات کا پکا برہمن کہتا ہے کہ میں بغیر کچھ لئے واپس چلا جاؤں گا۔ انھیں کو مجبوراً ہار ماننی پڑی حکم ہوا اچھا یہ جس قدر لے اسی قدر دے دیا جائے ــــ برہمن خوش ہوا اور آشیرواد دیتا چلا گیا۔

لیکن جانے سے قبل ہی شادیوں کی تاریخ، مقام، پتہ، نشان سب پوچھ لیا گیا تھا عین تاریخ مقررہ پر لوگ دیکھتے کیا ہیں کہ اس گاؤں میں وہی رئیس موجود کھانا اسی برہمن کے ہاں سے منگا کر کھایا جاتا ہے اور خواہش تینوں بچیوں سے ملنے کی کی جاتی ہے۔ جب ملتی ہیں۔ تو انھیں بچی کہکر پکارا جاتا ہے اور ہر ایک کو ۵ ہزار کا زیور، ۵ ہزار کے کپڑے، ۵ ہزار نقد دے کر رخصت کیا جاتا ہے۔ اور رخصت بھی اسی طرح کہ بچیوں کو گلے لگا لگا کر، آنسوؤں سے رو رو کر، اور ان کے شوہروں کے ہاتھ میں ان کے ہاتھ کر۔

راوی کا بیان ہے کہ بچیاں برہمن پتا کو بھول گئیں، اور ان مسلمان پتا کو رکھا جس نے اپنی زندگی بھر انھیں اپنی ہی بچیاں سمجھا۔ اور ان کی کسی فرمائش کو رد نہ کیا ــــ یہ مسلمان رئیس آپ سمجھے کون تھے۔ حیدرآباد کے وزیر اعظم پولیس ایکشن سے پہلے کے رئیس و نامور جاگیردار، نواب سر وقار الامراء بہادر ــــ! یہ مردود جاگیرداری بھی کیسے کیسے لوگوں کو جنم دیتی رہی۔

احوال و کوائف

ادارہ

پہلی اپریل ۱۹۷۷ء کی تابناک صبح مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کے طلباء اور اساتذہ کے لیے خاص اہمیت رکھتی تھی کیونکہ ان کی سال بھر کی محنتوں کا نتیجہ آج سامنے آنے والا تھا۔ یہ جمعہ کا دن تھا بارہ بجے سے پہلے ہی نتیجہ کے انتظار میں مدرسہ کے بچے جامع مسجد میں جمع ہونے شروع ہو گئے۔ جامع مسجد کے وسیع دالان کو جہاں نتیجہ سنایا جانے والا تھا انہوں نے خوبصورت جھنڈیوں سے سجا رکھا تھا۔

ساڑھے بارہ بجے مدرسہ کے مہتمم صاحب اپنے ساتھ دو مہمانوں کو لیے جامع مسجد میں داخل ہوئے ان میں سے ایک مہمان تھے شکوارہ جامع مسجد کے امام پنجاب وقف بورڈ کے ممبر اور وقف بورڈ کی مذہبی کمیٹی کے چیرمین مولانا خلیل الرحمان صاحب لدھیانوی اور دوسرے مہمان تھے پنجاب وقف بورڈ کے سکریٹری جناب غضنفر علی خاں صاحب — مالیرکوٹلوی۔

● مدرسہ کے مہتمم مفتی صاحب مالیرکوٹلہ نے جلسہ کی صدارت کے لیے جناب غضنفر علی خاں صاحب سکریٹری پنجاب وقف بورڈ کا نام نامی پیش کیا اور جناب کوثر علی صاحب مدرس مدرسہ تعمیر سیرت نے اس کی تائید کی۔

● جلسہ کا آغاز مدرسہ تعمیر سیرت کی پانچویں جماعت کے طالب علم محمد ساجد کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد اس جماعت کے طالب علم طارق عمیر نے ایک نظم پڑھی۔

● اس کے بعد مہتمم مدرسہ مفتی صاحب نے نتیجہ سنانے سے پہلے مدرسہ کے قیام اس کی ضرورت اور مقصد کی اہمیت پر مختصر سی تقریر کی آپ نے فرمایا آج جمعہ ہے اور اسی مبارک دن ہی تین سال پہلے ۲۷ شوال ۱۳۹۱ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۹۷۱ء کو اسی جگہ پر یہ مدرسہ قائم کیا گیا تھا ایک مدرس تھے چند طلباء، اللہ نے اپنے فضل سے اس کو ترقی دی آج الحمدللہ مدرسہ میں طلباء کی تعداد دو سو چھپن تک پہنچ گئی ہے اور سات مدرس ہیں اس سال تک مدرسہ پانچویں جماعت تک تھا اور اب اس سے آگے درجہ عالمیت بھی شروع کر دیا گیا ہے مدرسہ کے قیام کا مقصد مختصر لفظوں میں مسلمان بچہ کو ایک مسلمان کی حیثیت سے تعلیم دینا اور اس کی تربیت کرنا ہے زمانے اور زندگی کی ضروریات کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے مگر اصل مقصد کو ہر حال میں سامنے رکھا گیا ہے پنجاب میں اس قسم کی درسگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ایسی تعلیم گاہ کا قیام ایک بڑی ضرورت تھی اللہ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے اس خدمت کی ہمت اور آپ کو تعاون کی توفیق دی۔

آج کا یہ جلسہ جہاں اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس جلسہ میں مدرسہ کے سالانہ نتائج پیش کئے جائیں گے اس اعتبار سے بھی آج کا جلسہ اہم ہو گیا ہے کہ ہمارے دو مکرم اور معزز مہمان اس تقریب میں خاص طور سے شریک ہیں۔

● اس کے بعد مہتمم صاحب نتائج سنائے

● نتائج کے بعد مولانا خلیل الرحمٰن صاحب ممبر پنجاب وقف بورڈ نے تقریر فرمائی۔ مولانا نے فرمایا علم کے معنی پڑھنا نہیں ہے علم کے معنی ہیں جاننا۔ بندے اور رب کے تعلق کا جاننا۔ جس کے جانے بغیر انسان انسان نہیں بنتا۔ آپنے فرمایا آج کل سکولوں اور کالجوں کی تعلیم اور مدرسہ کی تعلیم میں یہی فرق ہے آپنے فرمایا کہ یہ آپ لوگوں کی اور ہم سب کی خوش قسمتی ہے کہ مفتی فضیل الرحمان صاحب جیسے باہوش، سرگرم جذبہ اور خلوص رکھنے والے عالم دین رہنمائی کے لیے موجود ہیں مجھے اس جلسہ میں آکر اور نتائج سن کر انتہائی مسرت ہوئی ہے میں مفتی صاحب اور آپ سب کو دلی مبارک باد دیتا ہوں۔ مولانا خلیل الرحمٰن کا خطاب انتہائی جامع اور زوردار تھا جس سے سامعین متاثر ہوئے۔

● اس کے بعد جناب غضنفر علیخاں صاحب نے تقریر فرمائی اپنی صدارتی تقریر میں غضنفر علیخاں صاحب نے مدرسہ کے قیام پر خوشی کا اظہار کیا اور وقف بورڈ کی جانب سے ہر طرح کی امداد اور تعاون کی پیش کش کی۔

● اس بعد جناب غضنفر علی خانصاحب نے اپنے دست مبارک سے طلباء کو انعامات تقسیم کئے۔ انعامات میں طلباء کو دلچسپ و مفید کتابیں دی گئیں۔ اس طرح مختصر سے وقت میں یہ مبارک اور باوقار تقریب ختم ہو گئی اور مدرسہ ایک قدم اور آگے بڑھ گیا۔

سالانہ امتحان کے نتائج :- اس سال مختلف جماعتوں میں طلباء کی کل تعداد دو سو چھپن تھی براہِ نمبر ایک میں اکثر طالب علم زیر تعلیم رہے

پہلی جماعت پہلی جماعت میں طلبا کی تعداد ایک سو تھی اس جماعت کے طلباء نے درج ذیل مضامین میں امتحان دیئے۔ قواعد بغدادی۔ کلمے زبانی۔ ہماری کتاب اردو قاعدہ۔ اردو لکھنا۔ حساب اس جماعت کے امتحان میں مقررہ نمبرات ۱۵۰ تھے

مسرت پروین بنت محمد بشیر صاحب نے ایک سو پچاس میں سے ۹۳ نمبر حاصل کر کے اس جماعت میں اول نمبر پر کامیابی حاصل کی۔

موج الدین ولد محمد بشیر صاحب نے ۱۵۰ میں سے ۸۷ نمبر حاصل کر کے دوسرے نمبر پر کامیابی حاصل کی۔

شگفتہ بیگم بنت عباس خانصاحب نے ۱۵۰ میں سے ۸۳ نمبر حاصل کر کے تیسرے نمبر پر کامیابی حاصل کی ۔ اس جماعت کے تمام طلبا کامیاب رہے

دوسری جماعت دوسری جماعت کے طلباء کی تعداد ۴۸ تھی۔ ۴۲ امتحان میں شریک ہوئے ۶ غیر حاضر رہے۔ اس جماعت کے طلباء نے درج ذیل مضامین میں امتحان دیئے

یسرنا القرآن۔ پارہ عم نصف الحمد و چاروں قل کلمے مع ترجمہ، مسنون دعائیں۔ دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ا اردو زبان کی پہلی کتاب۔ اردو تحریر۔ حساب پنجابی اس جماعت کے مقررہ نمبرات ۲۷۵ تھے۔

محمد نصیر ولد جناب عبدالرشید صاحب نے ۲۷۵ میں ۲۰۸ نمبر حاصل کر کے اول نمبر پر کامیابی حاصل کی

محمد ادریس ولد علم دین صاحب نے ۲۷۵ میں سے ۱۸۶ نمبر حاصل کر کے دوسرے نمبر پر کامیابی حاصل کی

رشیدہ بیگم بنت محمد اسمٰعیل صاحب نے ۲۷۵ میں سے

۱۸۱ نمبر حاصل کر کے تیسرے نمبر پر کامیابی حاصل کی باقی تمام طلباء بھی کامیاب رہے۔

تیسری جماعت

تیسری جماعت میں طلباء کی تعداد اکتیس۳۱ تھی۔

۶ طالب علم امتحان سے غیر حاضر رہے ۲۵ طلباء نے امتحان دیا اور سب طلباء کامیاب ہوئے۔

اس جماعت میں طلباء نے درج ذیل مضامین میں امتحان دیا۔

قرآن مجید پارہ عم مکمل۔ ۶ پارے از اول قرآن الم ترکیف سے الناس تک حفظ۔ دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ۲ - تعلیم الاسلام پہلا حصہ۔ اردو زبان کی دوسری کتاب۔ اردو املا۔ حساب۔ عام معلومات۔ پنجابی پڑھنا لکھنا۔ ہندی۔ اس جماعت کے امتحان میں مقررہ نمبر ۳۵۰ تھے

شگفتہ نکہت بنت علی ضمیر نے ۳۵۰ میں سے ۲۵۶ نمبر حاصل کئے اور اسے تیسری جماعت کے امتحان میں اول نمبر پر کامیاب قرار دیا گیا۔

خورشیدہ بیگم بنت عبدالرشید نے ۳۵۰ میں سے ۲۴۴ نمبر حاصل کئے اور دوسرے نمبر پر کامیابی حاصل کی۔

احسان الحق ولد رحمت علی تیسرے نمبر پر کامیاب ہوئے انہوں نے ۳۵۰ میں سے ۲۴۲ نمبر حاصل کئے۔

چوتھی جماعت

چوتھی جماعت میں طلباء کی تعداد آٹھ تھی۔ اس جماعت کے مضامین یہ ہیں۔

قرآن مجید مکمل ناظرہ۔ دینی تعلیم کا رسالہ نمبر ۳-۴ تعلیم الاسلام نمبر ۲ و نمبر ۳ - اردو زبان کی تیسری کتاب۔ املا۔ حساب۔ فارسی۔ پنجابی۔ ہندی عام معلومات۔ اس کے مقررہ نمبر ۴۵۰ تھے۔

محمد شفیق ولد محمد اسماعیل نے ۲۷۸ نمبر حاصل کر کے اول نمبر پر کامیابی حاصل کی

عبدالرشید ولد محمد اسمٰعیل نے ۲۵۷ نمبر حاصل کئے اور دوسرے نمبر پر آئے۔

آصف علی ولد شبیر علی نے ۲۰۵ نمبر حاصل کر کے تیسری پوزیشن لی۔

پانچویں جماعت

پانچویں جماعت میں طلباء کی تعداد چھ تھی اور یہ سب امتحان میں شریک رہے

قرآن مجید پارہ عم مکمل حفظ۔ معین التجوید۔ دینی تعلیم۔ تعلیم الاسلام۔ اردو کی پانچویں فارسی عربی زبان۔ پنجابی۔ انگلش۔ جغرافیہ۔ اس کے مضامین تھے اس جماعت کے مقررہ نمبرات ۷۱۵ تھے۔

محمد ساجد ولد محمد حامد نے ۳۷۱ نمبر حاصل کیے یہ جماعت پنجم میں اول نمبر پر آئے ہیں۔

طارق عمیر ولد مفتی فضیل الرحمٰن نے ۳۵۳ نمبر حاصل کیے اور یہ دوسرے نمبر پر آئے۔

روحی پروین بنت مفتی فضیل الرحمان نے ۳۱۲ نمبر حاصل کر کے تیسرے نمبر پر کامیابی حاصل کی۔

برانچ کے نتائج

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کی ایک شاخ سرہندی گیٹ میں قائم ہے اس سال اس میں طلباء کی تعداد اکہتر ۷۱ تھی یہ سب کے سب شریک امتحان ہوئے۔

• جماعت اول ادنیٰ میں غفوراں بیگم بنت نذیر احمد نے ۱۵۰ میں سے ۱۲۴ نمبر حاصل کر کے اول نمبر پر کامیابی حاصل کی۔

اس جماعت میں دوم نمبر پر شاہین بانو بنت محمد اسلم آئیں انہوں نے ۱۵۰ میں ۱۱۱ نمبر حاصل کیے اور ظہور احمد ولد عبدالغفور ۱۵۰ میں سے ۱۱۵ نمبر حاصل کر کے تیسرے نمبر پر کامیاب ہوئے

• جماعت اول اعلیٰ میں محمد شوکت ولد محمد ابراہیم

۲ میں سے ۱۸۰ نمبر حاصل کرکے اول نمبر پر کامیاب ہوئے
سیہ بیگم بنت محمد صدیق نے ۲۰۰ میں سے ۱۷۱ نمبر حاصل
ر اور دوسرے نمبر پر آگئیں -
اختری بیگم بنت محمد طفیل ۲۰۰ میں سے ۱۶۵ نمبر لاکر
سرے نمبر پر آئیں -

● جماعت دوم میں کشور سلطانہ بنت محمد طفیل
دل نمبر پر آئیں ۲۷۵ میں سے ۱۷۵ نمبر حاصل کیے
فاروق ولد عبدالرشید دوسرے نمبر پر آئے ۲۷۵
ں سے ۱۷۳ نمبر حاصل کیے
ناہیدہ پروین بنت محمود فاروق اور ثریا پروین
ت رحیم بخش یہ دونوں تیسرے نمبر پر آئیں ۲۷۵
سے ۱۷۰ نمبر حاصل کیے -

قابل ذکر (۱) گذشتہ سال طلباء کی تعداد ۱۵۱
اور اس سال ۲۵۲ رہی -
برانچ میں گذشتہ سال طلباء کی تعداد ۱۰۹ اور اس
سال ۱۷۰ رہی طلباء کی تعداد میں قابل لحاظ اضافہ قابل
شکر ہے اور اس کا ثبوت ہے کہ دینی تعلیم کی اہمیت کو محسوس
کیا جا رہا ہے -

(۲) اس سال تیسری جماعت کے تقریباً نصف طلباء
نے اپنے شوق سے قرآن مجید ناظرہ مکمل کر لیا جب کہ
مقررہ نصاب کے مطابق قرآن مجید چوتھی جماعت میں
مکمل ہوتا ہے طلباء کا قرآن مجید سے یہ شغف خوشی کا باعث ہے

(۳) مدرسہ اور برانچ کے امتحانات اسلامیہ ہائی
اسکول مالیر کوٹلہ کے مندرجہ ذیل اساتذہ نے لیے
مولانا منظور صاحب - استاذ اسلامیہ ہائی اسکول
جناب نثار احمد صاحب ایم - ایس سی " "
جناب ماسٹر احسان الحق صاحب بی اے بی ایڈ "
جناب ماسٹر حمید حسن صاحب انچارج برانچ ملے
اسلامیہ ہائی اسکول -

(۴) پانچویں جماعت کے طلباء کا سکول والے
مضامین کا امتحان اسلامیہ ہائی سکول میں اسلامیہ
ہائی اسکول کے طلباء کے ساتھ دیا اور ان کا نتیجہ
وہیں سے تیار ہو کر آیا

(۵) حساب کے مضمون میں طلباء خاص طور پر
کمزور پائے گئے جس کی تلافی کی اس سال کوشش کی
جا رہی ہے

(۶) اس سال جماعت پنجم کے طالب علم ظفر الحق عمیر
نے جامعہ دینیات اردو دیوبند کا ابتدائی دینیات
کا امتحان دیا اور دوسری پوزیشن حاصل کی -

موجودہ سال

● نیا تعلیمی سال اپریل سے
شروع ہو چکا ہے اور کچھ قابل
اساتذہ کا اضافہ کیا گیا ہے اس طرح مدرسہ میں -
اساتذہ کی تعداد ۹ ہو گئی ہے -

● اپریل ۷۷ء سے درجہ عالمیت کا آغاز ہو گیا
ہے - جس میں یہ مضامین ہیں قرآن مجید حفظ اختیاری
تجوید قرآن اختیاری - ترجمہ و تفسیر قرآن مجید حدیث
سیرت رسول پاک - اسلامی تاریخ - دینیات - فقہ
عربی زبان و ادب - فارسی - انگریزی - حساب -
صنعت و حرفت -

مدرسہ کے نئے اساتذہ

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ
میں تین نئے اساتذہ کا تقرر
کیا گیا ہے - جناب کوثر علی صاحب - جناب غلام رسول صاحب -
اور جناب نورالدین صاحب -

جناب کوثر علی صاحب پنجاب یونیورسٹی کے ادیب فاضل ہیں
اسلامیہ ہائی سکول مالیر کوٹلہ میں تیرہ سال تک تعلیمی خدمات
انجام دیتے رہے ہیں دیگر مضامین کے علاوہ اردو
زبان پر آپ کو خاص طور پر عبور حاصل ہے اور آپ
اردو زبان کے بڑے اچھے ادیب ہیں -

جناب غلام رسول صاحب بی اے ہیں اور حساب
کے مضمون سے آپ کو خاص لگاؤ ہے -

جناب نورالدین صاحب نے بی اے پارٹ ون
کیا ہے اور آپ بھی بہت اچھی استعداد کے مالک ہیں -

ہمارے معاون

جن کی رقمیں مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کے لئے مارچ و اپریل ۷۷ء میں موصول ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	مد	رقم	رسید نمبر	اسم گرامی معطی	مد	رقم
11/1	جناب نثار احمد صاحب شیروانی گیٹ	امداد	5/-	4/319	جناب ظہیر حسن صاحب عثمانی دہلی گیٹ	امداد	10/-
11/1	جناب محمد ابراہیم صاحب (زنانہ پنز) بارہ دری	〃	1/-	41/4020	جناب امداد علی صاحب فروٹ فروش	〃	1/-
11/1	جناب چوہدری عبداللہ صاحب بلمحفوظہ	〃	5/-	4021	جنتا میٹل سٹور لال بازار	〃	2/-
34/	جناب نذیر حسین فوٹوگرافر صدر بازار	〃	5/-	4022	جناب عبدالمجید صاحب برتن فروش [illegible] بازار	〃	5/-
34/	جناب محمد جمیل صاحب جوتی فروش 〃	〃	2/-	4023	جناب بابو صاحب قلعی گر 〃	〃	2/-
11/1	جناب جمیلہ صاحبہ معرفت عبدالغفور صاحب ٹیلر ماسٹر	〃	[illegible]	4024	جناب محمد شریف صاحب ٹیلر موتی بازار	〃	2/-
14/1	جناب محمد ادریس صاحب پیچ میکر سرہندی گیٹ	〃	5/-	4025	جناب کفایت اللہ صاحب موتی بازار	〃	2/-
14/1	مصلیان مسجد سرہندی گیٹ مالیرکوٹلہ	〃	16/-	4026	جناب عبدالغفار صاحب چوڑی فروش	〃	2/-
14/1	مصلیان مسجد کھٹیکاں 〃	〃	4/-	4027	جناب محمد شکیل صاحب کڑھائی والے	〃	2/-
14/1	جناب محمد عبدالحمید صاحب جمالپورہ	〃	1/-	4028	جناب جان محمد صاحب جان اینڈ سنز صدر بازار	〃	5/-
14/1	جناب مشتاق محمد صاحب جمالپورہ	〃	1/-	4029	جناب محمد صدیق صاحب بزاز موتی بازار	〃	2/-
14/1	مصلیان مسجد پانڈیاں ملیر	〃	3/-	4030	جناب لیاقت صدیقی صاحب حاجی طلاقہ ہاؤس 〃	〃	2/-
14/1	مصلیان مسجد جمالپورہ پکا دروازہ	〃	11/-	4031	جناب فضل محمد صاحب ٹیلر موتی بازار	〃	2/-
14/1	جناب بشیر احمد صاحب دوکاندار جمالپورہ	〃	2/-	4032	جناب شیر عالم صاحب بانس فروش بانس بازار	〃	1/-
14/1	مصلیان مسجد جمالپورہ کچا دروازہ	〃	3/-	4033	جناب عبدالحلیم صاحب حلیم بوٹ ہاؤس صدر بازار	〃	2/-
14/1	مصلیان مسجد قلعہ رحمت گڈھ	〃	10/-	4034	جناب عبدالستار صاحب لوہار صدر بازار	〃	1/-
4/	جناب بابو عبدالرحمن صاحب میونسپل کمیٹی	〃	5/-	4035	جناب ماسٹر رام چند صاحب ٹیلر صدر بازار	〃	2/-
4/	جناب حافظ عبدالمجید صاحب 〃	〃	2/-	4036	جناب محمد اشرف صاحب ٹیلر 〃	〃	2/-
4/	جناب محمد اخلاق صاحب 〃	〃	2/-	4037	جناب عبدالرشید صاحب حجام 〃	〃	2/-
4/	جناب محمد حنیف صاحب 〃	〃	2/-	4040	جناب محمد شفیق صاحب تمباکو والے	〃	2/-
4/	جناب نثار احمد صاحب 〃	〃	2/-	4041	جناب غلام محمد صاحب معرفت محمد شفیق صاحب	〃	2/-
4/	جناب عبدالحمید صاحب ٹیلر مالیرکوٹلہ	〃	2/-	4043	جناب محمد اسحٰق صاحب فروٹ فروش	〃	2/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
جلد حالیہ 4044	ولی اینڈ سنز مالیر کوٹلہ	امداد	5/-
4053	جناب محمد شفیق صاحب ٹیلر "	"	2/-
4056	جناب محمد اسرائیل صاحب "	"	2/-
4057	جناب محمد صدیق صاحب مرچ مسالے والے	"	2/-
4061	جناب محمد یسین صاحب معرفت سنگم ٹیلرز	"	2/-
4062	جناب محمد جمیل صاحب " "	"	2/-
4063	جناب محمد طفیل صاحب " "	"	2/-
4064	جناب محمد ادریس صاحب بیج میکر سرہندی گیٹ	"	5/-
4065	جناب محمد راشد صاحب سرہندی گیٹ	"	2/-
4066	جناب عبد الرحیم صاحب چوہان محلہ راجان	"	2/-
34/3397	جناب صدیق صاحب بیج میکر محلہ چوبداران	"	10/-
34/3396	جناب شوکت علی صاحب شیروانی گیٹ	"	10/-
34/3391	محترمہ سجات شکوراں محلہ ملیر	"	5/-
34/3386	جناب ماسٹر سلطان محمود صاحب برانچ ع۲	"	2/-
34/3378	جناب محمد شفیق صاحب ٹیلر موتی بازار	"	2/-
34/3364	جناب محمد صدیق صاحب معرفت غفور ٹیلرز	"	2/-
34/3362	جناب امت علی صاحب نزد جامع مسجد	"	5/-
11/1058	جناب حاجی نظام الدین صاحب موضع بھینی کمبواں	زکوٰۃ	40/-
11/1061	جناب محمد صادق صاحب محلہ چھتی گلی ملیر	امداد	15/-
11/1064	گمنام (مگر اللہ کے فرشتوں نے نام لکھ لیا ہے)	"	10/-
11/1065	جناب نثار احمد صاحب شیروانی گیٹ	"	5/-
11/1066	جناب صابر علی صاحب چوبداران	"	5/-
6/322	جناب شوکت علی صاحب کارخانے والے شیروانی گیٹ	"	10/-
6/323	جناب محمد صدیق صاحب بیج میکر شیروانی گیٹ	"	10/-
6/328	محترمہ حسن فاطمہ صاحبہ معرفت عبد الغفور صاحب	"	5/-
6/329	مسماۃ سجات شکوراں زوجہ عبد الغفور صاحب ملیر	"	5/-
6/330	جناب حاجی غلام محمد صاحب حویلی پنج	"	10/-
6/331	جناب محمد شعیب صاحب محلہ اسلام آباد	"	5/-
6/337	حسن ٹیلرز موتی بازار	"	5/-
6/338	جناب نثار احمد صاحب معرفت حسن ٹیلرز موتی بازار	"	2/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
6/339	جناب محمد جمیل صاحب چوڑی فروش صدر بازار	امداد	2/-
6/340	جناب عبد الرحیم صاحب گھڑی ساز صدر بازار	"	3/-
6/342	جناب چودھری یسین صاحب ورائٹی پیلس	"	5/-
34/3395	جناب ماسٹر حمید حسین صاحب برانچ ع۲	"	5/-
34/3352	جناب محمد جمیل صاحب معرفت سنگم ٹیلرز	"	2/-
34/3353	جناب محمد طفیل صاحب " "	"	2/-
34/3346	جناب محمد ریاض صاحب پرنس ٹیلرز	"	2/-
34/3306	جناب ذاکر حسین صاحب برانچ ع۱	"	2/-
41/4039	جناب علم الدین صاحب ٹیلر	"	2/-
41/4042	جناب محمد شفیق صاحب سرہندی گیٹ	"	10/-
41/4045	جناب ولی محمد صاحب ڈرائی کلینرز صدر بازار	"	2/-
41/4046	جناب عبد الغفور صاحب ٹیلر جامع مسجد	"	2/-
41/4047	جناب محمد صدیق صاحب معرفت عبد الغفور صاحب	"	2/-
41/4049	جناب محمد گلزار صاحب ٹیلر پرانا لوہیا بازار	"	2/-
41/4050	جناب محمد شاہین صاحب ٹیلر "	"	2/-
41/4051	جناب جوگیندر صاحب ٹیلر پرانا لوہیا بازار	"	1/-
41/4052	جناب تاج صاحب ٹیلر "	"	1/-
41/4058	جناب عبد الستار صاحب بیج میکر	"	2/-
41/4059	جناب محمد سلیم صاحب بیج میکر	"	2/-
41/4066	جناب محمد سلیم صاحب نقشہ نویس صدر بازار	"	5/-
6/343	جناب محمد عاشق صاحب اینڈ پارٹی معرفت ناز فینسی	"	19/-
	اپریل ۷۷ء		
11/1067	جناب حاجی خوشی محمد صاحب موضع بھیکھی	صدقہ	100/-
11/1071	" " "	"	100/-
11/1073	جناب خوشی محمد صاحب ولد ماکی محلہ مجسی	امداد	20/-
11/1074	جناب شمشاد علی خاں صاحب دہلی گیٹ	"	100/-
11/1076	جناب ماسٹر محمد رمضان صاحب محلہ ملکو	"	5/-
11/1079	جناب محمد شکیل صاحب محلہ راجان	"	5/-
36/3502	جناب محمد یامین صاحب محلہ موہیاں	"	5/-
36/3509	جناب محمد ادریس صاحب محلہ راجان	"	1/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
11/1080	جناب سید صابر علی صاحب سول ہسپتال	امداد	4/-
11/1081	جناب محمد رفیق صاحب "	"	4/-
11/1082	جناب نثار احمد صاحب محلہ چوبداراں	"	5/-
11/1085	جناب محمد رفیق صاحب سبزی فروش لمبجی	"	10/-
11/1086	جناب محمد ابراہیم صاحب (نانبائی) ڈھاب گیٹ	"	2/-
41/4067	ولی اینڈ سنز دیوان خانہ روڈ	"	10/-
41/4068	جناب ولی محمد صاحب. نیولائٹ ڈرائی کلینرز صدر بازار	"	2/-
41/4069	جناب محمد سلیم صاحب. نقشہ نویس صدر بازار	"	5/-
41/4070	جناب عبد الرشید صاحب. حجام صدر بازار	"	2/-
41/4071	جناب محمد اشرف صاحب. ٹیلر "	"	2/-
41/4072	جناب محمد شفیق صاحب. پرانا لوٹیا بازار	"	2/-
41/4073	جناب رام چند صاحب. ٹیلر صدر بازار	"	2/-
41/4074	جناب یٰسین صاحب. ٹیلر "	"	2/-
41/4075	جناب محمد جمیل صاحب. ٹیلر "	"	2/-
41/4076	جناب محمد طفیل صاحب. ٹیلر "	"	2/-
41/4077	جلال محمد اینڈ سنز "	"	5/-
41/4078	جناب عبد الحلیم صاحب. حلیم برش ہاؤس	"	2/-
41/4079	جناب عبد الرحیم صاحب. گھڑی ساز صدر بازار	"	3/-
41/4080	جناب بشیر عالم صاحب. بانس بازار	"	1/-
41/4081	جناب محمد صدیق صاحب. بزاز موتی بازار	"	2/-
41/4082	جناب فضل محمد صاحب. ٹیلر "	"	2/-
41/4083	جناب لیاقت صدیقی صاحب "	"	2/-
41/4084	جناب عبد الغفار صاحب. چوڑی فروش "	"	2/-
41/4085	جناب محمد شریف صاحب. ٹیلر موتی بازار	"	2/-
41/4086	جناب کفایت اللہ صاحب. "	"	2/-
41/4088	جناب تاج محمد صاحب. ٹیلر پرانا لوٹیا بازار	"	1/-
41/4089	جناب گیانی جگندر سنگھ صاحب "	"	1/-
41/4092	جناب محمد اسحٰق صاحب. خدمت گنج سرہندی گیٹ	"	2/-
41/4093	جناب محمد شفیق صاحب. تمباکو والے سرہندی گیٹ	"	2/-
41/4094	جناب غلام محمد صاحب " "	"	2/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
41/4095	جناب محمد شفیق صاحب. اندرون سرہندی گیٹ	امداد	10/-
41/4097	جناب عبد الستار صاحب.	"	2/-
41/4099	جناب شوکت علی صاحب شیروانی گیٹ	"	10/-
41/4000	جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب. سناری بازار	"	5/-
11/1080	جناب حافظ صادق صاحب. محلہ دایاں	"	5/-
22/2129	جناب فیض محمد صاحب. لیبارٹری. سٹہ بازار	"	3/-
22/2130	جناب شوکت علی صاحب. ولد عاشق علی سبزی فروش	"	1/-
22/2131	جناب عبد اللطیف صاحب ولد محمد یوسف سٹہ بازار	"	5/-
22/2132	جناب محمد اسلم صاحب ولد محمد اسمٰعیل صاحب. سٹہ بازار	"	5/-
22/2133	چودھری فلور ملز نواب گنج	"	2/-

حساب آمد و خرچ مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ
بابت مارچ ۷۷ء

بقایا بتاریخ یکم مارچ ۷۷ء	7612 - 15
آمدنی بمد اعانت	370 - ۰
آمدنی بمد چرم قربانی	3150 - ۰
آمدنی بمد چندہ از طلباء	39 - ۰
آمدنی بمد کتب و رسالہ	168 - 60
آمدنی بمد زکوٰۃ	40 - ۰
کل :-	11379 - 75
مصارف تنخواہ وغیرہ	3686 - 60
بقایا بتاریخ 31/3/77	7693 - 15

بابو سلیمان صاحب محاسب و خزانچی

سالانہ حساب آمد وخرچ بابت ۱۹۷۶-۷۷ء

یکم اپریل ۱۹۷۶ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۷۷ء تک

بقایا بتاریخ 1/4/76	5592 — 30
آمدنی سال 1976-77ء	21209 — 56
کل آمدنی	26801 — 86
مصارف سال 1976-77ء	19108 — 71
بقایا موجود بتاریخ 31/3/77	Rs 7693 — 15

حساب آمد وخرچ اپریل ۷۷ء

بقایا بتاریخ یکم اپریل ۷۷ء	7693 – 15
آمدنی بمد امداد	271 — ۰
آمدنی بمد چندہ از طلباء	305 — ۰
آمدنی بمد رسالہ وکتب	177 — 80
آمدنی بمد زکوٰۃ وصدقات	200 — ۰
کل آمدنی	8646 — 95
مصارف	918 — 73
بقایا بتاریخ 30/4/77	7728 — 22

تشکر وامتنان

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے کہ مارچ ۷۷ء میں مدرسہ تعمیر ملت کے تین سال پورے ہو کر اپریل ۷۷ء سے چوتھا سال شروع ہو گیا ہے اور مدرسہ ترقی کی طرف گامزن ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور مسلمان بھائیوں کے تعاون کی برکت ہے، مالیرکوٹلہ کے مسلمانوں کا یہ صدقہ جاریہ اور چشمۂ فیض ہے جس سے ان شاء اللہ تعالیٰ دینی اعتبار سے بہت کچھ فائدہ مسلمانوں کو پہنچنے کی امید ہے۔

میں اول اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھ ناچیز سے اپنے دین کی یہ خدمت لے لی اور پھر اپنے تمام مسلمان بھائیوں کا، مدرسہ کی مشاورتی کونسل کے ارکان، معاونین مدرسہ اور خصوصاً مدرسہ کے محاسب وخزانچی بابو محمد سلیمان صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب بھائیوں کو جزائے خیر دے اور آئندہ سالوں میں مدرسہ اور ترقی کرتا رہے۔

فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

مفتی مالیرکوٹلہ - مہتمم مدرسہ

۲۹ مئی ۷۷ء

ماهنامه تعمیر سیرت مالیر کوٹله

رجسٹرڈ نمبر پی - پی ٹی اے ۸۱

مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کا

علمی و دینی ترجمان

ماہنامہ

تعمیر سیرت

مالیرکوٹلہ ۱۴۸۰۲۳

Jami -e- Sirat monthly, Maler Kotla

48023

حساب آمد و خرچ مدرسہ تعمیر سیرت - مالیرکوٹلہ

بابت مئی ۱۹۷۷ء

بقایا سابقہ بتاریخ یکم مئی ۷۷ء	7728 — 22
آمدنی بمد امداد	744 — 00
آمدنی بمد کتب ورسالہ	203 — 55
آمدنی بمد چندہ از طلبار	198 — 50
آمدنی بمد زکوٰۃ فطرہ وصدقات	192 — 00
کل میزان	9066 — 27
مصارف تنخواہ وغیرہ	1810 — 58
بقایا بتاریخ 31/5/77	7255 — 69

بابت جون ۱۹۷۷ء

بقایا بتاریخ یکم جون ۷۷ء	7255 — 69
آمدنی بمد امداد	334 — 50
آمدنی بمد رسالہ وکتب	95 — 00
آمدنی چندہ از طلبار	108 — 00
آمدنی بمد زکوٰۃ	15 — 00
کل میزان	7808 — 19
مصارف تنخواہ وغیرہ	2010 — 95
بقایا بتاریخ 30/6/77	5797 — 24

اسلامی نظامِ حکومت کے تمام قوانین بہتر سے بہتر ہیں اور ہر شعبہ میں موجود ہیں۔ غیر اسلامی حکومت کا موضوع بداخلاقی، نفسانی خواہشات، فحاشی، بے حیائی اور بے پردگی ہے۔ لیکن اسلامی قوانین سراسر اس کے خلاف ہیں اور اسلامی قوانین ہر طرح مفید اور قابل عمل ہیں۔ آپ نے اسلامی انقلاب کے نتیجہ میں علمار کے حکومت چلانے کے سلسلہ میں اعتماد کا اظہار کیا اور فرمایا حکومت دراصل قوت کا نام ہے جو مسلمان ہے نہ غیر مسلم اسے جو چاہے اپنے ہاتھ میں لیلے اور جس قانون کو چاہے قوت سے چلائے۔ (حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک انٹرویو سے اقتباس)

حرف و حکایت

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

مفتی فضیل الرحمٰن

مالیر کوٹلہ میں ۴ جون ۱۹۷۷ء کی صبح ریڈیو کے ذریعے یہ افسوسناک اطلاع پہنچی کہ دیوبند میں جمعرات ۲ جون کو شب جمعہ میں تقریباً دس بجے دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا محمد شریف حسن صاحب شاہ دیوبندی قلب کے عارضہ میں انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

مولانا مرحوم کو ذیابیطس کا عارضہ تھا اور اس سے پہلے دو بار ہارٹ اٹیک ہو چکا تھا آخر یہ تیسرا حملہ جان لیوا ثابت ہوا اور دارالعلوم دیوبند کے دارالحدیث میں بخاری شریف کا درس دینے والی یہ آواز ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی اور اپنے پیچھے سیکڑوں ہزاروں اہل علم کو سوگوار چھوڑ گئی۔

دارالعلوم دیوبند میں مفتی، مہتمم اور شیخ الحدیث کے منصب ہمیشہ امتیازی رہے ہیں اور ان جگہوں پر منتخب روزگار بہت اہم اور تجربہ کار شخصیتیں مقرر کی گئی ہیں، مولانا موصوف حدیث کے علم پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے اور بلاشبہ محدّثِ جلیل کہے جانے کے مستحق تھے، ۱۹۲۰ء میں آپ دیوبند میں پیدا ہوئے، تھوڑی عمر میں علوم دینیہ سے فراغت حاصل کی، بخاری شریف آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ سے پڑھی، اس کے بعد بریلی وغیرہ کے مدرسوں میں پڑھایا اور وہاں سے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل چلے گئے اور بخاری کا درس دیتے رہے، ان کی علمی شہرت کی وجہ سے ان کو مرکز علم دارالعلوم دیوبند میں بلا لیا گیا کہ یہ ہیرا اسی ہار میں جڑے جانے کے لائق تھا۔ شیخ الحدیث مولانا فخرالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد درس بخاری کا معاملہ سامنے آیا تو یہ سعادت مولانا محمد شریف حسن صاحب کے حصہ میں آئی اور موصوف نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی۔ مولانا مرحوم کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ حدیث کی اکثر شروحات کا بار بار مطالعہ کر چکے تھے عینی شرح بخاری آپ نے بالاستیعاب دلوری کی پوری کتاب، چوبیس مرتبہ پڑھی تھی راقم الحروف کو اگرچہ ان سے پڑھنے کا شرف حاصل نہیں ہو سکا کیونکہ جب وہ دارالعلوم میں آئے تو میں خود بھی دارالعلوم میں مدرس ہو چکا تھا لیکن مسلم شریف کی شرح تفہیم المسلم میں نے ترتیب دینی شروع کی اور اسکی تالیف کے دوران کوئی پیچیدگی پیش آگئی تو حضرت الاستاذ علامہ محمد ابراہیم صاحبؒ کے بعد آپ ہی کی طرف رجوع کیا اور یہ حقیقت ہے کہ تسلی بخش جوابات ان کے علم اور مطالعہ کی گہرائی بار بار سامنے آئی مولانا بڑے شگفتہ مزاج اور باوضع تھے مزاج میں سادگی اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ گھر کا سودا سلف خود بازار سے لاتے تھے ان کی یہ ادا دیکھکر دادا مرحوم مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب (مفتی اول دارالعلوم دیوبند) یاد آجاتے تھے، اتفاق سے ان کی رہائش گاہ دادا مرحوم کے مکان کے قریب محلہ اونچہ پر تھی ٹیلہ پر سے اترتے دیکھکر دادا مرحوم کا تصور آجاتا تھا، سرخ و سفید رنگ، بھاری جسم، باوقار اور

شاندار سراپا ۔ دیوبند جانا ہوا تو نگاہیں ڈھونڈتی رہیں اور ان کی یاد دل میں چٹکیاں لیتی رہی۔

عالم باعمل ہونے کے ساتھ مولانا بہت اچھے منتظم بھی ثابت ہوئے دارالعلوم میں دارالاقامہ کی ذمہ داری بھی ان کے سپرد تھی اور انہوں نے اس نازک ذمہ داری کو بڑی خوبی کے ساتھ نبھایا علمی دنیا میں ان کا خلا محسوس کیا جاتا رہے گا ، اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

معلوم ہوا کہ انتقال سے ایک روز پہلے تک بخاری شریف کا درس دیا آخری درس میں اتفاق سے موت کا ہی بیان آیا جسمیں یہ بھی تھا کہ شب جمعہ میں کسی کا انتقال ہو جائے تو اس کو جمعہ سے قبل دفن کر دینا چاہیئے مولانا مرحوم نے فرمایا میرا انتقال شب جمعہ میں ہو جائے تو مجھے جمعہ سے قبل دفن کر دینا مولانا کے اہلیہ کے بھائی حاجی صغیر حسن صاحب نے انتقال کے بعد مولانا کو خواب میں دیکھا عمدہ لباس پہنے سفید گھوڑے پر سوار ہیں فرمایا کہ مجھ کو اندازہ نہیں ہو سکا کہ میرا وقت آخر ہے مجھے تو شام کے وقت فرشتوں نے کوئی دوا پلا دی تھی پھر مجھے نہ کوئی تکلیف ہوئی اور نہ جانکنی کا پتہ چلا۔

مولانا مرحوم کی تعزیت کے سلسلہ میں دیوبند جانا ہوا تو مولانا کے صاحب زادے برادرم رئیس احمد صاحب سے یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ مولانا نے اپنی زندگی میں شمائل ترمذی کی عربی شرح مرتب فرمائی تھی اور اہل علم میں سے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہ نے اس کو بہت پسند فرمایا تھا اس کا مسودہ محفوظ ہے کوئی صورت ایسی ہونی چاہیئے کہ یہ کتاب چھپکر سامنے آسکے ورنہ ایسا نہ ہو کہ مولانا کی یہ علمی کاوش ضائع ہو جا [illegible] خود دارالعلوم سے بھی یہ کام بآسانی ہو سکتا ہے بلکہ دارالعلوم میں تو ایک مستقل شعبہ تصنیف و تالیف اور طباعت کا ہونا چاہیئے جسمیں اپنے اکابر کی قدیم کتابیں بھی چھاپی جائیں اور نئی کتابیں بھی آئیں اگرچہ دارالعلوم میں ادارہ نشر و اشاعت اور معارف القرآن موجود ہیں مگر یہ اس پائے کے شعبے نہیں ہیں جنہیں دارالعلوم کے شایان شان کہا جا سکے۔

تازہ اطلاعات سے معلوم ہوا کہ مولانا محمد شریف حسن صاحبؒ کے انتقال سے خالی ہونے والی جگہ پر حضرت مولانا نصیر احمد صاحب مدظلہ کو شیخ الحدیث بنایا گیا ہے ۔ مولانا موصوف دارالعلوم دیوبند کے قدیم اساتذہ میں سے ہیں ۔ گذشتہ سال آپ ترمذی شریف جیسی اہم کتاب پڑھا چکے ہیں ، اس کے علاوہ نیابت اہتمام کی ذمہ داری بھی آپ بحسن و خوبی ادا کر رہے ہیں ۔ اس حُسنِ انتخاب پر مجلسِ شوریٰ قابل مبارکباد ہے ۔

مولانا محمد شریف حسن صاحب مرحوم شیخ الحدیث ہونے کے ساتھ دارالاقامہ کے ناظم بھی تھے ، اب اس جگہ پر حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی ناظمِ دارالاقامہ منتخب ہوئے ہیں ، موصوف بھی دارالعلوم کے قدیم اساتذہ میں سے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ مادرِ علمی کا فیضان تا دیر جاری رکھے اور اس کی حفاظت فرمائے ۔ آمین

نقوش راہ

زندگی اور بندگی

(جب) زندگی کے اجتماعی معاملات میں خدا کی مرضی یا نامرضی کا کوئی سوال نہ ہو
اور اسی بنیاد پر کسی خاص مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ کوئی ترجیحی سلوک بھی نہ کیا جائے
تو اسے ہمارے ملک میں سیکولرازم کہتے ہیں۔

(جب) زندگی کے اجتماعی معاملات میں نجی سرمایہ کاری اور نجی کاروبار کی ہمت شکنی کی جائے اور زائد سے زائد وسائل پیداوار حکومت اپنے قبضے میں لینے کے در پے ہو جائے
تو اسے ہمارے ملک میں سوشل ازم کہتے ہیں۔

(جب) زندگی کے اجتماعی معاملات میں عوام کی مرضی اور خواہش کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہو اور عوام سے اوپر کسی ایسی ہستی کا تصور نہ ہو جس کے سامنے عوام ذمہ دار ہوں یا جس کی مرضی ان کی خواہشات سے بالاتر ہو
تو اسے ہمارے ملک میں جمہوریت کہتے ہیں۔

اِن تینوں تصورات کا پہلا تقاضا ہے کہ اجتماعی زندگی کا کوئی تعلق کسی دین سے نہ ہو۔ زندگی دو خانوں میں تقسیم ہو جائے، ایک نجی اور پرائیویٹ زندگی جس میں اگر کوئی چاہے تو اپنی پسند کا کوئی بھی دین اختیار کر لے، دوسرے اجتماعی معاملات جس میں معیشت و سیاست شامل ہو اِس دائرے میں دین کا کوئی دخل باقی نہ رہے۔

اسلام کے بارے میں ہمارا ایمان ہے کہ وہ پوری زندگی کا دین ہے۔ ایسی صورت میں سیکولرازم، سوشلزم، اور جمہوریت کی وہ صورتیں جو ہمارے سامنے ہیں ان سے اسلام کا کوئی جوڑ نہیں لگ سکتا۔ یہ الگ راہیں ہیں اور اسلام ایک الگ راہ۔ جہاں زندگی ہمہ تن بندگی ہے۔
بندگی نہ ہو تو زندگی پراگندگی کا شکار اور اس کا نتیجہ شرمندگی سے زیادہ کچھ نہیں۔

(ماخوذ)

سیدھے راستے کی تلاش انسان کی فطرت ہے مسلمان نمازوں میں اللہ سے دعا کرتے ہیں " اے اللہ ہم کو سیدھا راستہ دکھا" اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں قرآن مجید اس کے سامنے دکھدیتے ہیں کہ لو یہ ہے ہدایت کا نور اس کی روشنی میں زندگی گذارو کامیاب ہو جاؤ گے

الفاتحہ

فاتحہ اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کوئی مضمون یا کتاب شروع کی جائے۔ کیونکہ قرآن مجید کا آغاز اس سورت سے ہوا ہے اس مناسبت سے اس سورت کا نام " الفاتحہ " ہے۔

یہ پہلی مکمل صورت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس مکمل صورت سے پہلے سورۂ علق، سورۂ مزمل اور سورۂ مدثر وغیرہ کی متفرق آیتیں نازل ہوئی تھیں۔

یہ سورہ ایک دعا ہے انسان دعا اسی چیز کی کرتا ہے جس کی اسے طلب اور خواہش ہو اس سورت کے ذریعہ دعا کر کا مطلب یہ ہو گا کہ انسان کو ہدایت کی خواہش اور طلب ہے۔

مانگا اسی سے جاتا ہے جس کے بارے میں ہمیں احساس ہو کہ وہ ہمیں ہماری مطلوبہ چیز دے سکتا ہے پس اللہ سے ہدایت کی دعا کا مطلب یہ ہوا کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہدایت مجھے اللہ ہی سے مل سکتی ہے۔

اس دعا کے ذریعہ اللہ سے ہدایت طلب کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس دعا کے جواب میں اپنی کتاب قرآن مجید کی شکل میں ہدایت کا راستہ اس کے سامنے کھول دیتا ہے کہ لو یہ ہے ہدایت کا نور جس کی روشنی میں کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتے ہو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(شروع کرتا ہوں) اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

سورت کو اللہ کے نام شروع کر کے یہ سکھایا گیا ہے کہ انسان کو چاہیئے اپنا ہر کام اللہ کے نام سے شروع کرے کسی کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنے سے یہ تین فائدے حاصل ہوں گے

(۱) ایک تو یہ کہ آدمی برے کاموں سے بچ جائے گا خدا کا نام لینے کی عادت اس کو یہ سوچنے پر مجبور کر گی کہ یہ کام اس لائق ہے بھی کہ اس پر اللہ کا پاکیزہ نام لیا جا سکے،

(۲) دوسرے یہ کہ جب جائز اور صحیح کام کے لیئے وہ اللہ کا نام لے گا تو اسکی ذہنیت ٹھیک رخ پر رہے گی بھٹکیگی نہیں،

(۳) تیسرے یہ کہ اللہ کا نام لینے سے خدا کی تائید حاصل ہوگی اس کے کام میں برکت ہوگی اور شیطانی اثر سے محفوظ رہے گا۔

کلامِ رسالت

انسان کی قدر و قیمت

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ - قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا النَّاسُ کَالْاِبِلِ الْمِائَۃِ لَا تَکَادُ تَجِدُ فِیْھَا رَاحِلَۃً متفق علیہ

ترجمہ:- حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے سو اونٹ کہ ان میں سواری کے لیے سانڈنی بمشکل ایک ملتی ہے (بقیہ سب لدو ہوتے ہیں یعنی بوجھ اٹھانے کے کام کے۔)

شرح:- تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اسلام سے قبل انسان کی کوئی قیمت نہ تھی، جنگ وجدال، آبرو ریزی، خونریزی ہی ان کے قابل فخر اور مایہ ناز کارنامے تھے، ان کے نزدیک کسی قابل قدر انسان کو ذرا سی بات پر قتل کر ڈالنا ہی اسکی بڑی قدردانی تھی، چنانچہ خوشی اور میلوں میں جب کبھی وہ اپنے فخریہ کارنامے بیان کرتے تو انہی انسانیت سوز حرکات کا تذکرہ کیا کرتے تھے، رہ گئی غریب عورت تو اس کا تو وجود ہی ان کے عقیدہ میں باعث ننگ وعار تھا، حتی کہ ایک مشفق باپ اپنی لخت جگر لڑکی کو اپنے ہاتھوں اسی لیے جب تک زندہ درگور نہ کرلیتا اس وقت تک اطمینان کے سانس نہیں لیتا تھا لیکن جب اسلام آیا تو اس نے انسان کو انسان کی قیمت سے پہلی بار روشناس کرایا۔

اب ذرا سوچیے کہ ماحول کیا ہے اور مسئلہ کتنا کٹھن ہے لیکن آنحضرتؐ کا طرز تفہیم کتنا خوشگوار اور دلوں میں اتر جانے والا تھا یعنی یہ کہ تم اونٹ کی قیمت تو جانتے ہی ہو اس پر کبھی کبھی ذرا سی دیر میں قبیلے کے قبیلے کٹ مرتے ہیں، پھر ان میں سانڈنی کی قیمت جاننے والا تم سے بڑھ کر اور کون ہوگا سن لو کہ عام انسان عام اونٹوں سے کم نہیں اور جو ان میں لائق افراد ہیں وہ ایک سانڈنی کی قیمت سے کم نہیں، جس طرح ایک سانڈنی سینکڑوں اونٹوں میں بمشکل دستیاب ہوتی ہے اسی طرح ایک لائق انسان کہیں مدتوں میں جاکر لائق بنتا ہے اس کی قدر دانی کرنی انسانیت کا شرف ہے اور ذرا سی بات پر اس کو قتل کر ڈالنا یہ شرف نہیں انسانیت پر بڑا داغ ہے۔

ایک مرتبہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دریافت کیا گیا کہ سب سے بہتر انسان کون ہے، آپ نے جو جواب ارشاد فرمایا، وہ گو بہت سادہ تھا مگر بڑا فلسفیانہ بھی تھا مختصر الفاظ میں آپ کے جواب کا حاصل یہ تھا کہ انسانوں کی مثال ایسی ہی ہے جیسے سونے چاندی کی کانوں کی، عمدہ کان سے جو سونا برآمد ہوتا ہے صاف ہونے کے بعد وہی بڑھیا کہلاتا ہے اور اسی طرح اس کا عکس، تم اسی پر انسانوں کو قیاس کرلو کہ اسلام میں سب سے زیادہ بہتر وہی ہے

جو زمانۂ کفر میں تم میں سب سے زیادہ بہتر شمار ہوتا تھا اسی لیئے
آپکی دعا یہ تھی کہ الٰہی اسلام کو عزت دے یا عمر کو اسلام کی توفیق
بخش کر یا ابوجہل کو، اب آ گئے. یہ کام قدرت کا تھا کہ وہ اس
سعادت کے لیئے کس کا انتخاب کرتی ہے۔

پھر اس کے بعد عنقریب ہی وہ دعا حضرت عمرؓ کیلئے
مستجاب ہوئی اور سب کو معلوم ہے کہ اس کے بعد فوراً اسلام
کا ضعف و ناتوانی کا نقشہ کتنا جلد قوت و شوکت کے ساتھ
بدل گیا، عمر فاروقؓ کو دنیا جانتی ہے لیکن ان کے علاوہ
اسلام کے میدان میں دوسرے شہسواروں کی بھی کچھ کمی نہ
تھی، خالد بن ولیدؓ، ابوسفیانؓ، ثمامہؓ اور ان جیسے بڑے
مشاہیر بھی موجود تھے جن سے اسلام کو سخت سے سخت
نقصانات پہنچے، لیکن کبھی آپ نے اس کا وسوسہ بھی نہیں
نہیں کیا کہ ان کے قتل کے متعلق کوئی بھی سازش تیار کی جائے
نتیجہ یہ نکلا کہ یہ سب قیمتی افراد ایک دن اسلام کے لیئے
انتہائی قابل فخر ثابت ہوئے اور بڑی بڑی فتوحات
کے مالک بنے، اس جگہ اس تاریخ کو پھیلانا منظور نہیں
لیکن حضرت وحشیؓ کا قصہ ذکر کئے بغیر نہیں رک سکتا
جنہوں نے زمانۂ کفر میں سیدنا حضرت حمزہؓ جیسی قیمتی
شخصیت کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا، لیکن اپنے اس
محبوب چچا کے انتقام لینے کے لیئے بھی آپ (صلی اللہ علیہ
وسلم) نے کبھی ارادہ نہیں فرمایا، حتیٰ کہ وہ مشرف
باسلام ہوئے اور آپ کے دامن عفو میں انکو بھی پناہ
مل گئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہی تھے جنہوں نے مسیلمہ کذاب
مدعی نبوت کو قتل کیا اور وہ خود فرمایا کرتے تھے کہ جس
طرح زمانۂ کفر میں میں نے بہترین شخصیت کو قتل کیا تھا
اسی طرح اسلام لانے کے بعد میں نے ایک بدترین شخص
کو قتل کر کے اسکی کچھ نہ کچھ تلافی کر دی ہے افراد کا تو ذکر کیا
ہے، فتح مکہ کے بعد آپنے اپنے دشمنوں کے ساتھ جس
فیاضانہ طریقہ پر عفو عام کا اعلان کیا اس طرح کی مثال
ملنی مشکل ہے. خود آپ کے بیان کے بموجب جو سب سے
تنگ وقت آپ کی زندگی میں آپ کے اوپر گذرا ہے
وہ طائف کا دن تھا جب کہ آپ نے اہل مکہ سے مایوس
ہو کر طائف کا اس امید پر رخ کیا کہ شاید وہ آپ کی
دعوت کو قبول کر لیں، لیکن انہوں نے جس بے رحمانہ انداز
میں آپ کو جواب دیا اس کی امید بھلا کس کو ہو سکتی تھی
اس مایوسی پر مایوسی اور ناکامی پر ناکامی سے جو کوہ غم
آپ پر ٹوٹا اس کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟ آپ کی شکستہ
دلی کا ساماں دیکھکر عالم بالا سے ان فرشتوں کے نام جو
پہاڑوں کے نظام کے لیئے مقرر ہیں یہ پیغام پہنچا کہ آپ
کی خدمت میں حاضر ہو کر جو آپ کا حکم ہو اس کی تعمیل
کریں، چنانچہ وہ فرشتہ حاضر ہوا اور آداب نبوت بجا لاکر
اس نے یہ عرض کی کہ حکم ہو تو ان دو پہاڑوں کو جسکے
درمیان یہ بستی واقع ہے ملا کر کچل ڈالوں؟ لیکن انسانیت
کے اس سب سے بڑے قدرداں نے اس حالت میں
بھی جو جواب دیا وہ رحمۃ للعالمین کے سوا کسی
سے یہ ممکن نہ تھا، آپنے فرمایا نہیں نہیں ایسا مت کرو
کیونکہ عجب نہیں کہ اگر آج نہیں تو کل ان میں کچھ ہونہار
ایسے پیدا ہو جائیں جو اللہ کی توحید کا کلمہ بلند کریں۔

محض زبانی طور پر چند کلمات ادا کر دینا اور بات ہے
لیکن اپنے دشمنوں کے ساتھ عملاً اتنی قدر دانی کا سلوک
کرنا یہ کم معجزہ نہیں، آپ جانتے تھے کہ اگر قریش جیسے
اہل شرف تہ تیغ کر ڈالے گئے تو پھر اسلام اگر اپنے اطراف
و جوانب میں پھیلا بھی تو کیا، اور اگر یہ اصحاب شرف
اسلام میں داخل ہو گئے تو دوسرے لوگ خود بخود فطری
طریقہ پر رام ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے۔

اسی عفو عام میں آپ کے مشن کی کامیابی کا راز
مضمر تھا جسکو تیرہ سو سال بعد ابھی تھوڑا عرصہ ہوتا ہے جسکو
کہ مسٹر کینیڈی اور مسٹر خروشیف سمجھے ہیں پہلے دونوں نے
مل کر عالم کی بربادی کے آلات تیار کئے لیکن چونکہ ابھی عالم
تقدیر میں دنیا کی کچھ عمر باقی تھی اس لیئے اچانک یہ بات
دماغوں میں پیدا ہو گئی کہ اگر بالفرض دنیا کے اکثر لائق افراد
فنا کے گھاٹ اتر گئے تو پھر بکریوں پر ہی حکومت کرکے

بھی کیا ہوگا یہ بات دوسری ہے کہ ایک جماعت نے اس کو مسٹر کنیڈی کے عزم کا نتیجہ سمجھا اور دوسری جماعت نے مسٹر خروشچوف کے ہوش و حزم کا۔ لیکن پیغمبر اسلام تیرہ سو سال قبل اس بات کو اپنے قول و عمل سے واضح فرما چکے تھے کم از کم مسلمانوں کا یہ فرض تھا کہ وہ حدیثوں کو عقیدت اور حقیقت کی نظر سے پڑھتے تو انکی کوئی مشکل ایسی نہ تھی جو آسان نہ ہو چکی ہوتی لیکن اس کا گلہ کس سے کیا جائے کہ وہ دوسروں کی محبت میں اتنے ڈوب چکے ہیں کہ اپنے مذہب کی تعلیم کی طرف نظر اٹھانا بھی پسند نہیں کرتے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ط

میرے والد مرحوم و مغفور تذکرہ فرماتے تھے کہ جب اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند کا انتقال ہوا تو ایک بہت بڑے انگریز نے انکے اعزا کے نام اپنی جانب سے تعزیتی پیغام بھیجا والد مرحوم نے اس انگریز سے فرمایا کہ یہ تعزیت کیا آپ نے سچے دل سے کی ہے یا محض ایک رسم ہے اس نے جواب دیا سچے دل سے کی ہے، اس پر والد صاحب نے فرمایا کیا آپ ان کو اپنا دشمن تصور نہیں کرتے تھے اس نے کہا یقیناً، والد مرحوم نے فرمایا، پھر دشمن کی تعزیت کیسی، اس نے کہا ہم کو اس کا یقین تھا کہ اگر کسی وقت بھی اور کسی حیلہ سے بھی یہ شخص ہمارے ساتھ آگیا تو تمام ہندوستان ہمارے ساتھ آجائے گا اب ہماری یہ امید ٹوٹ گئی کیونکہ ہماری نظروں میں اب کوئی اتنی مقبول ہستی نہیں ہے کہ صرف اس کے ساتھ آجانے سے ہم ہندوستان کو اپنے ساتھ ملا سکتے ہوں اس لئے اگرچہ وہ دشمن تھے لیکن ہم کو کچھ امیدیں باقی تھیں جو منقطع ہو گئیں اور اس لئے ایسی شخصیت کے فقدان کا ہمکو بھی افسوس ہے فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ سو عبرت پکڑو اے آنکھ والو (پارہ ۲۸ سورۃ حشر ع ۱)

اعلان مفقود الخبر (لاپتہ)

مقدمہ نمبر ۱۳۵

مدعیہ :- مسماۃ نعمت دختر رمضان (قوم کمہار) ساکن حال موضع چانگلی، ڈاکخانہ شیرپور تحصیل مالیر کوٹلہ ضلع سنگرور۔

مدعی علیہ :- محمد علی پسر رحمان ساکن گنگانگر راجستھان

سابقہ پتہ :- ہریجن کالونی، گاندھی روڈ گنگا روڈ

مدعیہ نعمت مذکورہ نے پنجاب سرکار دھرم ارتھ بورڈ کے زیر انتظام دار الافتاء مالیر کوٹلہ ضلع سنگرور پنجاب میں مفتی مالیر کوٹلہ کے نام شرعی فیصلہ کے واسطے درخواست پیش کی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ اس کا خاوند مدعی علیہ محمد علی مذکور عرصہ آٹھ نو سال سے لاپتہ ہے

لہذا بذریعہ اعلان ہذا مطلع کیا جاتا ہے کہ مدعی علیہ محمد علی مذکور پہلی اگست ۱۹۷۷ء تک خود حاضر ہو یا اپنی موجودگی کے بارے میں خود اطلاع دے ورنہ مفتی مالیر کوٹلہ بحیثیت حاکم شرعی پنجاب سرکار کے دیئے ہوئے اختیار کے مطابق شرعی طریقہ پر فسخ نکاح کا فتوی جاری کریگا اور پھر کوئی عذر قابل سماعت نہیں ہوگا۔

مورخہ ۲ جولائی ۱۹۷۷ء　　فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی
مفتی دار الافتاء (پنجاب سرکار) مالیر کوٹلہ

دعوتِ فکر و عمل

دوسری صدی ہجری کی ابتداء کا واقعہ ہے کہ سجستان (جنوبی افغانستان) کے فرمانروا نے جس کا خاندانی لقب رتبیل تھا، بنی امیہ کے عمال کو خراج دینا بند کر دیا۔ پیہم چڑھائیاں کی گئیں مگر وہ مطیع نہ ہوا یزید بن عبدالملک اموی کے عہد میں جب اس کے پاس طلبِ خراج کے لئے سفارت بھیجی گئی تو اس نے مسلمانوں کے سفراء سے دریافت کیا۔

"وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے ان کے پیٹ فاقہ زدوں کی طرح پٹخے ہوئے ہوتے تھے پیشانیوں پر سیاہ گٹے پڑے ہوئے تھے اور کھجور کی چپلیں پہنا کرتے تھے"۔

کہا گیا وہ لوگ تو گذر گئے۔ رتبیل نے کہا:۔

"اگرچہ تمہاری شکلیں ان سے زیادہ شاندار ہیں مگر وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند تھے اور تم سے زیادہ طاقتور تھے"

مورخ لکھتا ہے کہ یہ کہکر رتبیل نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور تقریباً نصف صدی تک اسلامی حکومت سے آزاد رہا یہ اس عہد کا واقعہ ہے جب تابعین اور تبع تابعین کثرت سے موجود تھے۔ ائمہ مجتہدین کا زمانہ تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کو صرف ایک صدی گذری تھی مسلمان ایک زندہ اور طاقت ور حیثیت سے دنیا پر چھا رہے تھے۔ ایران، روم، مصر، افریقہ اور اسپین وغیرہ ممالک کے وارث ہو چکے تھے اور ساز و سامان، شان و شوکت، دولت و ثروت کے اعتبار سے کوئی قوم ان کے ہم پلہ نہ تھی یہ سب کچھ تھا، دلوں میں ایمان بھی تھا احکام شریعت کی پابندی اب سے بہت زیادہ تھی۔ سمع و طاعت کا نظام قائم تھا پوری قوم میں ایک زبردست ڈسپلن پایا جاتا تھا مگر پھر بھی جو لوگ عہد صحابہؓ کے فاقہ کش خستہ حال صحرا نشینوں سے زور آزمائی کر چکے انہوں نے ان سرو سامان والوں اور ان بے سرو سامانوں میں زبردست فرق محسوس کیا — یہ کس چیز کا فرق تھا؟ — فلسفہ تاریخ والے اسے بداوت و حضریت پر محمول کریں گے وہ کہیں گے کہ پرانے بادیہ نشین زیادہ جفاکش تھے اور بعد کے لوگوں کو دولت اور تمدن نے عیش پسند بنا دیا تھا۔ مگر میں کہوں گا یہ فرق دراصل ایمان، خلوص نیت۔ اخلاق اور اطاعت خدا اور رسولؐ کا فرق تھا مسلمانوں کی اصل قوت یہی چیزیں تھیں۔ ان کی قوت نہ کثرت تعداد پر مبنی تھی، نہ اسباب و آلات کی افراط پر۔ نہ مال و دولت پر، نہ علوم و صناعت کی مہارت پر نہ تمدن و حضارت کے لوازم پر — وہ صرف عملِ صالح کے بل پر ابھرے تھے اسی چیز نے ان کو دنیا میں سربلند کیا تھا، اسی نے قوموں کے دلوں میں ان کی دھاک اور ساکھ بٹھا دی تھی جب قوت و عزت کا یہ سرمایہ ان کے پاس تھا تو وہ قلتِ تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود طاقتور اور معزز تھے اور جب یہ سرمایہ ان کے پاس کم ہو گیا تو کثرتِ تعداد اور سرو سامانی کی فراوانی کے باوجود کمزور اور بے وقعت ہوتے چلے گئے۔

رتبیل نے دشمن کی حیثیت سے جو کچھ کہا وہ دوستوں اور ناصحوں کے ہزار وعظوں سے زیادہ سبق آموز ہے اس

نے دراصل یہ حقیقت بیان کی تھی کہ کسی قوم کی اصل طاقت اس کی آراستہ فوجیں، اس کے آلاتِ جنگ، اس کے خوش خور و خوش پوش سپاہی اور اس کے وسیع ذرائع و وسائل نہیں ہیں بلکہ اس کے پاکیزہ اخلاق، اس کی مضبوط سیرت، اس کے صحیح معاملات اور اس کے بلند تخیلات ہیں یہ طاقت روحانی طاقت ہے جو مادی وسائل کے بغیر دنیا میں اپنا سکہ چلا دیتی ہے خاک نشینوں کو تخت نشینوں پر غالب کر دیتی ہے صرف زمینوں کا وارث ہی نہیں دلوں کا وارث بھی بنا دیتی ہے اس طاقت کے ساتھ کھجور کی چپلیاں پہننے والے، سوکھی ہڈیوں والے، بے رونق چہروں والے، چیتھڑوں میں تلواریں رکھنے والے لوگ دنیا پر وہ رعب وہ سطوت و جبروت، وہ قدر و منزلت، و اعتبار و اقتدار جما دیتے ہیں جو اس طاقت کے بغیر شاندار لباس پہننے والے، بڑے ڈیل ڈول والے، بارونق چہروں والے، اونچی بارگاہوں والے بڑی بڑی منجنیقیں اور ہولناک دبابے رکھنے والے نہیں جما سکتے۔ اخلاقی طاقت کی فراوانی، مادی وسائل کی کمی کے نقدان کی تلافی کر دیتی ہے، مگر مادی وسائل کی فراوانی اخلاقی طاقت کے فقدان کی تلافی نہیں کر سکتی۔ اس طاقت کے بغیر محض مادی وسائل کے ساتھ اگر غلبہ نصیب ہو گیا تو ناقص اور عارضی ہوگا۔ کامل اور پائیدار نہیں ہوگا، دل کبھی مسخر نہ ہوں گے صرف گردنیں جھک جائیں گی اور وہ بھی اکڑنے کے پہلے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے مستعد رہیں گے۔

کسی عمارت کا استحکام اس کے رنگ و روغن نقش و نگار، زینت و آرائش، صحن و چمن اور ظاہری خوشحالی سے نہیں ہوتا نہ مکینوں کی کثرت نہ ساز و سامان کی افراط اور اسباب و آلات کی فراوانی اس کو مضبوط بناتی ہے۔ اگر اس کی بنیادیں کمزور ہوں، دیواریں کھوکھلی ہوں، ستونوں کو گھن لگ جائے، کڑیاں اور تختے بوسیدہ ہو جائیں تو اس کو گرنے سے کوئی روک نہیں سکتا خواہ وہ مکینوں سے خوب معمور ہو اور اس میں کروڑوں روپے کا مال و اسباب بھرا ہوا ہو اور اسکی سجاوٹ نظروں کو لبھاتی اور دل کو موہ لیتی ہو۔ تم صرف ظاہر کو دیکھتے ہو، تمہاری نظریں مدنظر پر اٹک کر رہ جاتی ہیں مگر حوادث زمانہ کا معاملہ نمائشی مظاہر سے نہیں، اندرونی حقائق سے پیش آتا ہے وہ وہ عمارت کی بنیادوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں، دیواروں کی پختگی کا امتحان لیتے ہیں، ستونوں کی استواری کو جانچتے ہیں اگر یہ چیزیں مضبوط ہوں تو زمانہ کے حوادث ایسی عمارت سے ٹکرا کر پلٹ جائیں گے اور وہ ان پر غالب آ جائیں گی۔ خواہ وہ زینت و آرائش سے یکسر محروم ہو مگر سنہ حوادث کی ٹکریں آخر کار اسے پاش پاش کر کے رکھ دیں گی اور وہ اپنے ساتھ مکینوں اور اسبابِ زینت کو بھی لے ڈوبے گی۔

ٹھیک یہی حال حیاتِ قومی کا بھی ہے ایک قوم کو جو چیز زندہ طاقتور اور سربلند بناتی ہے وہ اس کے مکان، اسکے لباس، اس کی سواریاں اسکے اسبابِ عیش، اس کے فنونِ لطیفہ، اسکے کارخانے اور اسکے کالج نہیں ہیں بلکہ وہ اصول ہیں جن پر اسکی تہذیب قائم ہوتی ہے اور پھر ان اصولوں کا دلوں میں راسخ ہونا اور اعمال پر حکمراں بن جاتا ہے۔ یہ تین چیزیں یعنی اصول کی صحت ان پر پختہ ایمان اور عملی زندگی میں انکی کارفرمائی حیاتِ قومی میں وہی حیثیت رکھتی ہیں جو ایک عمارت میں اسکی مستحکم بنیادوں اس کی پختہ دیواروں اور اسکے مضبوط ستونوں کی ہے جس قوم میں یہ تینوں چیزیں بدرجہ اتم موجود ہوں وہ دنیا میں غالب ہو کر رہیگی اسکا کلمہ بلند ہوگا خدا کی زمین میں اسکا سکہ چلے گا، دلوں میں اسکی دھاک بیٹھے گی گردنیں اسکے حکم کے آگے جھک جائیں گی اور اسکی عزت ہوگی خواہ وہ جھونپڑیوں میں رہتی ہو پھٹے پرانے کپڑے پہنتی ہو، فاقوں سے اسکے پیٹ چپکے ہوئے ہوں اسکے یہاں ایک کالج بھی نہ ہو [۴۲]

---

[۴۲] اسکی بستیوں میں ایک [illegible] ہیں اس کے قوائم و ارکان نہیں ہیں کھوکھلی دیواروں پر اگر سونے کے پترے بھی چڑھا دوگے تو وہ ان کو گرنے سے نہ بچا سکیں گے۔

نراشنس اور آخری رسول

تلخیص و ترجمانی :- وصی اقبال

تحریر :- جناب پنڈت وید پرکاش اپادھیا - ایم اے - ویدک سنسکرت
ڈی - فل دھرم شاستراچاریہ (ڈپ آف جرمن)

نوٹ :- اصل مضمون کے مطالعہ سے پہلے چند باتیں پیش کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ میں نے مضمون کا لفظی ترجمہ نہ کر کے مضمون کی تلخیص و ترجمانی کی ہے اس کی ایک خاص وجہ یہ رہی ہے کہ اپادھائے جی نے یہ مضمون ہندو یا زیادہ سے زیادہ غیرمسلم حضرات کے لیے تحریر کیا ہے۔ اس باعث بعض مقامات پر لفظی بحث نے کافی طول کھینچا ہے جو میرے خیال میں اردو داں حضرات کے لیے زیادہ مفید نہیں تھا۔ البتہ میں نے اس بحث کے نتائج کو ضرور آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے پھر کچھ ایسی باتوں سے بھی میں نے ترجمہ میں احتیاط برتی ہے کہ جو یا تو غیرضروری تھیں (ہمارے یا آپ کے لیے) یا اس قدر معلوم و معروف ہیں کہ اس کی ترجمانی سے سوائے طوالت کے اور کچھ حاصل نہ ہوتا۔
البتہ نفس مضمون سے میں نے ذرا تعرض نہیں کیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکا ہے اپادھیائے جی کی اصل تحریر کو ہی اردو منتقل کیا ہے۔ اور بس!

پہلا باب

نراشنس کے معنی

نراشنس لفظ "نر" اور "آشنس" دو الفاظ سے مل کر بنا ہے "نر" کے معنی ہوتے ہیں، انسان اور آشنس کے ہوتے ہیں جس کی تعریف کی گئی ہو۔ یہ واضح رہے کہ نراشنس لفظ ویدک زبان کا لفظ ہے۔ نہ کہ عوامی زبان کا لفظ۔ بعض حضرات نراشنس کا مطلب لیتے ہیں "انسان کی تعریف" اور بعض صاحبان کے نزدیک اس کے معنی ہیں انسانوں کے ذریعہ تعریف کیا ہوا لیکن غورطلب معاملہ یہ ہے کہ نراشنس لفظ کے صحیح معنی کیا ہیں یا کیا ہونا چاہیے؟

اصل میں نراشنس لفظ مفعولی مرکب لفظ ہے جس کا تجزیاتی معنی نراشچا سو آشنس नरश्चा असौ आशंस یعنی "تعریف کیا ہوا شخص" ہوگا۔ اور نراشنس لفظ کسی دیوتا کے متعلق بھی نہیں ہے خود نراشنس لفظ ہی اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ جس کی تعریف کی گئی ہے وہ انسان ہے اگر کوئی صاحب "نر" لفظ کو دیوتا کے متعلق سمجھتے ہوں تو ان کی خدمت میں اتنا ہی عرض ہے کہ "نر" لفظ نہ دیوتا کے مترادف لفظ ہے اور نہ دیوتاؤں کی نسل کے کسی خاص گروہ سے متعلق۔

لہذا "نراشنس" لفظ انسانی کی تعریف کے لیے ہی ہے "نر" لفظ کا واضح طور پر مطلب ہوتا ہے انسان۔ کیونکہ "نر" لفظ انسان کے مترادف الفاظ میں سے ایک ہے[1]

---

[1] امرکوش۔ منش ورگ۔ اشلوک ۱

نراشنس کا ذکر

نراشنس کے بارے میں عوامی سنسکرت میں کوئی مواد نہیں ہے صرف ویدک کتابوں میں ہی نراشنس کے بارے میں جگہ جگہ منتر آئے ہیں۔ نراشنس کے متعلق الحاقی کتابوں میں بہت سے منتر موجود ہیں۔ اَرتھ وید کے مجموعہ بیسویں باب کے ایک سوستائیسویں[۱۲۷] تذکرہ میں نراشنس سے متعلق چودہ منتر مندرج ہیں۔ رگ وید تمام ویدوں میں قدیم ترین وید ہے رگ وید میں بھی مختلف مقامات پر نراشنس کے موضوع پر منتر ہیں رگ وید کے تحت نراشنس لفظ سے شروع ہونے والے منتروں کی تعداد آٹھ ہے

اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ نراشنس صرف ایک وید تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کا ذکر رگ وید یجروید۔ سام وید۔ اور ارتھ وید میں بھی ملتا ہے۔

نراشنس کے زمانہ کا تعین

جب کسی خاص شخصیت کو موضوع بنا کر کتابوں میں اسکا تذکرہ کیا جاتا ہے تو وہ خاص شخصیت مذہبی کتابوں میں ماضی کے صیغہ میں بیان کی جاتی ورنہ اس خاص شخصیت کا کتابوں میں تذکرہ آنا ممکن نہیں ہے۔ اگر کوئی عالم مندرجہ بالا اصول کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالے کہ نراشنس کا تعین تو ویدوں کی تخلیق سے بھی قبل تھا تو یہ نتیجہ ارتھ وید۔ بیسویں کانڈ کے تحت ایکسوستائیسویں تذکرے کے پہلے منتر سے ہی غلط ثابت ہوتا ہے کہ نراشنس ویدوں کے زمانے سے قبل نہیں، بلکہ ویدوں کی تخلیق کے بعد ہی لائق تذکرہ ہوتا ہے [۱]

برہم واکیہ میں کہا گیا ہے کہ اے لوگو سنو!۔ "نراشنس کی تعریف کی جائے گی" یہ جملہ ارتھ وید کا ہے اور ارتھ وید دوسرے سارے ویدوں سے بعد کا وید ہے لہٰذا ارتھ وید کے زمانے کے بعد نراشنس کے آنے کا زمانہ طے ہو جاتا ہے نراشنس کی سواری میں اونٹ استعمال ہونا لکھا ہے[۲] اس وجہ سے بھی نراشنس کی موجودگی اس وقت طے ہوتی ہے کہ جب اونٹ سواری میں استعمال ہو

مقام کا تعین

نراشنس کے مقام کے تعین کے سلسلہ میں نہ خارجی ثبوت ملتے ہیں اور نہ داخلی ثبوت فراہم ہوتے ہیں مقام کے تعین کے بغیر نراشنس کے آنے کے مقام کا علم بھی ناممکن ہے اس لئے نراشنس کے مقام کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ غور غور و فکر کرنا ضروری ہے۔

نراشنس سواری میں اونٹ کا استعمال کرے گا کوئی بھی شخص اصولی طور پر جس ملک یا زمانہ یا ماحول میں پیدا ہوتا ہے۔ اس ملک کی زبان۔ لباس اور سواری کا استعمال بھی کرتا ہے اونٹ کی سواری کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نراشنس جس مقام پر پیدا ہوگا وہاں اونٹوں کی افراط ہوگی۔ اونٹوں کی افراط عموماً انہیں مقامات پر ہوتی ہے جو ریگستانی علاقے ہوتے ہیں۔ اس طرح مقام کا تعین کا فیصلہ کرتے ہوئے ہم اس حقیقت پر پہنچتے ہیں کہ نراشنس ریگستانی خطہ زمین پر پیدا ہوگا۔ جہاں اونٹ کثیر تعداد میں موجود ہوں۔

دوسرا باب

نراشنس کی صفات اور اہمیت

ویدوں میں جتنے بھی منتر آئے ہیں زیادہ تر خدا کی صفات پر روشنی ڈالتے ہیں کچھ ایسے بھی ہیں جو دوسرے

---

[۱] رسالہ، امرکوش سورگ ورگ اشلوک ۱۱ [۲] امرکوش۔ منش ورگ اشلوک ۲

موضوعات سے متعلق ہیں۔ نراشنس کی اہمیت اسی بات سے واضح ہو جاتی ہے کہ وہ قابلِ تعظیم ٹھہرایا گیا ہے رگ وید کے زمانہ میں یگیہ[15] کرتے وقت نراشنس کو پکارا جاتا تھا۔ اور اس پکارنے میں اس کے لئے لفظ "پیارا" استعمال کیا جاتا تھا نراشنس کے لفظ کو مزید تشریح بتاتے ہوئے اس رگ وید میں واضح خوش کلام بھی کہا گیا ہے۔[16]

علم غیب کا جاننے والا

خوش کلام یعنی شیریں زبان کے علاوہ نراشنس کی ایک بڑی خوبی غیب کا جاننے والا بتائی گئی ہے۔ علم غیب کے جاننے والے کو "کوی" کہا جاتا ہے کوی کی ذہانت کا ایک عجیب عالم ہوتا ہے جس کے بارے میں ایک عام انسان سوچ بھی نہیں سکتا۔ کوی اسکے بارے میں اس طرح بیان کرتا ہے جیسے وہ اس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہو حرف ک ز (क) کا مطلب ہوتا ہے خدا اور کوی۔ یعنی جسکا خدا سے قریبی تعلق ہو اور جو خدا کو اچھی طرح جانتا ہو۔

ہندی لغات میں "کوی" کے بہت سے معنی دیئے گئے ہیں۔ ذہین، ہوشیار۔ عقلمند۔ غور و تدبر کرنے والا قابل تعریف اور بزرگ وغیرہ رگ وید میں نراشنس کو کوی بتایا گیا ہے[17] کوی کا ایک مطلب شاعری کرنے والا یعنی شاعر بھی ہوتا ہے۔

نورانی

نراشنس سے متعلق رگ وید میں ایک لفظ استعمال ہوا ہے[18] اور اس لفظ کے تجزیاتی معنی ہیں حسین و جمیل شخص، جس کے چہرہ سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہوں رگ وید کے جس منتر میں نراشنس کو حسین و جمیل کہا گیا ہے وہاں واضح طور پر یہ بھی بتا دیا گیا ہے۔ کہ وہ اپنی خداداد لیاقت سے گھر گھر روشنی پھیلائے گا[19] یعنی ایسا کوئی گھر نہ ہوگا جہاں نراشنس کی تعریف و توصیف بیان نہ کی جائے گی ایسی حالت میں نراشنس نام کے معنی بھی متعین ہو جاتے ہیں کیونکہ لفظ کے لغوی معنی بھی یہی ہیں کہ ایسا شخص جسکی تعریف کی گئی ہو گھر گھر روشنی پھیلانے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ گھر گھر میں علم پہنچانا اسی باعث رگ وید میں نراشنس کو مبلغ علم بھی کہا گیا ہے۔

گناہوں سے بچانے والا

نراشنس کو سارے گناہوں سے لوگوں کو بچانے والا کہا گیا ہے[20] جس میں جو صفت ہوتی ہے اس سے اسکی صفت کو دوسروں میں پیدا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے منتروں کا جاپ کرنے والے رشی نراشنس سے یہ استدعا کرتے ہیں کہ وہ آکر تمام لوگوں کو گناہوں سے بچائے اس منتر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ کے رشیوں کے اندر نراشنس کیلئے کتنی عقیدت تھی کہ وہ اپنے آپ کو کس قدر اس بات کے لئے آرزو مند پاتے تھے، کہ نراشنس آکر لوگوں کو گناہوں سے بچائے۔ اگر کوئی شخص مندرجہ بالا منتر پر یہ شک کرے کہ اس کے معنی تو یہ ہوتے ہیں کہ سارے گناہوں سے ہمیں پار لگاؤ۔ تو پھر لوگوں کو گناہوں سے بچانا کے معنی کیوں پہنائے جا رہے ہیں؟ اسکا جواب یہ ہے کہ ویدوں میں جو منتر ہیں وہ لوگوں کی جانب سے کی جانے والی دعا کے منتر ہیں نہ کہ رشیوں نے اپنی نجات کے لئے ان منتروں کو تخلیق کیا ہے وید انسان کے تخلیق کردہ نہیں ہیں بلکہ وید انسانوں کی بھلائی اور فلاح کے لئے خدا کی جانب سے رسولوں کے ذریعہ نازل کئے گئے ہیں[21] لہذا مندرجہ بالا منتر کے یہی معنی ہوتے ہیں کہ لوگوں کو گناہوں سے بچانے والا۔

نراشنس کی شخصیت

کوئی شخص جب قابل تعریف ہوتا ہے تو اس

---

۱۵ ایک طرح کی عبادت ۱۶ رگ وید سنہتا ۱۷ رگ وید سنہتا ۱۸ رگ وید سنہتا ۱۹ رگ وید سنہتا ۵۶ ۲۰ رگ وید ۴-۱۵۴-۱ ۲۱ اہل ہنود علماء کا یہ خیال ہے کہ ویدوں کا نزول خدا کی طرف سے ہوا ہے یہ انسانی تخلیق نہیں ہیں اس کے متعلق کوئی متعین بات نہیں کہی جا سکتی (مترجم)

کی تعریف کا سبب اس شخص کی اپنی ذاتی صفات ہوتی ہیں
جس کے سبب وہ تعریف کا اہل قرار پاتا ہے۔ برے لوگوں کی
کی تعریف انھیں خوش کرنے کے لیئے بھلے ہی چند مفاد پرست
لوگ کر دیں لیکن حقیقت میں برے لوگ تعریف کے نہیں مذمت
کئے جانے کے لائق ہوتے ہیں یہ یقینی طور پر کہا جاتا ہے
کہ "برے لوگوں کی برائیوں کی جہاں تک تعریف کی جائے
کم ہی ہے" اس جملہ میں حقیقتاً تعریف کا لفظ مذمت کے
معنی میں ہی استعمال ہوا ہے انسان کے قابلِ تعریف ہونے
کے لیئے اس میں مندرجہ ذیل صفات ہوتی ہیں۔ علم ودانائی
معزز۔ نفس کش، طاقتور، علم الٰہی سے واقف، خوش کلام
جہاں تک ممکن ہو صدقہ وخیرات کرنا اور فرض شناس
لوگوں کے دلوں میں عام پر وہ ہی شخص کوئی مقام پاتا
ہے۔ جو انسان سے نفرت نہ کرتا ہو۔ مذہب کا پیرو کار ہو
اچھا عمل کرے قابلِ مذمت کاموں سے دور ہو۔ کافر نہ
ہو۔ اور غصہ خوشی۔ غرور۔ شرم بے وقوفی اور اپنے
آپ کو بڑا سمجھنے کا جذبہ اس پر حاوی نہ ہو۔

نراشنس کی پہچان کے طور پر ارتھ وید میں کچھ متعین
باتیں بتائی گئی ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ شتر سوار:۔ ارتھ وید میں نراشنس سے متعلق جو
پیش گوئی کی گئی ہے اس میں شتر سوار کہا گیا ہے[۱]

۲۔ بارہ بیویوں والا:۔ نراشنس کے پاس
بارہ بیویاں ہوں گی اس بات کی تصدیق بھی ارتھ وید
کے اس منتر سے ہوتی ہے جس میں اس کو شتر سوار کہا گیا
ہے[۲]

۳۔ سو طلائی سکوں والا:۔ ہنگامی
حالات میں طلائی سکے انسان کو کافی سہولت پہنچاتے ہیں[۳]
نراشنس کو خدا کی جانب سے سو طلائی سکے عطا کیا جانا تحریر

۴۔ دس مالاؤں والا:۔ مالائیں گلے کا ہار
ہوتی ہیں "گلے کا ہار" کا مطلب صحیح طور پر "پیارا" کے
لیئے استعمال ہوتا ہے۔ نراشنس کے لیئے دس مالائیں خدا
کی مرضی سے دیئے جانے کی بات ارتھ وید کے بیسویں کانڈ
کے ایک سو ستائیسویں (۱۲۷) بیان کے تیسرے منتر میں کہی گئی ہے

۵۔ دس ہزار گائیوں والا:۔ خدا کی جانب
نراشنس کو دس ہزار گائیں عطا کی جائیں گی۔

۶۔ تین سو گھوڑوں والا:۔ نراشنس کو
تین سو گھوڑے ملیں گے ارتھ وید کے مندرجہ بالا منتر
میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اب ہم اگلے باب میں یہ ثابت کریں گے کہ نراشنس
پیدا ہو چکے ہیں یا نہیں اور اگر وہ پیدا ہو چکے ہیں تو
وہ کون تھے۔؟

تیسرا باب

۱۔ اسمی ثبوت نراشنس لفظ سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پہلے باب
میں بتائے جا چکے ہیں معنی کے نظریہ سے واضح ہے کہ نراشنس
لفظ کسی خاص شخصیت کے لیئے استعمال کیا گیا ہے جس
سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ ظہور میں آنے والا شخص جس کے
بارے میں ویدوں میں پیش گوئی کی گئی ہے۔

"نر" یعنی انسان اور "آشنس" یعنی جس کی تعریف کی
جائے گی۔ اس باعث ہمیں ایک ایسی شخصیت کی تلاش کرنا
ہے جو انسان بھی ہو اور جس کی تعریف بھی کی گئی ہو "محمد"
کا مادّہ حمد ہے جس کے معنی ہے تعریف کرنا اور محمد جس کی
تعریف کی گئی ہو محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ارتھ وید ۲-۲۷/-۲۰ [۲] ارتھ وید ۲-۱۲۷-۲۰
[۳] ارتھ وید ۳-۱۲۷-۲۰

انسان بھی تھے لہذا ان میں آدمیت اور تعریف دونوں
خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ اس طرح یہ بات
ثابت ہوتی ہے کہ نراشنس کا عربی مترادف لفظ محمد ہے جس
طرح جل (پانی) کو فارسی میں آب اور انگریزی میں واٹر
WATER کہتے ہیں اسی طرح نراشنس اور محمد (صلی اللہ علیہ
وسلم) ایک ہی شخصیت کا سنسکرت اور عربی نام ہے اب
دیکھنا یہ ہے کہ نراشنس کے متعلق جو باتیں کہی گئی ہیں۔ کیا
وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر منطبق ہوتی ہیں یا نہیں؟

۲۔ زمانی ثبوت

نراشنس کے ظہور کا زمانہ وہ متعین کیا گیا ہے کہ جب
اونٹ سواری کے طور پر استعمال ہوتے ہوں محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) بھی اسی زمانہ میں ظہور پذیر ہوئے تھے جب کہ
اونٹوں کا سواری میں استعمال کثرت سے کیا جا رہا
تھا۔ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی اونٹ کی سواری کے بہت
زیادہ دلدادہ تھے اور آپ نے ہجرت بھی اونٹ
پر ہی کی تھی۔

۳۔ جائے پیدائش کی مناسبت

نراشنس کا جائے پیدائش ایسا مقام بتایا گیا ہے
کہ جو ریگستانی خطہ زمین ہو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ میں
ظہور ہوا تھا اور ظاہر ہے کہ مکہ ریگستانی خطہ زمین ہے۔

۴ صفاتی مناسبت

(۱) رگ وید میں نراشنس کے لئے پریہ (پیارا)
لفظ کا استعمال ہوا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی سب کو
پیارے تھے (ب) نراشنس کو غیب داں بتایا گیا ہے محمد
(صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی غیب کا علم ہوتا تھا اس کے
بہت سے ثبوت آپ کی سیرت کی کتابوں میں منقول ہیں

اس قسم کا ایک واقعہ محترم عنایت احمد نے اپنی کتاب
"الکلام المبین" میں بھی درج کیا ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم نے ایرانیوں اور رومیوں کے درمیان
ہونے والی جنگ کے درمیان رومیوں کے شکست کھا
جانے کی بابت اپنے ساتھیوں سے ارشاد فرمایا تھا اور
دوبارہ نو سال کے اندر اندر فتح حاصل کرنے کے
بارے میں بھی فرمایا تھا آپ کی یہ پیشین گوئی بالکل
صحیح ثابت ہوئی تھی نو سال کے اندر ہی نینوا کی لڑائی
میں رومیوں کو فتح حاصل ہوئی اس واقعہ سے متعلق سورہ
روم قرآن پاک کی تیسویں سورہ بھی نازل ہوئی ہے
سورہ روم کی دوسری سے چوتھی آیت تک اس بات
کو اس بیان کیا گیا ہے۔

" رومی قریب کی سرزمین میں مغلوب ہو گئے ہیں اور
اپنی اس مغلوبیت کے بعد چند سال کے اندر وہ غالب
ہو جائیں گے۔ اللہ ہی کا اختیار ہے۔ پہلے بھی اور بعد
میں بھی"

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی غیب دانی کا یہ ایک بہت
بڑا ثبوت ہے۔

(ج) نراشنس کو ویدوں میں کوی (شاعر یعنی شاعری
کرنے والا اور کوی خدا کو پہچاننے والا بھی کہا گیا ہے
محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی لوگوں نے شاعر کہا ہے
اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ آپ خدا کو پہچاننے والے
تھے خدا کا پیغام پہنچانے والے تھے اسی لئے آپ کو
اللہ کا رسول یا نبی کہا جاتا تھا۔

(د) رگ وید میں نراشنس کو نہایت حسین و جمیل اور
گھر گھر علم کی روشنی پہنچانے والا کہا گیا ہے محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) بھی بہت زیادہ حسین و جمیل تھے لوگ آپکے

حسن و جمال کے گرویدہ تھے آپ کی پرکشش شخصیت سے متعلق آر۔ بی اسمتھ نے اپنی کتاب "محمد اور محمڈن ازم" میں ایک جگہ تحریر کیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مخالفین بھی ان کی پرکشش شخصیت اور عظمت و شان سے مرعوب ہو کر ان کی عزت کرنے کیلئے مجبور ہو جاتے تھے۔ مخالفین کی حد درجہ مخالفت کے باوجود محمد (صلعم) نے علم کی روشنی گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر تارا چند نے اپنی کتاب "ہندوستانی تہذیب پر اسلام کے اثرات" کے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ محمد (صلعم) پر خدا کا کلام نازل ہونے لگا، اور آپ زمین خدا کے نبی بن گئے"۔

(س) نراشنس کو گناہوں سے بچانے والا بھی کہا گیا ہے عام طور پر کچھ لوگ بے دینی کو دین سمجھکر اس کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے بے دین لوگوں کو نراشنس غلط کاموں سے روکے گا اور آئندہ غلط روش پر چلنے سے باز رہنے کو کہے گا گنہگار لوگ اگر خدا سے توبہ واستغفار نہیں کرتے۔ تو آئندہ بھی گناہگاری میں مبتلا ہونے کا امکان رہتا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہ صرف لوگوں کو گناہوں سے بچنے کی ترغیب دی۔ بلکہ خدا سے توبہ واستغفار کرنے کیلئے بھی آمادہ کیا تاکہ لوگوں کو اپنے کئے ہوئے گناہوں کی پاداش میں دوزخ میں۔ جانا پڑے، یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم ہی کا اثر ہے کہ آج بھی مسلمانوں میں شراب اور سود ممنوع ہے۔

۵۔ بیویوں کی مناسبت

ارتھ وید میں نراشنس کو بارہ بیویوں کا شوہر بتایا گیا ہے محمد (صلعم) کی بھی بارہ بیویاں تھیں[1] اس طرح نراشنس کے متعلق کہی گئی بات محمد (صلعم) پر پوری طرح منطبق ہوتی ہے کسی بھی بہت بڑے آدمی کی جو مذہبی نظریہ وخیالات کا حامل ہو اس کی بارہ بیویاں نہیں ہوئی ہیں صرف محمد (صلعم) ہی ایسے تھے جن کی بارہ بیویاں تھیں

۶۔ دیگر باتوں میں مناسبت

ارتھ وید میں نراشنس کے متعلق چند اور باتیں کہی گئی ہیں۔ آئیے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر انہیں جانچ کر دیکھیں۔

ارتھ وید میں ہے کہ خداوند تعالیٰ نراشنس کو گائیں عطا کرے گا۔ گئو (گائے)، عام طور پر اچھے انسان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ لہذا دس ہزار اچھے انسان محمد (صلعم) کی دی ہوئی تعلیم پر عمل کرنے والے اچھے لوگ آپ کی زندگی کے آخری دور میں یقیناً دس ہزار تھے مدینہ (طیبہ) سے مکہ (مکرمہ) کے لئے جب آپ واپسی کی تیاری کر رہے تھے تو اس وقت بھی مسلمانوں کی تعداد دس ہزار تھی[2] اور ان دس ہزار انسانوں کے اچھے اور بھلے ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ جب مسلمان محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمراہ مکہ (مکرمہ) میں داخل ہوئے تو نہ کسی طرح کی جنگ ہوئی اور نہ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کی گئی اسی لئے ان دس ہزار شریف النفس انسانوں کو گئو (گائیں) کہا گیا تو بے جا نہیں۔

نراشنس کے متعلق یہ بھی تحریر ہے کہ اس کو تین سو [ہندی لفظ] گھوڑے حاصل ہوں گے جیساکہ میں نے تحریر کیا ہے سارون ([ہندی لفظ]) کے معنی گھوڑے کے ہیں اور گھوڑا نہایت تیز رفتار اور جنگ میں بے انتہا مفید و کارآمد ثابت ہوتا ہے تین سو کا مطلب یہ ہے کہ تین سو سے زیادہ اور چار سو سے کم، جس طرح سپت شتی ([ہندی لفظ]) لفظ کا مطلب ہے کہ ایک ایسی کتاب جس میں سات سو یا اس سے زیادہ لیکن آٹھ سو سے کم نظمیں یا اشعار ہوں۔ بالکل اسی طرح تین سو سوارون ([ہندی لفظ]) کا مطلب ہوتا ہے تین سو یا تین سو سے زیادہ لیکن چار سو سے کم۔ ارون ([ہندی لفظ]) لفظ بہادر

---

[1] حضور صلعم کی گیارہ ازواج پر سب کا اتفاق ہے دو کا انتقال آپ کی زندگی میں ہو گیا تھا اور نو وفات کے وقت موجود تھیں (رولی)
[2] محمد صلعم کی باتیں اور خطبات از اسٹینلے لین پول۔

جنگجو کیلئے مستعمل ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے دشمنوں سے بدر کے مقام پر پہلا معرکہ لیا تو آپ کے ساتھیوں کی تعداد تین سو تیرہ تھی ۔

اتھروید میں نراشنس کے لیئے دس مالائیں دیئے کا بھی تحریر ہے یہ دس مالائیں دس ایسے جاں نثار انسانوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو نراشنس کے گلے کے ہار کے مانند ہوں اور نراشنس انھیں بہت چاہتا ہو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بھی ایسے عزیز ترین ساتھی تھے جو اپنی جانثاری و فداکاری میں سب سے آگے تھے یہ دسوں جانثار ساتھی ہر وقت آپ کے ساتھ آپ کے ارد گرد رہتے تھے لہذا ان عزیز ترین جانثار کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گلے کا ہار کہا جائے تو کیا غلط ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ جانثار ساتھی دشمنوں اور مخالفین کی ہر کارروائی کے مقابلہ میں آپ کے ہر طرح شریک و معاون تھے یعنی آپ کے گلے کی مالا تھے حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے یہ دسوں پیارے ساتھی "عشرہ مبشرہ" کہے جاتے تھے ۔ یعنی وہ دس خوش نصیب ہستیاں جنکو زندگی میں ہی جنت کی بشارت سنادی گئی تھی ۔

اتھروید میں نراشنس کو سو نشک (۱۰۰ سکے) دیئے جانے کی بات تحریر ہے نشک کے معنی ہیں سنہری اشرفی یا طلائی سکے ، بہرحال نشک یا سنہری مہر کے الفاظ مخصوص افراد کیلئے مستعمل ہے جو ان خوبیوں کے حامل ہوں خدا کے دین کی تبلیغ کرنے والوں اور دین کی صحیح اور بنیادی حفاظت کرنے والوں کو بھی نشک لفظ کی مناسبت دی جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نشک بہت قیمتی ہوتا ہے اور سچے دین کے مبلغین اور پیروؤں کی بھی بہت اہمیت اور قیمت ہوتی ہے ۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، جن تعلیمات کی تبلیغ کرتے تھے اس میں معاونت کے لیئے آپ کے سو معاون مددگار تھے یہ حضرات نہ صرف خود اس تعلیم پر عمل کرتے تھے جو آنحضرت صلعم سے حاصل کرتے تھے، بلکہ اس تعلیم کو دوسروں تک پہنچانے کا کام بھی انجام دیتے تھے ۔ ان حضرات کو "اصحاب صفہ" کہا جاتا تھا ۔

اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ویدوں میں جس نراشنس کے ظہور میں آنے کی بات کہی گئی ہے وہ صرف اور صرف حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی ہیں ۔ (باقی)

ایک قرآنی تمثیل

اور اے محمد! ان کے سامنے اس شخص کا حال بیان کرو جس کو ہم نے آیات کا علم دیا تھا مگر وہ ان کی پابندی سے نکل بھاگا ۔ آخر کار شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا یہاں تک کہ وہ بھٹکنے والوں میں شامل ہو کر رہا ۔ اگر ہم چاہتے تو اسے ان آیتوں کے ذریعہ سے بلندی عطا کرتے مگر وہ زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا اور اپنی خواہش نفس ہی کے پیچھے پڑا رہا لہذا اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ تم اس پر حملہ کرو تب بھی زبان لٹکائے رہے اور اسے چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکائے رہے یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں تم یہ حکایات ان کو سناتے رہو شاید یہ کچھ غور و فکر کریں ۔ (الاعراف: ۱۷۵-۱۷۶)

حق کی آواز رکی بھی ہے کہیں روکے سے
کوئی ٹھہرائے تو کیا باد صبا ٹھہری ہے

اب قبل اس کے کہ ہم مکے کے آخری تین سالوں کی تاریخ بیان کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کے سب سے اہم واقعہ کو تفصیل کے پیش کر دیا جائے جو حضور اکرم کی سیرتِ پاک پر ایک مرصع تاج کی طرح چمکتا ہوا نظر آتا ہے ایسا تاج جس سے انبیاء سمیت تاریخِ انسانی کے کسی فرد کی سیرت بھی مزین نہیں ہوئی ہے یہ ہے۔

واقعۂ اسراء و معراج اسراء سے مراد ہے رات کے وقت آپ کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جانا جیسا کہ قرآن مجید، سورۂ بنی اسرائیل کے آغاز میں بیان ہوا ہے اور معراج سے مراد ہے بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچنا، جس کی پوری تفصیلات احادیث میں بیان ہوئی ہیں، اگرچہ بعض شاذ اقوال یہ بھی ہیں کہ اسراء اور معراج کے واقعات الگ الگ اوقات میں پیش آئے ہیں۔ لیکن علماءِ امت، فقہا، محدثین اور متکلمین کی عظیم اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یہ دونوں واقعات بیک وقت پیش آئے تھے ایک ہی رات آپ کو جسم و روح کے ساتھ بہ حالتِ بیداری مسجدِ حرام سے بیت المقدس بھی لے جایا گیا اور اسی رات آپ عالمِ بالا کی انتہائی بلندیوں سے گزرتے ہوئے بارگاہِ ربُّ العزت تک بھی پہنچے اور صبح ہونے سے پہلے مکہ واپس بھی تشریف لے آئے۔

معراج کی تاریخ یہ واقعہ کب پیش آیا؟ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ ابن سعد نے واقدی کی روایت نقل کی ہے کہ ۱۷ رمضان ۱۲ھ بعد بعثت کو یعنی ہجرت سے ۱۸ مہینے پہلے پیش آیا[1] دوسری سند سے ابن سعد ہی نے اسے ۱۷ ربیع الاول ۱۳ھ بعد بعثت یعنی ہجرت سے ایک سال قبل کا واقعہ بیان کیا ہے بیہقی نے موسیٰ بن عقبہ کے حوالہ اور انہوں نے امام زہری کے حوالہ سے بھی معراج کی یہی تاریخ بیان کی ہے اور یہی عروہ بن زبیر کی روایت ہے جسے ابن لہیعہ نے ابوالاسود کے حوالہ سے نقل کیا ہے اسی بنا پر امام نووی نے اسی کو معراج کی صحیح تاریخ کہا ہے اور ابن حزم نے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ اگرچہ یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے اسماعیل السدی سے اس کے بارے میں دو قول منقول ہیں طبری و بیہقی نے ان کی جو روایت نقل کی ہے اس میں وہ معراج کو ہجرت سے ایک سال، پانچ مہینے

---

[1] یہاں یہ امر واضح کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ہجرت الی المدینہ سے پہلے بعد بعثت کی جو تاریخ متعین کر رہے ہیں وہ اس حدیث پر مبنی ہیں جو بخاری مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسولؐ پر جب وحی نازل ہوئی اس وقت آپ ۴۰ سال کے تھے اس کے بعد آپ ۱۳ سال مکہ میں رہے اور ۱۰ سال مدینے میں اس روایت کی بنا پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہجرت ۱۳ھ بعد بعثت کے اختتام پر

پہلے یعنی شوال ۱۲ بعد بعثت کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور حاکم کی روایت ایک سال چار مہینے قبل کی ہے جس کی رُو سے یہ ماہ ذی القعدہ کا واقعہ قرار پاتا ہے ابن عبد البرؒ اور ابن قتیبہؒ کا بیان ہے کہ یہ ہجرت سے ایک سال ۸ مہینے پہلے یعنی رجب ۱۱ بعد بعثت کا واقعہ ہے ابن فارس نے اسے ہجرت سے ایک سال تین مہینے قبل کا، اور ابن الجوزی نے ۸ مہینے قبل کا، اور ابن الرّبیع بن سالم نے ۶ مہینے قبل کا واقعہ بیان کیا ہے اور ایک قول گیارہ مہینے قبل کا بھی ہے جسے ابن المنیر نے سیرت عبد البرؒ کی شرح میں ترجیح دی ہے اور ابراہیم بن اسحاق الحربی نے قطعیت کے ساتھ کہا ہے کہ یہی معراج کی تاریخ ہے، لیکن مشہور یہ ہے کہ معراج ۲۷ رجب کو ہوئی تھی اور علامہ زُرقانی کی رائے یہ ہے کہ جب کسی قول کو دوسرے قول پر ترجیح دینے کے لیئے کافی دلائل موجود نہیں ہیں تو مشہور قول کو ہی اختیار کر لینا بہتر ہے۔

تاریخی پس منظر | یہ واقعہ تحریک اسلامی کے اُس مرحلہ میں پیش آیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کی آواز بلند کرتے ہوئے تقریباً ۱۲ سال گذر چکے تھے آپ کے مخالفین آپ کا راستہ روکنے کے لیئے سارے جتن کر چکے تھے، مگر ان کی مزاحمتوں کے باوجود آپ کی آواز عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئی تھی عرب کا کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جس میں دو چار آدمی متاثر نہ ہو چکے ہوں خود مکے میں ایسے مخلص لوگوں کا ایک مختصر جتھا بن چکا تھا۔ جو اس دعوت حق کی کامیابی کیلئے ہر خطرہ انگیز کر جانے کو تیار تھے مدینے میں اوس اور خزرج کے طاقتور قبیلوں کی بڑی تعداد آپؐ کی حامی بن چکی تھی۔ اب وہ وقت قریب آ لگا تھا جب آپؐ کو مکے سے مدینے کی طرف منتقل ہو جانے اور منتشر مسلمانوں کو ایک جگہ سمیٹ کر اسلام کے اصولوں پر ایک معاشرہ اور ریاست قائم کر دینے کا موقع ملنے والا تھا ان حالات میں معراج پیش آئی اور واپسی پر وہ پیغام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سنایا جو سورہ بنی اسرائیل میں درج ہے۔

واقعہ کا مجمل بیان | سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں صرف مسجد حرام (یعنی بیت اللہ) سے مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس) تک حضورؐ کو لے جانے کی تصریح کی گئی ہے اور اسکا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی کچھ نشانیاں دکھانا چاہتا تھا۔ اس سے زیادہ کوئی تفصیل قرآن میں نہیں بتائی گئی لیکن حدیث اور سیرت کی کتابوں میں اس واقعہ کی تفصیلات بکثرت صحابہؓ سے مروی ہیں جنکی تعداد ۲۵ تک (بلکہ مزید استقصار کرنے سے ۴۵ تک پہنچتی ہے ان میں سے مفصل ترین روایات حضرت انس بن مالکؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابو ذر غفاریؓ، حضرت شداد بن اوسؓ، حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ام ہانیؓ سے مروی ہیں۔

حدیث میں جو تفصیلات آئی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ رات کے وقت جبریل علیہ السلام آپؐ کو اٹھا کر مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک بُراق پر لے گئے وہاں آپ نے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز ادا کی پھر وہ آپؐ کو عالم بالا کی طرف لے چلے اور وہاں مختلف طبقاتِ سماوی میں مختلف جلیل القدر انبیاء سے آپ کی ملاقات ہوئی آخر کار آپ انتہائی بلندیوں پر پہنچکر اپنے رب کے حضور حاضر ہوئے اور اس حضوری کے موقع پر دوسری اہم ہدایات کے علاوہ آپ کو پنج وقتہ نماز کی فرضیت کا حکم دیا گیا اس کے بعد آپ بیت المقدس کی طرف پلٹے اور وہاں سے مسجد حرام واپس تشریف لے آئے اس سلسلہ میں بکثرت

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ کو جنت اور دوزخ کا
بھی مشاہدہ کرایا گیا نیز معتبر روایات یہ بھی بتاتی ہیں کہ دوسرے
روز جب آپؐ نے اس کا ذکر لوگوں سے کیا تو کفار مکہ نے اس
کا بہت مذاق اڑایا اور مسلمانوں میں سے بھی بعض کے ایمان
متزلزل ہو گئے۔ حدیث کی یہ زائد تفصیلات قرآن کے خلاف
نہیں بلکہ اس کے بیان پر اضافہ ہیں اور ظاہر ہے کہ
—— کہ اضافہ کو قرآن کے خلاف کہہ کر رد نہیں
کیا جا سکتا۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی معراج کے اس سفر کی
کیفیت کیا تھی؟ یہ عالم خواب میں پیش آیا تھا یا بیداری
میں؟ اور آیا حضور بذات خود تشریف لے گئے تھے یا
اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے محض روحانی طور پر ہی آپ کو یہ مشاہدہ
کرا دیا گیا؟ ان سوالات کا جواب قرآن مجید کے الفاظ
خود دے رہے ہیں سبحان الذی اسریٰ سے
بیان کی ابتداء کرنا خود بتا رہا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارقِ
عادت واقعہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے رونما
ہوا ظاہر ہے کہ خواب میں کسی شخص کا اس طرح کی چیزیں دیکھ
لینا یا کشف کے طور پر دیکھ لینا یہ اہمیت نہیں رکھتا کہ اسے
بیان کرنے کے لئے اس تمہید کی ضرورت ہو کہ "تمام
کمزوریوں اور نقائص سے پاک ہے وہ ذات جس نے
اپنے بندے کو یہ خواب دکھایا یا کشف میں یہ کچھ دکھایا" پھر
یہ الفاظ بھی کہ "ایک رات اپنے بندے کو لے گیا" جسمانی
سفر پر صریحاً دلالت کرتے ہیں خواب کا سفر یا کشفی سفر کیلئے
"لے جانے" کے الفاظ کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا
ہمارے لئے یہ ماننے بغیر چارہ نہیں کہ یہ محض ایک روحانی تجربہ
نہ تھا بلکہ ایک جسمانی سفر اور عینی مشاہدہ تھا جو اللہ تعالیٰ
نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کرایا۔

اب اگر ایک رات میں ہوائی جہاز کے بغیر مکہ سے بیت المقدس
جانا اور آنا اللہ کی قدرت سے ممکن تھا تو آخر ان دوسری
تفصیلات ہی کو ناممکن کہہ کر کیوں رد کر دیا جائے جو حدیث
میں بیان ہوئی ہیں۔ ممکن اور ناممکن کی بحث تو صرف اس
صورت میں پیدا ہوتی ہے جبکہ کسی مخلوق کے باختیار خود
کوئی کام کرنے کا معاملہ زیر بحث ہو لیکن جب ذکر یہ ہو کہ خدا
نے فلاں کام کیا پھر امکان کا سوال وہی شخص اٹھا سکتا
ہے جسے خدا کے قادر مطلق ہونے کا یقین نہ ہو اللہ تعالیٰ
جسکو چاہے آناً فاناً ایسی جگہ لے جا سکتا ہے جہاں عالم مادی
کی سب سے تیز رفتار چیز یعنی روشنی کو پہنچنے میں بھی اربوں
سال نور درکار ہوتے ہیں زمان ومکان کی قیود مخلوقات
کے لئے ہیں، خالق کائنات کے لئے نہیں ہیں۔

منکرین حدیث کے اعتراضات سفر معراج کی جو تفصیلات
حدیث میں آئی ہیں ان پر منکرین حدیث کی طرف سے
متعدد اعتراضات کئے جاتے ہیں مگر ان میں سے صرف دو
ہی ایسے ہیں جو کچھ وزن رکھتے ہیں۔

ایک یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا کسی خاص مقام پر
مقیم ہونا لازم آتا ہے ورنہ اس کے حضور بندے کی
پیشی کے لئے کیا ضرورت تھی کہ اسے سفر کرا کے ایک مقام
خاص تک لے جایا جاتا؟

دوسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوزخ اور جنت
کا مشاہدہ اور بعض لوگوں کے مبتلائے عذاب ہونے کا
معائنہ کیسے کرایا گیا جب کہ ابھی بندوں کے مقدمات کا
فیصلہ ہی نہیں ہوا ہے یہ کیا بات ہوئی کہ سزا و جزا کا
فیصلہ تو ہونا ہے قیامت کے بعد اور کچھ لوگوں کو سزا دے
ڈالی گئی ابھی سے۔

لیکن دراصل یہ دونوں اعتراضات بھی قلت فکر کا

نتیجہ ہیں۔ پہلا اعتراض اس لیئے غلط ہے کہ خالق اپنی ذات میں تو بلا شبہ اطلاقی شان رکھتا ہے مگر مخلوق کے ساتھ معاملہ کرنے میں وہ اپنی کسی کمزوری کی بنا پر نہیں بلکہ مخلوق کی کمزوریوں کی بنا پر محدود وسائط اختیار کرتا ہے مثلاً جب وہ مخلوق سے کلام کرتا ہے تو کلام کا وہ محدود طریقہ اختیار کرتا ہے جسے ایک انسان سن اور سمجھ سکے حالانکہ بجائے خود اللہ کا کلام ایک اطلاقی شان رکھتا ہے۔ اسی طرح جب وہ اپنے بندے کو اپنی سلطنت کی عظیم الشان نشانیاں دکھانا چاہتا ہے تو اسے لے جاتا ہے اور جہاں جو چیز دکھانی ہوتی ہے اسی جگہ دکھاتا ہے کیونکہ بندہ ساری کائنات کو بیک وقت اس طرح نہیں دیکھ سکتا جس طرح خدا دیکھتا ہے خدا کو کسی چیز کی مشاہدے کے لیئے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر بندے کو ہوتی ہے یہی معاملہ خالق کے حضور باریابی کا بھی ہے کہ خالق بذات خود کسی مکان پر متمکن نہیں ہے مگر بندہ اس کی ملاقات کے لیئے ایک جگہ کا محتاج ہے جہاں اس کے لیئے تجلیات کو مرکوز کیا جائے ورنہ اس کی شان اطلاق میں اُس سے ملاقات بندۂ محدود کے لیئے ممکن نہیں ہے۔

رہا دوسرا اعتراض تو وہ اس لیئے غلط ہے کہ معراج کے موقع پر بہت سے مشاہدات جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کرائے گئے تھے، ان میں بعض حقیقتوں کو تمثیل کر کے دکھایا گیا تھا۔ مثلاً ایک فتنہ انگیز بات کی یہ تمثیل کہ ایک ذرا سے شگاف میں سے ایک موٹا سا بیل نکلا اور پھر اسی میں واپس نہ جا سکا، یا زناکاروں کی یہ تمثیل کہ ان کے پاس تازہ نفیس گوشت موجود ہے مگر وہ اسے چھوڑ کر سڑا ہوا گوشت کھا رہے ہیں۔ اسی طرح برے اعمال کی جو سزائیں آپ کو دکھائی گئیں وہ بھی تمثیلی رنگ میں عالم آخرت کی سزاؤں کا۔

پیشگی مشاہدہ تھیں۔

اصل بات جو معراج کے سلسلے میں سمجھ لینی چاہیئے وہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اللہ تعالےٰ نے ان کے منصب کی مناسبت سے ملکوت السمٰوٰت والارض کا مشاہدہ کرایا ہے اور مادی حجابات بیچ میں سے ہٹا کر آنکھوں سے وہ حقیقتیں دکھائی ہیں جن پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دینے پر وہ مامور کیئے گئے تھے تاکہ ان کا مقام ایک فلسفی کے مقام سے بالکل ممیز ہو جائے فلسفی جو کچھ بھی کہتا ہے قیاس اور گمان سے کہتا ہے وہ خود اپنی حیثیت سے واقف ہو تو کبھی اپنی رائے کی صداقت پر شہادت نہ دے گا۔ مگر انبیاء جو کچھ کہتے ہیں وہ براہِ راست علم اور مشاہدے کی بنا پر کہتے ہیں اور وہ خلق کے سامنے یہ شہادت دے سکتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو جانتے ہیں اور یہ ہماری آنکھوں دیکھی حقیقتیں ہیں۔

تارکُ الدُّنیا عبادت گُذار

ایک تارک الدنیا عبادت گذار کی مثال اس سپاہی جیسی ہے جو اپنے گھر کی چہار دیواری میں محصور ہو کر دن رات جنگی مشق کرتا ہو لیکن محاذِ جنگ کا نام سنتے ہی کانوں پر ہاتھ دھرنے لگے۔

(مفتی فضیل الرحمٰن۔ اسلام کا نظام عبادت صفحہ ۲۵)

سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے آئینہ میں

از :- مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط (فاضل دیوبند- ایم اے) نائب مفتی دار العلوم دیوبند

گستاخی کے جواب میں اخلاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ کسی کی گستاخی نازیبا طرزِ عمل اور بے ہودہ گفتگو کے جواب میں قدرت کے باوجود عفو و کرم اور اخلاق عالیہ سے کام لیتے اور انتقام و سزا کا ذرہ برابر خیال نہ فرماتے۔

ایک بار خدمتِ اقدس میں سونے چاندی کے کچھ ہار پیش کئے گئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صحابہؓ میں تقسیم فرما دیا۔ ایک دیہاتی دیکھکر کھڑا ہوا اور نہایت گستاخانہ طریقہ سے بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر چہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو انصاف کرنے کا غالباً حکم دیا ہوگا مگر میں نے تو عدل و انصاف سے کام لیتے ہوئے اور انصاف کا برتاؤ کرتے نہیں دیکھا۔ اس گستاخی پر اگر کوئی اور ہوتا تو غصہ سے بے قابو ہو جاتا اور سخت سے سخت سزا گستاخی اور اس جرم کی دیتا۔ لیکن آپؐ اخلاق اور کرم کا پیکر تھے۔ اخلاق عالیہ ہی گھٹی میں پڑے تھے، کسی کے ستانے اور ایذا پہونچانے پر بھی رتی برابر تکلیف نہ پہونچاتا بلکہ سامان راحت مہیا کرنا مزاج رسول تھا اس لئے اس کی سخت گفتگو اور غصہ دلانے والی بات پر آپؐ نے شفقت سے فرمایا کہ تیرا بھلا ہو اگر میں ہی انصاف سے کام نہیں لوں گا تو میرے بعد اور کون تیرے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرے گا۔ جب وہ پشت لے کر چلنے لگا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسے ذرا میرے پاس لے کر آؤ جب وہ آگیا تو پھر اسے تسلی آمیز کلمات فرمائے اور اس کے شبہ کو نرمی کے ساتھ رفع فرمایا۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر میں وہ چاندی جو بطور مال غنیمت حاصل ہوئی تھی حضرت بلالؓ کے کپڑے میں جمع فرما رہے تھے تاکہ یہ اکٹھی ہو جائے تو مستحقین میں تقسیم کر دی جائے۔ ایک شخص کو غلط فہمی ہوئی کہ آپؐ کل مال حضرت بلال کو عطا فرما رہے ہیں۔ اس شخص نے اپنے غلط خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اے اللہ کے رسول عدل و انصاف سے کام لیجئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض یہ ارشاد فرمایا کہ تیرا بھلا ہو اگر میں نے ہی انصاف کا برتاؤ نہ کیا تو اور کون کرے گا اگر میں نا انصافی کروں گا تو تباہ ہو جاؤں گا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خدمت نبویؐ میں حاضر تھے انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص منافق ہے میں اس گستاخ کی

گردن کیوں نہ اڑا دوں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی اجازت نہیں دی اور فرمایا۔ اللہ کی پناہ لوگوں کے درمیان اس چرچے سے کہ میں صحابہؓ کو قتل کر دیتا ہوں

ایک دیہاتی کے ساتھ اخلاق کا برتاؤ

دیہات کے لوگ عرب میں عموماً ان پڑھ، مسائل سے ناواقف اور اس تہذیب و اخلاق سے ناآشنا تھے جو اسلام اور اہل اسلام نے عطا کی تھی ان میں وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو آفتاب نبوت سے فیض یافتہ تھے اور وہ صحبت نبوی میں رہ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کی خوبیوں کو دیکھ کر اس سانچے میں پوری طرح ڈھل چکے تھے بسا اوقات ایسے ہی مسائل سے ناواقف دیہاتی مدینہ طیبہ آجاتے۔

ایک مرتبہ ایک دیہاتی مسجد نبوی میں آیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اس وقت وہاں تشریف فرما تھے۔ دیہاتی نے مسجد نبوی میں ہی پیشاب کر دیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے دیکھا صحابہؓ اسے مارنے کے لئے دوڑے مگر آپؐ نے اسے پیشاب سے فارغ ہونے تک کچھ کہنے سے منع فرما دیا تاکہ درمیان میں پیشاب روک دینے سے وہ کسی مرض میں مبتلا نہ ہو جائے پھر اس دیہاتی کو نرمی سے سمجھایا کہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں ہوتیں کہ ان میں کوئی گندگی ڈالی جائے یا پیشاب پاخانہ کیا جائے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے ارشاد فرمایا کہ اسے نرمی کے ساتھ سمجھا کر ادب و تہذیب اور انسانیت کی تعلیم دو سختی کر کے اس کے دل میں نفرت نہ پیدا کرو۔

دریائے اخلاق و سخاوت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت و اخلاق کے اس مقام پر تھے کہ جہاں تک کسی کی رسائی ممکن نہیں صحابہ کرامؓ جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ کا بہت قریب سے مطالعہ کر چکے ان سے زیادہ کون واقف ہو سکتا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کسی نے پوچھا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپؐ سب سے زیادہ نرم تھے۔ آپؐ سے جو شخص بھی ملتا آپؐ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

غزوہ حنین سے فراغت کے بعد جب آپؐ واپس تشریف لائے تو آپ کے ارد گرد دیہات کے سائلین کا ہجوم ہو گیا اور وہ مختلف سوال کرتے رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سوال کے مطابق عطا فرماتے رہے لوگوں کا ہجوم اس قدر تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک درخت سے لگ گئے۔ اس بھیڑ میں کسی نے آپؐ کی چادر مبارک بھی اتاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مطلقاً اظہار ناراضی نہ فرمایا بلکہ کھڑے ہو کر صرف اپنی چادر کی واپسی کیلئے فرمایا کہ میرے پاس اس جنگل کے گھاس کے برابر بھی اونٹ ہوتے اور کثیر ترین تعداد ہوتی تو بلا شک و شبہ تمہارے بانٹ دیتا اور تم لوگ مجھے بزدل یا کنجوس یا غلط جھوٹ بات کرنے والا نہ پاتے۔

ایک مرتبہ کوئی شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور کسی چیز کا سوال کیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے پاس تو اس وقت کچھ نہیں البتہ تم کسی سے ہماری ذمہ داری پر قرض لے لو ہمارے پاس کچھ آئے گا تو یہ قرض ادا کر دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دی آنحضورؐ کو ان کا یہ کہنا گراں گذرا۔ وہ شخص بولا کہ آپؐ خرچ کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے تنگدستی کا خوف نہ کریں رسول کریمؐ نے یہ سنکر تبسم فرمایا اور روئے مبارک پر مسرت کے آثار ظاہر ہوئے۔ •••

شیخ الہندؒ کی وصیت

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب کو نئی نسل کے لوگ شاید بھولتے جا رہے ہوں گے اس بزرگ شخصیت کا حال یہ تھا ایک طرف آزادی ہند کی تحریک اور انقلابی مساعی کے صف اول کے لوگوں میں شمار ہوتے تھے اور دوسری طرف مسلمانوں کی ہر اصلاحی کوشش میں پوری تندہی اور دردمندی سے حصہ دار تھے جن مصائب سے شیخ الہندؒ کو سابقہ پیش آیا ہمارے دور کے کم ہی علماء ان شدائد سے گزرے ہوں گے، ادھر جرأت عزم اور استقامت کا یہ عالم کہ مالٹا کے اسیری کے دنوں میں جب کہ دور دور تک رہائی کا کوئی امکان نہیں تھا اس بے بسی کے عالم میں کسی نے کوئی کمزوری نہ دکھائی تو فرمایا الحمد للہ بمصیبتی گرفتارم نہ بہ معصیتی (میں ایک مصیبت میں گرفتار ہوں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ کسی گناہ میں آلودہ نہیں ہوں) ایک دن وہیں مالٹا میں کچھ مغموم بیٹھے تھے کسی رفیق نے تسلی کے کچھ الفاظ کہنا چاہے تو فرمانے لگے اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک دن ختم ہو جانے والی ہے مغموم اس پر ہو رہا ہوں کہ یہ تکلیف و محنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی قبول ہے یا نہیں۔

دین و سیاست کی اس جامع شخصیت کو جب مالٹا کی اسیری سے رہائی ملی اور وہ دیوبند واپس آئے تو ایک دن دار العلوم میں علماء کے ایک بڑے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہم نے تو مالٹا میں دو سبق سیکھے ہیں۔

اسی سال تک علماء کو جس شخصیت نے درس دیئے ہو اس مرد درویش نے آخر عمر میں جو سبق سیکھا اور جو مشورے دیئے وہ انہی کے الفاظ میں سنئے "میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں، اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں تو اس کے دو اسباب معلوم ہوئے ایک تو ان کا قرآن کو چھوڑ دینا اور دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی۔ اس لئے میں وہیں سے عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اسی کام میں صرف کر دوں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے۔ بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب بستی بستی قائم کئے جائیں بڑوں کو درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کیلئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے

صاحب نظریہ امت

مسلمان ایک با اصول اور صاحب نظریہ امت ہیں ان کی حیثیت یہ ہے کہ وہ دنیا کی اقوام میں ایک حقانی گروہ بنا کر کھڑا کئے گئے ہیں اور اسی کا تقاضا ہے کہ قول و عمل

کے معیار پر لوگ جب انھیں جانچیں تو انھیں بخشۂ ہم آہنگ اور کشش انگیز پائیں۔ ان دونوں معیاروں پر قائم رکھنا کسی دوسرے کا کام نہیں، نہ کوئی حکومت اس معاملہ میں مدد کرسکتی اور نہ کوئی اور طاقت، یہ کام مسلمانوں کے اپنے کرنے کا ہے کہ اسلامی اصول و نظریہ سے خود واقف ہوں اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم پھیلائیں۔ اسی کے ساتھ دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ یہ امت آپس کے تشتت و افتراق سے بچے امت میں دینی کام کے بہت سے دائرے پائے جاسکتے ہیں اور پائے جاتے رہے ہیں یہ سب اپنی اپنی جگہ دینی کام ہیں جن میں بدرجہ اولی آپس کا تعاون ہونا ضروری ہے ورنہ کمتر درجہ میں یہ تو ہونا ہی چاہیئے کہ ایک دوسرے کا استہزاء نہ کرے اور اس کے کام کو حقیر نہ ثابت کرے اگر ان میں باہمی تعاون ہوا تو امت کے ذریعہ دین کے ارتقاء کو کوئی روک نہیں سکے گا لیکن منفی طور پر اور کمتر درجے میں ہم نے ایک دوسرے کا احترام کرنا ہی سیکھ لیا تو اس سے امت کے اپنی جگہ باقی رہنے میں مدد ملے گی۔

رہنمائی کی بنیاد ہم سب کا یقین ہے دنیا کے سب سے سچے دین کے امین کی حیثیت سے امت مسلمہ اس ملک کی رہنمائی کرسکتی ہے لیکن اگر ہم ہی اس دین سے بے بہرہ رہے اور اگر ایک امت ہوتے ہوئے بھی آپس کے تفرقے کا شکار بنے رہے تو ملک میں کسی کو پڑی ہے کہ وہ ہمکو کوئی وزن دے اور ہمارے بکھرے ہوئے گھر کو دیکھکر اپنے گھر کو سنوارے، یہ دین جس سے ہم سب وابستہ ہیں خدا کا عطا کردہ کامل دین ہے اسیطرح جس امت سے ہم وابستہ ہیں وہ دنیا کی امتوں میں آخری امت ہے یہ امت دنیا کے جس حصے میں بھی آباد ہو اور اس کی تعداد جتنی بھی ہے اسے یہی کام کرنا ہے کہ وہ خدا کی ہدایات اور تعلیمات پر خود بھی عمل کرے دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرے اور ان تمام کاموں میں جن کا رشتہ دین سے جڑا ہوا ہے متحد بننے اور متحد رہنے کی کوشش کرے۔

بقیہ صفحہ ۲۶ مامون

یہ ہوچکا تو دونوں کے بیانات لئے اور مامون سے حلف اٹھوایا مامون نے قسم کھالی کہ اسے اس سودے کا علم نہیں اس پر مقدمہ کا فیصلہ ہوگیا۔

عدالت کی کارروائی ختم ہوئی تو قاضی یحییٰ تعظیم کے لیئے کھڑے ہوگئے مامون نے پوچھا "آپ کھڑے کیوں ہوئے"، تو فرمایا پہلے میں مسند عدالت پر بیٹھا تھا اب عدالت برخاست ہوچکی ہے اب مجھے حق نہیں کہ آپ پر امتیاز رکھوں"۔

بعد میں مامون نے تحقیقات کرائی۔ معلوم ہوا اس کے وکیل سعید نے اپنے لیئے وہ جواہر خریدے تھے اس نے وہ رقم تاجر سے سعید کو دلائی اور اسے خوش کردیا اور سعید سے کہا "خدا کی قسم تم نے ہمیں رسوا کیا آئندہ یاد رکھو کہ اس شہر میں خلیفہ مامون ہی نہیں قاضی یحییٰ بھی رہتا ہے۔۔

بقیہ صفحہ ۲۷ دین اسلام اور سیاست

مسلمان وہ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں باقتدار کریں گے تو نماز و زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے ان کو اپنے زمانے میں کوئی علیحدہ مذہبی عہدہ دار یا شیخ الاسلام رکھنے کی ضرورت نہیں تھی اس لیئے کہ ان میں سے ہر ایک مذہبی عہدہ دار اور شیخ الاسلام تھا انکی مسجد کا امام جسطرح مذہبی عہدہ رکھتا تھا اسیطرح ان کا تحصلدار انکا کوتوال ان کا مجسٹریٹ اور انکا گورنر بھی مذہبی منصب دار تھا

دینِ اسلام اور سیاست

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اسلام مسیحیت کی طرح چند عقائد اور چند مذہبی رسوم کا نام نہیں ہے جو ہر نوعیت کے تمدن میں ہر قسم کے قانون اور ہر قسم کے نظام حکومت کے تحت ہر طرز زندگی کے ساتھ برتے جا سکتے ہیں وہ تو ایک "جامع نظریۂ حیات" ہے جس کی بنیاد پر عقائد و افکار، اخلاق، تمدن، معیشت، سیاست اور تعلقات بین الاقوام کا ایک پورا نظام اپنے تمام شعبوں کے ساتھ بنتا ہے، عبادت، اس کی معاشرت و معیشت سے غیر مربوط نہیں وہ انسان کی اجتماعی و انفرادی زندگی کا ایک ہمہ گیر متحد المزاج نظام فکر و عمل ہے۔ جس کے اجزا ایک دوسرے سے کاٹ کر الگ نہیں کئے جا سکتے اور ایک جز کو رد کر کے دوسرے جز کو قبول کرنے والا مسلمان نہیں ہو سکتا اس کے دائرے میں یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک چیز کو آپ لیکر یہ کہیں کہ یہ مذہب ہے اور دوسرے جز کو لیکر آپ یہ کہیں کہ یہ سیاست ہے، نہیں یہاں جس چیز کا نام مذہب ہے اس چیز کی بنیاد پر سیاست کی عمارت اٹھتی ہے وہ سیاست سیاست نہیں بلکہ شرارت خباثت ہے جو دین سے آزاد ہو۔

اسلام کسی غیر دینی سیاست کا ضمیمہ نہیں بن سکتا وہ حکمرانی اور جہانبانی کیلئے خود اپنا ایک دستور العمل رکھتا ہے اور اس دستور کو وہی لوگ چلا سکتے ہیں جو پورے اسلام پر ایمان رکھتے ہیں نہ کہ اس کے کسی جز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی جامعیت دینی و دنیوی کی مظہر اتم تھی، آپ بیک وقت مسجد نبوی کے امام، مدینہ کی عدالت عالیہ کے قاضی القضاۃ، ملک کے حاکم و منتظم، قوم کے امیر و حکمراں اور میدان جنگ کے کمانڈر انچیف تھے اس لئے آپکی موجودگی میں ایک منٹ کیلئے بھی مذہب و سیاست کی تفریق کا تصور نہیں ہو سکتا تھا۔ آپکے ابتدائی جانشین بھی جن کو تاریخ اسلام خلفاء راشدین کہتی ہے اسی جامعیت کے حامل تھے اسلام کے پروگرام کے ہر جز پر ان کا پورا اعتماد تھا، وہ پورے شرح صدر کے ساتھ اسکو اسکے پورے اجزاء کے ساتھ نافذ کرنے پر مازم تھے اور انہوں ایسا کر کے بھی دکھا دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کو صرف ترقی ہی نہیں ہوئی بلکہ متوازن ترقی ہوئی۔ یعنی اخلاق اور روحانیت کی بنیاد پر سیاست کا کام کاروبار چلایا گیا۔ عبادات سے فوجیں تیار کی گئیں دینداری کے اصولوں پر بین الاقوامی تعلقات اور صلح و جنگ کے معاملات طے ہوتے۔

خدا پرستی اور تقویٰ و پرہیزگاری کی بنیاد پر ٹیکس عائد کئے گئے پولیس اور جیل اور عدالت کا کام چلایا گیا اور اس طرح وہ دینی تمدن پیدا ہوا جو صرف اسی قسم کی حکومت میں پیدا ہو سکتا ہے۔

یہ کامیابی اس پیشنگوئی کی تکمیل تھی جو قرآن نے ان الفاظ میں کی تھی۔

الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر

باقی صفحہ ۳۷ پر

مامون الرشید

اسلامی عدالت میں

ایک شخص خلیفہ مامون الرشید کے پاس آیا اس کے ہاتھ میں ایک رقعہ تھا جس میں خود امیرالمومنین مامون الرشید کے ظلم کی شکایت درج تھی۔ رقعہ پڑھ کر مامون نے کہا ۔" میں نے تم پر کیا ظلم کیا ہے ؟

وہ شخص بولا ۔ یا امیرالمومنین کیا آپ کے سوا کسی اور سے مخاطب ہوں ۔؟

مامون نے پوچھا تمہیں کیا شکایت ہے ۔"

وہ شخص کہنے لگا۔ آپکے وکیل سعید نے تین ہزار کے جواہرات مجھسے خریدے اور دام ادا نہیں کئے ۔"

مامون نے کہا ۔ خریدے سعید نے اور شکایت مجھ سے ہے

وہ گویا ہوا ــــ ہاں، کیوں کہ اس کے پاس آپکی سند وکالت ہے جو اس نے اس سودے میں پیش کی تھی۔

مامون نے کہا۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے لئے خریدے ہوں جسکی ذمہ داری خود اسی پر ہے میرا اس سے کوئی تعلق نہیں نہ اس میں میری کوئی زیادتی ہے ۔"

وہ شخص کہنے لگا، کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان نہیں ہے کہ مدعی کے ذمہ بارِ ثبوت ہے اور منکر کے ذمہ بارِ حلف۔"

مامون نے کہا لیکن تمہارے پاس ثبوت کہاں ہے۔

اس شخص نے کہا قاضی کے ہاں چلئے وہیں ثبوت پیش ہوگا اور وہیں فیصلہ ہوگا۔

مامون نے کہا " ٹھیک ہے "۔ پھر اس نے خادم کو حکم دیا۔ " قاضی یحییٰ بن اکثم کو بلا لاؤ "

قاضی صاحب تشریف لائے تو مامون نے ان سے کہا۔ ہمارے قضیہ کا فیصلہ کیجئے "

قاضی نے کہا فیصلہ دربار میں نہیں بلکہ عدالت میں ہوگا یہ کہا اور اٹھ کر عدالت کی طرف چلے گئے اور وہاں فریقین کو طلب کیا۔

فریادی پیش ہوا تو پوچھا۔ تم کیا کہتے ہو ؟

وہ بولا ۔ میری گذارش یہ ہے کہ مدعا علیہ یعنی امیرالمومنین کو بھی حاضر کیا جائے۔

نقیب نے خلیفہ کا نام لیکر پکارا، تو مامون بھی قاضی کے سامنے حاضر ہوا ۔ اس کے ساتھ اس کا غلام تھا جو مسند اٹھائے ہوئے تھا۔

مامون قاضی کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔

یحییٰ نے کہا بیٹھئے "۔ مامون کے غلام نے آگے بڑھ کر مسند لگادی اور مامون اسپر بیٹھنے لگا تو قاضی نے اپنے اشارہ سے روک دیا اور کہا۔

" یا امیرالمومنین یہ عدالت ہے ۔ اپنے فریق کے مقابلے میں کوئی امتیاز حاصل کرنے کی کوشش نہ کیجئے اسلامی عدالت میں حکمراں اور رعیت سب برابر ہے ۔ جب یہ

باقی صفحہ ۳۱ پر

از:- جناب فتح محمد صاحب کاغذی احمد آباد

حدیث:- خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن نجات نہیں پائے گا عذاب سے یہاں تک کے چار چیزیں نہ چھوڑے۔ کبر، غیبت، حسد، اور بدگمانی

.... نبیؐ نے فرمایا کہ مومن وہ ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے اور اسلام کی شرائط کو بجا لائے یہ عام طور پر ہے اور خاص مومن وہ ہے جو گناہوں سے ہاتھ اٹھائے ایک اور حدیث میں ہے کہ اے! مومن اگر تو دوزخ کے عذاب سے بچنا چاہتا ہے جو کبھی فنا نہ ہوگا تو ان چار چیزوں کو چھوڑ دے۔

ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روتے ہوئے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اے بھائی کیا ہوا ہے کیوں رو رہے ہو تو جبریلؑ نے کہا جس روز سے اللہ نے دوزخ کو پیدا کیا ہے اس روز سے ہماری خوشی بالکل دور ہوگئی ہے اور ہماری آنکھوں کے آنسوں بند نہیں ہوتے اب دیکھئے فرشتے جو بالکل معصوم ہیں۔ بے گناہ ہیں ان کا یہ حال ہے اور یہ انسان بے خوف ہے۔ خصوصاً (مسلمان) تجھے نیند و آرام کس طرح ہوگا جب تک کہ ان چار چیزوں کو نہ چھوڑے کیونکہ یہ دوزخ میں پہنچانے والی ہیں۔

ایک ان میں کبر ہے ... یہ بہت بری خصلت ہے تکبر اور بڑائی اللہ کے لیئے ہے اور اس خصلت کی قرآن پاک میں بھی بہت مزمت آئی ہے جبار اور متکبر کی جیسے كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ۔

ترجمہ کہ ایسے ہی مہر لگا دیتا ہے ... تعالیٰ متکبر جبار کے دل پر اور فرما

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ

ترجمہ:- اور نامراد ہوا متکبر اور جھگڑالو۔

اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تکبر کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ رسوا کرتا ہے اور جو تکبر کرے اس کو اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے اور فرمایا نبی کریمؐ نے جو ذرہ برابر تکبر کرے تو وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا جب تک کہ سزا نہ بھگتے اپنے کبر کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے پوچھا تکبر کیا ہے فرمایا وہ جو حق پر گردن نہ جھکائے اور لوگوں کو حقارت کی کی نگاہ سے دیکھے اور یہ دو عادتیں اللہ تعالیٰ کی راہ سے بہت روکنے والی ہیں ان دونوں عادتوں کو چھوڑنا ایمان کی شرط ہے ابلیس نے تکبر کیا تو اللہ کے نزدیک کافروں میں شمار کیا گیا۔

عاشقانِ رسولؐ

مولوی سہیل عزیز (فاضلِ دیوبند)

حضرت اویس قرنی

عاشقِ رسولؐ حضرت اویس قرنیؒ اسلام کے اولین دور کے ایسے باعظمت بزرگ ہیں جو آنحضورؐ کے سچے شیدائی تھے آپ ظاہری آنکھوں سے زیارت رسولؐ سے مشرف نہ ہو سکے لیکن بباطن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے فدائی تھے اسلام کا شہرہ سنکر ہی ایمان لے آئے تھے سرور کائنات کے شرف ملاقات سے محروم رہنے کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی والدہ محترمہ نابینا اور بہت ضعیف تھیں اُن کی خدمت کیلئے شب وروز ان کے پاس رہتے رات کو تو کسی بھی حالت ان سے علیحدہ نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ خاندان میں اور کوئی نہ تھا جو والدہ کی نگہداشت کر سکتا آپ ان وارفتگانِ محبت میں سے تھے جن کی تخلیق ہی عشق و محبت کی خمیر سے ہوتی ہے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی بسا اوقات محبت کی بے قراری میں صحرا کی طرف نکل جاتے۔ آپ کے استغراق و محبت کا یہ عالم تھا کہ اکثر پرندے سر مبارک پر آبیٹھتے لیکن آپ کو اس کا قطعاً احساس نہ ہوتا آپ عمر بھر ایک لمحہ کیلئے بھی ذکر محبوب سے غافل نہیں رہے اپنے عہد خلافت میں فاروق اعظمؓ و حضرت علیؓ آپ کو تلاش کرتے کرتے قرن پہنچے لوگوں سے پوچھنے پر جب تصدیق ہو گئی کہ یہی اویس قرنیؒ ہیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پہونچایا اور دعا کیلئے بھی معروض ہوئے جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کی خبر ملی تو یہ روح فرسا خبر سنکر آپ بے ہوش ہو گئے پھر جب ہوش میں آئے تو قبلہ رخ ہو کر سجدہ ریز ہو گئے جب دیر تک سر نہ اٹھایا تو حضرت علیؓ کو گمان ہوا کہیں وصال ہی نہ ہو گیا ہو آپ نے آواز دی پھر جھنجوڑا تو سر اٹھایا اور فرمایا امت محمدیہ کیلئے دعائے مغفرت کر رہا تھا کاش آپ ذرا صبر سے کام لیتے تو تمام امت کو بخشوا کر ہی سر اٹھتا آپ کے متعلق اکابر صوفیا نے نقل کیا ہے کہ آپ جب زیارت مدینہ کے لئے حاضر ہوئے اور آستانۂ رسول کے باب جبریل پر پہنچے تو کسی نے کہا کہ سامنے رسولؐ کا روضۂ مبارک ہے آپ غش کھا کر گر پڑے ہوش قائم ہوئے تو واپس چل دئے کہ محبوب کی بجائے مرقد محبوب کا نظارہ نہیں ہو سکتا،

آپ کی نسبت رسولؐ نے فرمایا کہ اویس قرنیؒ احسان و عطاء کیلئے افضل ترین انسان ہیں،

ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا میری امت میں ایک ایسا مرد مومن بھی ہے جس کے طفیل امت کے اس قدر خطا کار بخشے جائینگے جس طرح قبیلہ ربیع کی بھیڑوں کے بال ہیں صحابہؓ نے دریافت کیا تو رسولؐ نے فرمایا کہ یہ بزرگ اویس قرنیؒ ہیں سرور عالم نے اپنا خلعت مبارک گلیم سیاہ جو آپ عموماً زیب تن فرماتے تھے

حضرت اویس قرنی کو عطا کرنے کی ہدایت کی تھی۔

زید بن حارثؓ | قبل از اسلام عرب قزاق عموماً نابالغ بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے اور دوسرے شہروں میں سستے داموں بطور غلام فروخت کر دیتے یمن کے قبیلہ خزاعہ کے رئیس اور آپ کے والد حارثؓ کے ساتھ بھی یہی حادثہ پیش آیا حارثؓ مذہباً عیسائی تھے کسی سفر پر جا رہے تھے ان کا عزیز بچہ زیدؓ بھی ہمراہ تھا ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ کر دیا مال ومطاع کے علاوہ چند بچے بھی چھین کر لے گئے زیدؓ کی عمر ان دنوں صرف آٹھ برس کی تھی ڈاکوؤں نے بازار عکاظ میں زیدؓ کو بھی دیگر بچوں کے ساتھ فروخت کر دیا مکہ کے رئیس حکیم بن حزام جو حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے بچے کی شکل وصورت اور شائستگی سے متاثر ہو کر چار سو درہم میں خرید لیا اور گھر لے آئے چند روز بعد ام المومنین حضرت خدیجہؓ انکے گھر گئیں انہوں نے زیدؓ کو دیکھ کر پسندیدگی کا اظہار فرمایا تو حکیم صاحب نے بچہ پھوپی کی ہمراہ بھیج دیا چونکہ بچہ نہایت مہذب تھا آپؓ نے زیدؓ سرکار دو عالم کی خدمت میں بطور خدمت گار دیدیا اب زیدؓ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے۔

ادھر زیدؓ کے اغوا سے جناب حارثؓ اور انکی بیوی کی حالت دیگر گوں تھی ماں باپ بچے کی جدائی میں دیوانہ وار تڑپتے خصوصاً جب یہ بچے کی جدائی میں مراثیہ اشعار پڑھتے تو سننے والوں کے کلیجے شق ہو جاتے حارثؓ بچے کی تلاش میں قریہ قریہ پھرتے جب کوئی قافلہ تجارت کی غرض سے کسی بڑے شہر کی طرف روانہ ہوتا تو اہل قافلہ کو بچے کا حلیہ بتاتے اور کہتے کہ کہیں میرا یوسف گم گشتہ مل جائے تو مجھے آگاہ کرنا ایک دن اچانک امید کی کرن پھوٹی یعنی کلب کے بعض لوگوں نے حج سے واپسی پر حارثؓ کو بتایا کہ تمہارا بچہ مکہ کے ایک رئیس زادے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہے کوئی ہاشمی نوجوان کے پاس فروخت کر گیا اور ہم زیدؓ سے ملے بھی تھے وہ نہایت خوش وخرم ہے ہاشمی سردار قریش عبدالمطلب کا پوتا ہے وہ نیک مزاج مخلص راست گو دیانت دار اور عالی ظرف انسان ہے یہاں تک اہل مکہ نے متفقہ طور پر صادق اور امین کے لقب سے نواز رکھا ہے معززین قریش بھی اس نوجوان کی بہت عزت کرتے ہیں ہمیں یقین ہے اگر تم جا کر اپنا بچہ مانگو گے تو وہ فیاض محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارا بچہ واپس کر دیں گے۔ چنانچہ جناب حارثؓ نے رخت سفر باندھا اور بھائی کو ہمراہ لے رخت سفر باندھا اور بھائی کو ہمراہ لیکر مکے کی طرف روانہ ہو گئے جب شہر امید میں پہنچے تو مکہ کے بچے بچے کو آپ کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے پایا جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو آپؐ نے مہمان مسافروں کا خندہ پیشانی سے استقبال کیا اور پھر آپؐ نے آنیکی وجہ دریافت فرمائی تو حرف مطلب زبان پر لائے جناب سالتمابؐ زید کے باپ اور چچا کا مطالبہ سنکر سوچ میں پڑ گئے آپؐ کا تذبذب دیکھ کر حارثؓ آپؐ سے مخاطب ہوئے اے خانوادۂ قریش کے جلیل القدر فرزند ہم آپ کے آباؤ اجداد کا واسطہ دیکر التجا کرتے ہیں کہ آپ ہمیں مایوس نہ فرمائیے اور بچہ ہمیں عطا کر دیجئے اسکی والدہ اس کی جدائی میں بہت بیقرار ہے ہم آپ کو قیمت سے زائد رقم بھی ادا کرنے کو تیار ہیں۔

آقائے نامدارؐ لب کشا ہوئے اور فرمایا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں آپ اپنا بچہ واپس لے جایئے، اگر وہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو میں قیمت بھی نہیں لوں گا لیکن بہتر یہ ہے کہ آپ زید کی مرضی بھی دریافت کر لیجئے کہ وہ آپ کے ساتھ جانا بھی چاہتا ہے یا نہیں اتنے میں زید بھی باہر سے آ گئے زیدؓ نے جب اپنے باپ کو پہچانا تو اچھل کر گلے سے لپٹ گئے

باپ بھی آب دیدہ ہوگئے یہ رقت آمیز منظر دیکھ کر آنحضورؐ نے فرمایا تم اگر اپنے باپ کے ہمراہ جانا چاہتے ہو تو تمہیں اجازت ہے لیکن زید کا جواب سنکر حارثؓ دم بخود ہو گئے زیدؓ نے اپنے باپ سے کہا میں اپنے شفیق آقا کو چھوڑ کے ساتھ نہیں جا سکتا حارثؓ پر جیسے بجلی گر پڑی حیرت سے زیدؓ کو دیکھتے ہوئے کہا بیٹا تم کو غلامی کو آزادی پر ترجیح دے رہے ہو زید نے جواب دیا کہ میں اپنے آقا کی غلامی آزادی سے بہتر سمجھتا ہوں میرے مہرباں آقا میرے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے ہیں ان کا ساتھ مر کر ہی چھوڑونگا آقائے نامدارؐ نے جب زیدؓ کے منہ سے وفا اور محبت سے بھرے الفاظ سنے تو فرط محبت سے زیدؓ کی پیشانی چوم لی اور ہاتھ پکڑ کر اسی وقت خانہ کعبہ لے گئے حارث بھی ساتھ تھے چنانچہ ایک پتھر پر کھڑے ہو کر آپؐ نے اعلان فرمایا اے لوگو! تم گواہ رہو آج میں نے زید کو آزاد کر دیا اب یہ میرا منہ بولا بیٹا ہے نیز فرمایا کہ یہ میرا وارث بھی ہوگا زیدؓ کے باپ اور چچا حیران ہو کر سوچ رہے کہ دنیا میں اس طرح کے ایثار و محبت مساوات کی مثال کہیں مل سکتی ہے حارثؓ مع اپنے بھائی کے واپس چلے گئے اور زیدؓ جس نے سرکار دو عالم کے آغوشِ تربیت میں پرورش پائی تھی اپنی آئندہ زندگی میں قدم قدم پہ ثابت کر دیا کہ آزاد کردہ غلام کو جب بیٹا بنا لیا جائے تو وہ کس طرح جان کی قربانی دیکر حقوق پوری ادا کرتا ہے اور سرچشمہ رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بھر شفقت و محبت سے اس رشتہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ اگر کوئی غلام منہ بولا بیٹا بنا لیا جائے تو اس کے حقوق کی حفاظت کس طرح کی جاتی ہے۔

خدا کے آخری نبیؐ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹےؓ کے ساتھ نہ صرف اپنی پھوپی زاد بہن بیاہ دیتے ہیں۔ بلکہ ہاشمی و قریشی صحابہؓ کی سرداری اور سپہ سالاری بھی بخش دیتے ہیں پھر جب میدان جنگ سے حضرتؓ کی شہادت کی خبر ملی تو آقائے نامدارؐ اپنے محبوب بیٹےؓ کی یاد میں مدتوں اشک بار رہے ہیں اور زیدؓ ہی وہ واحد صحابی ہیں جن کا مبارک نام کتاب اللہ نے اپنے متبرک صفحات میں ہمیشہ کے لیئے محفوظ کر لیا ہے۔

اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ

آپ اس بات کا ہرگز انتظار نہ کیجیئے کہ اللہ تعالیٰ خود بخود توحید کا پرچم عالم میں لہرا دے گا اس کے لئے تو بہرحال ہم ہی کو سر دھڑ کی بازی لگانی پڑے گی۔ ہاں جب ہم اس راہ میں وہ سب کچھ کھو دیں گے جو ہمارے پاس ہے تو ہمیں وہ سب کچھ مل جائے گا جو اس راہ کے خطرات برداشت کرنے والوں کے لئے اللہ کے پاس ہے اور وہ بڑی چیز ہے

سعی لاحاصل

میں یہ سمجھنے سے بالکل قاصر ہوں کہ جس ترانہ کو آپ حضرات ہر وقت گاتے ہیں موجودہ زمانہ میں وہ خیالی پلاؤ کے سوا اور کیا چیز رہ گئی جبکہ خیر القرون میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی باوجودیکہ ان کی پشت پر تابعین تبع تابعین کی جماعت تھی اسمیں قطعی ناکام ہو چکے ہیں۔ (مولانا زکریا صاحب، فتنۂ مودودیت - صفحہ ۴۶)

احوال و کوائف

شیخ الحدیث کی وفات پر ایصال ثواب و جلسہ تعزیت

حضرت مولانا محمد شریف حسن صاحب دیوبندی شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی وفات حسرت آیات کی اطلاع ۴ جون ۷۷ء کو آل انڈیا ریڈیو کی صبح سواسات کی خبروں سے پہنچی اطلاع ملتے ہی مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ میں ایصال ثواب کے لیئے قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا، اس بعد تعزیتی جلسہ ہوا جس میں مدرسہ تعمیر سیرت کے مدرس مولانا وسیم اختر بلالی صاحب (فاضل دیوبند) نے اور مہتمم مدرسہ مفتی صاحب مدظلہ نے تقاریر فرمائیں مفتی صاحب مدظلہ نے اپنی تعزیتی تقریر میں فرمایا کہ مدرسہ تعمیر سیرت کا دار العلوم دیوبند کے ساتھ وہی تعلق ہے جو ایک شاخ کا جڑ کے ساتھ ہوتا ہے اس لیئے قدرتی بات ہے کہ دار العلوم کے اس علمی نقصان اور عظیم سانحہ پر ہمارے دل مغموم ہیں اس جلسہ میں بزرگان دیوبند سے خاص تعلق رکھنے والے مالیر کوٹلہ کے شیخ حبیب صاحب نے بھی شرکت کی ۔

جمعہ ۱۰ جون کے اجتماع میں مفتی صاحب مدظلہ نے دار العلوم دیوبند اور شیخ الحدیث کے متعلق تفصیل سے روشنی ڈالی، تجویز تعزیت پاس ہوئی اور دعا کرائی گئی جمعہ کے بعد مولانا وسیم اختر بلالی صاحب مدرس مدرسہ تعمیر سیرت نے تقریر فرمائی اور مولانا کی زندگی کے مختلف پہلو سامنے رکھے ۔

قاری عتیق احمد صاحب کا انتقال

علمی حلقوں میں یہ خبر رنج و افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ دار العلوم دیوبند کے شعبہ تجوید کے صدر مدرس قاری عتیق احمد صاحب دیوبند طویل بیماری کے بعد انتقال فرما گئے اللہ تعالیٰ جوار رحمت میں جگہ دے نہایت صالح بزرگ تھے اور فن تجوید میں پورا عبور رکھتے تھے مالیر کوٹلہ والوں کو شاید یاد ہوگا کہ قاری عتیق صاحب موصوف کچھ عرصہ مالیر کوٹلہ میں قیام کر چکے تھے

بزم سیرت کا ماہانہ اجلاس

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کے طلباء میں ابتداء ہی سے تقریر و تحریر کی صلاحتیں اجاگر کرنے کے لیئے طلباء کی انجمن " بزم سیرت " قائم کی گئی ہر جمعرات کو اسکا جلسہ ہوتا ہے ۔ اس مرتبہ ماہانہ اجلاس ۲۳ جون کو مفتی صاحب مدظلہ کی صدارت منعقد ہوا جس پروفیسر محمد علی کمبھی صاحب بطور خاص شرکت کی طلباء نے عربی فارسی اردو اور انگریزی میں مختلف پروگرام پیش کیئے اس موقعہ پر مفتی صاحب اور پروفیسر محمد علی صاحب کمبھی نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے طلباء کی کوششوں پر اظہار مسرت کیا۔

مدرسہ کے سہ ماہی امتحان

ایک اطلاع کے مطابق مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ اور اس کی برا[illegible]

واقع سرہندی گیٹ پر طلباء کا سہ ماہی امتحان ۲۰ جون ۱۹۷۷ء سے ۱ اگست تک ہوں گے، طلباء امتحان کی تیاری میں مشغول ہیں۔

چودھری میڈیکل ہال کا افتتاح

مالیرکوٹلہ کے نواب گنج بازار میں چودھری میڈیکل اسٹور کا افتتاح حاجی انوار احمد خاں صاحب ایم۔ ایل۔ اے نے کیا یہ میڈیکل سٹور مالیرکوٹلہ کے مسلم نوجوان محمد صدیق صاحب نے کھولا ہے تجارت کے شعبہ میں قدم رکھنے والے یہ پہلے مسلم نوجوان ہیں، افتتاح کی تقریب سادگی کے ساتھ ہوئی مفتی صاحب مدظلہ نے مختصر طور پر عبادت اور تجارت کے متعلق تقریر فرمائی۔ حافظ محمد صدیق صاحب امام مسجد محلہ کھمی اور دوسرے بہت معززین ہندو مسلم شریک تھے۔

ست بیر سنگھ کی شاندار کامیابی

ست بیر سنگھ چیمہ صاحب مالیرکوٹلہ کے موجودہ ایس ڈی ایم جناب سریندر سنگھ چیمہ صاحب کے صاحب زادے ہیں موصوف نے پنجابی یونیورسٹی کے بی ای انجنیئرنگ امتحان میں ۶۵۰ میں سے ۵۳۹ نمبر حاصل کئے اور پوری یونیورسٹی میں اول نمبر آئے۔

عزیز موصوف کی اس شاندار کامیابی پر ادارہ تعمیر سیرت محترم ایس۔ ڈی۔ ایم صاحب و دیگر عزیز کو مبارک باد پیش کرتا ہے۔

خاندان مفتی

دارالعلوم دیوبند کے مجلس شوریٰ نے مفتی کفیل الرحمان نشاط عثمانی صاحب (فاضل دیوبند ایم اے) کو باقاعدہ طور پر دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں نائب مفتی کی حیثیت سے مقرر کر دیا ہے وہ اگرچہ دارالافتاء میں فتوے لکھنے کا کام پہلے سے انجام دے رہے تھے مگر اب ان کا باقاعدہ تقرر ہو گیا ہے۔

مفتی کفیل الرحمان موصوف مالیرکوٹلہ پنجاب کے مفتی اعظم مولانا مفتی فضیل الرحمان ہلال عثمانی صاحب کے چھوٹے بھائی ہیں ان کے والد صاحب محترم کے برادر بزرگ مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی مشہور عالم دین اور مفتی ہیں موصوف کے جد امجد حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدہٗ کے نام نامی سے کون واقف نہیں دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مفتی وہی تھے ہماری دعا ہے کہ اس گھرانے کا فیضان علمی تادیر جاری رہے ادارہ کی طرف سے پرخلوص مبارکباد۔

اسلامیہ ہائی اسکول مالیرکوٹلہ

امتحان میٹرک کا شاندار نتیجہ

اسلامیہ ہائی اسکول مالیرکوٹلہ کے طلباء نے ۱۹۷۶ء ۷۷ء کے میٹرک کے سالانہ امتحان میں شاندار کامیابی حاصل کی ہے۔ ۲۷ طلباء کی جماعت میں ۲۵ پاس ہوئے صرف دو طلباء کی "ری اپیر" آئی۔ ان میں ۷ فسٹ ڈویژن، ۱۴ سیکنڈ ڈویژن اور چار تھرڈ ڈویژن آئے۔ ایک طالب علم رضوان احمد میرٹ میں آئے۔

یہ کامیابی قابل فخر ہے۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر جناب محمد بشیر صاحب (ایم۔ اے)، تمام اساتذہ، طلبائے عزیز اور ان کے سرپرست ادارہ تعمیر سیرت کی جانب سے پرخلوص مبارک باد قبول فرمائیں۔

واضح رہے کہ اسکول کی چھ شاخیں شہر کے مختلف حصوں میں ہیں، اور اس کی انتظامی ذمہ داری پنجاب وقف بورڈ ادا کرتا ہے۔

ہمارے معاون

جن کے عطیات مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کے لئے مئی و جون سنہ ۱۹۷۰ء میں موصول ہوئے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندہ	بمد	رقم	رسید نمبر	عطیہ دینے والے کا اسم گرامی	بمد	رقم
11/1095	جناب محمود ایاز صاحب عقب جامع مسجد مالیر کوٹلہ	امداد	100/-	41/4044	جناب محمد گلزار صاحب شیلر جامع مسجد	امداد	2/-
41/4096	جناب محمد ادریس صاحب بیج میکر سرہندی گیٹ	"	5/-	41/4050	جناب محمد شاہین صاحب شیلر پرانا لوہیا بازار	"	2/-
4/344	چودھری محمد یامین صاحب ورائٹی پیلس صدر بازار	"	5/-	41/4051	جناب جوگندر سنگھ صاحب "	"	1/-
4/327	جناب شوکت جبار خاں صاحب محلہ ملیر	"	10/-	41/4052	جناب تاج محمد صاحب شیلر جامع مسجد	"	1/-
4/351	جناب حاجی غلام محمد صاحب محلہ ملیر	"	10/-	41/4042	جناب محمد شفیق صاحب رسول محمد صاحب سرہندی گیٹ	"	10/-
4/352	جناب محترمہ سجادی شکوراں صاحبہ محلہ ملیر	"	5/-	41/4039	جناب مسلم دین صاحب شیلر ماسٹر محلہ تیلیاں	"	2/-
4/353	محترمہ محجن فاطمہ صاحبہ محلہ ملیر	"	5/-	4/332	جناب محمد اشرف صاحب شیلر موتی بازار	"	2/-
4/354	جناب عبد الوحید چوہان صاحب بی اے سابق [illegible]	"	2/-	4/333	جناب محمد فیروز صاحب شیلر "	"	2/-
4/355	جناب محمد جمیل صاحب چوڑی فروش صدر بازار	"	2/-	4/334	جناب عبد الرشید صاحب شیلر "	"	2/-
4/356	جناب عبد المجید صاحب برتن فروش چوک ... بازار	"	5/-	4/335	جناب محمد اسلم صاحب شیلر "	"	2/-
4/357	جناب بابر صاحب قلعی گر "	"	2/-	4/336	جناب محمد شبیر صاحب شیلر "	"	2/-
4/359	جناب انیس احمد صاحب گوشت فروش شیروانی گیٹ	"	5/-	4/325	جناب احمد دین صاحب فروٹ فروش بس اسٹینڈ	"	5/-
4/360	جناب محمد شریف صاحب فروٹ فروش بس سٹینڈ	"	2/-	4/326	جناب محمد شریف صاحب " "	"	2/-
4/361	جناب احمد دین صاحب فروٹ فروش بس سٹینڈ	"	5/-	20/1964	جناب ماسٹر جمیل الرحمن صاحب محلہ ملکہ	"	5/-
41/4058	جناب عبد الستار صاحب بیج میکر شیروانی گیٹ	"	2/-	20/1965	جناب محمد رمضان ولد عیسیٰ صاحب "	"	2/-
41/4060	جناب محمد سلیم صاحب نقشہ نویس صدر بازار	"	5/-	4/363	جناب محمد رمضان فاروقی صاحب سرہندی گیٹ	"	10/-
41/4059	جناب محمد سلیم صاحب بیج میکر سرہندی گیٹ	"	2/-	4/364	جناب " " "	"	10/-
41/4048	جناب راحت علی صاحب جامع مسجد	"	5/-	4/365	" " " "	"	10/-
41/4046	جناب عبد الغفور صاحب شیلر ماسٹر "	"	2/-	23/2211	جناب عبد الغفار زاہد صاحب عظیم پورہ	"	2/-
41/4045	جناب حاجی علی احمد صاحب ڈرائی کلینر صدر بازار	"	2/-	23/2212	جناب محمد شریف صاحب محلہ بخشی بہادرین	"	2/-
41/4047	جناب محمد صدیق صاحب معرفت عبد الغفور صاحب	"	2/-	23/2213	جناب غلام محمد صاحب ایڈیٹر ماہنامہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ	"	2/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
30/2982	جناب محمد بشیر صاحب پنجابی اسٹال سرہندی گیٹ	امداد	2/-
30/2983	جناب محمد سلیم صاحب سلیم سائیکل سٹور "	"	2/-
30/2984	محترمہ زبیدہ بیگم صاحبہ طویلہ	"	57-
30/2985	جناب محمد شفیع صاحب پیج میکر سرہندی گیٹ	"	57-
30/2986	جناب علم دین صاحب بوٹ ہاؤس "	"	2/-
30/2987	جناب محمد صدیق صاحب بوگی روڈ "	"	2/-
30/2988	جناب لیاقت علی صاحب گھڑی ساز "	"	2/-
30/2989	جناب محمد اسلم صاحب بوٹ ساز "	"	4/-
30/2990	جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب محلہ رانان "	"	1/-
30/2991	جناب محمد ابراہیم صاحب چوڑی والے بازار تیلیاں	"	1/-
30/2992	جناب منشی رحمت علی صاحب سبزی منڈی	"	1/-
30/2993	جناب محمد ادریس پسر منشی عبداللہ صاحب سرہندی گیٹ	"	1/-
30/2994	جناب محمد بشیر صاحب حلوائی "	"	2/-
30/2995	جناب انوار احمد صاحب دکاندار "	"	2/-
30/2996	جناب محمد کمال صاحب " "	"	2/-
30/2997	جناب محمد رمضان صاحب برال بوٹ ہاؤس "	"	2/-
30/2998	جناب محمد بشیر صاحب پنجابی اسٹال "	"	2/-
30/2999	جناب عبدالعزیز صاحب ٹیلر ماسٹر "	"	57-
30/3000	جناب محمد بشیر صاحب کپڑے والے "	"	2/-
جلد 26 26/2505	جناب رحیم بخش صاحب دودھ فروش بازار تیلیاں	"	2/-
2506	جناب محمد نثار پسر محمد اسحٰق صاحب سرہندی گیٹ	"	2/-
2507	جناب محمد سلیم صاحب سلیم سائیکل سٹور "	"	2/-
2508	محترمہ زبیدہ بیگم صاحبہ طویلہ	"	57-
2509	جناب محمد شفیع صاحب پیج میکر سرہندی گیٹ	"	5/-
2510	جناب علم دین صاحب بوٹ ساز "	"	2/-
26/2511	جناب لیاقت علی صاحب گھڑی ساز سرہندی گیٹ	امداد	2/-
2512	جناب محمد اسلم صاحب بوٹ ساز "	"	2/-
2513	جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب "	"	1/-
2514	جناب محمد ابراہیم صاحب چوڑی والے بازار تیلیاں	"	1/-
2515	جناب منشی رحمت علی صاحب سبزی منڈی	"	1/-
2516	جناب رحیم بخش صاحب دودھ فروش بازار تیلیاں	"	2/-
2517	جناب مستری عبدالرزاق صاحب طویلہ فارم	"	10/-
2518	محترمہ زبیدہ بیگم صاحبہ "	"	57-
2519	جناب محمد ادریس صاحب پرچون فروش سرہندی گیٹ	"	1/-
2520	جناب محمد رمضان صاحب برال بوٹ ہاؤس "	"	2/-
2521	جناب محمد بشیر صاحب حلوائی "	"	2/-
2522	جناب انوار احمد صاحب دکاندار "	"	2/-
2523	جناب محمد بشیر صاحب کپڑے والے "	"	2/-
2524	جناب محمد نثار احمد صاحب "	"	2/-
2526	جناب محمد کمال صاحب دکاندار "	"	2/-
2527	جناب علم دین صاحب بوٹ ساز "	"	2/-
2528	جناب عبدالعزیز صاحب ٹیلر ماسٹر "	"	57-
2530	جناب محمد اسلم صاحب بوٹ ساز "	"	2/-
2531	جناب لیاقت علی صاحب گھڑی ساز "	"	2/-
2532	جناب عبدالرزاق صاحب پرچون فروش "	"	2/-
2533	جناب محمد سلیمان صاحب دودھ فروش ——	"	4/-
2534	جناب محمد شفیع صاحب پیج میکر سرہندی گیٹ	"	57-
2535	جناب ڈاکٹر عبدالعزیز صاحب "	"	1/-
4/366	جناب ولی محمد صاحب پریذیڈنٹ سنودیوان خانہ روڈ	"	57-
4/367	جناب علی محمد صاحب ڈرائی کلینر صدر بازار	"	2/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
20/1986	حاجی خوشی محمد صاحب بھسی	زکوٰۃ	5/-
	کوپن جلد ۹ از رسید 908 تا 913	امداد	6/-
20/1987	جناب احمد دین صاحب مکھو	"	10/-
20/1988	محترمہ جعفراں صاحبہ نارکے	"	15/-
20/1989	جناب حاجی خوشی محمد صاحب بھسی	زکوٰۃ	10/-
43/4290	جناب محمد بشیر صاحب کپڑے والے سرہندی گیٹ	امداد	2/-
43/4291	جناب محمد اسلم صاحب شومیکر "	"	2/-
4292	جناب ڈاکٹر محمد دین صاحب "	"	2/-
4293	جناب حکیم عبدالمجید صاحب مرزت ڈاکر ... "	"	2/-
4264	جناب نذیر صاحب تارا اینڈ ٹیلرز موتی بازار	"	2/-
4265	جناب محمد اشرف صاحب " "	"	2/-
4266	جناب نور محمد صاحب " "	"	2/-
4267	جناب محمد ارشاد صاحب " "	"	2/-
4268	جناب محمد جمیل صاحب " "	"	2/-
4269	جناب محمد اختر صاحب " "	"	2/-
4271	جناب عبدالرشید صاحب ٹیلر صرافہ بازار	"	2/-
4275	جناب مہر محمد صاحب بالمقابل کچی کوٹ	"	2/-
4276	جناب محمد بشیر صاحب پنجاب ٹی سٹال سرہندی گیٹ	"	2/-
4278	جناب محمد رشید صاحب ترخان "	"	2/-
4279	جناب ڈاکٹر محمد سلیمان صاحب رحمان کلینک "	"	2/-
4281	جناب محمد کمال صاحب دوکاندار "	"	2/-
4283	جناب مستری محمد خلیل صاحب محلہ تیلیاں	"	2/-
4284	جناب پہلوان محمد سلیم صاحب سرہندی گیٹ	"	2/-
4285	جناب لعل علی صاحب فروٹ فروش دال بازار	"	1/-
4288	جناب محمد بشیر صاحب حلوائی سرہندی گیٹ	"	2/-
6/362	جناب عبدالستار صاحب بیم میکر اینڈ ایگریکلچر مکینیکل ورکس	"	2/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
3/282	جناب محمد شوکت صاحب شیروانی گیٹ	امداد	10/-
3/283	جناب شفیق احمد صاحب سرہندی گیٹ	"	10/-
3/280	جناب عبدالستار صاحب بیم میکر اینڈ ایگریکلچر مکینیکل ورکس	"	2/-
3/295	جناب محمد سلیم صاحب نقشہ نویس صدر بازار	"	5/-
3/296	جناب ولی محمد صاحب ڈرائی کلینر "	"	2/-
3/297	جناب ماسٹر علم دین صاحب ٹیلر بازار تیلیاں	"	2/-
3/298	جناب محمد رمضان صاحب فاروقی سرہندی گیٹ	"	10/-
3/299	جناب محمد ادریس صاحب بیم میکر "	"	5/-
3/300	جناب عبدالستار صاحب " "	"	2/-
43/4201	میسرز ولی اینڈ سنز دیوان خانہ روڈ	"	5/-
"/4202	جناب محمد اشرف صاحب نیو سٹار ٹیلر	"	2/-
"/4204	جناب رام چند صاحب ٹاک سنگم ٹیلرز صدر بازار	"	2/-
"/4205	جناب محمد یسین صاحب سنگم ٹیلرز صدر بازار	"	2/-
"/4206	جناب محمد جمیل صاحب " "	"	2/-
"/4207	جناب محمد طفیل صاحب " "	"	2/-
"/4208	جناب محمد اینڈ سنز صدر بازار	"	5/-
"/4209	جناب عبدالستار صاحب لوہار "	"	1/-
"/4210	جناب محمد جمیل صاحب چوڑی فروش "	"	2/-
"/4211	جناب عبدالحلیم صاحب حلیم ریسٹ ہاؤس "	"	2/-
"/4212	جناب عبدالرحیم صاحب اے ون واچ کمپنی "	"	3/-
"/4213	جناب بشیر عالم صاحب بانس بازار	"	1/-
"/4214	جناب محمد اشرف صاحب ٹیلر موتی بازار	"	2/-
"/4215	جناب محمد اسلم صاحب موڈرن ٹیلر "	"	2/-
"/4216	جناب محمد فیروز خان صاحب " "	"	2/-
"/4217	جناب عبدالرشید صاحب " "	"	2/-
"/4218	جناب محمد شبیر صاحب " "	"	2/-

ماہنامہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

رسید نمبر	اسم گرامی	بکد	رقم
43/4219	جناب محمد سرور صاحب معرفت محمد شریف ٹیلرز موتی بازار	امداد	2/-
״/4294	جناب لیاقت علی صاحب گھڑی ساز سرہندی گیٹ	״	2/-
״/4295	جناب محمد حنیف صاحب بیگ میکر ״	״	3/-
״/4298	جناب محمد ادریس صاحب ״	״	1/-
״/4299	جناب محمد رمضان صاحب ״	״	2/-
״/4300	جناب عنایت اللہ صاحب	״	2/-
43/4220	جناب محمد رشید صاحب معرفت محمد شریف ٹیلر موتی بازار	״	2/-
״/4221	جناب طفیل محمد صاحب ״ ״	״	2/-
״/4222	جناب لیاقت صدیقی صاحب بزاز ״	״	2/-
״/4223	جناب فضل محمد صاحب ٹیلر ماسٹر ״	״	2/-
״/4224	جناب محمد صدیق صاحب بزاز ״	״	2/-
״/4225	جناب محمد شریف صاحب ٹیلر ماسٹر ״	״	2/-
״/4226	جناب عبدالغفار صاحب جرسی فروش ״	״	2/-
״/4228	جناب حسن محمد صاحب ٹیلر ماسٹر ״	״	5/-
״/4229	جناب عبدالمجید صاحب برتن فروش چوک موتی بازار	״	5/-
״/4230	جناب بابو صاحب قلعی گر ״	״	2/-
״/4231	جناب ماسٹر رمضان صاحب ٹیچر اسلامیہ اسکول	״	5/-
״/4232	جناب ماسٹر محمد سلطان صاحب ״	״	2/-
״/4233	جناب ماسٹر محمد اسلم صاحب ״	״	5/-
״/4234	جناب چودھری محمد حسین صاحب ورائٹی پیلس	״	5/-
״/4237	جناب حاجی غلام محمد صاحب حویلی پیر ج ملیر	״	10/-
״/4239	محترمہ سہاگ سنگھ راؤ محلہ ملیر	״	5/-
״/4240	محترمہ حجن فاطمہ صاحبہ ״	״	5/-
״/4242	جناب محمد شریف صاحب فرش فروش بس سٹینڈ	״	2/-
״/4250	جناب محمد اسرائیل صاحب ٹیلر	״	2/-
״/4251	جناب محمد شفیق صاحب ٹیلر پرانا مرشیا بازار	״	2/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بکد	رقم
43/4254	جناب تاج محمد صاحب ٹیلر جامع مسجد	امداد	1/-
״/4256	جناب ماسٹر جمیل الرحمن صاحب محلہ ملکو	״	5/-
״/4257	جناب محمد رمضان صاحب ״	״	2/-
״/4258	جناب محمد اشرف صاحب ״	״	5/-
״/4259	جناب کبریا صاحب تارا چند ٹیلرز موتی بازار	״	2/-
״/4260	جناب محمد عاشق صاحب ״ ״	״	2/-
״/4261	جناب صابر صاحب ״ ״	״	2/-
״/4262	جناب شکیل صاحب ״ ״	״	2/-
״/4263	جناب محمد سعید صاحب ״ ״	״	2/-
26/2536	جناب محمد شفیع صاحب بیگ میکر سرہندی گیٹ	״	5/-
״/2538	محترمہ زبیدہ بیگم صاحبہ ״	״	5/-
״/2541	جناب عبدالعزیز صاحب ٹیلر ماسٹر ״	״	5/-
״/2543	جناب شفیق احمد صاحب ״	״	5/-
״/2556	جناب محمد شفیق صاحب تمباکو والے ״	״	/-
״/2557	جناب غلام محمد صاحب ״	״	/-
״/2558	جناب حاجی محمد شفیع صاحب ״	״	/-
״/2566	جناب محمد خالد چغتائی صاحب	״	[illegible]
״/2567	جناب محمد مشتاق صاحب محلہ چوڑیاں	״	[illegible]

ارشادِ نبوی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا — قابلِ رشک وہ جس کو اللہ تعالیٰ مال دے اور وہ اللہ کی راہ لٹائے۔ (بخاری و مسلم۔ حضرت ابن مسعودؓ)

رسول اکرمؐ نے فرمایا گن گن کر نہ رکھ ورنہ تجھے گن گن کر دے گا۔ اور باندھ باندھ کر نہ رکھ ورنہ رزق باندھ دیا جائے گا۔ (بخاری و مسلم۔ حضرت اس[illegible]

Tamir-e-Sirat monthly Maler Kotla

48023

REGD. NO. P/PTA/81.

مدرسہ تعمیرِ سیرت مالیرکوٹلہ کا دینی و علمی ترجمان

جلد نمبر ۲
شمارہ نمبر ۵

شعبان ۱۳۹۷ھ
اگست ۱۹۷۷ء

ماہنامہ مالیرکوٹلہ

تعمیرِ سیرت

زیرِ سرپرستی :- مفتیِ اعظم پنجاب حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی بانی و مہتمم مدرسہ

ایڈیٹر
غلام محمد
رکن مشاورتی کونسل مدرسہ تعمیرِ سیرت

(ادارۂ تحریر)

مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط (فاضل دیوبند - ایم۔ اے)
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند
مولانا وسیم اختر بلال (فاضل دیوبند) مدرس مدرسہ تعمیرِ سیرت
مولوی سہیل عزیز (فاضل دیوبند)
عبدالوحید (بی اے) سابق مدرس مدرسہ تعمیرِ سیرت

مکمل پتہ

ماہنامہ تعمیرِ سیرت - ۲۷۴ دہلی گیٹ مالیرکوٹلہ ۱۴۸۰۲۳

TAMIR-E-SIRAT (MONTHLY)
274, DELHIGATE MALERKOTLA
(PUNJAB) 148023

فی شمارہ -/1 سالانہ -/10

اس شمارے میں

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر غلام محمد نے مدرسہ تعمیرِ سیرت مالیرکوٹلہ کے لئے محبوب پریس دیوبند میں چھپوا کر شائع کیا۔ مالک مدرسہ تعمیرِ سیرت مالیرکوٹلہ

تبلیغی جماعت سے شکایت یہ ہے کہ
اُس نے خود اپنے بقول اپنی تبلیغ و دعوت کا دائرہ "تصحیح کلمہ" تک محدود کر رکھا ہے ،
یا ایک قلعہ شاہی کے دروازہ پر ایک سنتری بیٹھا ہوا ہے جو آپ کو یہ تو بتاتا ہے کہ قلعہ میں داخل
نے کے آداب کیا ہیں ، لیکن داخل ہونے کے بعد آپ کو کیا کرنا ہے اور کن آداب و مراسم کی
یت کرنی ہے ؟ ان میں سے کسی چیز سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔
جماعت نے اگر اس طرح اپنے عمل کا دائرہ محدود کرلیا ہے تو فی نفسہ یہ بات بری یا قابلِ اعتراض
ں ہے یہ کام بھی بہت اہم اور بنیادی ہے جسے جماعت نہایت سرگرمی ، تندہی اور جوش و خروش سے
ام دے رہی ہے ۔ لیکن مجھے شبہ ہے کہ اب اوس میں تحزب (پارٹی بندی) کی شان پیدا
تی جارہی ہے ۔

ھندوستان کی جماعت اسلامی بڑی قابلِ ستائش اور لائقِ تعریف ہے ، یہ سیاست
ے الگ ہے ، یہ ہر طبقہ اور ہر خیال کے لوگوں کو ساتھ لے کر چل رہی ہے ، اس کے کارکن مخلص اور
الی ہیں اور زبان و قلم میں محتاط اور میانہ رو ہیں ۔ اب سے تین برس پہلے اس جماعت کی جو
ہند کانفرنس ہوئی تھی اوس کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس جماعت کا خون کس تیزی سے وہاں
مسلمانوں اور خصوصاً نوجوانوں کے جسم میں دوڑ رہا ہے ۔

مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی (فاضل دیوبند - ایم اے) دارالعلوم دیوبند کی مجلس
شوریٰ کے ممبر ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں - جماعت تبلیغ
اور جماعتِ اسلامی ہند کے متعلق اپنے مندرجہ بالا خیالات کا اظہار مولانا موصوف نے
ماہنامہ برہان دہلی کی تازہ اشاعت اگست ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۲ پر کیا ہے ۔
اپنے اکابرِ دیوبند کے افکار کے مختلف پہلو ہمارے سامنے آتے رہنے چاہییں
تاکہ ہم ان سے روشنی حاصل کرسکیں ۔

اداریہ

حرف و حکایت

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

رمضان آنے میں کیا دیر ہے بس آئے سمجھو، گرمیوں کے رمضان ــ روزہ نہ رکھنے والوں کے لئے تو یہ اچھا خاصا بہانہ ہے، رکھنے والے سردی میں بھی رکھتے ہیں گرمی میں بھی ــ توفیق اور ہمت کی بات ہے۔ گرمیوں کے رمضان پر اپنی نوعمری کے زمانے کی ایک دلچسپ بات یاد آگئی،

محترم والد صاحب مدظلہ، نے کتب خانہ محمودیہ کے نام سے دیوبند میں ایک مکتبہ قائم کیا تھا، یہ مکتبہ اب بھی ہے، اور اب اس کا انتظام میرے چھوٹے بھائی میاں حفیظ الرحمٰن سلمہ سنبھالے ہوئے ہیں، والد صاحب کو اس مکتبہ سے ایک قرآن مجید چھپوانا تھا اس زمانے میں کوئی لیتھو چھپائی کا پریس دیوبند میں نہیں تھا چھپائی کے کام کے لئے دہلی جانا ہوتا تھا، چھپائی کی دیکھ بھال ہمارے سپرد ہوتی اور اس کیلئے دہلی قیام کرنا پڑا، رمضان کا زمانہ سخت گرمی کا موسم سارا سارا دن پریس کی گرم فضا میں رہنا پڑتا تھا صبح کا شام کرنا جوئے شیر لانا تھا، چند روزے تو ہمت باندھے رکھی ایک روز ہمت جواب دینے لگی اور ارادہ کرلیا کہ کل روزہ نہیں رکھیں گے، یوں مسافر ہونے کا شرعی عذر بھی موجود تھا، اگلے روز سحری کھالی روزے کی نیت نہیں کی سوچا گھر میں خبر نہیں کرتے باہر کھا پی لیں گے، نو دس بجے بھوک لگی تو لال کنویں پر جہاں پریس تھا گلی کے نکڑ پر ریسٹوران میں ناشتہ کا ارادہ کرکے چلے قریب پہنچے تو آگے قدم نہ اٹھیں، ہر آنے جانیوالا ایسا معلوم ہو رہا ہے ہمیں ہی دیکھ رہا ہے، حالانکہ دہلی میں کسے فرصت کسی کو دیکھے ہر ایک اپنی اپنی راہ چلتا ہوا ــ ہمدرد دواخانہ قریب تھا ــ پتہ نہیں کب کوئی شناسا آنکلے کیا کہے گا روزے خوری ہو رہی ہے ــ آخر سوچا کسی دوسرے علاقے میں چلتے ہیں، اسکوٹر کرکے دریا گنج پہنچے کہ جامع مسجد محل ریسٹوران میں مرغ اڑائیں گے، روزہ خوری ہی کرنی ہے تو ذرا شاندار قسم کی ہو، وہاں پہنچکر پھر ہمت نہ ہوئی ہر راہ گیر ہماری طرف متوجہ محسوس ہوتا تھا، متوجہ کوئی نہیں تھا وہ ہمارا اندرونی احساس تھا جو ہمارے قدم روک رہا تھا، ادھر سے نکل کر ڈیلائٹ آصف علی روڈ اور نہ جانے کہاں کہاں گھوم گئے غرض تمام دن فاقہ کاٹ کر عہد کیا کہ آئندہ ایسا نہیں کریں گے،

دراصل انسانی سیرت کی تعمیر میں بچپن کی تعلیم اور تربیت کا بڑا اثر ہوتا ہے یہ نقوش جو بچپن میں قائم ہو جاتے ہیں آخر تک باقی رہتے ہیں، اس بات کو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں سمجھ سکتے ہیں جسمیں آپ نے فرمایا **مُرُوا صِبْيَانَكُمْ بِالصَّلٰوةِ إِذَا بَلَغُوا سَبْعًا** اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں نماز کے لئے کہو، کیونکہ یہ کم عمری کی عادت پائیدار ہو جائے گی، اس لئے مالیر کوٹلہ آنے کے بعد ہم نے سب سے پہلے یہ قدم اٹھایا کہ اپنے شہر مالیر کوٹلہ اور صوبہ پنجاب کے لئے ایک دینی اور اسلامی تعلیم کا مدرسہ ہونا چاہیئے تاکہ اسلامی تعلیم کے نقوش بچپن سے قائم ہو جائیں اور آخر تک

قائم رہیں بچپن میں آپ اچھا یا برا جو بھی اثر بچے کے ذہن پر قائم کردیں گے وہ زندگی بھر قائم رہے گا

خوئے بد در طبیعتے کہ نشست نرود جز بمرگ از دست

بری عادت جب طبیعت میں جم گئی ۔ بس موت ہی اس کو چھڑاتی ہے ۔ یہی حال اچھی عادتوں اور اچھی باتوں کا ہے ۔

کیا یہ ہم سب مسلمانوں کے لئے خوشی کی بات نہیں ہے کہ تین سال کے تھوڑے سے عرصہ میں مدرسہ تعمیر سیرت کافی آگے بڑھا ہے یہ اللہ کا فضل اور مسلمان بھائیوں کی تعاون کی برکت ہی تو ہے کہ آج اس مدرسہ میں تین سو کے قریب بچے علم دین حاصل کر رہے ہیں اور نو استاذ ان کی بہترین تعلیم اور تربیت میں معروف ہیں

آیئے ہم اس دینی مدرسہ کو آگے بڑھانے اور ترقی دینے کے لیے اپنا مال اور اپنی کوششیں اور زیادہ صرف کریں، اور اللہ اور اللہ کے رسول کو اپنے اس عمل سے راضی کریں ۔ اللہ تعالی ہمیں توفیق دے ۔ آمین ۔

تعمیر سیرت کے صفحات اور قیمت میں اضافہ

تعمیر سیرت کے پڑھنے والے جانتے ہیں کہ تعمیر سیرت علاوہ سرورق کے سولہ صفحات پر شائع ہونا شروع ہوا تھا اور اسی اعتبار سے اس کی قیمت فی شمارہ ۵۰ پیسے اور سالانہ پانچ روپے مقرر کی گئی تھی، اس کے بعد دو گنے صفحات کر دیئے گئے مگر ہم نے قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا ۔ جب سے تعمیر سیرت کا حلقہ بڑھنے لگا ہے یہ اصرار ہو رہا ہے کہ رسالہ کے صفحات میں اضافہ کیا جائے تاکہ زیادہ مضمون پڑھنے کو مل سکیں، چنانچہ تمام گوشوں پر غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ماہ رواں یعنی اگست ۱۹۸۰ء سے تعمیر سیرت علاوہ سرورق چالیس صفحات پر ان شاء اللہ شائع ہوگا، اور اس کی قیمت فی شمارہ ایک روپیہ اور سالانہ دس روپے ہوگی،

مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مہتمم صاحب کی رحلت

دل دھک سے رہ گیا یہ خبر سنکر کہ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مہتمم حضرت مولانا محمد سلیم صاحب معمولی علالت کے بعد ۱۸ر جولائی کو رحلت فرماگئے ۔ جب بھی مکہ مکرمہ حاضری ہوتی تھی قیام مولانا کے یہاں ہوتا تھا اور موصوف بزرگوں کے تعلق کا لحاظ رکھتے ہوتے جس طرح مہمان نوازی بلکہ ناز برداری فرماتے تھے وہ مولانا ہی کا حصہ تھا ۔ مرحوم بلند علمی اور ادبی ذوق کے مالک تھے صبح بنارس اور شام اودھ کے ساتھ شب حرم کا اضافہ میں نے مولانا کی زبان سے سنا تھا ۔ مولانا کے حسن اخلاق کی وجہ سے مدرسہ صولتیہ ہندوپاک کے حاجیوں کا ایک مرکز بن گیا تھا ۔ اللہ تعالی غریق رحمت کرے ۔

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید زجام دہر مے کل من علیہا فان

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ (البقرہ ۱۸۳)

۱۔ ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کر دیئے گئے تھے۔ اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔

۱۔ رمضان کے روزے ہجرت کے اٹھارہ مہینے بعد فرض ہوئے تحویل قبلہ کا حکم اس سے کوئی ڈیڑھ دو ماہ پہلے آیا تھا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت قرآن مجید۔ احادیث اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے۔ محولہ بالا آیت میں رمضان کے روزوں کے متعلق حکم دیتے ہوئے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں اور کُتِبَ کا لفظ فرضیت کے لیے استعمال ہوتا ہے، بنابریں قرآن مجید سے ثابت ہے کہ رمضان کے روزے فرض ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ الخ یعنی اسلام کی بنا پانچ چیزوں پر ہے۔

۱۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔

۲۔ نماز قائم کرنا۔

۳۔ زکوٰۃ ادا کرنا۔

۴۔ بیت اللہ کا حج کرنا اور

۵۔ رمضان کے روزے رکھنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ روزہ فرض ہی نہیں ہے بلکہ رکن اسلام ہے۔

۲۔ اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینے تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر یہ روزے فرض نہ تھے پھر ۲ھ ہجری میں رمضان کے روزوں کا یہ حکم قرآن میں نازل ہوا، مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ عام رعایت منسوخ کر دی گئی لیکن مریض اور مسافر اور حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت اور ایسے بڈھے لوگوں کے لئے جن میں روزے کی طاقت نہ ہو، اس رعایت کو بدستور باقی رہنے دیا گیا۔

۳۔ سورہ بقرہ ہی میں آگے چل کر روزوں کا ایک مقصد یہ بیان ہوا ہے، وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز فرمایا ہے، اس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار ہو۔

معلوم ہوا کہ رمضان کے روزوں کو صرف عبادت اور صرف تقویٰ کی تربیت ہی قرار نہیں دیا گیا ہے، بلکہ انہیں مزید برآں اس عظیم الشان نعمتِ ہدایت پر اللہ تعالیٰ کا شکریہ بھی ٹھہرایا گیا ہے جو قرآن کی شکل میں اس نے ہمیں عطا فرمائی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایک دانشمند انسان کے لئے کسی نعمت کی شکر گزاری اور کسی احسان

(باقی صفحہ پر)

کلامِ رسالت

رمضان — نیکیوں کا موسم بہار

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَھَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَ فِیْ رِوَایَۃٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَۃِ - (متفق علیہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں) اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں، ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں[1] متفق علیہ[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ رمضان کے آغاز میں لوگوں کو نصیحت کرنے کے لئے خطبات دیا کرتے تھے، ایسے ہی خطبات میں سے ایک یہ خطبہ ہے ——

اس ارشاد نبوی کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لئے یہ بات ملحوظ نظر رہنی چاہیئے کہ یہاں مخاطب وہ مسلمان ہیں جن سے زیادہ سچے اور پکے مومن انسانی تاریخ میں نہیں دیکھے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات فرمائی ہیں عام طور پر اپنے خطبات جمعہ میں ارشاد فرمائی ہیں، اور جمعہ کی نماز کے وقت جو لوگ مسجد نبوی میں جمع ہوتے تھے ان کے بارے میں یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کوئی کمزور ایمان کے یا اتباع اوامر میں کوتاہیاں کرنے والے مسلمان ہوں گے، اس لئے یہ بات واضح ہے کہ ان ہدایات کے مخاطب وہ سچے اہل ایمان ہیں جو نہایت صالح اور متقی تھے، اللہ تعالیٰ سے ڈر کر زندگی بسر کرنے والے اور اس کی ہدایات کی پیروی کرنے والے تھے، ان سے یہ فرمایا گیا ہے کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے تو آسمان (یا جنت یا رحمت) کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں

اس کا مدعا مخاطبین کو یہ سمجھانا ہے کہ رمضان کی آمد کے بعد جتنی نیکیاں کر سکتے ہو کرتے چلے جاؤ۔ جنت کے سب دروازے تمہارے لئے کھلے ہیں اگر صدقہ و خیرات کے دروازے سے جنت میں پہنچ سکتے ہو تو صدقہ و خیرات کے دروازے سے پہنچو، اگر تلاوت قرآن کے راستے سے پہنچ سکتے ہو تو اس راستے سے پہنچو، اگر برائیوں سے اجتناب کے ذریعے سے پہنچ سکتے ہو تو اس ذریعے سے پہنچو، الغرض جنت میں پہنچنے کے لئے تمام دروازے پوری طرح تمہارے لئے کھلے ہیں اور اب یہ تمہارا کام ہے کہ خود کو جنت کے قابل بنالو،

● پھر فرمایا کہ "جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں"

اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے زمانے میں اُن برائیوں کے امکانات بھی کم ہو جاتے ہیں، جن میں ایک آدمی دوسرے زمانے میں عام طور پر مبتلا ہو سکتا ہے، چنانچہ ایک نیکوکار مسلمان رمضان کی ایمان پرور فضا کی بدولت برائی کے بہت سے امکانات سے بچ جاتا ہے اور اس طرح جہنم کے دروازے اس کے لئے بند ہو جاتے ہیں،

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ ان خطبات میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابواب السماء کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں، کبھی ابواب الجنۃ کے اور کبھی ابواب الرحمۃ کے، اور مدعا ان سب کا ایک ہے [2] متفق علیہ سے مراد وہ حدیث ہوتی ہے جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہو،

● تیسری بات یہ فرمائی کہ "شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں"
ان الفاظ کا مدعا یہ ہے کہ رمضان المبارک وہ زمانہ ہے جس میں نیکیاں فروغ پاتی ہیں اور شیاطین کی کارفرمائی رک جاتی ہے۔ چونکہ تمام مسلمان بیک وقت روزہ رکھتے ہیں اور ایک ایک آدمی الگ الگ روزہ نہیں رکھتا اس لئے بیک وقت روزہ رکھنے سے پوری قوم کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا ایک ایسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جو دوسرے دنوں میں نہیں ہوتا، اس لئے رمضان وہ مہینہ ہے جس میں آدمی کے اندر رجوع الی اللہ کی ایک مسلسل کیفیت جاری وساری رہتی ہے کیونکہ جو آدمی بارہ چودہ گھنٹے روزے سے ہوتا ہے اسے گویا ہر وقت یہ یاد ہوتا ہے کہ میں روزے سے ہوں اور میں نے اپنے رب کی خوشنودی کے لئے روزہ رکھا ہوا ہے، جب اسے پیاس لگے گی تو وہ پانی نہیں پیئے گا کیونکہ اسے یاد ہوگا کہ وہ روزے سے ہے، جب اسے بھوک لگے گی اور کھانے کی خواہش ہوگی تو اسے یاد ہوگا کہ وہ روزے سے ہے، اس لئے کھانے سے مجتنب رہیگا، اس طرح رمضان کے پورے مہینے میں آدمی کا رجوع مسلسل اللہ تعالیٰ کی طرف رہتا ہے ــــــ وہ افطار کرتا ہے تو گویا خود محسوس کرتا ہے کہ یہاں تک تو میرے رب نے مجھے باندھ رکھا تھا، اب اس نے مجھے اجازت دیدی ہے تو روزہ افطار کر رہا ہوں، اس کے بعد کھانا کھایا تو پھر تراویح کے لئے چلا گیا جس سے پھر رجوع الی اللہ کی نوبت آئی، اس طرح مسلسل چوبیس گھنٹے اللہ کی طرف اس کا رجوع رہا ــــــ اور پھر یہ رجوع ایک آدمی کا نہیں ہوتا بلکہ پوری قوم کا ہوتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ رمضان نیکی کا موسم ہے، جس طرح بارش کا ایک موسم ہوتا ہے اور اس میں ہر چیز نشو ونما پاتی ہے اسی طرح یہ نیکیوں کا موسم ہے، اور اس میں نیکیوں کی ترقی کے بے شمار مواقع پیدا ہو جاتے ہیں،" آدمی جس قدر روحانی ترقی کرنا چاہے کر سکتا ہے کیونکہ اس میں ہر آدمی کی نیکی دوسرے کے لئے مددگار ثابت ہوتی ہے، ہر آدمی دوسرے کے روزے میں مددگار ہوتا ہے، عام دنوں میں روزہ رکھ کر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ اس میں کتنی شدت پائی جاتی ہے کیونکہ کوئی آدمی بھی روزے میں دوسرے کا مددگار نہیں ہوتا، لیکن رمضان میں یہ کیفیت نہیں ہوتی کیونکہ پورا معاشرہ ایک حالت میں ہوتا ہے، اس طرح ایک آدمی کو لاکھوں آدمیوں کے روزے سے مدد پہنچتی ہے اور ان کے تقویٰ اور نیکوکاری سے تقویت ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ رمضان میں انسان کی روحانی ترقی اور سیرت وکردار کی اصلاح وتعمیر کے بے شمار مواقع پیدا ہو جاتے ہیں ــــــ آپ دیکھتے ہیں کہ اب بھی اس بگڑے ہوئے ماحول میں اگر کوئی شخص رمضان کے زمانے میں گالم گلوچ کر رہا ہو تو لوگ کہتے ہیں "میاں رمضان میں یہ حرکت کر رہے ہو؟" اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے کو ابتک اس بات کا احساس ہے کہ رمضان کا احترام کیا معنی رکھتا ہے اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ صدر اوّل میں کیا کچھ کیفیت ہوگی،

اسی بنا پر فرمایا کہ رمضان میں جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیاطین باندھ دیئے جاتے ہیں ــ لیکن یہ امر بہرحال ملحوظ رہنا چاہیے کہ یہ بات ایک مسلم معاشرے کے صالح ماحول کے بارے میں بیان کی گئی ہے، ورنہ اسی زمانے میں اگر کوئی شخص شرک اور دوسرے گناہوں کا مرتکب ہو تو اس کے لئے دوزخ کے سارے دروازے کھل جاتے ہیں اور جنت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں"

بقیہ صفحہ ۵

کے اعتراف کی بہترین صورت اگر ہو سکتی ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ وہ اپنے آپکو اس مقصد کی تکمیل کیلئے زیادہ سے زیادہ تیار کرے جس کیلئے عطا کرنے والے نے یہ نعمت عطا کی ہو، قرآن ہم کو اس لئے عطا فرمایا گیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کا راستہ جان کر خود اس پر چلیں اور دنیا کو اس پر چلائیں، اس مقصد کیلئے ہم کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے، لہٰذا نزول قرآن کے مہینے میں ہماری روزہ داری صرف عبادت ہی نہیں ہے اور صرف اخلاقی تربیت بھی نہیں ہے ٭

٭ بلکہ اس کے ساتھ خود اس نعمت قرآن کی بھی صحیح اور موزوں شکرگزاری ہے "

اِک دِیا چاہیے اپنے گھر کے لئے

الحمدللہ۔ مدرسہ تعمیر سنیر مالیر کوٹلہ اپنی زندگی کے چوتھے سال میں قدم رکھ چکا ہے، مدرسے میں پڑھنے والے طلبا، اور پڑھانے والے استاذوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور اسی اعتبار سے اخراجات بھی بڑھتے جا رہے ہیں، گذشتہ سال اپریل ۷۹ء سے مارچ ۸۰ء تک انیس ہزار ایک سو آٹھ روپے ۱۰ پیسے خرچ ہوئے

اور نئے سال اپریل ۸۰ء سے ———

(۱) پہلی سے پانچویں جماعت تک کے علاوہ "درجہ عالمیت" شروع کیا گیا ہے جس میں تفسیر و حدیث شریف وغیرہ کے علاوہ قرآن مجید حفظ کرانے کا بھی انتظام ہے،

(۲) تین سو کے قریب طلبا، اور نو مدرس ہیں (۳) مدرسہ کی برانچ نمبر ایک (سرہندی گیٹ) میں ایک اور جماعت کا اضافہ کر کے تین جماعتوں تک تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے،

(۴) مالیر کوٹلہ کے علاوہ پنجاب کے دوسرے مقامات کے طلبا بھی اب مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

● مدرسہ کا دینی اور علمی ترجمان "تعمیر سنیر" اپریل ۷۷ء سے مسلسل چھپ رہا ہے اب اس کے صفحات بڑھا دیئے گئے ہیں چندہ دینے والوں کی فہرست اور مکمل حساب کتاب بھی ہر مہینے اس رسالہ میں شائع کیا جاتا ہے۔

رمضان کے مبارک مہینے میں

خصوصیت کے ساتھ مدرسہ کی زیادہ سے زیادہ امداد کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، ہمیں بہر حال اپنے گھر کی روشنی کے لیے ابھی ایک چراغ کی ضرورت ہے، اس سے بڑھ کر خوش نصیبی کیا ہوگی کہ ہمارا مال اللہ کے راستے میں دین کی تعلیم میں خرچ ہو اور دنیا کی بھلائی کے ساتھ ہماری قبر روشن اور آخرت کامیاب ہو۔

آپ کا دینی خادم :- **فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی مفتی مالیر کوٹلہ مہتمم مدرسہ تعمیر سنیر**

ہندوستان میں نئی حکومت بننے کے بعد شراب نوشی پر مکمل پابندی کا قانون بنانے کا مسئلہ ایک بار پھر زور و شور کے ساتھ سامنے آرہا ہے۔ اس کے علاوہ رشوت ستانی اور دوسری اخلاقی اور سماجی برائیوں کے دور کرنے کے لئے مختلف تدبیروں پر غور کیا جا رہا ہے، ان حالات میں یہ پرانا مضمون امید ہے نئی دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائیگا اور اس سے غور و فکر کے نئے گوشے سامنے آئیں گے، یہ بات پیش نظر رہے کہ امریکہ کے برخلاف ہندوستانی سماج میں شراب بندی کے پیچھے ایک مضبوط اخلاقی اور مذہبی طاقت موجود ہے، شراب بندی کو کامیاب کرنے کیلئے اس طاقت سے مناسب کام لینے کی ضرورت ہے،

گذشتہ ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۳ کی ابتدا میں امریکہ کے قانونِ تحریم خمر (Prohibition Law) کی تنسیخ کا باقاعدہ اعلان ہوگیا اور تقریباً چودہ برس کے بعد نئی دنیا کے باشندوں نے پھر "خشکی" سے "تری" کے حدود میں قدم رکھا، جمہوریہ امریکہ کی صدارت پر مسٹر روزویلٹ کا فائز ہونا خشکی پر تری کی فتح کا پہلا اعلان تھا، اس کے بعد پہلے تو اپریل سنہ ۱۹۳۳ میں ایک قانون کے ذریعہ سے ۳،۲ فی صدی الکحل کی شراب کو جائز کیا گیا، پھر چند مہینے نہ گزرے تھے کہ دستور جمہوریہ امریکہ کی اٹھارہویں ترمیم ہی منسوخ کر دی گئی جس کی رو سے ریاستہائے متحدہ کے حدود میں شراب کی خرید و فروخت در آمد بر آمد اور ساخت پرداخت حرام قرار دی گئی تھی،

قانون کے ذریعہ سے اخلاق و معاشرت کی اصلاح کا یہ سب سے بڑا تجربہ تھا جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی اٹھارہویں ترمیم سے پہلے کئی سال تک اینٹی سیلون لیگ۔۔ (Anti Saloon League)

رسائل و جرائد، خطبات، تصاویر، میجک، لینٹرن، سینما اور بہت دوسرے طریقوں سے شراب کی مضرتیں اہل امریکہ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتی رہی اور اس تبلیغ میں اس نے پانی کی طرح روپیہ بہایا، اندازہ کیا گیا ہے کہ تحریک کی ابتداء سے لے کر سنہ ۱۹۲۵ تک نشر و اشاعت پر ساڑھے چھ کروڑ ڈالر صرف ہوئے اور شراب کے خلاف جس قدر لٹریچر شائع کیا گیا وہ تقریباً ۹ ارب صفحات پر مشتمل تھا،

اس کے علاوہ قانون تحریم کی تنفیذ کے مصارف کا جس قدر بار گذشتہ چودہ سال میں امریکی قوم کو برداشت کرنا پڑا ہے اس کی مجموعی مقدار ۶۵ کروڑ پونڈ بتائی جاتی ہے اور حال میں ممالک متحدہ امریکہ کے محکمۂ عدل نے جنوری سنہ ۱۹۲۰ سے اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ تک کے جو اعداد و شمار شائع کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قانون کی تنفیذ کے سلسلہ میں دو سو آدمی مارے گئے ۵۳۴۳۳۵ قید کئے گئے ایک کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ کے جرمانے عائد کئے گئے چالیس کروڑ چالیس پونڈ کی مالیت کی املاک ضبط کی گئیں،

جان ومال کے یہ ہولناک نقصانات صرف اس لئے برداشت کئے گئے کہ بیسویں صدی کی اس مہذب ترین "قوم کو جس کا آفتاب علم نصف النہار پر پہنچا ہوا ہے "ام الخبائث کی بیشمار روحانی، اخلاقی جسمانی اور مالی مضرتوں سے آگاہ کیا جائے، لیکن تحریم سے پہلے کئی سال اور تحریم کے بعد کئی سال کی مسلسل کوششیں جن میں حکومت کی طاقت بھی شریک تھی، امریکی قوم کے عزم میخواری کے آگے ناکام ہوگئیں اور "تاریخ عالم کا بڑا اصلاحی جہاد" آخرکار بے سود ثابت ہوا،

تحریم خمر کی یہ ناکامی اور قانون تحریم کی یہ تنسیخ کچھ اس وجہ سے نہیں ہے کہ شراب کی وہ مضرتیں جن کو دور کرنے کے لئے پروپیگنڈہ اور قانون کی طاقت استعمال کی گئی تھی، اب منفعتوں سے بدل گئی ہیں، یا کسی نئے علمی اکتشاف نے ان خیالات کو غلط ثابت کر دیا ہے جو پہلے قائم کئے گئے تھے برعکس اس کے آج پہلے سے بھی زیادہ وسیع و کثیر تجربات کی بنا پر یہ حقیقت تسلیم کی جاتی ہے کہ قحبہ گری، لزنا عمل قوم لوط، چوری، قمار بازی، قتل و خون اور ایسے دوسرے اخلاقی مفاسد اس ام الخبائث کے قریب ترین رشتہ دار ہیں اور مغربی اقوام کے اخلاق، صحت، معیشت اور معاشرت کی تباہی میں اس کا بڑا حصہ ہے لیکن اس کے باوجود جس چیز نے آج حکومت امریکہ کو اپنا قانون واپس اور حرام کو حلال کر دینے پر مجبور کر دیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ امت امریکہ کی عظیم اکثریت کسی طرح شراب چھوڑنے پر راضی نہ ہوئی اور وہی پبلک جس کے ووٹ نے اب سے چودہ برس پہلے یہ چیز حرام کی تھی اب اس کو حلال کرنے پر اصرار کرنے لگی،

جہاں تک ہم کو معلوم ہے، مے خواری کے نقصانات سے کسی بڑے سے بڑے حامی شراب نے بھی کبھی انکار نہیں کیا اور نہ کبھی مخالفین تحریم نے شراب کے محاسن کی کوئی ایسی فہرست پیش کی جو اس کے قبائح کے مقابلہ میں کچھ بھی وزن رکھتی ہو جس وقت امریکن کانگریس میں رائے عام کی تائید سے دستور کی اٹھارہویں ترمیم پیش ہوئی تھی، اس وقت "خشکی اور تری" کے درمیان ہر طرح موازنہ کر لیا گیا تھا اور انہی تمام مضرتوں اور خرابیوں کا لحاظ کرتے ہوئے کانگریس نے وہ ترمیم پیش کی تھی، ۴۶ ریاستوں نے اس ترمیم کی توثیق کی تھی، دار المبعوثین House of Representative اور مجلس شیوخ (Senate) نے اس ترمیم کے مطابق قانون تحریم (Prohibition Act) پاس کیا تھا یہ سب کچھ امریکی قوم کی مرضی سے ہوا اور جب تک تحریم کا معاملہ کاغذ اور زبان تک رہا قوم خوش خوش اس کی تائید کرتی رہی مگر جونہی کہ تحریم عالم معاملہ میں آئی، تمام امت امریکہ کا رنگ بدل گیا، ام الخبائث کے ہجر میں پہلی رات بسر کرتے ہی دنیا کی سب سے زیادہ متمدن، ذی علم، ذی ہوش، حقائق پسند اور ترقی یافتہ قوم دیوانی ہوگئی اور اس نے جوش جنوں میں وہ حرکتیں شروع کیں جن سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ قوم مشرقی شاعری کے خیالی عاشقوں کی طرح فی الواقع اپنا سر پھوڑ ڈالے گی،

اجازت یافتہ شراب خانوں کے بند ہوتے ہی تمام ملک میں سیکڑوں خفیہ شراب خانے (Speakeasies and Blind pige) قائم ہو گئے جن میں قانون کی گرفت سے بچ کر شراب پینے پلانے بیچنے اور خریدنے کے عجیب عجیب طریقے اختیار کئے جاتے تھے کسی شخص کا اپنے کسی دوست یا عزیز کو کسی خفیہ شراب خانے اور اس کے مقررہ اشارے ـــــ (Pass word) کا پتہ دینا ایک خاص مہربانی کا فعل سمجھا جاتا تھا، پہلے تو حکومت لائسنس یافتہ شراب خانوں کی تعداد، ان کی شرابوں کی نوعیت اور ان میں آنے جانے والوں کے حالات کی نگرانی کر سکتی تھی مگر اب یہ بدکاری کے اڈے اس کی نگرانی کے حدود سے آزاد تھے، ان کی تعداد قبل تحریم کے اجازت یافتہ شراب خانوں سے کئی گنی زیادہ ہوگئی، ان میں ہر قسم کی بدترین شرابیں فروخت ہونے لگیں جو صحت کے لئے

غایت درجہ مضر تھیں، ان میں کمسن لڑکوں اور لڑکیوں کی آمد
ورفت بہت بڑھ گئی جس کے ہولناک نتائج سے ریاستہائے
متحدہ کے اہل فکر میں عام اضطراب پیدا ہو گیا، شراب کی قیمت پہلے
سے کئی گنی زیادہ ہو گئی، مے فروشی کا پیشہ ایک بڑا پر منفعت پیشہ
بن گیا اور ہزاروں لاکھوں آدمی یہی کاروبار کرنے لگے، خفیہ بھٹیالوں
کے علاوہ بکثرت پھیری لگانے والے مے فروش (Boot
Leggers) پیدا ہو گئے جو گویا چلتے پھرتے میخانے
تھے، یہ لوگ مدرسوں، دفتروں، ہوٹلوں، تفریح گاہوں حتیٰ کہ
لوگوں کے گھروں تک پہنچ کر شراب بیچتے اور نئے نئے گاہک پیدا
کرنے لگے۔ کم سے کم اندازہ یہ ہے کہ زمانہ قبل تحریم کی بہ نسبت
بعد تحریم کے زمانہ میں امریکہ کے مے فروشوں کی تعداد دس گنی زیادہ
ہو گئی، شہروں سے گزر کر دیہات تک میں یہ کاروبار پھیل گیا، گاؤں
گاؤں شراب کشید کرنے کے خفیہ کارخانے قائم ہو گئے، تحریم سے
پہلے امریکہ میں عرق کشی کے اجازت یافتہ کارخانوں کی تعداد کل چار سو
تھی، تحریم کے بعد سات سال کے اندر، ۷۹۳۲ کارخانے گرفتار ہوئے
۳۸۲۱۹ بھٹیاں پکڑی گئیں اور پھر بھی شراب فروشی کے کاروبار میں
کوئی کمی واقع نہ ہوئی، یہ محکمہ تحریم کے ایک سابق کمشنر کا بیان ہے کہ ہم
کل کارخانوں اور بھٹیوں کا صرف دسواں حصہ پکڑ سکے، اسی
طرح شراب کی مقدار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا تخمینہ کیا گیا
ہے کہ تحریم کے زمانہ میں امریکہ کے باشندے ہر سال ۲۰ کروڑ گیلن شراب
پینے لگے تھے، یہ مقدار استعمال قبل تحریم کی مقدار سے بہت زیادہ تھی، جو شراب
اس قدر کثیر مقدار میں استعمال کی جاتی تھی وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بھی حد
درجہ خراب اور مضر صحت تھی، اطباء کا بیان ہے کہ اس چیز کو شراب کے بجائے زہر کہنا
زیادہ صحیح ہے اس کے پینے سے فوراً نشہ اور دماغ پر اس کے زہریلے اثرات
مرتب ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور دو دن تک اعصاب اس سے متاثر رہتے ہیں اس
نشے میں انسان کسی خوشی، تازگی اور خوش فعلی کے مطلب کا نہیں رہتا بلکہ اس کی
طبیعت شورش ـــــ اور ـــــ ہنگامہ
آزادی اور ارتکاب جرم کی جانب مائل ہو جاتی ہے،
اس قسم کی شرابوں کی کثرت استعمال نے اہل امریکہ کی جسمانی صحت
کو تباہ کر ڈالا، مثال کے طور پر شہر نیویارک کے اعداد و شمار سے
معلوم ہوتا ہے کہ تحریم سے پہلے ۱۹۱۸ء میں الکحل کے اثرات سے
بیمار ہونے والوں کی تعداد (۳۷۴۱) اور مرنے والوں کی تعداد
(۲۵۲) تھی ۱۹۲۶ء میں بیمار ہونے والوں کی تعداد گیارہ ہزار
اور مرنے والوں کی تعداد ساڑھے سات ہزار تک پہنچ گئی، ان
کے علاوہ جو لوگ بالواسطہ شراب کے اثرات سے متاثر ہو کر
ہلاک یا زندہ درگور ہو گئے ان کی تعداد کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا،
اسی طرح جرائم خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کے جرائم میں
بھی غیر معمولی اضافہ ہوا، امریکہ کے ججوں کا بیان ہے کہ ہمارے
ملک کی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی کہ کبھی اتنی کثیر تعداد میں
بچے بحالت نشہ گرفتار ہوئے ہوں، جب کمسنی کے جرائم حد سے
بڑھ گئے تو اس کی تحقیقات کی گئی اور ثابت ہوا کہ ۱۹۲۰ء سے نوجوانوں
کی میخواری اور عربدہ جوئی میں سال بسال زیادتی ہوتی جا رہی ہے
حتیٰ کہ بعض بڑے شہروں میں آٹھ سال کے اندر دو سو فی صدی
اضافہ ہوا ۱۹۳۳ء میں امریکہ کی (National Crime
Commission) کے ڈائرکٹر کرنل موس (Col. Moss)
نے بیان کیا کہ اس وقت امریکہ کے تین آدمیوں میں سے ایک
آدمی جرائم پیشہ ہے اور ہمارے ہاں قتل کے جرائم میں ساڑھے
تین سو فی صدی اضافہ ہوا ہے،

غرض چودہ سال کے اندر امریکہ میں تحریم خمر کے جو نتائج
ظاہر ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے:-

قانون کا احترام دلوں سے اٹھ گیا اور سوسائٹی کے ہر طبقہ
میں خلاف ورزی قانون کی بیماری پھیل گئی۔

تحریم خمر کا اصل مقصد بھی حاصل نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس
یہ چیز حرام ہونے کے بعد اس سے بھی زیادہ استعمال ہونے لگی۔

جتنی حلال ہونے کے زمانہ میں استعمال ہوتی تھی،

قانون تحریم کی تنفیذ میں حکومت کا اور خفیہ طریقہ سے شراب خریدنے میں رعایا کا بے حساب مالی نقصان ہوا اور ایک ملک کے معاشی حالات تباہ ہونے لگے،

امراض کی کثرت، صحت کی بربادی، شرح اموات میں اضافہ، اخلاق عامہ کا فساد، سوسائٹی کے تمام طبقات اور خصوصاً نوخیز نسلوں میں زمائم اور قبائح کا بکثرت شائع ہونا، اور جرائم میں غیر معمولی ترقی، یہ اس قانون کے تمدنی و اخلاقی ثمرات تھے،

یہ نتائج اس ملک میں حاصل ہوئے جو بیسویں صدی کے روشن ترین زمانہ میں مہذب ترین ملک سمجھا جاتا ہے جس کے باشندے اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ ہیں جن کے دماغ علم و حکمت کی روشنی سے منور ہیں، جو اپنے نفع و نقصان کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں،

یہ نتائج اس حالت میں ظاہر ہوئے جبکہ کروڑہا روپیہ صرف کر کے اور کوئی ارب رسالے اور کتابیں شائع کر کے تمام قوم کو شراب کے نقصانات سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔

یہ نتائج اس کے باوجود ظاہر ہوئے کہ امریکی قوم کی ایک بڑی اکثریت تحریم کی ضرورت کو تسلیم کر چکی تھی اور تحریم کا قانون انکی مرضی سے پیش اور پاس ہوا تھا،

پھر ان نتائج کا ظہور ایسی حالت میں ہوا جبکہ امریکہ کی عظیم الشان سلطنت بیسویں صدی کی بہترین تنظیم کے ساتھ کامل چودہ سال تک شراب نوشی اور شراب فروشی کا قلع قمع کرنے پر تلی رہی۔

جب تک یہ نتائج ظاہر نہ ہوئے تھے حکومت اور رعیت دونوں کی اکثریت شراب کو حرام قرار دینے پر متفق تھی اس لئے شراب حرام ہو گئی۔ مگر جب معلوم ہوا کہ قوم کسی طرح شراب چھوڑنے پر راضی نہیں اور زبردستی شراب چھڑانے کا نتیجہ پہلے سے بھی خراب نکلا ہے تو اسی حکومت اور رعیت کی اکثریت نے شراب کو حلال کرنے پر اتفاق کر لیا۔

اب ذرا ایک نظر اس ملک کی حالت پر ڈالیے جو اب سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے کے تاریک ترین زمانے میں سب سے زیادہ تاریک ملک شمار ہوتا تھا باشندے جاہل، علم و حکمت کا نام و نشان نہیں، تمدن و تہذیب کا پتہ نہیں، پڑھے لکھوں کی تعداد شاید دس ہزار میں ایک اور وہ بھی ایسے کہ آج کل کے کم سواد بھی ان سے زیادہ علم رکھتے ہوں گے، موجودہ زمانے کے تنظیمی ادارات اور وسائل یکسر مفقود، حکومت کا نظام بالکل ابتدائی حالت میں اور اس کو قائم ہوئے چند سال سے زیادہ نہ ہوئے تھے، باشندوں کا حال یہ کہ شراب کے عاشق، ان کی زبان میں شراب کے تقریباً ڈھائی سو نام پائے جاتے ہیں جس کی مثال شاید دنیا کی کسی دوسری زبان میں نہ ملیگی، جو شراب کے ساتھ ان کے غیر معمولی شغف کا ثبوت ہے اور اس کا مزید ثبوت ان کی شاعری ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور لازمۂ حیات سمجھی جاتی تھی،

اس حالت میں وہاں شراب کا مسئلہ پیش ہوتا ہے اور رسول خدا سے پوچھا جاتا ہے کہ اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے! آپ نے فرمایا کہ خدا کا ارشاد ہے

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۔ (بقرہ ۲۷) یہ تجھ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے، کہدے کہ ان دونوں میں بڑی خرابی ہے اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر ان کا نقصان اسکے فائدے سے زیادہ ہے

یہ کوئی حکم نہ تھا بلکہ محض شراب کی حقیقت بتائی گئی تھی کہ اس میں اچھائی اور برائی دونوں موجود ہیں مگر برائی کا پہلو غالب ہے، اس تعلیم کا اثر یہ ہوا کہ قوم کے ایک گروہ نے اسی وقت سے میخواری چھوڑ دی، تاہم اکثریت بدستور شراب کی خوگر رہی،

پھر دوبارہ شراب کے بارے میں پوچھا گیا۔ کیونکہ بعض لوگ

نشے کی حالت میں نماز پڑھتے اور غلطیاں کرتے جاتے تھے، اس پر رسول خدا نے اپنے خدا کی طرف سے یہ حکم سنایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ ۔

اے ایمان لانے والو! نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ نماز تمکو اس حالت میں پڑھنی چاہیئے جبکہ تم جان سکو کہ کیا کہہ رہے ہو۔

یہ حکم سنتے ہی لوگوں نے میخواری کے لئے اوقات مقرر کر لئے اور عموماً فجر اور ظہر کے درمیان یا عشا، کے بعد شراب پی جانے لگی تاکہ نشے کی حالت میں نماز پڑھنے کی نوبت نہ آئے یا نشے کی وجہ سے نماز نہ ترک کرنی پڑے،

مگر شراب کی اصلی مضرت ابھی باقی تھی نشے کی حالت میں لوگ فساد برپا کرتے تھے اور خون خرابے تک نوبت آجاتی تھی اس لئے پھر خواہش کی گئی کہ شراب کے بارے میں صاف اور قطعی حکم دیا جائے۔ اس پر ارشاد ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنتُم مُّنتَهُونَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۔

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے یہ سب شیطان کی ساختہ و پرداختہ گندگیاں ہیں، لہذا تم ان سے پرہیز کرو، امید ہے کہ اس پرہیز سے تم کو فلاح نصیب ہوگی، شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعہ سے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈالدے اور تمکو خدا کی یاد اور نماز سے روک دے کیا یہ معلوم ہوجانے کے بعد اب تم ان سے باز آؤ گے! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی بات مانو اور باز آجاؤ لیکن اگر تم نے سرتابی کی تو جان رکھو کہ ہمارے رسول کا کام صرف اتنا ہے کہ پیغام کو صاف پہنچا کر دے

(المائدہ ۱۳)

یہ حکم آنا تھا کہ وہی شراب کے رسیا اور دختِ رز کے عاشق جو اس چیز کے نام پر جان دیتے تھے، یکایک اس سے نفور ہو گئے، تحریم شراب کی منادی سنتے ہی شراب کے مشکے توڑ دیئے گئے، مدینے کی گلیوں میں شراب کے نالے بہہ گئے، ایک محفل میں مے نوشی ہو رہی تھی اور دس گیارہ اصحاب شراب کے نشے میں چور تھے، اتنے میں رسول اللہ کی منادی کی آواز کانوں میں پہنچی کہ شراب حرام کر دی گئی ہے، اسی نشے کی حالت میں حکم خدا کا یہ احترام کیا گیا کہ فوراً شراب کا دور ترک کیا اور مشکے توڑ ڈالے گئے، ایک شخص کا واقعہ ہے کہ وہ شراب پی رہا تھا منہ سے پیالہ لگا ہوا تھا کسی نے آکر تحریم خمر کی آیت پڑھی فوراً پیالہ اس کے لبوں سے الگ ہو گیا اور پھر ایک قطرہ بھی حلق کے نیچے نہ اترا، اس کے بعد جس کسی نے شراب پی اس کو جوتوں لکڑیوں لاتوں، مکوں سے پیٹا گیا پھر چالیس کوڑوں کی سزا دی گئی، پھر اس جرم کے لئے اسی کوڑوں کی سزا مقرر کر دی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ عرب سے میخواری کا نام و نشان مٹ گیا، پھر اسلام جہاں پہنچا اس نے قوموں کو آپ سے آپ "خشک" پرہیزگار بنا دیا حتیٰ کہ آج بھی جبکہ اسلام کا اثر بہت ضعیف ہو چکا ہے، دنیا میں کروڑوں انسان ایسے بستے ہیں جو کسی قانون تحریم اور کسی نظام تعزیری کے بغیر شراب سے بالکل مجتنب ہیں، مسلمان قوم میں اگر مردم شماری کر کے دیکھا جائے کہ میخواروں کی تعداد کا فی صدی اوسط کیا ہے تو شاید یہ قوم اب بھی دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ پرہیزگار پائی جائے گی، پھر اس قوم میں جو لوگ شراب پیتے بھی ہیں وہ بھی اس کو گناہ سمجھتے ہیں، دل میں اپنے فعل پر نادم ہوتے ہیں اور بسا اوقات خود بخود تائب ہو جاتے ہیں،

عقل و حکمت کی مملکت میں آخری فیصلہ تجربہ و مشاہدہ پر منحصر ہوتا ہے یہ شہادت کبھی جھٹلائی نہیں جا سکتی، اب آپ کے سامنے ایک تجربہ امریکہ کا ہے اور دوسرا تجربہ اسلام کا۔ دونوں کا فرق بالکل ظاہر ہے اور یہ آپ کا کام ہے کہ ان کا تقابل

کرکے اس سے سبق حاصل کریں۔

امریکہ میں برسوں تک شراب کے خلاف تبلیغ کی گئی کروڑوں روپیہ اس کی مضرتوں کے اعلان واشتہار پر صرف کیا گیا، فن طب سے اعداد و شمار کی شہادتوں سے عقلی استدلالات سے، اس کی جسمانی، اخلاقی، معاشی، نقصانات اس طرح ثابت کئے گئے کہ ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا، تصویروں کے ذریعہ سے شراب کی مضرتیں برائی العین مشاہدہ کرا دی گئیں اور پوری کوشش کی گئی کہ لوگ خود اس کی خرابیوں کے قائل ہو کر اس کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائیں پھر قوم کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت (کانگریس) نے اکثریت کے ساتھ اس کی تحریم کا فیصلہ کیا اور اس کیلئے قانون پاس کر دیا پھر حکومت نے (اور اس حکومت نے جو اس وقت دنیا کی عظیم ترین طاقتوں میں سے ہے) اس کی خرید و فروخت ساخت و پرداخت، درآمد و برآمد کو روکنے کے لیے اپنی ساری قوتیں صرف کر ڈالیں مگر قوم (اور وہ قوم جو اس وقت تعلیم یافتہ اور روشن خیال قوموں کی صف اول میں ہے) اس کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئی تو چودہ پندرہ برس کی قلیل مدت ہی میں قانون مجبور ہو گیا کہ حرام کو پھر حلال کر دے،

دوسری طرف اسلام نے شراب کے خلاف کوئی پروپیگنڈہ نہیں کیا گیا نشر و اشاعت پر ایک پیسہ بھی صرف نہ ہوا۔ کوئی اینٹی سیلون لیگ قائم نہیں کی گئی، اللہ کے رسول نے بس اتنا کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے شراب حرام کر دی ہے، اور جونہی کہ یہ حکم اس زبان سے نکلا۔ تمام قوم (اور وہ قوم جو شراب کے عشق میں امریکہ سے بڑھ کر تھی مگر اصطلاحی علم و دانش میں ان سے کوئی نسبت نہ رکھتی تھی) شراب سے باز آگئی اور ایسی باز آئی کہ جب تک وہ اسلام کے دائرے میں ہے اس کا "خشکی" سے "تری" کی جانب تجاوز کرنا ممکن نہیں ہے خشکی کے حصار میں بند رہنے کے لئے وہ کسی حاکمانہ قوت، کسی احتساب اور کسی نظام تعزیری کی محتاج نہیں ہے، اگر کوئی قوت جابرہ موجود نہ ہو تب بھی وہ اس سے باز رہے گی، پھر یہ تحریم ایسی تحریم نہیں ہے جس کو کسی طرح تحلیل سے بدلا جا سکتا ہو، اگر تمام عالم کے مسلمان بالاتفاق شراب کی تائید میں ووٹ دیں تب بھی یہ حرام کبھی حلال نہیں ہو سکتا

آپ اس عظیم الشان تفاوت کے اسباب پر غور کریں گے تو اس سے چند ایسی باتیں معلوم ہوں گی جو نہ صرف شراب کے معاملے میں بلکہ قانون و اخلاق کے تمام مسائل میں اصول کلیہ کا حکم رکھتی ہیں

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انسانی معاملات کی تنظیم میں اسلام اور دنیوی قوانین کے درمیان بنیادی فرق ہے، دنیوی قوانین کا انحصار سراسر انسانی رائے پر ہے اس لئے وہ نہ صرف اپنے کلیات بلکہ ہر ہر جزئیہ میں عوام یا خواص کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہیں اور انسانی رائے کا (خواہ وہ عوام کی ہو یا خواص کی) حال یہ ہے کہ وہ ہر آن انسانی امیال و عواطف، خارجی اسباب و عوامل، اور علم و عقل کے تغیر پذیر احکام سے (جو ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ صحیح ہوں) متاثر ہوتی رہتی ہے، ان تاثرات سے آراء و افکار میں تغیر ہوتا ہے، اس تغیر سے لازمی طور پر اچھے اور برے صحیح اور غلط، جائز اور ناجائز، حرام اور حلال کے معیارات بدلتے رہتے ہیں اور ان کے بدلنے کے ساتھ ہی قانون کو بھی بدل جانا پڑتا ہے، اس طرح اخلاق اور تہذیب کا کوئی پائیدار مستقل، ناقابل تغیر معیار قائم نہیں ہونے پاتا، انسان کا تلون قانون پر حکمرانی کرتا ہے اور قانون کا تلون انسانی زندگی پر۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی نومشق موٹر چلا رہا ہو اور اس کے ناآموزدہ ہاتھ بے قاعدگی کے ساتھ اسٹیرنگ کو کبھی ادھر اور کبھی ادھر گھما رہے ہوں، اس کی ان بے قاعدہ گردشوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ موٹر کی حرکت بھی بے قاعدہ اور غیر مستقیم ہوگی وہ استقلال کے ساتھ کسی ایک معین راستہ پر نہ چل سکے گی اور جب وہ آڑی ترچھی رفتار سے چلے گی تو خود چلانے والے حضرات ہی پر اس کا اثر پڑے گا، کبھی وہ سیدھے راستہ

پر ہوں گے اور کبھی ٹیڑھے راستہ پر کہیں کسی گڑھے میں جاگریں گے کہیں کسی دیوار سے ٹکرائیں گے اور کہیں نشیب و فراز کے دھچکے کھائیں گے،

بخلاف اس کے اسلام میں قانون اور اخلاق کے کلیات تمامتر اور جزئیات بیشتر خدا اور رسول کے مقرر کئے ہوئے ہیں، انسانی رائے کو ذرہ برابر ان میں دخل نہیں ہے اور جزئیات میں کسی حد تک دخل ہے بھی تو وہ صرف اس قدر ہے کہ زندگی کے تغیر پذیر حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ہم ان کلی احکام اور جزئی نظائر سے حسب موقع نئے جزئیات مستنبط کرتے رہیں، جن کو لازماً اصول شرعی کے مطابق ہونا چاہیئے، اس الٰہی قانون سازی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے پاس اخلاق اور تہذیب کا ایک مستقل اور غیر تغیر پذیر معیار موجود ہے ہمارے اخلاقی و مدنی قوانین میں تلون کا نام ونشان تک نہیں ہے، ہمارے ہاں کل کا حرام آج کا حلال اور کل پھر حرام نہیں ہو سکتا، یہاں تو جو حرام کر دیا گیا وہ ہمیشہ کیلئے حرام ہے اور جو حلال کر دیا گیا وہ قیامت تک حلال ہے، ہم نے اپنی موٹر کار کا اسٹیرنگ ایک ماہر کامل کے ہاتھ میں دیدیا ہے، اب ہم مطمئن ہیں کہ وہ موٹر کو سیدھے رستے پر چلائے گا،

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ	(ترجمہ، اللہ ایمان لانے والوں کو ایک
اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ	پکی بات کے ذریعہ سے دنیا اور آخرت
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى	کی زندگی میں ثبات اور قرار بخشتا ہے
الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ	اور نافرمان ظالموں کو آوارہ کر دیتا ہے
الظّٰلِمِيْنَ ۔	کہ کہیں جم نہیں سکتے،

اس میں ایک دوسرا اہم نکتہ بھی ہے، دنیوی طاقتیں انسانی زندگی کے لئے ضوابط بنانے اور اخلاق معاشرت اور تمدن کی اصلاح کرنے کے لئے ہمیشہ اس کی محتاج رہتی ہیں کہ ہر جزئی معاملہ میں پہلے عوام کو اصلاح کیلئے راضی کریں پھر عمل کی جانب قدم بڑھائیں، ان کے قوانین کی ہر دفعہ اپنے نفاذ کے لئے عامۂ خلائق کی رضا پر منحصر ہوا کرتی ہے اور جس اصلاحی یا تنظیمی قانون کا نفاذ عوام کی رضا کے خلاف کر دیا گیا ہو اسے لبعد از خرابیہائے بسیار منسوخ کرنا پڑتا ہے، یہ نہ صرف امریکہ کا تجربہ ہے بلکہ دنیا کے تمام تجربات اس بات پر شہادت دے رہے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیوی قوانین درحقیقت اصلاح اخلاق و معاشرت کے معاملہ میں قطعاً ناکارہ ہیں وہ جن بگڑے ہوئے لوگوں کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں انہی کی رضا پر ان قوانین کا منظور یا نامنظور ہونا اور نافذ یا منسوخ ہو جانا منحصر ہے

اسلام نے ان اشکال کو ایک دوسرے طریقہ سے حل کیا ہے اور آپ غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اس مشکل کا کوئی حل بجز اس کے نہیں ہے، وہ تمدن، معاشرت اور اخلاق کے مسائل کو چھیڑنے اور قوانین شریعت کی اطاعت کا مطالبہ کرنے سے پہلے انسان کو دعوت دیتا ہے کہ خدا اور اس کے رسول اور اس کی کتاب پر ایمان لے آئے یہ بات یقیناً انسان کی رضا پر منحصر ہے کہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے، مگر جب وہ ایمان لے آیا تو اس کی رضا و عدم رضا کا کوئی سوال باقی نہ رہا۔ اب خدا کی طرف سے اس کا رسول جو حکم بھی دے اور خدا کی کتاب جو قانون مقرر کرے وہ اس کے لئے واجب الاطاعت ہے، اس ایک اصل کے قائم ہو جانے کے بعد شریعت اسلامی کے تمام قوانین اس پر نافذ ہو جائیں گے اور کسی جزئی یا کلی مسئلہ میں اس کی رضا مندی یا نارضا مندی کا دخل نہ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں جو کام کروڑوں اربوں روپے کے صرف اور بے نظیر تبلیغ و اشاعت اور حکومت کی زبردست کوششوں کے باوجود نہ ہو سکا وہ عالم اسلامی میں خدا کی جانب سے رسول خدا کی صرف ایک منادی سے ہو گیا،

تیسری سبق آموز بات یہ ہے کہ کوئی انسانی جماعت خواہ کتنی ہی علوم و فنون کی روشنی سے بہرہ ور ہو اور خواہ عقلی ترقیات کے آسمان ہی پر کیوں نہ پہنچ جائے، اگر وہ الٰہی قوانین کی تابع فرمان نہ ہو اور ایمان کی قوت نہ رکھتی ہو تو کبھی ہوائے نفس کے چنگل سے نہیں نکل سکتی، اس پر خواہشات نفسانی کا غلبہ اتنا شدید ہے گا کہ

(باقی آئندہ)

اخلاق کے آئینہ میں

مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

دیہاتی کے ساتھ اخلاق کا برتاؤ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی بااخلاق لوگوں کی غلطیوں سے درگذر کرنے والے غصہ کو پی جانے والے اور اچھا سلوک کرنے والے تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاق عالیہ کی سرداری عنایت فرمائی اور امت کے لئے آپ کے ہر عمل کو نظیر بنا دیا۔

ایک بار کوئی دیہاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوا اور کسی چیز کا مطالبہ کیا آنحضور نے وہ چیز عطا فرماکر دریافت کیا کہ میں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا یا نہیں۔ دیہاتی ناشکرا تھا، آنحضور کے فیاضانہ برتاؤ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بولا۔ اچھا سلوک تو دور کی بات ہے آپ نے تو متوسط درجہ کا برتاؤ بھی نہیں کیا۔

دیہاتی کی گستاخانہ گفتگو پر آنحضور نے خاموشی اختیار فرمائی۔ مگر صحابۂ کرام برافروختہ ہوگئے، اور دیہاتی کو زدوکوب کرنے اور گستاخی کی سزا دینے کا ارادہ کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رنگ دیکھ کر دست مبارک کے اشارہ سے منع فرمایا اس کے بعد گھر میں تشریف لے گئے اور اعرابی کو بلا کر کچھ اور عنایت فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ اب تو میں نے تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔؟

دیہاتی آنحضور کا رنگ تحمل اور اخلاق دیکھ رہا تھا۔ اور آپ کے اخلاق و سخاوت نے اس کی آنکھیں کھول کر حقیقت اس پر عیاں کر دی تھی۔ اس ارشاد گرامی کے جواب میں دیہاتی نے عرض کیا۔ بے شک آپ نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو میرے اور میرے اہل و عیال کی امداد کا اچھا بدلہ عطا کرے۔

پھر از راہ شفقت ارشاد ہوا کہ تم لوگوں کے سامنے جو کچھ کہہ چکے ہو وہ تم جانتے ہو اور تمہاری اس گفتگو سے میرے صحابہؓ تم سے ناراض اور ان کے دل رنجیدہ ہیں۔ اگر تم کوئی خیال دل میں نہ لاؤ اور ناگواری نہ ہو تو یہی بات صحابہؓ کے سامنے دہرا دینا تاکہ ان کے دلوں سے رنج و غم کافور ہو جائے۔ وہ بخوشی اس پر آمادہ ہوگیا۔

اگلے دن جب آپ شام کو باہر رونق افروز ہوئے تو صحابہؓ سے ارشاد ہوا اس دیہاتی کی گفتگو سے آپ واقف ہیں۔ اب ہم نے اسے کچھ زیادہ عطا کر دیا تو وہ بولا میں اب میں رضامند ہوں اس کے بعد دیہاتی کی جانب خطاب کرتے ہوئے شفقت سے ارشاد ہوا

یہی بات ہے نا ؟

دیہاتی نے عرض کیا بے شک اللہ تعالیٰ آپ کو میری اور میرے اہل و عیال کی مدد کا اچھا صلہ دے۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا میری اور اس گاؤں والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کی اونٹنی فرار ہو گئی ہو لوگ اس کے پیچھے بھاگے تو وہ بدکتی جتنا کہ وہ خوفزدہ ہو کر بھاگی تو اونٹنی والا لوگوں کو آواز دے کر بولا کہ تم مجھے اور میری اونٹنی کو میرے حال پر چھوڑ دو، میں اسے راہِ راست پر لانے اور پکڑنے کی ترکیب سے تم سے زیادہ آگاہ ہوں۔

پھر اونٹنی کے مالک نے خود اس کے پاس جاکر کچھ دانہ وغیرہ اس کے آگے ڈال کر بتدریج اپنی جانب مائل کیا حتیٰ کہ وہ راہ راست پر آگئی اور بیٹھ گئی۔ پھر اپنے کجاوہ کو کس کر اس کے اوپر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا کہ آخر میں اس نے وہ جملے ادا کئے جو تم سن چکے ہو میں اگر منع کرتے ہوئے اس کے ساتھ یہ برتاؤ نہ کرتا اور تمہیں چھوڑ دیتا تو تم اسے ہلاک کر دیتے اور یہ جہنم میں جاتا۔

بحالتِ غضب اخلاق

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ سخت رنج کے وقت مبارک داڑھی پر کثرت ہاتھ پھیرتے اور اخلاق عالیہ کا دامن ہمیشہ نہ چھوڑتے ہوئے کسی کے سامنے ایسی بات زبان سے نہ نکالتے جو اسے ناگوار گذرے۔

ایک بار ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اس کے لباس پر زعفرانی رنگ کا اثر تھا یہ دیکھ کر آپ کبیدہ خاطر ہوئے لیکن اس سے کچھ نہیں فرمایا اس کے جانے کے بعد صحابہؓ سے ارشاد ہوا ان سے یہ رنگ استعمال نہ کرنے کیلئے کہہ دینا۔

دولتِ اخلاق و فیاضی

اللہ تعالیٰ نے آپ کو وافر مقدار میں دولتِ اخلاق و فیاضی سے نوازا تھا آپ کے پاس کچھ آتا تو جب تک سب تقسیم نہ فرما دیتے چین نہ آتا

ایک بار آپ کے پاس ۹۰ ہزار درہم بحرین سے آئے تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے کھڑے کھڑے سارے تقسیم کر دیئے اور کسی سائل کو دراہم ختم نہ ہونے تک واپس نہیں کیا۔

باقی صفحہ ۱۵ امریکہ میں شرآنوشی

کہ جس چیز پر اس کا نفس مائل ہوگا اس کی معقولیت اگر آفتاب سے بھی زیادہ روشن کر کے دکھادی جائیں، اگر اس کے خلاف نہ سائنس (یعنی پرستارانِ عقل کے معبود) کو بھی گواہ بنا کر لا کھڑا کیا جائے اگر اس کے مقابلہ میں اعداد و شمار کی بھی شہادت پیش کردی جائے (جو اربابِ حکمت کی نگاہ میں ہرگز جھوٹی نہیں ہو سکتی) اگر اسکی خامیاں تجربہ و مشاہدہ سے بھی ثابت کردی جائیں تب بھی وہ کبھی اپنے نفس کے معشوق کو نہ چھوڑے گی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان میں حاسۂ اخلاقی پیدا کرنا اور اس کے ضمیر کی تشکیل کرنا۔ اور اس میں اتنی طاقت بھر دینا کہ وہ نفس پر غالب آجائے نہ علم و حکمت کے بس کی بات ہے اور نہ عقل و خرد کی ذیہ کام بجز ایمان کے اور کسی چیز کے ذریعہ سے انجام نہیں پا سکتا۔

تیرے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف
(اقبالؒ)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ
(مفتی اعظم پاکستان)

قرآن مجید کے نزول کا مقصد ہی دنیا کے ہر پیچیدہ مسئلے کو حل کرنا اور بنی نوع انسان کی ہر مشکل کو آسان کرنا ہے اور اس کا یہ عمل کسی خاص زمانہ یا خاص خطۂ ملک میں محدود نہیں، تاقیامت ہر زمانے، ہر خطے، ہر ملک کی مشکلات اور پیچیدہ مسائل کا حل اس کا کام ہے۔ اور یہ صرف کوئی نظریہ اور فلسفہ یا دعویٰ نہیں ہے۔ بلکہ دنیا ایک مرتبہ اس کا عملی تجربہ اور اس کے دعوے کی سچائی کا آنکھوں سے مشاہدہ کر چکی ہے۔

قرآن کریم جس ملک، جس زمانے، جس قوم میں اول اول نازل ہوا۔ اگر اس کے حالات کا جائزہ اس طرح لیا جائے کہ نزول قرآن سے پہلے اس کے اعتقادی، علمی، معاشی، معاشرتی حالات کیا تھے۔ اور قرآن انہیں کس طرح کا انقلاب لانا چاہتا تھا۔ تو معلوم ہوگا کہ اس وقت کے مسائل آج سے کچھ زیادہ ہی پیچیدہ تھے وہاں ایک بالکل جاہل قوم سے سابقہ تھا جن کو حقائق کا سمجھانا آسان نہ تھا۔ وہ آبائی رسوم کی پابندی میں ایسے کھوئے ہوئے تھے کہ اس کے مقابلے میں مشاہدات اور یقینیات کو بھی جھٹلانا اپنا مذہبی اور قومی فرض سمجھتے تھے۔ آج اقوام عالم کا یہ رنگ نہیں۔

ان کا تمدن اور طرز معاشرت آج سے کتنا ہی مختلف سہی مگر قرآنی تمدن و معاشرت سے وہ بھی اتنا ہی دور تھا جتنا آج کا تمدن اور رسمی معاشرت دور ہے بلکہ غور کیا جائے تو یہ بُعد وہاں کچھ زیادہ ہی تھا اس لحاظ سے ان کے مسائل بھی آج سے کچھ کم پیچیدہ نہ تھے۔ مگر قرآن کریم نے اپنی تعلیم کی روشنی میں ان سب کو حل کیا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ آج کے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے میں کامیاب نہ ہو۔

ہاں! آج یہ سوال ذہنوں میں اس لئے ابھرتا ہے کہ سوچنے کا رُخ یہ ہوتا ہے کہ جن اصولوں پر آج کی دنیا چل پڑی ہے وہ تو بحالہا قائم رکھے جاویں۔ انہی میں قرآنی تعلیمات کا پیوند لگا کر اس کے مسائل حل کئے جائیں یہ ظاہر ہے کہ اس طرح نہ مسائل حل ہوئے نہ آج ہو سکتے ہیں۔ اور صرف قرآن اور اسلام ہی نہیں دنیا کا کوئی نظریہ لے لیا جائے۔ جب اس کا مقابلہ کسی متضاد نظریہ سے ہوگا تو اس کوئی صورت نہیں بن سکتی کہ اصول تو ایک نظریے کے ہوں اور دوسرے نظریے کا جوڑ اس میں لگا کر نتائج دوسرے نظریے

کے پیدا کئے جائیں۔

اصلاحِ حال کی عملی صورت صرف وہی ہو سکتی ہے جو قرآن کریم کے پہلے دور میں ہوئی تھی جس کو امام مدینہ حضرت مالک بن انس ؓ نے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

لن یصلح آخر ہذہ الامۃ الا ما صلح بہ اولہا۔

ترجمہ:۔ "اس امت کے آخری کے دور کی اصلاح بھی اسی طریقے کے بغیر ناممکن ہے جس طریقے سے پہلے دور کی اصلاح ہوئی تھی۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ نزول قرآن کے دور میں۔ قرآنی تعلیمات نے کا یا پلٹ کس طریقے سے کی تھی۔

اور یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں۔ جس شخص نے قرآن اور اسلام کی تاریخ پر کچھ نظر کی ہے وہ جانتا ہے کہ قرآنِ حکیم جو دعوت اور پیغام لایا تھا اس کو صرف قوم تک پہنچا دینے سے یہ انقلاب نہیں آ گیا، بلکہ سب سے پہلے ایک چند افراد کی جماعت جو اس کی دعوت پر ایمان لائی، ان کی عملی تربیت قرآنی تعلیمات کے اصول پر اس طرح کی گئی کہ ان کی پوری زندگی قرآنی تعلیمات کے رنگ میں رنگین ہو گئی اور نزول قرآن کی وقت سے مکی زندگی کے تیرہ سال بھی مسلسل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل قرآنی ارشادات کے تحت یہی افراد سازی کا رہا۔

ان افراد کی زندگی کو توحید اور اتباع رسول ؐ اور فکر آخرت کے اصول پر ایسا ڈھالا گیا کہ ان کی زندگی قرآن کا آئینہ بن گئی۔

ہجرت سے پہلے مکی زندگی کے تیرہ سال میں ان تمام افراد کی اخلاقی تربیت اور ظاہری اور باطنی تزکیہ اس طرح کیا گیا کہ دشمنوں کی دشمنی اور مظالم کا جواب ہمیشہ عفو و کرم اور صبر سے دیا گیا۔

جب قرآن کے رنگ میں رنگے ہوئے افراد تیار ہو گئے اس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت کے احکام آئے اور ایک آزاد زمین میں اپنی طاقت جمع کرنے کا انتظام ہوا تو تعمیری پروگرام قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کا شروع ہوا مگر اس طرح نہیں کہ زمانۂ جاہلیت کے علمی، عملی، اخلاقی معاشرتی غلط اصول کو برقرار رکھتے ہوئے ان میں قرآنی تعلیمات کا پیوند لگایا جاتا، بلکہ اس طرح کہ خطبہ حجۃ الوداع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان کر دیا۔

رسوم الجاہلیۃ موضوعۃ تحت قدمی ھاتین

" زمانہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے پاؤں کے نیچے کچل دی گئیں"

باطل کی بنیادوں کو اکھاڑ کر ازلوحق کی بنیادیں قائم کی گئیں۔ اور شروع میں اس عمل صرف مدینہ منورہ کی چھوٹی سی بستی میں جاری ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے جزیرۂ عرب پر چھا گیا۔

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر ۲۵ سال گذرنے نہیں پائے تھے کہ دنیا کے مشرق و مغرب اور ہر گوشے گوشے میں اپنے امتیازات کے ساتھ پھیل گیا اس لئے یقین ہے کہ قرآنی تعلیمات آج بھی موجودہ دور کے سب پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے کافی ہی نہیں بلکہ غور کیا جائے تو ان مسائل کا حل صرف قرآنی تعلیم میں مضمر ہے۔

اگر دنیا اور بنی نوع انسان کی فلاح صرف اسی کا نام نہیں کہ اربوں انسانوں میں چند لاکھ انسان سارے معاشی وسائل کو اپنی آزاد خواہشات کے لیے صرف کرتے رہیں اور انسانیت پڑی سسکتی رہے اور اس نئی تہذیب و معاشرت و نئے نظریات

ے نتائج پوری انسانیت اور بنی نوع انسان کو سامنے
یکھے جائیں تو اس کا اقرار کئے بغیر چارہ نہیں رہے گا
دنیا نے جتنے نئے نئے نظریات بدلے اور سائنسی
رقیات اور حیرت انگیز ایجادات کو ان کے لیے استعمال
یا اتنا ہی بنی نوعِ انسان کے مصائب و آفات میں اضافہ
وتا چلا گیا اگر ہم اب بھی اس نتیجہ پر نہ پہنچیں کہ خوف
دا اور فکرِ آخرت کی قرآنی دعوت کو چھوڑ کر کوئی قانونی
در قانونی مشنیری دنیا کی اصلاح میں کامیاب نہیں ہو
سکتی تو اس کو ایک انتہائی بے حسی اور بدنصیبی کے سوا
ور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بہر حال یہ ایک امر یقینی ہے کہ قرآنی تعلیمات ہی میں دنیا
کی اصلاح و فلاح اور اس کے تمام پیچیدہ مسائل کا حل
ضمر ہے مگر ضرورت اس کی ہے کہ قرآنی تعلیمات کو عمل
یں لانے کے لیے قرنِ اول کی طرح کچھ افراد انسانی
یار ہو جائیں اور کسی چھوٹے سے خطہ ملک میں
رآنی نظام کو جاری کر کے اس کا تجربہ کریں دوسرے
ظاموں میں ان کا پیوند لگانے اور اسلامی برکات حاصل
ونے کی خود فریبی چھوڑیں جہاں سے یہ خیالات جنم لیتے
یں کہ قرآن کی دعوت آج کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت
نہیں رکھتی (معاذ اللہ)

اگر ہم سے یہ نہیں ہو سکتا تو یہ قصور ہمارا ہے قرآن کی
تعلیمات اس سے پاک و بالا تر ہیں آخر آج بھی کوئی
ظریہ حق ہو یا باطل وہ خودکار (آٹومیٹک) مشین تو نہیں
ری اس کو کچھ افراد انسانی ہی چلاتے اور بڑھاتے ہیں
رآنی نظام کو اس فطری اور بدیہی طریقے سے الگ کیوں سمجھا
ائے ہم تو شرابوں میں مست، ننگے ناچ دیکھنے اور گانے بجانے
ں معروف نہیں اور خدا کے فرشتے آکر قرآنی نظام دنیا میں قائم

بقیہ:- عید کا تیوہار

شکر کے ایک سجدے سے ہوتی ہے کہ مالک تو نے ہمیں انسان بنایا اور ہدایت دی۔ ہمیں قرآن دیا اور رمضان کے مہینے کے روزے رکھنے کی توفیق دی۔ پھر لوگ گلے ملتے ہیں۔ مل جل کر مٹھائی، سویاں اور کھانا کھاتے ہیں۔

یہی حال بقر عید کا ہے۔ اس دن بھی لوگ حضرت ابراہیمؑ کی مسنون تکبیر پڑھتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں انسانیت کے رہنما کا وارث بنایا۔ پھر اس کے عظیم ورثے میں شریک ہونے کیلئے قربانی کی رسم سکھائی۔ چنانچہ لوگ قربانی کر کے اظہار خوشی کرتے ہیں۔ مل جل کر کھانے کھاتے ہیں اور اللہ کی عظمت و رحمت کے ذکر سے زبان تر رکھتے ہیں یہ ان دونوں کے حقیقی خدوخال ہیں مگر جسطرح مسلمانوں کے عمل سے اسلام کی صحیح شکل چھپ کر رہ گئی اسی طرح مسلمانوں کی بے احتیاطی سے ان تیوہاروں میں بھی غیر اسلام گھس آیا ان تیوہاروں کی وہ سادگی اور معصومیت برقرار نہ رہی جو ان کا امتیازی پہلو تھا بلکہ ان میں بہت سی ادھر ادھر کی باتیں شامل ہو گئیں

ضرورت ہے کہ اسلام کے حقیقی روپ کو غیر اسلام کے داغ دھبوں سے پاک کر دیا جائے۔ تاکہ دنیا اس کا اصلی حسن دیکھے اور اسے پسند کرے۔ اور ان تیوہاروں کی نسبت سے بھی اسلام سے قریب ہو۔

سلمیٰ مستعین

ہر قوم میں کچھ تیوہار منائے جاتے ہیں۔ ہمارے خاص تیوہار دو ہیں ایک عید الفطر جسے میٹھی عید کہتے ہیں اور دوسرا عید الضحیٰ جسے بقر عید کہتے ہیں۔ یہ دونوں دن شکر اور خوشی کے دن ہیں ان دونوں تیوہاروں سے اسلامی تہذیب کی روح کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ تیوہار ہماری تہذیب اور ثقافت کی نمائندگی کرتے ہیں

اسلامی تہذیب کے خدوخال سمجھنے کے لئے چند باتوں پر نظر رکھنی چاہیئے۔

اسلام نے تیوہار کے سلسلے میں موسم کو کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ چاند کی جنتری اختیار کرکے تیوہاروں کو موسموں کے پس منظر سے علیحدہ کر دیا اسلامی تیوہاروں میں ایک عالم گیریت ہے چنانچہ کبھی عیدیں گرمی میں آتی ہیں کبھی برسات میں کبھی جاڑے میں آتی ہیں کبھی بہار میں

اسلام نے اپنے تیوہاروں کو شخصیتوں سے بھی نہیں جوڑا بعض مذاہب میں کچھ شخصیتوں کے جنم دن یا وفات کے دن تیوہار کے طور پر منائے جاتے ہیں، اسلام خدا پرستی سکھاتا ہے اور شخصیت پرستی کی جڑیں اکھاڑتا ہے،

اس لئے اسلامی تیوہار یعنی عیدیں شخصیتوں سے جڑی ہوئی نہیں ہیں۔ بلکہ ان دنوں کو تاریخ انسانی کے دو اہم دنوں سے جوڑ دیا ہے۔ عید الفطر رمضان کے بعد آتی ہے۔ رمضان میں قرآن شریف نازل ہوا تھا اس لئے اس عید کے موقع پر قرآن شریف کے نازل ہونے کا شکر اور رمضان شریف کے روزے پورے کر لینے کی خوشی کا اظہار ہوتا ہے۔ بقر عید وہ دن ہوتا ہے جس دن حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب کی مرضی پوری کرنے کے لئے اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اللہ کو ان کی یہ ادا پسند آئی اور اس نے ان طریقے کو رہتی دنیا تک کے لئے ایک مثال بنا دیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قبیلے، اور قوم یا نسل کی روایات پر تیوہار نہیں بناتا بلکہ اسلام ایک نظام حیات برپا کرنا چاہتا ہے جس کی بنیاد توحید اور خدا پرستی پر ہے۔ اس نظام حیات کے ہر شعبے سے توحید اور خدا پرستی کی خوشبو آئے گی اس کے ہر تیوہار میں اللہ کی بندگی کا رنگ جھلکے گا اس کی تہذیب انسانیت کی تہذیب ہوگی اس کا تمدن عالمگیر تمدن ہوگا۔

چنانچہ جب حضورؐ ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے تو آپؐ نے

دیکھا کہ مدینے والے سال میں دو دن تیوہار مناتے ہیں ان دو دنوں میں کھیل کود اور تفریح کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ حضورؐ نے پوچھا " ان دو دنوں کی کیا حقیقت ہے ؟ لوگوں نے جواب دیا کہ حضورؐ ہم لوگ ہمیشہ سے ان دو دنوں میں میلے مناتے آ رہے ہیں ان میں جشن ہوتا ہے، خوشی ہوتی ہے، ناچ گانے ہوتے ہیں اور کھیل کود ہوتا ہے" اس پر آپؐ نے فرمایا:-

" اللہ تعالیٰ نے ان دو دنوں کو دو زیادہ اچھے دنوں سے بدل دیا ہے ۔ ایک عیدالفطر کا دن اور دوسرا عیدالضحیٰ کا دن "

اس وقت ان دو تیوہاروں کو اسلام کے سرکاری تیوہاروں کی حیثیت مل گئی اور اسی دن سے یہ دونوں تیوہار منائے جانے لگے ۔ یہ تیوہار اپنی علیحدہ اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ خوشی کے دن تو ہیں مگر یہ بے قید خوشی نہیں ہے کہ آدمی جو اودھم چاہے کاٹے۔ اخلاق جا پہنے رہے یا اتار دے ۔ اپنے ہوش میں رہے یا بے ہوشی میں ڈوب جائے ۔ یہ خوشی اللہ کے بندوں کی خوشی ہے ۔ جو مالک کے حضور میں اظہار خوشی کرتے ہیں۔ اللہ کی رضا ڈھونڈنے والے بندوں کے لیئے اس دن سے زیادہ پیارا دن کون سا ہوگا۔ جس دن زمین آسمان اور کائنات کے مالک نے انسانوں کی ہدایت کے لیئے قرآن اتارا اور اس کے ذریعہ اس کی رہنمائی فرمائی جو اسے اس دنیا اور اس دنیا دونوں میں سرخرو کر دے ۔

چنانچہ قرآن نازل ہونے والے مہینے کو اللہ نے بڑی فضیلت دی ۔ اس مہینے میں لوگ اللہ کے حکم سے روزے رکھتے ہیں اور قرآن پڑھتے پڑھاتے اور سنتے سناتے ہیں۔ اللہ کا خوب ذکر کرتے ہیں اور جب اپنے مالک کا حکم بجا لاتے ہیں تو خود اس کے حضور سجدہ کر کے خوش ہوتے ہیں۔ کہ مالک نے توفیق دی کہ اس کی بندگی کریں اور اس کی خوشی پوری کرنے کیلئے زندگی کے نجی اور سماجی ہر شعبے میں اپنی سے نہیں اس کی مرضی سے کام کریں۔

بندگی کی رسم پوری کرنیکی یہ خوشی عیدالفطر ہے عیدالضحیٰ وہ دن ہے جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بندگی کو ہر طرح اللہ کے لیئے خالص کر کے دکھا دیا۔ دنیا اور اولاد کی محبت کو مالک کی رضا پر قربان کرنے کے لیئے تیار ہو گئے۔ جوان بیٹے کو پچھاڑ دیا کہ اللہ کے نام پر اسے ذبح کریں گے ۔ تو اللہ نے ان کے جذبے کی قدر فرمائی اور ان کے اس عمل کو آنے والی انسانی قوم کے لیئے ایک روشنی کا مینار بنادیا

ان باتوں پر غور کرو تو محسوس ہوگا کہ عیدیں ہمارے تیوہار تو ہیں مگر اخلاقی قیدوں سے آزاد نہیں ۔ یہ رنگ رلیاں منانے کا دن نہیں، شرابیں اڑانے اور ناچ گانا سننے کا دن نہیں ۔ یہ خوشی کے دن ہیں ۔ جو ایک فرض پہنچانے والی قوم مناتی ہے یہ اس موقع کا تیوہار ہے جو خوشی میں اپنے مالک کو نہیں بھولتی ۔ خوشی اور مسرت مناتی ہے مگر سنجیدگی سے ۔ سیر و تفریح کرتی ہے، مگر حیثیت کے مطابق، کھانا کھلانا کرتی ہے مگر شاہی سادگی سے نئے کپڑے پہنتی ہے مگر وقار سے، خوشبو لگاتی ہے مگر سلیقے سے، میل ملاپ کرتی ہے مگر خلوص سے، نہ اسمیں کھلاوا ہے نہ بناوٹ، ہر چیز فطرت کے مطابق ہے ہر چیز معقولیت کی حدوں میں ہے ۔ اس عید کی ابتدا

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

مُبلّغِ اسلام کے لئے چند ضروری اوصاف

جناب محمد خلیل صاحب شیروانی گیٹ مالیرکوٹلہ

اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اندر اسلام کو پھیلانے اور اس کی اشاعت خواہش ضرور ہے لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہی ہیں کہ کوئی کام صرف خواہش رکھنے سے ہی انجام نہیں پاسکتا۔ جنگل کا ایک کانٹا اور راستے کا ایک روڑا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا جب تک کہ آپ ہاتھ پاؤں نہ ہلائیں پھر اسلام کا کام جو ہر چیز کی قربانی مانگتا ہے۔ کیسے زبان کے پھاگ اڑلنے سے ہو جائے گا۔

تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی اسی اسلام کی خاطر قربان کردی۔ اگر یہ کام چند دن یا چند مہینے کی جدوجہد کا ہوتا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ اتنی بڑی اخلاقی شخصیت کے مالک تھے۔ جن کے اوپر دشمن بھی انگلی اٹھانیکی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ ان کو اتنی مشقت اُٹھانے اور پتھر کھانے کی کیا ضرورت تھی۔

اگرچہ اسلام کا کام اللہ تعالیٰ کا اپنا کام ہے اور اس کی مدد ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کیلئے اٹھتے ہیں اور بے شک فرشتے بھی اُن کی مدد کیلئے بھیجے جاتے ہیں لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ادھر کسی نے اسلام کے لیے جدوجہد شروع کی اُدھر فرشتے دھڑا دھڑ اترنے شروع ہوگئے بلکہ انسان جب اپنی پوری زندگی کو اس داؤ پر لگا دیتا ہے اور دن رات کی کاوشوں سے گھبرا کر اللہ کی مدد طلب کرتا ہے اور کامیابی و ناکامی کا خیال کئے بغیر اپنی منزل کی طرف گامزن رہتا ہے تب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دل برداشتہ نہیں ہونے دیتا اور اس کی مدد فرماتا ہے اس کے علاوہ چند صفات اور بھی ہیں جو ایک مبلغ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں یعنی تبلیغ اسلام کیلئے فرداً فرداً ہر اس شخص میں پائی جانی چاہئیں جو اس کام کو کرنے کیلئے اپنے اندر عزم رکھتا ہو۔

۱۔ اسلام کا فہم انسان دوسروں کے سامنے جو چیز پیش کرنا چاہتا ہو۔ اسے وہ خود بھی اچھی طرح سے سمجھتا ہو اسے اس کے اصل روح سے بے بہرہ نہیں ہونا چاہیئے۔ جس چیز کو وہ بطور مذہب (زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ) پیش کرتا ہو خود بھی اسے خوب اچھی طرح سمجھے کہ وہ زندگی کے کس پہلو میں کیا رہنمائی کرتا ہے زندگی کا کوئی ایسا گوشہ تو نہیں جو اس کے خیال میں اسلام کی رہنمائی سے تشنہ ہو دوسرے مذاہب کی طرح وہ اسے کسی چار دیواری کے اندر محدود نہ کرے کہ جب اس چار دیواری کے اندر انسان جائے تو اسلام کا پابند اور جب اس سے باہر قدم رکھے تو بے نکیل کے اونٹ کی مانند کہ جس کھیت میں چاہے منہ مارے اور جہاں چاہے چھوڑ دے اس لیے

سب سے پہلے تبلیغِ اسلام کرنے والوں کے لیے اسلام کا صحیح فہم ہونا ضروری ہے۔

۲۔ دوسری صفت جو تبلیغ دین کرنے والوں میں ہونی چاہیئے یہ ہے کہ جس دین کا علم اسے حاصل ہو گیا کہ یہ مذہب صحیح ہے۔ اور یہی پوری انسانیت کی رہنمائی کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے صحیح اور برحق ہونے کا اسے اتنا ہی کامل یقین ہو جتنا اُسے اپنی شخصیت کے بارے میں یقین ہو کہ وہ زندہ ہے۔ یعنی پختہ ایمان ہونا ضروری ہے۔ یہی ایمان کی پختگی اسے دنیا کی رنگینیوں سے آزاد رکھ سکتی ہے دنیا اور دنیا والے اُسے کتنے ہی سبز باغ دکھائیں یا خوف زدہ کریں۔ لیکن وہ اپنے موقف سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہ ہو۔ صحابۂ کرام کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں کہ انھیں زندگی کی آسائش کا لالچ اور موت کا خوف بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا سکا وہ مسلمانوں کے گھر ہماری طرح پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ اسلام کو سمجھ کر ایمان لائے تھے یہی ایمان کی پختگی نے انھیں پوری دنیا سے ٹکرا دیا مٹھی بھر ہونے کے باوجود وہ لاکھوں پر غالب رہے۔

ڈانواڈول دل اور منتشر خیالات لے کر کوئی شخص اگر اسلام کی تبلیغ کرنا چاہے۔ تو دوسروں کو کھینچنے کے بجائے ہو سکتا ہے کہ وہ خود ہی دوسری تحریکوں کی طرف کھنچ جائے اور اپنی تحریک کو بھول جائے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص مولوی بھی ہے اور کمیونسٹ بھی یعنی خدا کا فرماں بردار ہونے کا دعویٰ بھی اور خدا سے انکار بھی یہ ایمان کی عدم پختگی کا نتیجہ ہے نہیں تو اور کیا ہے اس لیے تبلیغ اسلام کے لیے اس پر پختہ ایمان کا ہونا ضروری ہے۔

۳۔ تیسری صفت جو اسلام کی تبلیغ کرنے والوں میں ہونی چاہیئے یہ ہے کہ جس چیز کو (یعنی اسلام کو) وہ دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہو اس کا کردار اور اس کی سیرت اس کے عین مطابق ہو، قول و عمل میں تضاد نہ ہو پھر قول و عمل کی مطابقت کسی خارجی طاقت کے دباؤ کے بغیر خود مبلغ کی اپنی اندرونی ایمانی طاقت کے بل بوتے پر ہو وہ ایمان کے تقاضے پورے کرتے وقت نہ تو ریاکاری سے کام لے اور نہ معاشرے کی لعن طعن پیش نظر ہو بلکہ خدا کا خوف اور اپنا فرض سمجھتے ہوئے اپنی پوری زندگی اسلامی سانچے میں ڈھالے۔ آج اسلام اگر مسلمانوں کے سیرت و کردار کا دین بن جائے تو لوگ خود بخود اس کی طرف کھنچنے لگیں۔

۴۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کو اپنا مقصد بنالے وہ اس کے لیے کسی قربانی سے ذرہ برابر دریغ نہ کرے ہم سمجھتے ہیں کہ آج مسلمانوں نے اس کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنایا بلکہ اس کو ایک ثانوی درجہ دے رکھا ہے کہ خوب دنیا کماؤ اگر کچھ وقت بچ جائے تو اللہ کا نام لے لو ورنہ بعض حالتوں میں اس کو بھی ضروری نہیں سمجھا جاتا وہ دنیا کے دوسرے کام تو خوب ہماہمی سے کرتے ہیں مگر اسلام کی خاطر وقت نکالنا پہاڑ کھودنے کے مترادف ہے جبکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ وہ دنیا کے دوسرے کام تو محض جینے کی خاطر کرتے اور ان کا جینا صرف اس ایک مقصد کیلئے ہوتا جسکو وہ اپنا دین سمجھتے ہیں اور اسے دنیا کے سامنے پیش کرنا ان کا مقصد حیات ہوتا اسی لیے آج دنیا میں اتنی بڑی تعداد کے باوجود ذلیل و خوار ہو رہے ہیں جبتک ہمارا مقصد اسلام اور اسکی تبلیغ و اشاعت رہا دنیا ہمارے قدم چومتی تھی اور جب سے دنیا کمانا ہمارا مقصد ہو گیا یہ خصوصیت حسینہ کی طرح معزز رہنے کے ساتھ ساتھ ہمیں ذلیل و خوار کرتی چلی گئی۔

جناب فتح محمد صاحب کاغذی احمد آباد

حدیث۔ خالد بن ولیدؓ روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن نجات نہیں پائے گا عذاب سے یہاں تک کے چار چیزیں نہ چھوڑے (۱) کبر (۲) غیبت (۳) حسند (۴) بد گمانی ؛

● حدیث میں کبر کے بعد دوسری چیز غیبت ہے جو دل کے اعمال میں سے ہے اور زبان کے اعمال میں سے بھی ہے اور کسی کو اس سے رہائی نہ ہوگی مگر اللہ جس کو بچائے ،، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے کے برابر فرمایا ہے ؛ رسول اللہ صلعم نے فرمایا بچاؤ تم اپنے آپ کو غیبت سے کیوں کہ غیبت زنا سے بدتر ہے ، معراج میں نبیؐ نے جبرئیلؑ سے ایک جماعت کے برتاؤ کو دیکھ کر جو اپنے ناخنوں سے اپنے چہروں کو نوچتے تھے ، پوچھا کس گناہ کی سزا ہیں یہ لوگ یہ عمل کرتے ہیں تو معلوم ہوا یہ لوگ غیبت کرتے تھے ،

نبیؐ نے فرمایا جابرؓ سے کبھی کسی نیک کام کو حقیر نہ جانو اور مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملا کر اور جب وہ تیرے پاس سے جائے تو غیبت نہ کر ،،

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا عورتوں نے گھروں میں بیٹھ کر سنا جس کا مفہوم یہ تھا اے جماعت مسلمانوں کی جو زبان سے ایمان لائے اور دل سے ایمان لائے نہ غیبت کرو مسلمانوں کی ، نہ پردہ ظاہر کرو ان کا ، کیوں کہ جو اپنے بھائی کا پردہ ظاہر کرتا ہے اللہ اس کا پردہ ظاہر کرتا ہے اور اللہ اس کے گھر میں رسوائی کرتا ہے اور فرمایا

نبیؐ نے قبر کے عذاب کے تین حصے ہیں ایک حصہ چغلی سے ہے اور ایک حصہ غیبت سے اور ایک حصہ پیشاب کی بد احتیاطی سے ۔

رسول اللہ کا گذر دو قبروں پر ہوا تو فرمایا ان دونوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے ایک کو غیبت کے سبب دوسرے کو پیشاب سے کپڑے کو نہ بچانے کے سبب ۔ ابو قلابہ رحہ نے فرمایا غیبت دل کی خرابی ہے اور ایک بزرگ نے فرمایا جو آدمی لوگوں کی غیبت کرتا ہے اور ان کی غیبت ڈھونڈنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ظاہر کرتا ہے اور دنیا و آخرت میں اسے ذلیل و خوار کرتا ہے ،، اے مومن ! جان کہ غیبت جیسے زبان سے ہوتی ہے ایسی آنکھ سے اور ہاتھ کے اشارے سے بھی ہوتی ہے ،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص غیبت کرنے والے کو منع نہ کرے اور دل میں اس کو برا نہ جانے وہ منافق ہے ،، اے مومن ! ہاتھ اٹھا ان گناہوں سے اٹھالے کیونکہ بدگمانی قیامت کی پشیمانی ہے اور غیبت نیک کاموں کو خراب کرنے والی ہے ،

اخلاقیات میں اسلام کے پیش نظر آخرت کی کامیابی ہے

عدنان سے محمدؐ تک

جناب عبدالوحید صاحب (بی اے)
سابق مدرس مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

عدنان حضرت عیسیٰؑ کے زمانے میں تھا ایک روایت ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں تھا حافظ ابن حجر اسی روایت کو ترجیح دیتے ہیں

معد:۔ یہ عدنان کے بیٹے ہیں، معد کو معد اس لئے کہا گیا کہ اس نے بنی اسرائیل کے خلاف جنگ و جدال کیا اور جب بھی کسی سے جنگ کی تو کامیاب و کامراں ہو کر لوٹا، بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ کوئی عربی شخص نسب میں عدنان اور قحطان سے علیحدہ نہیں ہے، کہا جاتا ہے کہ عدنان کی اولاد کو قیس کہا جاتا ہے اور قحطان کی اولاد کو یمن کہا جاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے عرب پر شاہ بخت نصر کو مسلط کیا تو اللہ نے حضرت ارمیاؑ کو حکم دیا کہ وہ معد بن عدنان کو اپنے براق پر بٹھا کر وہاں سے لے جائیں تاکہ وہ اس مصیبت سے محفوظ رہے اور حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اس کی پیٹھ سے ایک نبی کریم پیدا کروں گا جس پر رسالت ختم کر دوں گا،

معد کے بیٹے نزار تھے اور نزار کے بیٹے مضر ہیں ان کی آنکھوں کے درمیان نور نبیؐ نظر آتا تھا یہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے صحیح انداز میں عربی تحریر لکھی، امام ابن حنبل رح ان پر آ کر رسول اللہؐ کے نسب میں شریک ہوتے ہیں،

مضر کے بیٹے الیاس ہیں کہا جاتا ہے کہ یہ قریش کے مورث اعلیٰ تھے اور اسی لئے ان سے پہلوں کی اولاد میں کسی کو قریشی نہیں کہا گیا،

الیاس کے بیٹے ہیں مدرکہ۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا نام الیاس اس لئے ہوا کہ ان کے باپ مضر کی بہت عمر آ گئی تھی مگر اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی (الیاس کے معنی مایوسی کے ہیں) پھر اس عمر میں ان کے نور چشم پیدا ہوا جس کا نام الیاس رکھا گیا، عرب کے لوگ ان کو کبیر قوم اور سردار خاندان کہا کرتے تھے۔ یہ پہلا آدمی ہے جس نے قربانی کا جانور بیت اللہ میں بھیجا اور یہی وہ پہلا آدمی ہے جس نے مقام ابراہیم دریافت کیا تھا جو طوفان نوحؑ کے وقت بیت اللہ میں غرق ہو گیا تھا"

مدرکہ کا نام عمرو ہے اس کو مدرکہ اس لئے کہا گیا کہ وہ عزت و عظمت جو اس کے آباؤ اجداد میں تھی اس نے حاصل کر لی تھی، مدرکہ میں حضورؐ کا نور جھلکتا تھا، مدرکہ کا بیٹا خزیمہ ہے اور خزیمہ کا بیٹا ہے کنانہ۔ اس کو کنانہ اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ ہمیشہ اپنی قوم کے لئے ایک پردہ بنا رہا۔ ابن دحیہ کہتے ہیں کہ کنانہ تنہا کھانا کھانے کو ناپسند کرتا تھا۔

کنانہ کا بیٹا نضر تھا اس کا لقب نضر اس کے حسن و جمال اور خوبصورتی کی وجہ سے پڑا اس کا نام قیس تھا فقہا کے نزدیک وہ قریش کا مورث اعلیٰ ہے۔

نضر کا بیٹا ہے مالک اس کو مالک اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ عرب کا مالک ہو گیا تھا، مالک کا بیٹا فہر ہے، فہر نام اس کے باپ نے رکھا تھا، ایک روایت ہے کہ فہر اس کا لقب ہے اور

اس کا نام قریش ہے۔
فہر کا بیٹا غالب ہے۔ غالب کا بیٹا لوی ہے، لوی کا بیٹا
کعب ہے کعب کو اس کے بلند مرتبے اور شان کی وجہ سے کعب
کہا جاتا تھا، اس لئے کہ وہ ہر چیز جو اونچی اور بلند ہو کعب کہلاتی
ہے، اسی لیے کعبے کو کعبہ کہا جاتا ہے، یہ حضرت عمرؓ کا ساتویں
پشت میں دادا ہے، کعب اپنی قوم کو یوم عروبہ میں جمع کیا کرتا
تھا یعنی یوم رحمت جس کو یوم جمعہ کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ کعب پہلا
آدمی ہے جس نے اس دن کا نام یوم جمعہ رکھا کیونکہ اس
دن قریش کے لوگ اس کے پاس جمع ہوا کرتے تھے، لیکن
حدیث میں ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب کے لوگ یوم جمعہ
کو یوم عروبہ کہا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اس دن کا
نام یوم جمعہ ہے۔ ابن وحیہؒ کہتے ہیں کہ یوم عروبہ کا نام یوم
جمعہ اسلام کے آنے سے پہلے تک نہیں رکھا گیا تھا۔

کعب کا بیٹا مرّہ ہے یہ حضرت ابوبکرؓ کا چھٹی پشت میں
دادا ہے اور امام مالکؒ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب مرّہ پر
جا کر ان سے مل جاتا ہے،

مرّہ کا بیٹا کلاب ہے، کلاب کا نام حکیم تھا ایک روایت
ہے کہ اس کا نام عروہ تھا اس کا لقب کلاب (کتے) اس لئے
پڑا کہ یہ شکار کا بہت شوقین تھا اور اس کا اکثر شکار کتوں کے
ذریعہ ہوا کرتا تھا، یہ آنحضرتؐ کی والدہ حضرت آمنہ کا تیسری
پشت کا دادا ہے، اس طرح کلاب پر پہنچکر آں حضرتؐ کے والد
اور والدہ کا نسب ایک ہو جاتا ہے،

کلاب کا بیٹا قصی ہے اس کا نام زید رکھا گیا تھا، امام
شافعیؒ سے روایت ہے کہ اس کا نام یزید تھا اس کو مجمع بھی
کہا جاتا ہے اس کو قصی اس لئے کہا جاتا تھا کہ اپنے خاندان
سے علیحدگی اختیار کر کے اپنی ننہال یعنی بنی کلب کے مجمع میں
رہنے لگا تھا، (قصی کے معنی علیحدگی اختیار کرنے کے ہیں)

ایک روایت یہ ہے کہ وہ اپنے خاندان سے علیحدہ ہو کر
اپنی ماں کے ساتھ بنی قضاعہ میں رہنے لگا اس لئے کہ اس
کی ماں (اسی) خاندان یا قبیلہ سے تھی،

قصی کے بیٹے عبد مناف ہیں، عبد مناف کا اصل
نام مغیرہ تھا۔ ان کو حسن وجمال کی وجہ سے قمر البطحا بھی
کہا جاتا تھا، یہ حضرتؐ کے تیسرے دادا ہیں اور حضرت
عثمان ابن عفانؓ کے چوتھے دادا ہیں اور حضرت امام شافعیؒ
کے نویں دادا ہیں۔ لفظ "مناف" اصل میں "منات" ہے،
جو ایک بت کا نام تھا اور یہ قریش کے زبردست بتوں میں
سے ایک تھا۔ عبد مناف کی ماں نے ان کی اس بت کی غلامی
میں دیدیا تھا، یہ قصیؒ کے سب سے پہلے بیٹے تھے،

عبد مناف کے بیٹے ہیں ہاشم، ہاشم، عمرو ان العلا
بھی کہتے ہیں کیونکہ ان کا مرتبہ بلند تھا، یہ عبد شمس کے
بھائی تھے اور دونوں جڑواں بھائی تھے۔ پیدائش کے
وقت ہاشم کا پیر یعنی پیر کی انگلیاں عبد شمس کی پیشانی
سے چپکی ہوئی تھیں"

ہاشم کے بیٹے ہیں عبد المطلب، عبد المطلب کو
شیبۃ الحمد بھی کہا جاتا ہے، عبد المطلب کے بیٹے ہیں عبد اللہ
عبد اللہ کے معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ذلیل ہونے اور
جھکنے والا۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین نام وہ
ہے جس سے عبدیت کا اظہار ہو، قرآن شریف میں حضرت
محمدؐ کو عبد اللہ فرمایا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ کے بیٹے ہیں سرکار مدینہ سرور دو
جہاں باعث فخر بنی آخر الزماں رحمۃ للعالمین حضرت
محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، محمد کے معنی ہیں "
جس کی بہت تعریف کی گئی ہو آپ کا دوسرا نام احمد بھی تھا
آپؐ کی ولادت باسعادت مکہ معظمہ میں زمانہ جاہلیت میں ہوئی،

باقی صفحہ ۳۰ پر —

احکام و مسائل

رمضان المبارک

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

رمضان کی فضیلت قرآن مجید کی سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا جو انسانوں کیلئے سراسر ہدایت ہے ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی ہیں۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینے کو پائے اس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینے کے روزے رکھے — گویا رمضان کی فضیلت اور بزرگی کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی شکل میں ایک عظیم انسان نعمت عطا فرمائی اور اس مہینے کے روزے اس نعمت کی شکرگذاری کا اعتراف ہیں، ایک دانشمند انسان کے لئے کسی نعمت کی شکرگذاری اور کسی کے احسان کے اعتراف کی بہترین صورت یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس مقصد کی تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ تیار کرے جس کے لئے عطا کرنے والے نے وہ نعمت عطا کی ہو قرآن مجید ہم کو اس لئے عطا فرمایا گیا ہے کہ ہم اللہ کی رضا کا راستہ جان کر خود اس پر چلیں اور دنیا کو اس پر چلائیں اس مقصد کے لئے ہم کو تیار کرنے کا بہترین ذریعہ روزہ ہے۔

روزہ دل کے ارادے اور نیت کے ساتھ صبح صادق سے لے کر سورج چھپنے تک کھانے پینے اور جنسی تقاضے کی تکمیل سے رُکے رہنے کا نام روزہ ہے شریعت کے حکم پر جب یہ جائز خواہشات بھی چھوڑ دی گئیں تو ناجائز اور برے کام جو عام حالات میں بھی گناہ ہیں، ان سے بچنے کی صلاحیت بھی یقیناً پیدا ہو جائے گی اور تقویٰ کی یہ کیفیت ہی روزہ کا اصل مقصد ہے ورنہ اللہ کو فاقے کرانے کی ضرورت نہیں ہے

ان باتوں سے روزہ نہیں جاتا (۱) بھول کر کھانا پینا (۲) بلا اختیار حلق میں گرد و غبار یا مکھی کا چلا جانا (۳) آٹا پیسنے والے اور دوا کوٹنے والے کے حلق میں جو آٹا دوا وغیرہ اڑ کر چلا جاتا ہے (۴) کان میں پانی چلا جائے (۵) خود بخود قے آجائے (۶) قے اگر لوٹ جائے (۷) جان کر قے کی مگر منہ بھر سے کم (۸) خواب میں غسل کی حاجت ہو جائے (۹) خواب میں یا صحبت کرنے سے رات کو غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق سے پہلے غسل نہیں کیا تو روزے میں خلل نہیں آیا (۱۰) آنکھ میں دوا ڈالنا (۱۱) خوشبو لگانا (۱۲) بلغم نگل جانا (۱۳) مسواک کرنے سے خون نکلا مگر حلق میں نہیں گیا (۱۴) انجکشن ٹیکہ لگوانے سے روزہ نہیں جاتا بشرطیکہ دماغ یا معدے میں براہ راست دوا نہ پہنچائی جائے۔

جن باتوں سے قضا واجب ہوتی ہے

قضا کا یہ مطلب ہے کہ ایک دن کے روزے کے بدلہ میں ایک ہی روزہ رکھنا ہوگا، قضا ان باتوں سے واجب ہوتی ہے، کان یا ناک میں دوا ڈالنا، قصداً منہ بھر کے قے کرنا، منہ بھر کے قے آئی اس کو نگل گیا یا کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا، کنکر لوہے یا تانبے کا ٹکڑا نگل جانا، رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی، غلطی سے سورج چھپنے سے پہلے افطار کر لیا۔

ان باتوں سے کفارہ لازم ہوتا ہے

کفارہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو روزہ گیا اس کے رکھنے کے علاوہ یہ مزید سزا ہے کہ یا تو ایک غلام آزاد کرے یہ نہ ہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھے اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلائے۔ روزہ رکھ کر جان بوجھ کر کھانے پینے یا صحبت کرنے سے قضا اور کفارہ دونوں لازم ہوتے ہیں

ان باتوں سے روزہ مکروہ ہوجاتا ہے

مکروہ کا مطلب یہ ہے کہ روزہ تو ہوجاتا ہے مگر اس روزے کا ثواب کم رہ جاتا ہے، بلا ضرورت کسی چیز کو چبانا، نمک کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا، قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل جانا، تمام دن ناپاک رہنا روزہ کی حالت میں تمام دن ناپاک رہنے سے تو روزہ مکروہ ہو ہی جاتا ہے اور خود یہ فعل سخت گناہ اور حرام بھی، بدگوئی، لڑائی جھگڑا، غیبت کرنا روزے کو مکروہ کر دیتا ہے۔

یہ باتیں مکروہ نہیں ہیں اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت

آنکھ میں دوا ڈالنا، سرمہ لگانا، سر یا مونچھوں پر تیل لگانا ہونٹ کو عضا دند کے غصہ کا ڈر ہو تو اس کے لئے نمک چکھ کر تھوک دینا، مرض کی وجہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہونا، مرض میں زیادتی کا ڈر، حاملہ عورت کو اپنے یا بچے کے نقصان کا خوف ہو، اپنے یا دوسرے کے بچے کو دودھ پلانے والی عورت کو ضرر کا اندیشہ ہو سفر کی صورت میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے، چھوٹے ہوئے روزے بعد میں رکھنے ہوں گے، تقریباً اڑتالیس میل کا سفر شرعی سفر کہلاتا ہے، بہت بوڑھا ضعیف (شیخ فانی) روزہ نہ رکھ سکے تو ہر روزے کے بدلے میں تقریباً دو کلو گندم مسکین کو دے، لیکن اگر طاقت آجائے تو پھر روزے رکھنے ہوں گے، حیض و نفاس کی حالت میں عورت روزہ نہ رکھے بعد میں قضا کرے، جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ان پر بھی رمضان کی تعظیم لازم ہے، کھلم کھلا کھانا پینا جائز نہیں۔

اس حالت میں روزہ رکھکر توڑ سکتے ہیں

ایسا سخت بیمار ہوگیا کہ مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو ایسی شدید پیاس کہ مرنے کا ڈر ہے، ایسی صورت میں روزہ توڑنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ جان بچانے کے لئے واجب ہے،

سحر و افطار

سحری کھانا مسنون ہے بھوک نہ ہو تو بھی سنت کی وجہ سے کچھ نہ کچھ کھالے سحری میں دیر اور افطار میں جلدی

کرنی چاہیئے کہ اس سے بندے کی عاجزی ظاہر ہوتی ہے جو اللہ کو پسند ہے، افطار سے پہلے یہ دعا پڑھو۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَبِکَ اٰمَنْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھی جائے۔ ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ ۔

تراویح اور اعتکاف

عشاء کے فرض اور سنتوں کے بعد رمضان میں ۲۰ رکعت تراویح باجماعت سنت مؤکدہ ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَۃً سِوَی الْوِتْرِ (فتاوی دارالعلوم دیوبند جلد چہارم صفحہ ۲۴۱، فتاوی عبدالحی باب التراویح صفحہ ۲۲ بحوالہ مصنف ابن شیبہ طبرانی بیہقی) اور تمام صحابہ کرام اس پر متفق ہیں اگر حافظ بلا معاوضہ مل جائے تو تمام رمضان میں ایک قرآن شریف ختم کر دینا چاہیئے، رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف سنت ہے، اگر پوری بستی میں کوئی شخص بھی نہ کرے تو ساری بستی کے ذمہ سنت چھوڑنے کا وبال ہوتا ہے، عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں شب قدر کو تلاش کرنا چاہیئے۔

صدقہ فطر

جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو یا اس پر زکوٰۃ تو واجب نہیں لیکن ضروری اسباب کے علاوہ اتنی قیمت کا مال و اسباب ہو جتنی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے اس پر صدقہ فطر واجب ہے اپنی طرف سے بھی اور نابالغ اولاد کی طرف سے بھی ایک آدمی کا صدقہ فطر پونے دو سیر یعنی ایک کلو ۶۳۳ گرام یا اس کی قیمت ہے جو اس سے دو گنے جن کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں اس کو صدقہ فطر بھی دے سکتے ہیں، اپنے غریب اور محتاج رشتہ سب سے زیادہ مستحق ہیں، دینی مدرسوں میں دینے سے اشاعت دین کا ثواب بھی ملتا ہے، مالیرکوٹلہ میں دینی تعلیم کے لئے مدرسہ تعمیر سیرت قائم ہے ہو سکے تو اس کے طلبہ کے لئے دیدیں، زکوٰۃ فطرے اور قربانی کی کھال کی رقمیں مدرسہ کے غریب طلباء پر خرچ کر دی جاتی ہیں،

نمازِ عید

عید کی نماز میں چھ تکبیریں زائد ہوتی ہیں پہلی رکعت میں تین تکبیریں ثناء کے بعد اور دوسری رکعت میں تین تکبیریں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے، عید کی نماز عیدگاہ میں افضل ہے شہر میں الگ الگ مسجدوں میں نہ پڑھیں،

بقیہ: عدنان سے محمد تک

آپ پر دین اسلام مکمل کر دیا گیا، آپ کے بعد کوئی بھی دوسرا نبی نہیں آئے گا، آپ پر چالیس سال ایک دن کی عمر میں قرآن شریف نازل ہونا شروع ہوا جو کہ حکمت اللہ کے مطابق آہستہ آہستہ نازل ہو کر پورے ۲۳ سال میں مکمل ہوا، آپ نے ترسیٹھ ۶۳ سال کی عمر میں اس دنیاء فانی سے کوچ کیا اور معبود حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

جب احمد مرسل نہ رہے تو اور کون رہیگا

مدرسہ تعمیر سیرت کے متعلق
مبلغ دارالعلوم دیوبند مولانا ارشاد احمد صاحب کا ارشاد

دین کی اشاعت و تبلیغ کا یہ کام بنیادی اہمیت رکھتا ہے مجھے امید ہے کہ اس چشمۂ فیض کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کے لئے مالیرکوٹلہ کے لوگ دامے درمے سخنے ہر طرح تعاون کریں گے۔

ادارہ

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کے

چاند ستارے

تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں مدرس اور پڑھانے والے کی اہمیت ایک مانی ہوئی بات ہے ۔ مدرسہ تعمیر سیرت کے مہتمم اور ذمہ دار اس وقت خود بانی مدرسہ حضرت مفتی صاحب مالیر کوٹلہ ہیں، ان کے علاوہ نو مدرس ہمارے پیارے بچوں کی اچھی سے اچھی تعلیم اور بہتر سے بہتر تربیت میں لگے ہوئے ہیں، ذیل میں مہتمم صاحب اور اساتذۂ کرام کا ایک مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے، جس سے ہلکا سا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس تعلیمی گلدستہ کو آراستہ و پیراستہ کرنے کے لئے کس طرح منتخب پھول چن چن کر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جمع فرما دیئے ہیں۔

(۱) مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

مفتی صاحب دیوبند کے رہنے والے ہیں ان کے پردادا کا نام مولانا فضل الرحمٰن تھا جو کہ دارالعلوم دیوبند قائم کرنے والے تین بزرگوں میں سے ایک تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کا نام غیر معروف نہیں ہے، قرآن مجید کا ترجمہ اور مشہور تفسیر "تفسیر عثمانی" انہوں نے لکھی ہے اور عربی زبان میں مسلم شریف کی شرح "فتح الملہم" ان کی بہترین یادگار ہے یہ مفتی صاحب کے دادا صاحب کے بھائی ہیں، جب مفتی صاحب پیدا ہوئے تو مولانا شبیر احمد صاحبؒ نے ان کے کان میں اذان دی اور پردادا کے نام پر ان کا نام فضیل الرحمٰن رکھا۔ بعض دفعہ ناموں کی مناسبت کا اظہار ہو جاتا ہے، مولانا فضل الرحمٰن نے بڑا مدرسہ دارالعلوم قائم فرمایا تو ان کی اولاد فضیل الرحمٰن نے یہ چھوٹا مدرسہ تعمیر سیرت قائم کیا، اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کبھی یہ بھی بڑا مدرسہ ہو جائے، دارالعلوم دیوبند بھی تو اس وقت چھوٹا ہی سا تھا۔

مفتی صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، اسلامی یونیورسٹی مدینہ منورہ میں دو سال رہے اور دارالعلوم دیوبند میں تقریباً چودہ سال تک مدرس رہے، اللہ نے پنجاب کی خدمت کے لئے ان کو مالیر کوٹلہ بھیجا اور یہاں کے لوگوں کے اصرار پر انہوں نے دارالعلوم دیوبند سے استعفیٰ دے کر مالیر کوٹلہ رہنا منظور کر لیا،

مفتی صاحب نے دائرہ القرآن مالیر کوٹلہ کے کاموں میں باقاعدگی اور وسعت پیدا کی اور بچوں کی دینی تعلیم کیلئے مدرسہ تعمیر سیرت قائم کیا، اللہ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے۔

(۲) قاری محمد منعم صاحب (صدر مدرس مدرسہ تعمیر سیرت)

مدرسہ تعمیر سیرت کیونکہ ایک دینی اور اسلامی درسگاہ ہے اس لئے اس کی صدارت کے لئے دیندار اور دینی تربیت کا تجربہ رکھنے والے کی ضرورت تھی۔ قاری محمد منعم صاحب رہنے والے دیوبند کے ہیں مگر چالیس سال سے مالیر کوٹلہ میں ہیں، جامع مسجد

کے امام ہیں، دارالعلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ ہیں اور دینی تعلیم کا طویل تجربہ رکھتے ہیں۔

(۳) مولانا وسیم اختر بلال

مولانا وسیم اختر بلال دارالعلوم دیوبند کے فاضل قاری اور حافظ ہیں اس کے علاوہ آپ نے انگریزی کے امتحان بھی پاس کئے ہیں، ان کے پڑھانے کا طریقہ بہت اچھا ہے، طلبا ان سے مانوس ہو جاتے ہیں

(۴) مولانا سہیل عزیز

مولانا سہیل عزیز دارالعلوم دیوبند کے فاضل ہیں اور آپ مدرسہ کی برانچ نمبر ایک سر ہندی گیٹ میں پڑھاتے ہیں آپ کی تعلیم کا طریقہ بہت اچھا ہے۔

(۵) حافظ مشتاق احمد پوروی

مدرسہ تعمیر سیرت کے مدرس حافظ مشتاق احمد صاحب قرآن مجید کے حافظ ہیں مدرسہ میں قرآن مجید ناظرہ اور حفظ آپ ہی پڑھاتے ہیں مدرسہ تعمیر سیرت میں چوتھی جماعت تک ناظرہ قرآن مجید پورا ہو جاتا ہے اور پانچویں جماعت سے حفظ شروع ہو جاتا ہے اس کے علاوہ قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے قاعدے جس کو تجوید اور قرأت کہتے ہیں سکھلائے جاتے ہیں

(۶) جناب کوثر علی صاحب

جناب کوثر علی صاحب مالیرکوٹلہ کے رہنے والے ہیں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ادیب فاضل کیا ہے، اسلامیہ ہائی اسکول مالیرکوٹلہ میں آپ تیرہ سال مدرس رہے اس لئے آپ کو تعلیم کا کافی تجربہ ہے، مدرسہ تعمیر سیرت میں آپ اردو کی تعلیم دیتے ہیں، محنتی اور مخلص ہیں۔

(۷) جناب ظہیر علی صاحب

جناب ظہیر علی صاحب بہت پرانے اور تجربہ کار استاذ ہیں مدرسہ تعمیر سیرت ان کے تجربات سے بچوں کو فائدہ پہنچا رہا ہے، آپ مدرسہ کی برانچ نمبر ایک میں پڑھاتے ہیں جس میں اس وقت ایک سو ۱۰۰ بچے زیر تعلیم ہیں۔

(۸) جناب غلام رسول صاحب (بی اے)

غلام رسول صاحب مالیرکوٹلہ کے باشندہ ہیں پہلے آپ اسلامیہ اسکول رد ہیڑہ میں پڑھاتے تھے، آپ کی تعلیم بی اے تک ہے حساب کے مضمون سے آپ کو فطری مناسبت ہے اور مدرسہ تعمیر سیرت میں آپ ہی مضمون پڑھاتے ہیں، اکثر حساب کے مضمون میں طلبا کمزور رہ جاتے ہیں، اچھا استاذ ہو تو یہ کمزوری نہیں رہتی۔

(۹) جناب افضال ملک صاحب

افضال ملک صاحب مالیرکوٹلہ کے رہنے والے ہیں پہلے اسلامیہ گروہ اسکول میں تعلیم دیتے تھے اب کافی عرصہ سے آپ مدرسہ تعمیر سیرت میں پڑھا رہے ہیں۔ برانچ نمبر ایک کی ذمہ داری سلیقہ کے ساتھ سنبھالے ہوئے ہیں،

(۱۰) جناب نورالدین صاحب

جناب نورالدین صاحب مالیرکوٹلہ کے قریب ایک موضع بھینی کھوماں کے رہنے والے ہیں، آپ نے بی اے پارٹ دن تک تعلیم حاصل کی ہے مدرسہ کے بہت اچھے استاذوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔

محترم بھائیو اور بہنو!

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اپنی امان میں رکھے۔

سب سے پہلے میں آپ کو رمضان شریف کی مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس برکت والے مہینے کی برکتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی توفیق دے،

میرے پیارے بھائیو اور میری عزیز بہنو!!

میں آپ کے شہر مالیرکوٹلہ میں مفتی کی حیثیت سے ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ ۱۴ جنوری ۱۹۷۳ء بروز جمعہ حاضر ہوا تھا، آپ کی طرف سے بے پناہ عقیدت کے اظہار، محبت اور پیار بھرے برتاؤ نے بہت جلد اجنبیت کے پردے چاک کر دیے اور ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اپنی عمر کا زیادہ حصہ میں نے اسی شہر میں گذارا ہے، جس غیر معمولی اور عجیب و غریب انداز میں یہاں آنا ہوا تھا، جس طرح یہاں رکنا ہوا اس سے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوا کہ "میں آیا نہیں لایا گیا ہوں"۔ کیونکہ یہاں آنے اور رک جانے میں میرے ارادے اور دلچسپی کا دخل بہت کم معلوم ہوتا تھا۔ کیوں لایا گیا ہوں۔؟ قدرت مجھ سے کیا کام لینا چاہتی ہے۔؟ مسبب الاسباب کے ہاتھوں نے یہ اسباب کے تانے بانے کیوں بنے ہیں۔؟ اس سوال کا جواب غیب کے اندھیروں میں پوشیدہ ہے،

دارالافتاء کے کاموں کو منظم کرنا میری پہلی ذمہ داری تھی۔ میں نے اس میں سب سے پہلی اہم اصلاح یہ کی کہ

● مفتی کی حیثیت سے اگرچہ یہ بات بالکل کافی ہے کہ جواب سوال کے مطابق دے دیا جائے، سوال فرضی ہے یا واقعہ کے مطابق ہے اس کی تحقیق کرنا مفتی کی ذمہ داری نہیں ہوا لیکن وہ معاملات جن کا تعلق دوسرے فریق کے ساتھ ہوتا ہے

اس میں شرعی فتوے کا کتنا غلط استعمال ہوتا ہے، اس کی بے شمار مثالیں میرے سامنے آئیں چنانچہ یہ فیصلہ کر لیا کہ اس قسم کے معاملات پر شرعی فیصلہ اصل واقعہ کی تحقیق کے بعد ہی کیا جائے گا۔ شرعی فیصلہ کرنے کے اس طریقۂ کار سے میرے اوپر ایک دم کام کا بے پناہ بوجھ پڑ گیا اور بہت سی الجھنوں سے بھی گذرنا پڑا مگر اس طریقے سے مسلمانوں کے عام فائدے کو دیکھتے ہوئے میں نے اپنے اوپر کام کے بوجھ کو برداشت کیا۔ اور اب دارالافتاء کا فیصلہ صرف ایک ایسا فتویٰ نہیں رہا جو فرضی واقعہ پر مبنی ہو بلکہ اس کا وزن ایک مضبوط عدالتی فیصلہ کی طرح ہے کیونکہ اب وہ واقعات کی مکمل تحقیق و تفتیش اور ثبوت و دلائل حاصل کرنے کے بعد ہی نافذ کیا جاتا ہے۔

● طلاق کے واقعات میں یہ عام بات ہے کہ کچہری میں جا کر "تین طلاقیں" لکھوا دیتے ہیں۔ دارالافتاء نے یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا اور یہ طریقہ رائج کیا کہ پہلے قرآن مجید کے حکم مطابق آپس میں صلح کرانے کی کوشش کی جائے اور صلح نہ ہو سکے تو ایک طلاق لکھی جائے تاکہ دوبارہ یکجائی کی گنجائش رہے۔ اس طریقہ سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا اور کتنے اجڑتے گھرانے دوبارہ آباد ہو گئے — اگرچہ کام کا بار کچھ اور بڑھ گیا۔

● کابین نامے جو عام طور پر شادی کے وقت لکھے جاتے ہیں عملی طور پر بے کار رہتے ہیں کیونکہ اس میں دو کمزوریاں ہوتی ہیں ایک قانونی کمزوری تو یہ ہوتی ہے کہ نکاح ہونے سے پہلے ہی سارا اقرار بحیثیت خاوند ہوتا ہے، اس میں یہ ہونا ضروری تھا کہ اگر میں نکاح کر دوں تو یہ شرطیں ہیں۔ دوسری کمزوری یہ ہوتی ہے کہ ساری شرطیں ماننے کے بعد آخر میں عورت کی فرمانبرداری کی شرط لگا دی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ مرد اپنے بچاؤ کا راستہ نکال لیتا ہے، دارالافتاء نے کابین نامے لکھنے کا کام بھی سنبھالا اور ان کمزوریوں کو دور کر کے عورت کے حقوق کی حفاظت کا سامان کیا۔

● نکاح کے مخصوص فارم اور خوب صورت رجسٹر چھپوائے اور اس کا اہتمام کیا کہ نکاحوں کا تمام ریکارڈ دارالافتاء میں محفوظ رہے تاکہ کسی جھگڑے کے وقت کام آ سکے سند نکاح کے ان رجسٹروں میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے مشورہ کے مطابق خاوند کی جانب سے ایک اقرار نامہ شامل کیا گیا جس میں عورت کو حق طلاق دیا گیا۔

مدرسہ کے قیام کی جانب

جب یہ عملی تجربات سامنے آئے تو شدت کے ساتھ احساس ہوا کہ ہمارے ماحول اور معاشرے میں پھیلی ہوئی خرابیوں کی بنیادی وجہ دین کے علم سے بے بہرہ ہونا ہے جب تک جڑ کو درست نہ کیا جائے شاخوں اور پتوں پر وعظ و تقریر کا پانی بہانا بے سود رہے گا، قوم کی جڑ اس کے بچے ہوتے ہیں ہمیں ان کو سنبھالنا ہوگا۔ ایک طرف میری بے پناہ معروفیات تھیں دوسری طرف یہ احساس تھا جو دن بدن شدید ہوتا جا رہا تھا میں اندرونی طور پر بڑی کش مکش میں تھا۔ کیا کیا جائے کس طرح کیا جائے؟ معروفیت اب بھی کم نہیں مگر اس زمانے میں مجھے اندازاً سو سوا سو لوگوں سے روزانہ ملنا ہوتا تھا۔ دارالافتاء کی ذمہ داریاں۔ مختلف تقریبات میں شرکت۔ جلسے تقریریں آرام کا کوئی وقت نہ تھا کئی کئی وقت تک کھانا کھانے کا موقعہ نہیں ملتا تھا۔ میری صحت دن بدن کمزور ہونے لگی اور اسی میں اضافہ ہو گیا میرے عزیز بھائی ڈاکٹر محمد سعید صاحب جو کہ سنائی گیشن میں پریکٹس کرتے ہیں بڑے

خوں سے میرا علاج کرتے رہے اگر وہ خود سے میرے علاج کا خیال نہ کرتے تو میرے لئے اپنا علاج کرنا بھی شاید مشکل ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے اور ان کی عمر اور کام میں برکت دے اور ان کی مرادیں پوری فرمائے۔ اسی زمانے میں جالبورہ کی پٹی مسجد میں ایک جلسہ ہوا وہاں کے لوگ میرے پاس آئے اور تقریر کے لئے اصرار کیا میں نے اپنی حالت عرض کی ان لوگوں نے اصرار کیا کہ ہم صرف چند منٹ کے لئے آپ کی شرکت چاہتے ہیں۔ ان کے اصرار پر مجبور ہو گیا۔ چند منٹ کے ارادے سے تقریر کے لئے بیٹھا غالباً ڈھائی تین گھنٹہ تقریر ہوئی۔ تقریر کا موضوع سرکار دو عالم ﷺ کی سیرت پاک تھی میں بے خودی کے عالم میں بولتا رہا۔ مسجد کے زیریں حصہ مردوں اور بالائی حصہ عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ نہ جانے اس کمزور جان میں کہاں کی طاقت اس وقت بھر گئی تھی۔ میں اپنی زندگی سے اس وقت قریب قریب مایوس تھا ایک جذب کے عالم میں میں نے اعلان کیا کہ اگر زندہ رہا تو جلدی مالیرکوٹلہ میں ایک مدرسہ قائم کروں گا جس میں بچوں کو اس طرح تعلیم دی جائے گی کہ ان کی سیرت نبی پاک ﷺ کی سیرت کے نمونہ پر ڈھل جائے، انہیں نہیں سنبھلنا ہے نہ سنبھلو مگر تمہاری یہ نسلیں سنبھلیں گے اور پنجاب کی خاکستر سے انشاء اللہ اسلام کا سورج طلوع ہوگا۔

پھر میری صحت سنبھلتی گئی اور وہ اعلان جو جمال پورہ کے اس جلسہ میں بے ساختہ نکلا تھا اور ماشاءاللہ نے زبان سے نکلوایا تھا ۲۲ نومبر ۱۹۶۹ء کو عمل میں آگیا، مدرسہ تعمیر سیرت قائم ہو گیا مدرسہ اپنی قدرتی رفتار سے بڑھتا رہا اور اب اس کی موجودہ پوزیشن یہ ہے جسکو میں نمبروار واضح کر رہا ہوں۔

(۱) مدرسہ میں اس وقت تین سو سے زیادہ طلباء دین کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں،

(۲) اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے پانچویں جماعت کے بعد ایک مستقل درجہ "درجہ عالمیت" کے نام سے قائم کیا گیا ہے جس کے پہلے سال کی تعلیم ہو رہی ہے،

(۳) ۱۴ مدرس مدرسے میں تعلیم دینے میں مشغول ہیں۔

(۴) مدرسہ تعمیر سیرت کی برانچ جو کہ سرہندی گیٹ محلہ میں واقع ہے اب اس میں تین جماعتوں تک تعلیم ہو رہی ہے، اس میں تین مدرس اور ایک سو سولہ ۱۱۶ طلباء ہیں۔

(۵) مدرسہ میں اب لدھیانہ۔ اپوگی۔ نسوئی بھٹن وغیرہ کے طلباء بھی تعلیم حاصل کر رہے ہیں جنہیں مالیرکوٹلہ سے باہر کے بچوں کے واسطے رہنے اور کھانے کا انتظام کرنا ہے۔

(۶) گذشتہ سال اپریل ۷۷ء سے مارچ ۷۸ء تک انیس ۱۹ ہزار ایک سو آٹھ روپے ۱۱ پیسے خرچ ہوئے اس سال خرچ کا اندازہ تیس ہزار سے کم نہیں ہے، دین کے اس اہم کام کے لئے یہ کوئی بڑا خرچ نہیں ہے، یہ اخراجات مسلمان بھائیوں کے تعاون اور امداد سے پورے ہوتے ہیں، دین کے طلباء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں، اب یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ پیارے نبی ﷺ کے ان مہمانوں کا پورا پورا خیال فرمائیں، عام دنوں میں اور رمضان المبارک میں خاص طور پر مدرسہ کی امداد کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، مدرسہ کی امداد کے چند طریقے یہ ہیں:-

(۱) سال ختم ہونے پر اور خصوصاً رمضان المبارک میں جب آپ اپنے مال کی زکوٰۃ نکالیں تو زکوٰۃ کے پیسے مدرسہ میں دے دیں تاکہ یہ پیسے مدرسے میں دین کی تعلیم حاصل کرنے والے غریب بچوں کے کام آجائیں اس میں آپ کو دوہرا ثواب ہوگا زکوٰۃ کی ادائیگی اور علم دین کی اشاعت۔

(۲) اسی طرح فطرانہ جو آپ رمضان المبارک میں نکالیں وہ بھی مدرسہ میں دیں تاکہ غریب بچے دین کی تعلیم سے محروم نہ رہیں۔

(۳) اگر آپ کے یہاں کھیتی ہوتی ہے تو گندم وغیرہ کی پیداوار کا جو حصہ آپ نکالیں وہ مدرسہ میں دیں۔

(۴) اللہ کے لیے خالص مال طیب سے مدرسہ کی زیادہ سے زیادہ امداد کریں۔ دین کی تعلیم میں امداد دینا بڑا ثواب رکھتا ہے

(۵) مہینے میں دو روپے پانچ روپے یا دس روپے مقرر کر کے ہر مہینے مدرسہ میں دیتے رہیں۔

(۶) بقر عید کے موقع پر قربانی کی کھال یا کھال کے پیسے مدرسہ میں دیں۔

(۷) مدرسہ کی جانب سے ایک ماہانہ رسالہ "تعمیر سیرت" کے نام سے نکلتا ہے جس میں مدرسہ کا حساب کتاب اور دینی مضامین شائع ہوتے ہیں اس کا سالانہ چندہ دس روپیہ ہے آپ اس کے خریدار بن جائیں، رسالہ کا خریدار بننا اور بنانا بھی ایک طرح سے مدرسہ کی امداد ہے۔

میرے بھائیو!

میں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے دین کی اس خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے اور جتنی طاقت ہے آپ بھائیوں کی خدمت کے لیے خرچ کی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی میری کوشش جاری رہے گی، اب آپ بھائی اپنے تعاون کا ہاتھ بڑھائیں اور ثواب دارین حاصل کریں۔

میں آخر میں اللہ سے حسن نیت اور توفیق نیک کی دعا کرتا ہوں۔

والسلام

آپ کا دینی خادم

فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

مفتی مالیرکوٹلہ۔ مہتمم مدرسہ تعمیر سیرت

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عالم شیطان کے اوپر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

اوقات سحری وافطار

دن	اگست ۱۹۷۸ء	رمضان ۱۳۹۸ھ	ختم سحر گھنٹہ	منٹ	وقت افطار گھنٹہ	منٹ
بدھ	۱۷ اگست	یکم رمضان	۴	۳۰	۷	۸
جمعرات	۱۸ ،،	۲ ،،	۴	۳۱	۷	۷
جمعہ	۱۹ ،،	۳ ،،	۴	۳۲	۷	۶
ہفتہ	۲۰ ،،	۴ ،،	۴	۳۳	۷	۵
اتوار	۲۱ ،،	۵ ،،	۴	۳۳	۷	۴
پیر	۲۲ ،،	۶ ،،	۴	۳۴	۷	۳
منگل	۲۳ ،،	۷ ،،	۴	۳۵	۷	۲
بدھ	۲۴ ،،	۸ ،،	۴	۳۶	۷	۱
جمعرات	۲۵ ،،	۹ ،،	۴	۳۶	۷	۰
جمعہ	۲۶ ،،	۱۰ ،،	۴	۳۷	۶	۵۹
ہفتہ	۲۷ ،،	۱۱ ،،	۴	۳۷	۶	۵۷
اتوار	۲۸ ،،	۱۲ ،،	۴	۳۸	۶	۵۶
پیر	۲۹ ،،	۱۳ ،،	۴	۳۸	۶	۵۵
منگل	۳۰ ،،	۱۴ ،،	۴	۳۹	۶	۵۴
بدھ	۳۱ ،،	۱۵ ،،	۴	۳۹	۶	۵۳
جمعرات	یکم ستمبر	۱۶ ،،	۴	۴۰	۶	۵۲
جمعہ	۲ ،،	۱۷ ،،	۴	۴۱	۶	۵۱
ہفتہ	۳ ،،	۱۸ ،،	۴	۴۲	۶	۵۰
اتوار	۴ ،،	۱۹ ،،	۴	۴۲	۶	۴۸
پیر	۵ ،،	۲۰ ،،	۴	۴۳	۶	۴۷
منگل	۶ ،،	۲۱ ،،	۴	۴۳	۶	۴۶
بدھ	۷ ،،	۲۲ ،،	۴	۴۴	۶	۴۵
جمعرات	۸ ،،	۲۳ ،،	۴	۴۴	۶	۴۴
جمعہ	۹ ،،	۲۴ ،،	۴	۴۵	۶	۴۳
ہفتہ	۱۰ ،،	۲۵ ،،	۴	۴۶	۶	۴۱
اتوار	۱۱ ،،	۲۶ ،،	۴	۴۷	۶	۴۰
پیر	۱۲ ،،	۲۷ ،،	۴	۴۷	۶	۳۹
منگل	۱۳ ،،	۲۸ ،،	۴	۴۸	۶	۳۷
بدھ	۱۴ ،،	۲۹ ،،	۴	۴۹	۶	۳۶
جمعرات	۱۵ ،،	۳۰ ،،	۴	۴۹	۶	۳۵

نقشہ ہذا سے اوقات کا فرق

مقام	فرق			مقام	فرق		
لدھیانہ مطابق مالیرکوٹلہ				راجپورہ	۱ ½	منٹ	قبل
دھوری	،،	،،	،،	سرہند	۲	،،	،،
پھگواڑہ	،،	،،	،،	شملہ	۵	،،	،،
سنگرور	½	منٹ	بعد	کالکا	۴	،،	،،
سنام	۱/۲	،،	،،	چنڈی گڑھ	۳	،،	،،
برنالہ	۱ ½	،،	،،	انبالہ	۳ ½	،،	،،
دھول منڈی	۱ ½	،،	،،	جگادھری	۵	،،	،،
احمد گڑھ	۱/۲	،،	،،	سنور	۲	،،	،،
امرتسر	۴	،،	،،	نابھہ	۱/۲	،،	،،
موگا	۳	،،	،،	پٹیالہ	۲	،،	،،
فیروزپور	۵	،،	،،	پٹھانکوٹ	۱	،،	بعد
بھٹنڈہ	۴	،،	،،	حصار	۳/۱	،،	،،

○ روضہ شریف سرہند میں تقریب نکاح
○ مدرسہ تعمیر سیرت برانچ ۲ کی سالگرہ
○ مدرسہ کے سہ ماہی امتحانات ختم ہو گئے۔
○ پنجاب وقف بورڈ کی گراں قدر امداد ○ لدھیانہ میں جلسہ سیرت ○ اسلامیہ اسکول کے طلباء کا استقبالیہ

(ادارہ)

روضہ شریف سرہند میں تقریب نکاح

۱۰ راگست ۱۹۷۰ء

کوٹلہ کے جناب محمد شعیب قریشی صاحب کا نکاح سید احمد کی صاحبزادی سے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے روضہ شریف سرہند میں ہوا مفتی اعظم پنجاب مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی نے نکاح پڑھایا۔ نکاح سے پہلے آپ نے مختصر تقریر فرمائی جس میں نکاح کے سنت ہونے اور دین کے صحیح تصور پر روشنی ڈالی اس تقریب میں جناب غضنفر علی خاں صاحب (ڈپٹی سکریٹری پنجاب وقف بورڈ) اور دوسرے بہت سے معززین شریک تھے۔

مدرسہ تعمیر سیرت برانچ ۲ کی سالگرہ

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کی برانچ نمبر ایک جو کہ سرہندی گیٹ میں واقع ہے ۱۲ راگست ۱۹۶۵ء کو قائم ہوئی تھی اس کی دوسری سالگرہ کی سادہ تقریب ۱۳ راگست ۷۰ء شام چار بجے منعقد ہوئی، اس تقریب میں مفتی صاحب کے علاوہ مدرسہ کے اساتذہ اور محلہ کے لوگوں نے شرکت کی جناب رحیم بخش صاحب رکن مشاورتی کونسل مدرسہ تعمیر سیرت نے تقریر کرتے ہوئے مفتی صاحب بانی مدرسہ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا، مفتی صاحب نے اپنی تقریر میں سب کے تعاون کا شکریہ ادا کیا، اس سال اس برانچ میں ایک سو سولہ طالب علم دینی کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، تین مدرس ہیں، افضال ملک صاحب مدرس برانچ ۲ پوری دلچسپی کے ساتھ خدمت کر رہے ہیں۔

مدرسہ کے سہ ماہی امتحان ختم ہو گئے

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کے سہ ماہی امتحان ۳۰ر جولائی کو ختم ہو گئے مدرسہ کے تین سو سے زیادہ بچوں نے محنت کے ساتھ امتحان کی تیاریاں کیں، امتحان مدرسہ کے اساتذہ نے ہی لیا۔

پنجاب وقف بورڈ کی گراں قدر امداد

پنجاب وقف بورڈ کے ممبر اور مذہبی کمیٹی کے چیئرمین مولانا خلیل الرحمٰن صاحب نے مفتی صاحب کے نام ایک خط میں اطلاع دی ہے کہ پنجاب وقف بورڈ نے ماہ اگست ۷۰ء سے مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کے پانچ سو روپے ماہانہ امداد منظور کی ہے مفتی صاحب نے خطوط کے ذریعہ جناب چیئرمین صاحب جناب غضنفر علی خاں صاحب مولانا خلیل الرحمٰن صاحب اور شیخ محمد تقی صاحب ایڈووکیٹ کا اس امداد کے لئے شکریہ ادا کیا ہے، پنجاب وقف بورڈ کا یہ اقدام قابل قدر ہے۔ اور اس دینی خدمت کی ہمت افزائی ہے

لدھیانہ میں جلسہ سیرت النبیؐ

مدرسہ تعمیر سیرت میں لدھیانہ کے کئی طلباء تعلیم حاصل کر رہے ہیں جن کے والدین لدھیانہ کے قریب شیرپور کی فیکٹریوں اور کارخانوں

میں کام کر رہے ہیں۔ ۱۵ اگست ۱۹۷۷ء کی شب میں ان لوگوں نے سیرۃ النبی کا جلسہ ایک بڑے میدان میں بڑے شوق اور جذبہ کے ساتھ منعقد کیا جس میں مالیر کوٹلہ سے حضرت مفتی اعظم مدظلہ، مدرسہ تعمیر سیرت کے صدر مدرس قاری محمد منعم صاحب۔ مولانا وسیم اختر بنال (فاضل دیوبند) مدرس مدرسہ تعمیر سیرت منظور محمد صاحب رکن مشاورتی کونسل مدرسہ تعمیر سیرت، جناب محمد یعقوب صاحب نے شرکت کی، لدھیانہ سے مفتی پنجاب مولانا محمد احمد رحمانی (فاضل دیوبند) بھی شریک جلسہ تھے اور انہوں نے اسٹیج سکریٹری کی ذمہ داری سنبھال لی، جلسہ رات گئے کامیابی کے ختم ہوا اور حاضرین نے پوری توجہ سے علماء کے مواعظ سنے۔

اسلامیہ ہائی اسکول مالیر کوٹلہ کے طلباء کو استقبالیہ

جولائی کے شمارے میں اطلاع دی جا چکی ہے کہ اسلامیہ ہائی اسکول مالیر کوٹلہ کے دسویں جماعت کے سب طلباء امتحان میں کامیاب ہوئے اس خوشی میں مدرسہ تعمیر سیرت کے طلباء کی انجمن "بزم سیرت" نے ایک جلسہ استقبالیہ اور روزہ کشائی کا اہتمام کیا۔ ۱۷ اگست ۱۹۷۷ء یکم رمضان المبارک کو شام چھ بجے سے سات بجے تک جلسہ ہوا جس کی صدارت جناب حاجی انوار احمد خاں صاحب ایم ایل اے نے فرمائی۔ سب سے پہلے مدرسہ تعمیر سیرت کے طلباء نے عربی، فارسی، اردو، انگریزی، پنجابی زبانوں میں مختلف دلچسپ پروگرام پیش کئے جس سے سب حاضرین متاثر اور خوش ہوئے مدرسہ تعمیر سیرت کے بچوں کے پروگرام کے بعد ایک استقبالیہ اساتذہ اور طلباء کی طرف سے جناب صدر کو پیش کیا اور حضرت مفتی صاحب نے تقریر فرمائی اور ہیڈ ماسٹر محمد بشیر صاحب (ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول) نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان کے بعد جناب غضنفر علی خاں صاحب ایڈیشنل سکریٹری پنجاب وقف بورڈ نے بہت اچھی تقریر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ۱۲ مارچ کو مدرسہ تعمیر سیرت کے سالانہ نتائج کی تقریب میں شرکت کی تھی اور میں نے وقف بورڈ کے ممبران کو جاکر بتایا تھا کہ ہمیں جس طرح کے دینی مدرسہ کی ضرورت تھی وہ مفتی صاحب نے قائم فرمادیا ہے اور بورڈ کو اس کی مدد کرنی چاہئے تاکہ یہ مدرسہ اور ترقی کرے چنانچہ بورڈ نے پانچ سو روپے ماہانہ کی گرانٹ یکم اگست سے منظور کرلی ہے، مزید ضرورت ہوگی تو امداد بورڈ دینے میں پس و پیش نہیں کرے گا جناب غضنفر علی خاں صاحب کے بعد صدر اجلاس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا آپ نے مدرسہ کے قیام پر خوشی کا اظہار کیا۔ آپ نے کہا کہ ہمیں مفتی صاحب کے خواب کو حقیقت میں بدلنا ہے اس کے لئے مجھے جو کام سپرد کیا جائے اس کو میں اپنی ذمہ داری ہی نہیں بلکہ اپنا فرض سمجھوں گا۔

جناب حاجی انوار احمد خاں صاحب (ایم ایل اے) نے معائنہ بک میں اپنے تاثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا:-

آج مورخہ ۱۷ اگست ۱۹۷۷ء بوقت بعد نماز عصر مدرسہ تعمیر سیرت کے طلباء اور اساتذہ کی طرف سے جو تقریب کی گئی اور اس کے بعد مفصل گفتگو کرنے کا موقعہ ملا ہے جس سے اندازہ لگایا کہ اساتذہ بڑی محنت کے ساتھ بچوں کو پڑھا رہے ہیں اور طلباء میں بھی بے حد شوق ہے۔

قبلہ مفتی جلال عثمانی کی رہنمائی میں امید کرتا ہوں کہ یہ آئندہ بھی ترقی کرے گا۔

میں امید رکھتا ہوں کہ شہر کے دیگر اشخاص جو کہ دل میں دینی تعلیمی جذبہ رکھتے ہیں انہیں بھی ساتھ لیکر اور ان کا تعاون لیکر سب چلیں گے تاکہ یہ تعلیمی ادارہ بہت جلد ترقی کرکے اپنی مثال آپ بن سکے۔ آمین!

راقم انوار احمد خاں
17/8/77

ہمارے معاون

جن کی رقمیں مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کے لئے جولائی ۱۹۷۷ء میں وصول ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے۔ امداد دینے والوں کے نام اور آمدو خرچ کا مکمل حساب ہر مہینے پیش کر دیا جاتا ہے۔

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم	رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
۲۰/۱۹۹۰	مسماۃ حشمت محمد شیروانی گیٹ	امداد	۵/-	۱۹/۱۸۲۰	محمد شریف صاحب سٹیشنرز موتی بازار	″	۲/-
۲۰/۱۹۹۲	مستری محمد رفیق صاحب محلہ بالوکا	″	۵/-	۱۹/۱۸۲۱	عبدالشکور صاحب بزاز موتی بازار	″	۲/-
۲۰/۱۹۹۳	محمد صدیق صاحب ″ بالوکا	″	۵/-	۱۹/۱۸۲۳	ظہور احمد صاحب معرفت حسن شوز موتی بازار	″	۵/-
۲۰/۱۹۹۴	محمد بشیر صاحب ″ ″	″	۵/-	۱۹/۱۸۲۳	عبدالمجید برتن فروش موتی بازار	″	۱۰/-
۲۰/۱۹۹۵	محمد بشیر صاحب ″ ″	″	۵/-	۱۹/۱۸۲۴	بابو تیلی گر موتی بازار	″	۲/-
۲۰/۱۹۹۸	محمد شریف پٹواری نگر ضلع جالندھر	″	۵/-	۱۹/۱۸۲۵	محمد شفیق شیر پرانا لوٹیا بازار	″	۲/-
۲۰/۲۰۰۰	حاجی خوشی محمد صاحب بمبئی	″	۱۰/-	۱۹/۱۸۲۲	محمد اشرف صاحب سٹیشنر موتی بازار	″	۲/-
۷/۵۵۰	گمنام مالیرکوٹلہ	″	۱/۵	۱۹/۱۸۲۷	محمد اسرائیل صاحب پرانا لوٹیا بازار	″	۲/-
۲۰۵۸/۴۱	محمد صدیق صاحب بیج میکر شیروانی گیٹ مالیرکوٹلہ	″	۱۰/-	۱۹/۱۸۲۸	جوگندر سنگھ پرانا لوٹیا بازار	″	۱/-
۲/۲۸۱	محمد صدیق ″ ″ ″ ″	″	۱۰/-	۱۹/۱۸۲۹	تاج محمد صاحب ٹیلر پرانا لوٹیا بازار	″	۱/-
۱۹/۱۸۰۵	محمد ہلال صاحب محلہ قصابان	″	۵/-	۱۹/۱۸۳۷	حاجی شفیع محمد صاحب کمال فروش مقبرہ	″	۵/-
۱۹/۱۸۰۸	محمد اسمٰعیل صاحب دوکاندار نزد کمل سنیما	″	۵/-	۱۹/۱۸۳۸	محمد حنیف شاہ بیج میکر سرہندی گیٹ	″	۳/-
۱۹/۱۸۰۹	جمیل صاحب آرا مشین والے ″ ″	″	۲/-	۱۹/۱۸۴۰	محمد بشیر صاحب پنجاب ٹی اسٹال سرہندی گیٹ	″	۲/-
۱۹/۱۸۱۰	محمد نصیر صاحب نصیر ٹی اسٹال ″ ″	″	۲/-	۱۹/۱۸۴۱	پہلوان محمد حیات پگڑی ساز سرہندی گیٹ	″	۲/-
۱۹/۱۸۱۱	مقبول احمد صاحب نزد کمل سنیما	″	۲/-	۱۹/۱۸۴۳	پہلوان محمد سلیم صاحب ″ ″	″	۲/-
۱۹/۱۸۱۲	محمد فیاض خان صاحب شیروانی گیٹ	″	۲/-	۱۹/۱۸۴۴	حضرت مولانا مفتی فضل الرحمان صاحب	″	۵/-
۲۳/۲۲۱۴	محمد شریف صاحب محلہ شیخ بدرالدین	″	۲/-	۱۹/۱۸۴۵	امداد علی خان صاحب فروٹ فروش	″	۱/-
۲۳/۲۲۱۵	عبدالقہار خان صاحب محلہ مغلم پورہ	″	۲/-	۱۹/۵۷۱	ولی اینڈ سنز دیوان خانہ روڈ	″	۵/-
۱۹/۱۸۱۶	محمد صدیق صاحب بیج میکر شیروانی گیٹ	″	۱۰/-	۱۹/۵۷۳	رام چند مالک سنگم ٹیلرز	″	۲/-
۱۹/۱۸۱۸	جناب لیاقت صدیقی صاحب حاجی کلاتھ ہاؤس	″	۲۱/-	۲۷/۲۵۴۴	محمد یٰسین صاحب ″ ″	″	۲/-

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
۲۶/۲۵۶۵	محمد جمیل صاحب مسرت شنگم شیڈ	امداد	۲/.
۲۶/۲۵۷۶	محمد طفیل صاحب " "	"	۲/.
۲۶/۲۵۷۷	جان محمد اینڈ سنز فوٹو گرافر	"	۵/.
۲۶/۲۵۷۹	محمد جمیل صاحب چوڑی فروشی صدر بازار	"	۲/.
۲۶/۲۵۸۰	عبدالحلیم صاحب بوٹ فروش	"	۲/.
۲۶/۲۵۸۲	محمد ادریس صاحب بیج میکر	"	۵/.
۲۶/۲۵۸۳	عبدالرحیم صاحب راک آدن واچ کمپنی	"	۲/.
۲۶/۲۵۸۴	حلوائی محمد بشیر صاحب سرہندی گیٹ	"	۲/.
۲۶/۲۵۸۵	کالو صاحب چائے والے " "	"	۲/.
۲۶/۲۵۸۸	عبدالعزیز صاحب " "	"	۵/.
۲۶/۲۵۸۹	ڈاکٹر محمد سلمان علیگ ایم بی بی ایس	"	۲/.
۲۶/۲۵۹۰	ڈاکٹر محمد دین صاحب سرہندی گیٹ	"	۲/.
۲۶/۲۵۹۱	حکیم عبدالحمید صاحب " "	"	۲/.
۲۶/۲۵۹۲	مہر محمد صاحب بالمقابل کچا کوٹ	"	۲/.
۲۶/۲۵۹۳	محمد شریف صاحب فروٹ فروش	"	۲/.

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد
۲۵۹۴	جناب محمد شوکت صاحب شیر ملا گیٹ	امداد
۲۵۹۷	محترمہ سجلت شکوراں صابر	"
۲۵۹۸	محترمہ حجن فاطمہ صاحبہ "	"
۲۵۹۹	جناب حاجی غلام محمد صاحب حویلی پورو	"
۲۶/۲۶۰۰	جناب محمد شفیع صاحب بیج میکر سرہندی گیٹ	"
۴۳/۴۲۹۵	جناب محمد فیروز صاحب گورنمنٹ نزد کنبوہ پول	"
۴۲۹۶	جناب انوار الدین صاحب سرہندی گیٹ	"
۴۲۸۷	جناب منشی رحمت علی صاحب "	"
۴۲۸۰	جناب ماسٹر عبدالوحید صاحب بی اے مہر راجان	"
۴۲۷۷	جناب نثار الدین صاحب سرہندی گیٹ	"
۴۲۷۴	جناب عبدالرحمن صاحب شاترولا "	"
۴۲۵۵	جناب جوگیندر سنگھ صاحب پرانا ریلیا بازار	"
۴۲۳۴	جناب شوکت علی صاحب تنور گل سینما	"
۴۲۳۲	جناب الہ دین صاحب فروٹ فروش	"
۱۹/۱۸۴۵	جناب عبدالغفار صاحب چوڑی فروش	"

حساب آمد و خرچ

مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

بابت جولائی ۷۷ء

بقایا بتاریخ یکم جولائی	24	797
آمدنی بمد امداد	05	253
آمدنی بمد رسالہ و کتب	00	125
آمدنی بمد چندہ از طلباء	75	133
میزان	04	[illegible]
مصارف تنخواہ وغیرہ	52	[illegible]
بقایا بتاریخ 31/7/77	52	03

ماہنامہ تعمیر ... مالیر کوٹلہ

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کا

علمی و دینی ترجمان

ماہنامہ

تعمیرِ سیرت

مالیر کوٹلہ ۱۴۸۰۲۳

6-8

Jamir-e-Sirat monthly Maler Kotla (Pb)
148023

REGD NO, P/PTA/81

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کا دینی و علمی ترجمان

ماہنامہ

تعمیر سیرت

مالیرکوٹلہ

رمضان، شوال، ذیقعدہ مطابق ستمبر، اکتوبر

جلد نمبر ۲ — شمارہ نمبر ۶، ۷، ۸

زیرِ سیادت

مفتیِ اعظم پنجاب

حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

بانی و مہتمم مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

اس شمارے کے مضامین

ایڈیٹر

غلام محمد

رکن مشاورتی کونسل مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

ادارۂ تحریر

- مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط (فاضل دیوبند ایم اے) نائب مفتی دار العلوم دیوبند۔
- مولانا وسیم اختر بلال (فاضل دیوبند) مدرس مدرسہ
- مولانا سہیل عزیز (فاضل دیوبند)
- عبد الوحید (بی اے) سابق مدرس مدرسہ تعمیر سیرت

قیمت فی شمارہ -/1 سالانہ -/10

ڈاکٹر زیدی صاحب کا عطیہ

ڈاکٹر نجم الحسن صاحب زیدی مالیرکوٹلہ میں ایک با اخلاق اور کامیاب ڈاکٹر ہیں موصوف نے نہایت مسرت کے ساتھ مدرسہ تعمیر سیرت کے لئے ایک سو روپیہ کا عطیہ دے کر اپنی علم دوستی کا ثبوت دیا، ادارہ ان کا شکر گذار ہے۔

معذرت

غیر معمولی تاخیر کی وجہ سے تین مہینے کا شمارہ یکجا کرنا پڑا۔ زحمتِ انتظار کے لئے قارئین سے معذرت۔

(ادارہ)

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر غلام محمد نے مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کے لئے محبوب پریس دیوبند میں چھپوا کر شائع کیا۔ مالک مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

کاتب مشتاق سلیمان بہاری

اداریہ

ایڈیٹر

دلیری اور بے باکی سے اعلانِ حق کرنا مسلمانوں کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا جبکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو افضل الجہاد (سب سے بڑا جہاد) فرمایا ہے۔ اسلام کی پوری تاریخ ایسے چراغوں سے روشن اور تابناک ہے جنہیں کسی قسم کا خوف حق بات کہنے سے نہیں روک سکا۔ دنیا کی بڑی سی بڑی دولت ان کی حق گوئی کی قیمت نہ بن سکی۔

مشرکینِ مکہ کے ظلم و ستم سے تنگ آئے ہوئے مٹھی بھر مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ۵ نبوی میں حبش کی طرف ہجرت کر گئے، یہ کل گیارہ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ ان میں حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ بھی تھے۔ مکہ کے مشرکین نے یہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا، حبش کے عیسائی بادشاہ نجاشی کے پاس شکایت کے لئے ایک وفد بھیجا۔ نیک دل نجاشی نے مسلمانوں کی باتیں سن کر ان مظلوموں کی واپسی سے انکار کر دیا تو مشرکوں کے وفد نے ایک دوسری چال چلی،

عمرو بن العاص جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور مشرکین مکہ کے اس وفد کے لیڈر تھے انہوں نے پادریوں اور درباریوں کی معرفت دوبارہ دربار شاہی میں رسائی حاصل کی اور نجاشی بادشاہ سے کہا ان مسلمانوں سے ذرا یہ تو پوچھئے کہ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت ان کا عقیدہ کیا ہے؟

نجاشی نے مسلمانوں کو بلایا اور اس سوال کا جواب طلب کیا۔ مسلمان سوچ میں پڑ گئے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے نہیں ہیں تو نجاشی جو خود عیسائی ہے ناراض ہو جائے گا،

حضرت جعفرؓ نے کہا اسلام حق گوئی اور ہر حال میں سچی بات کہنے کی تعلیم دیتا ہے۔ ہمیں سچ بولنا چاہیئے جس کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔

چنانچہ حضرت جعفرؓ نے نہایت بے باکی سے جواب دیا "ہمارے پیغمبرؐ نے بتایا ہے کہ عیسیٰؑ خدا کے بندے اس کے پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہیں"

ایک طرف ان چند لوگوں کی بے بسی کا یہ عالم کہ لوط طنز سے بے وطن ہو کر بھی چین نہیں۔ دوسری طرف یہ جرأت حق۔ اللہ اکبر

○ ایک دفعہ سلطان الپ ارسلان کا بیٹا سلطان ملک شاہ سلجوقی (وفات ۱۰ نومبر ۱۰۹۲ء) نے رمضان المبارک کی ۲۹ویں تاریخ کو عید الفطر کی وجہ سے اپنا ملکی دورہ ملتوی کر دیا اور دارالسلطنت نیشاپور میں قیام فرمایا اور شام کے وقت معہ ارکان دولت چاند دیکھنے میں مصروف ہوا، خوشامدی مصاحب موجود تھے انہوں نے شور مچایا کہ حضور چاند نکل آیا ہے۔ سلطان نے گو خود نہیں دیکھا اور نہ کسی اور نے دیکھا لیکن بادشاہ کی مرضی اور اس کا خیال معلوم کر کے سب نے اس کو رویت ہلال کا یقین دلایا اور حکم ہو گیا کہ کل عید ہے۔

امام الحرمین عبد الملک ضیاء الدین ابو المعالی (پیدائش ۱۸ محرم ۴۱۹ھ وفات جمادی الآخر ۴۷۸ھ) کو جو کہ مفتی اور قاضی القضاۃ تھے خبر ہوئی انہوں نے ان الفاظ کے ساتھ منادی کا حکم دیا۔

> ابو المعالی (یعنی خود مفتی صاحب) کہتا ہے کل تک ماہ رمضان ہے جو میرے فتوے پر عمل کرنا چاہتا ہے اسے لازم ہے کہ وہ کل بھی روزہ رکھے، مفتی کی اس منادی کو مفتریوں نے برے الفاظ میں بادشاہ تک پہنچایا بلکہ یہاں تک کہا کہ مفتی صاحب کے خیالات سلطنت کی طرف سے اچھے نہیں ہیں اور عوام ان کے معتقد ہیں اگر بندگان عالی کے حکم کے مطابق کل عید نہ ہوئی تو بڑی توہین اور ذلت ہو گی،
>
> بادشاہ نے حکم دیا کہ مفتی صاحب کو میرے پاس لایا جائے۔ مفتی صاحب کے پاس جب شاہی پیغام پہنچا تو اس خیال سے کہ درباری لباس پہننے سے دیر نہ ہو جائے جیسے کپڑے پہنے ہوئے تھے اسی طرح اٹھ کھڑے ہوئے، دربان نے محل سرائے کے دروازہ پر روکا کہ درباری لباس کے بغیر اندر جانا منع ہے، ادھر بادشاہ کو اطلاع کی کہ پہلی عدول حکمی کے علاوہ دوسری گستاخی یہ کی ہے کہ معمولی لباس پہن کر آ گئے ہیں بادشاہ کی طبیعت کچھ اور مکدر ہو گئی مگر اندر آنے کا حکم دیا اور پوچھا کہ درباری لباس کیوں نہیں پہنا۔؟ مفتی صاحب نے جواب دیا اے سلطان میں جس لباس میں ہوں اسی سے نماز پڑھتا ہوں اور وہ شرعاً جائز ہوتی ہے پس جبکہ خدا کے سامنے میں اسطرح جاتا ہوں تو آپ کے سامنے آنے میں کیا حرج ہے، البتہ دستور کے مطابق میرا لباس درباری

نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دیر ہو جانے کی وجہ سے فرشتے میرا نام نافرمانوں کی فہرست میں نہ لکھ لیں۔

سلطان نے کہا کہ جب بادشاہ اسلام کی اطاعت اس قدر واجب اور ضروری ہے تو پھر ہمارے حکم کے خلاف منادی کرانے کے کیا معنی ہیں ۔؟

مفتی صاحب نے جو جواب دیا ۔ اس کو سن لیجئے انہوں نے فرمایا جو امور حکم سلطانی پر موقوف ہیں ان کی اطاعت ہم پر فرض ہے اور جو حکم فتوے سے تعلق رکھتا ہے وہ بادشاہ ہو یا کوئی اور اسے مجھ سے پوچھنا چاہئے کیونکہ بحکم شریعت علماء کا فتویٰ حکم شاہی کے برابر ہے۔

یہ تھے ہمارے بزرگ اور یہ تھی ہماری تاریخ ۔ زمانہ بھی جمہوریت کا نہیں بدنام شہنشاہیت کا تھا، لیکن ہمارے ایسے بزرگوں نے ہر زمانے میں ہر طرح کے حالات میں حق کا چراغ روشن رکھا ۔ اور اب ..... ایک ہم مسلمان ہیں کہ جہاں ایمان ٹکے سیر بک جاتا ہے ۔ زیادہ دیر کہاں گذری ایمرجنسی کے تاریک دور کی یہ تاریک یادیں اب تک باقی ہیں کہ نسبندی کے حق میں حکومت کو خوش کرنے کے لئے کوئی نام نہاد صوفی اپنی آواز اونچی سے اونچی کرنے کی فکر میں تھے تو کوئی سجادہ نشین قرآن و حدیث کی روشنی میں نسبندی کو نہ صرف جائز بلکہ واجب اور فرض بتا رہے تھے اور کتابیں لکھ لکھ کر چھپوا رہے تھے ۔ یہ تو کچھ دیوانے علمائے حق تھے جنہوں نے اس تاریکی میں بھی حق کا چراغ روشن رکھا۔

○ صبح خواتی کی بات نہیں ہمارے مالیر کوٹلہ کے موجودہ مفتی جناب مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب کا کردار اور ان کا ثبات حق بھی اس مشکل وقت میں مثالی رہا ہے ۔ انہوں نے جرأت حق کے ساتھ نسبندی کے جواز کے حق میں فتویٰ دینے سے صاف انکار کر دیا ۔ حالانکہ سابق مرحوم مفتی صاحب کا فتویٰ اس دلیل کے طور پر ان کے سامنے رکھا گیا کہ جب وہ جائز کہہ چکے ہیں تو آپ کیوں انکار کرتے ہیں ۔ مرحوم مفتی صاحب کی چھپی ہوئی تحریر تھی کہ

مالیر کوٹلہ کے مفتی مولانا حمید حسن کا فتویٰ

" فیملی پلاننگ کا مطلب نسل کشی نہیں بلکہ اُتنی اولاد پیدا کرنا ہے جس کی پرورش ہم آسانی سے کر سکیں تاکہ ہماری قوم طاقتور بنے ۔ فیملی پلاننگ پروگرام کو اپنا کر ملک کو درپیش بڑے بڑے مسئلوں کو آسانی سے حل کیا جا سکے گا

اور قوم کو زیادہ سہولتیں بھی مل جائیں گی، ہماری اس پروگرام کے ساتھ پوری ہمدردی ہے، ایسا کر کے ہم کسی پہ احسان نہیں کرتے خود اپنا اور اپنی قوم کا فائدہ کرتے ہیں،،

مرحوم مفتی صاحب کا یہ فتویٰ سٹیٹ ہیلتھ ایجوکیشن بیورو محکمہ صحت پنجاب چنڈی گڑھ نے چھپوا کر تقسیم کیا تھا۔

اس تحریر کو دیکھ کر مفتی فضیل الرحمٰن نے جواب دیا کہ ـــ میں نے خدا اور خدا کے رسولؐ کی فرماں برداری کا عہد کیا ہے ـــ مجھے نہیں معلوم کس کا کیا فتویٰ ہے نہ معلوم یہ فتویٰ کس طرح لیا گیا اور مرحوم نے دیا بھی ہے یا اپنی طرف سے بنایا گیا ہے ـــ موصوف بہر حال ہمارے قابل قدر علماء میں سے تھے۔

ان پہ دباؤ بھی دیا گیا ـــ ایک طرف قید خانہ تھا دوسری طرف شریعت کا حکم، ان کو لالچ بھی دیا گیا۔ ایک طرف دنیا کی دولت تھی دوسری طرف حکم شریعت کی آبرو تھی انہوں نے خوف اور لالچ سے بے نیاز ہو کر کلمۂ حق کہا ـــ اور اس طرح اپنے عظیم منصب کی ذمہ داری کو ادا کر دیا اور مالیر کوٹلہ کے مسلمان کو جبری نسبندی سے بچ گئے اور خود دارالعلوم دیوبند کے بقول دارالعلوم دیوبند کے لئے باعث فخر ثابت ہوئے، دارالعلوم دیوبند سے آکر مالیر کوٹلہ میں مفتی ہونے کے بعد دارالعلوم نے ان کو جو سرٹیفکیٹ دیا تھا وہ آزمائش کی کسوٹی پر حرف بحرف ٹھیک ثابت ہوا، دارالعلوم دیوبند نے لکھا تھا،

> تصدیق کی جاتی ہے کہ مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی ولد جناب قاری جلیل الرحمٰن صاحب عثمانی نے دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۶۳ء سے بحیثیت مدرس دارالعلوم دیوبند خدمت انجام دی اور مالیر کوٹلہ (پنجاب) میں مفتی دارالافتاء مالیر کوٹلہ کے منصب پر فائز ہونے کے بعد ۱۹۶۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے سبکدوش ہوئے، دارالعلوم دیوبند میں ملازمت کے دوران ان کا کردار و عمل ہر طرح لائق تحسین رہا، اور ذمہ داران دارالعلوم کو ان سے کسی طرح کی کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی، دارالعلوم ان کی ممتاز علمی لیاقت و صلاحیت کا اعتراف کرتا ہے اور یہ امید رکھتا ہے کہ ..... وہ یہاں بھی رہیں گے دارالعلوم کے لئے باعث فخر ہوں گے
>
> دستخط سید اختر حسین ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند ۲۰-۱۱-۶۵ء

عجیب بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے یہ الفاظ ٹھیک اس وقت لکھے جا رہے تھے جب دار و رسن اور آزمائش کا یہ مرحلہ سر پر تھا،

باقی صفحہ پر

اسلام کا نظامِ حکومت

کیسا اور کس طرح؟

جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی

اسلامی نظام حکومت وہی نظام ہے۔ جو قرآن مجید سنت اور تعاملِ صحابہ پر مبنی اور اس سے ماخوذ ہو' اس کا عملی نمونہ خلافتِ راشدہ کی شکل وصورت میں نظر آتا ہے خصوصاً حضرت ابوبکر وعمر کی پوری مدتِ خلافت اور عثمانی خلافت کے دورِ اول میں' اس میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ یہ نظام دنیا کا اعلیٰ اور صالح ترین نظامِ حکومت ہے جو انسانی فلاح وبہبود کا ضامن' اور متکفل ہوسکتا ہے اس کو پاکستان کیا [illegible] ساری دنیا میں نافذ ہونا چاہیے اور وہ نافذ ہو بھی سکتا ہے اس میں کوئی استحالہ نہیں ہے

لیکن سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلامی نظامِ حکومت کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے کہ آپ نے اوس کو گھمایا اور یہ نظام قائم ہوگیا' یا وہ کوئی طلسماتی دروازہ نہیں ہے کہ آپ نے کہا:- کھل جا سمسم! اور وہ کھل گیا بلکہ اسلام مسلمانوں کے عوام وخواص میں قلب ونظر کی تبدیلی اور ایمانِ محکم وعمل پیہم کا جو مطالبہ کرتا ہے جب تک وہ تبدیلی پیدا نہ ہو اسلامی نظام کو دستوری حیثیت سے اپنے ملک کے لیئے اختیار کرلینے کا اعلان کردینا ہرگز مفیدِ مقصد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اس کا منفی اثر یہ ہوگا کہ اسلام بدنام ہوگا اور اوس سے بری نظریں قائم ہوں گی۔ تاریخ میں کیا،

کچھ نہیں ہوا؟ خلافت راشدہ کے بعد ترکی میں الغائے خلافت تک خلافت قائم رہی لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان خلافتوں کا نظام حکومت خالص اسلامی نظامِ حکومت تھا ہرگز نہیں یہ خاندانی موروثی اور شخصی حکومتیں تھیں۔ ہر خلیفہ اپنی ذاتی پسند ناپسند اور اپنے شخصی امیال وعواطف اور رجحانات کے مطابق کام کرتا تھا۔ ان میں کیرکٹر اور اخلاق کے اعتبار سے اچھے اور برے سب قسم کے لوگ تھے کوئی برا شخص برسرِ اقتدار آگیا تو اس نے معاشرہ میں فساد پیدا کردیا۔ اور اگر کوئی اچھا شخص سریر آرائے خلافت و سلطنت بن گیا تو اوس نے معاشرہ میں سدھار پیدا کردیا بہرحال پوری تاریخ میں یہی نشیب وفراز اور اتار چڑھاؤ جاری رہا۔ اسلام بذات خود ایک آفتاب درخشاں تھا لیکن ان خلفاء کے اعمال وافعال سے کبھی وہ گہن میں آگیا اور کبھی گہن کم ہوا تو کبھی اس کا ایک گوشہ اور کبھی دوسرا گوشہ روشن ہوکر اپنی شعاعیں بکھیرنے لگا لیکن پورا آفتاب گہن سے باہر کبھی نہ آسکا اور اگر کبھی ایسا ہوا بھی تو ایک مختصر وقفہ کے لیئے' اوس میں تسلسل پیدا نہ ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو آج دنیا کی تاریخ ہی کچھ اور ہوتی اس میں شبہ نہیں کہ اس دور میں جو سیاسی فتوحات اور توسیعِ مملکت ہوئیں تو چونکہ یہ سب

فاتحین آخر مسلمان تو تھے ہی اس لئے اسلام کو اون سے فائدہ پہونچا اور ان فتوحات کے باعث مسلمانوں نے علم و ثقافت اور تہذیب و تمدن کے میدانوں میں بھی ترقی کی اور اس سے وہ عظیم الشان تاریخ پیدا ہوئی جو ملت اسلامیہ کے لئے سرمایہ نازش و افتخار ہے۔ لیکن مجھے اس میں شبہ ہے کہ ان فاتحین میں کتنے ایسے تھے جن کی فوج کشی خالصۃً لوجہ اللہ تھی اور ان میں کتنے ایسے تھے جنہوں نے اپنے خاندانی خصائص و روایات یا شخصی حوصلہ مندی اور عالی ہمتی کے زیر اثر جنگ و پیکار کی مہم سر کی۔

میں یہاں یہ بات بھی واضح کر دوں کہ خالصۃً لوجہ اللہ سے میری مراد غیر مسلموں کو مسلمان بنانا ہرگز نہیں ہے، کیونکہ دین میں جبر اور زبردستی ممنوع ہے، البتہ اسلام میں فوج کشی دو صورتوں میں جائز اور بعض تبہ ضروری ہے۔ ایک اس وقت جب کہ کوئی مملکت اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ سخت دشمنی (HOSTILITY) کے باعث اسلامی ملک پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہی ہو اور دوسری صورت یہ ہے یہ ہے کہ اگر کسی ملک میں خلق خدا پر جور و ستم ہو رہا ہو۔ اور وہاں لوگو کی عزت، اون کی جان و مال اور ان کی عورتوں کی عصمت محفوظ نہ ہو۔ تو چونکہ مسلمان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منصب پر فائز ہیں اور رحمۃ للعالمین کی طرف سے دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنے کے فریضہ پر مامور ہیں اس بنا پر ایک اسلامی مملکت کے لئے موقع اور محل اور اپنی بساط و استطاعت کے اعتبار سے یہ ضروری ہے کہ وہ مظلوموں کی امداد و اعانت اور اون کی دادرسی کے لئے ایک جابر و ظالم حکومت سے نبرد آزما ہوں۔ جیسا کہ سندھ کی تاریخ نامہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سندھ پر محمد بن قاسم کے حملہ کا سبب یہی سبب تھا کہ وہاں راجہ داہر نے لوگوں کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ سندھ میں ایک شخص کو بھی جبراً مسلمان نہیں بنایا گیا اور نہ ہندوؤں کے معابد اور اون کے پجاریوں کو نقصان پہونچایا گیا اگر اسی عدل و انصاف اور اعلیٰ اخلاق و کردار کے باعث وہاں اسلام خود بخود پھیلا اور سرسبز شاداب ہوا تو اس میں محمد بن قاسم کی تلوار کا کیا قصور ہے؟ اس تلوار کا کام تو خلق خدا کو امن و عافیت سے زندگی بسر کرنے کے قابل بنانا تھا اور بس! چنانچہ فتوح البلدان بلاذری میں باب فتوح السند" کے ماتحت لکھا ہے کہ یہاں چار برس تک حکومت کرنے کے بعد جب محمد بن قاسم کو دارالخلافت واپس بلایا گیا اور وہ یہاں سے رخصت ہونے لگا ہے تو گھر گھر میں اس کا ماتم بپا تھا اور مندروں کے پجاریوں اور پنڈتوں نے بھی اس کا ماتم کیا اور اس کے مجسمے (تمثال) بنا بنا کے اپنے گھروں میں رکھے، لوگوں نے پوچھا تم ایسا کیوں کرتے ہو اس شخص نے تو تمہارا ملک فتح کیا اور اس پر قبضہ جمایا تھا۔ انھوں نے جواب دیا: ہم ایسا کیوں نہ کریں، ہم راجہ کی حکومت میں مظلوم اور ستم رسیدہ تھے، ٹیکسوں کی بھرمار نے ہمارا جینا دشوار کر دیا تھا ہماری عزت اور ناموس کوئی چیز محفوظ نہ تھی اس شخص نے آکر ہم کو سکھ دیا، امن اور چین دیا اور ہمارے مذہب میں کوئی مداخلت نہیں کی اس لیے یہ شخص ہمارا سب سے بڑا مربی اور محسن ہے کتاب اس وقت میرے سامنے نہیں ہے اور اس کو پڑھے ہوئے بھی عرصہ دراز ہو گیا اس لئے ٹھیک الفاظ

کیا ہیں ؟ وہ تو یاد نہیں مگر مطلب قریب قریب یہی ہے

بہر حال خالصتہً لوجہ اللہ فوج کشی کی یہی دو صورتیں ہیں ان کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمان فاتحین میں کتنے لوگ تھے جن کا عمل اس جذبہ کے ماتحت تھا اور کتنے ایسے تھے جن کا مقصد ملک گیری اور توسیع مملکت تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ انفرادی طور پر بعض نیک دل سلاطین اور مجاہدین اسلام نے کوششیں کیں جو کبھی کامیاب ہوئیں اور کبھی ناکامیاب، لیکن مجموعی طور پر اسلامی نظام حکومت قائم نہ ہوسکا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کسی خاص نظام کی حکومت قائم کرنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ملک اور قوم کے افراد و اشخاص کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ اوس نظام کو مکمل طور پر اپنا اور اوس کو برتنے کا اہل بنایا جائے۔ مثال کے طور پر یہ دیکھئے کہ آج ایشیا کے لو زایدہ ملکوں میں دستوری طور پر جہاں جمہوری نظام قائم ہے ان ملکوں کے عوام جمہوریت کے عطا کردہ حقوق سے تو واقف ہیں۔ لیکن اون فرائض و واجبات پر یقین نہیں رکھتے جو جمہوریت ان پر عائد کردیتی ہے اس بنا پر عوام کے ہاتھ میں جمہوریت اوس ایک مغلوب الغضب اور احمق کی تلوار ہو کر رہ گئی ہے جس سے وہ خود اپنا گلا کاٹ رہا ہے اور ملک میں انتشار کا باعث ہو رہا ہے۔

غور کیجئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وظائف حیات اور کارناموں کی انجام دہی کی راہ میں بجلی اور ہوا کی رفتار سے قطع مسافت کی ہے یعنی آپ نے اپنی مدنی زندگی کے دس برس میں دنیا کا وہ عظیم ترین انقلاب پیدا کردیا جو اس زمانہ کے مواصلات اور ذرائع آمد و رفت کے پیش نظر ایک صدی میں برپا ہو سکتا تھا لیکن یہ سب کچھ کب ہوا؟ یہ اوس وقت ہوا جب کہ مکہ کے تیرہ برسوں میں ہر قسم کے آلام شدائد برداشت کرکے تذکیۂ نفس و تجلیۂ باطن کے ذریعہ آپ ایک ایسی قوم پیدا کرچکے تھے جن پر اقبال کا یہ شعر ہو بہو صادق آتا تھا

جلال کبریائی در قبا مش
جلال بندگی اندر سجودش

یہی وہ بادیہ نشین تھے جو صحرائے عرب سے اٹھے اور قیصر و کسریٰ کی دیرینہ حکومتوں کا تختہ الٹ کر اپنے خیموں یا مٹی اور پھوس کے بنے ہوئے اپنے گھروں میں واپس آگئے، رضی اللہ عنہم و رضو عنہ۔ ملت اسلامیہ کے یہی وہ اولین معمار اور مقدس افراد و اشخاص تھے، جن کے سہارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں اسلامی نظام حکومت (اسلامی ریاست) قائم فرمائی اور یہی وہ حضرات تھے جنہوں نے آپ کے بعد خلافت راشدہ کی عمارت کے لئے ستون کا کام کیا، لیکن جب یہ حضرات دنیا سے رخصت ہونے لگے یا اون میں چھیر پڑ گئی کہ کوئی کہیں گیا اور کوئی کہیں اور مدینہ میں ان کی جمعیت یکجا نہ رہی تو ایسا محسوس ہوا گویا ایک عظیم الشان بلڈنگ میں جھٹکا آگیا اور اس کی ایک اینٹ کم ہو گئی چنانچہ اس زمانہ کے بعد کی جو تاریخ وہ اس کا ثبوت ہے حضرت علیؓ کو چونکہ ان حالات سے سابقہ پڑا تھا اس بنا پر آپ کو اس تبدیلی کا کامل احساس تھا چنانچہ تاریخ ابن خلدون میں ہے۔ کسی نے آپ سے دریافت کیا، حضرت! اس کی کیا وجہ ہے کہ شیخین

(حضرت ابوبکر و عمر) کے زمانہ میں اتنی پھوٹ نہیں تھی
جتنی آپ کے زمانہ میں ہے۔ حضرت علی نے جواب دیا:۔
وجہ یہ ہے کہ شیخین کے زمانہ میں مسلمان میرے جیسے
تھے، اور میرے زمانہ کے مسلمان تمہارے جیسے ہیں۔
اسی نوع کا ایک مقولہ حضرت علی کا الکامل للمبرد میں ہے
آپ نے ایک مرتبہ خطبہ میں ارشاد فرمایا:۔ تم لوگ کہتے
ہو کہ علی کو سیاست نہیں آتی۔ اصل بات یہ ہے کہ تم
میری اطاعت نہیں کرتے، جب جاڑوں کے موسم میں
اہل شام سے جنگ کرنے کی تم کو دعوت دیتا ہوں تو
تم کہتے ہو: اف وہ! آج کل تو بہت سخت کڑاکے کی سردی
پڑ رہی ہے۔ دانت سے دانت بج رہے ہیں (ھذا
اوان قر وصر) اگر گرمی کے دنوں میں کہتا
ہوں تو تم یہ کہہ کر ٹال دیتے ہو کہ کس بلا کی گرمی ہے
چلچلاتی دھوپ پڑ رہی ہے (ھذا اوان قیظ و
حیا۔) غرض کہ کوئی نہ کوئی بہانہ کرتے اور جنگ سے
جی چراتے ہو، تو اے لوگو! تم تو میری اطاعت کرتے
نہیں ہو اور کہتے ہو کہ علی کو سیاست نہیں آتی۔ ہاں
تم نے ٹھیک کہا جس کی اطاعت نہیں کی جاتی اوس
کی نسبت کہا یہی جاتا ہے کہ اسے سیاست نہیں آتی
غور کیجئے حضرت علی کے ان الفاظ میں کس درجہ غصہ
اور کتنا درد و کرب اور حسرت ہے، غصہ اس بات
پر کہ میں خلیفہ ہوں اور پھر یہ لوگ میری اطاعت نہیں
کرتے جس کے باعث نظم و نسق پراگندہ ہو رہا ہے
اور درد و کرب اس بات پر کہ ابھی حضور اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کو دنیا سے تشریف لے گئے ہوئے پورے
چالیس برس بھی نہیں ہوئے اور مسلمانوں کی حالت یہ
ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک قول
بھی منسوب ہے۔ اگرچہ اس کی سند مشتبہ ہے لیکن تاریخی
حقیقت کے اعتبار سے صحیح ہے، وہ یہ کہ میرے بعد
خلافت تیس سال چلے گی اوس کے بعد شہنشاہیت
کا دور دورہ ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسباب زوال امت پر بہت کچھ لکھا گیا اور
کہا گیا ہے لیکن میرے نزدیک اس کی بنیادی وجہ یہ
ہے کہ اسلام اپنی فطرت میں دائم الحرکت (Dynamic)
ہے وہ کسی ایک مقام پر ٹھہر نہیں سکتا اوس کے دل
میں پوری انسانیت کا درد ہے، اس لیئے اوس کا
فرض ہے کہ دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنا پیغام صحت
و عافیت پہونچائے لیکن پے بہ پے فتوحات توسیع
مملکت، دولت کی ریل پیل سامان و اسباب تعیش کی
افزائش ان سب چیزوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلم سوسائٹی
ایک غیر متحرک اور سکون پذیر (STATIC And
SETTLED) سوسائٹی بن گئی اس بنا پر اس سوسائٹی
کے صالح افراد کو اپنی آخرت کی فکر دامنگیر رہی لیکن دنیا
کے دوسرے لوگوں کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا کہ جب
حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین اور مبعوث الی
کافتہ الناس تھے تو ان کی فوز و فلاح کی بھی فکر کرتے
قاعدہ ہے کہ جب ایک انسان کسی ایک اعلیٰ مقصد کے
لیئے رواں دواں رہتا ہے۔ تو اوس کی قوت عمل
بیدار رہتی ہے۔ اوس کے اخلاق بلند اور اوس کا
کیریکٹر بے لوث اور پرخلوص ہوتا ہے اور جب وہ کسی
ایک مقام پر رہ پڑتا ہے تو اب اوس کی ہر چیز کو گھن
لگنا شروع ہو جاتا ہے یہی حال قوموں اور جماعتوں کا
کا ہے، چنانچہ بدقسمتی سے مسلم سوسائٹی کو یہی معاملہ
پیش آیا، ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ پوری زمین میرے لیے مسجد اور طہور بنائی گئی ہے۔ مسلمان عام طور پر اس کا مطلب یہی سمجھتے رہے کہ زمین پر جہاں چاہو نماز پڑھ لو اور تیمم کرلو، لیکن اس فرمانِ نبوی کی لِم اور رمز کیا ہے؟ اوس کو برملا اور بار بار کمال بلاغت و قوت سے اقبال نے جس طرح بیان کیا ہے کسی نے بیان نہیں کیا۔ ارمغان حجاز میں ایک بوڑھے بلوچی کی زبان سے جو اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا ہے کہتے ہیں:

محروم رہا دولت دریا سے وہ غواص
کرتا نہیں صحبت ساحل سے جو کنارا

اسی کتاب میں ابلیس کی زبان سے جو اپنے مشیروں کو ہدایت دے رہا ہے کہتے ہیں:-

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات

اسلام اپنی اشاعت اور توسیع میں ان تاجروں، مبلغوں اور صوفیا و مشائخ کا ممنون ہے جو شہر بشہر ایک ملک سے دوسرے ملک میں پھرتے رہتے اور مشرق و مغرب کی طنابیں کھینچے رہتے تھے۔ لیکن ان حضرات کی یہ جد و جہد انفرادی تھی مجموعی حیثیت سے امتِ اسلامیہ نے اس فریضہ و وظیفہ حیات کو نظر انداز کر دیا اور وہ سکون پذیر ہو کر بیٹھ گئی اسی حقیقت کی طرف اقبال نے ابلیس کی زبان سے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

پس اسلامی نظامِ زندگی اپنی پوری تب و تاب اور توانائی کے ساتھ قائم نہ رہا تو اسلامی نظام مملکت کہاں قائم رہتا۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رح مفتی اول دارالعلوم دیوبند

حاکم جو گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ہے اگر وہ مسلمان ہے تو قائمقام قاضی ہوجاتا ہے جیسا کہ "درمختار" میں اس کی تصریح ہے کہ:-

وتجوز تقلد القضاة من السلطان العادل والجائر ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ من القضاء بالحق -	قاضیوں کا تقرر عادل اور ظالم (ہر طرح کے) بادشاہ کی طرف سے درست ہے اگرچہ وہ بادشاہ کافر ہی کیوں نہ ہو، اسکو مسکین وغیرہ نے بیان کیا ہے ہاں اگر وہ بادشاہ برحق فیصلہ کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے تو (یہ تقرر) صحیح نہیں ہوگا۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند جلد ششم صفحہ ۱۴۸)

عن عطاءؒ :- اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ - قال: واولوا العلم والفقه -

اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اولی الامر کی۔ حضرت عطاؒ اس آیت کی تغیسر میں فرماتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد علماء اور فقہا ہیں۔

جناب سید احمد صاحب
قادری

فریضۂ رسالت جب انسانوں سے آباد کوئی گاؤں، کوئی بستی، کوئی شہر، کوئی علاقہ، خدا کو بھول جاتا تھا، جب کوئی قوم اپنے خالق اور اپنے حقیقی مالک سے منہ پھیر لیتی تھی۔ جب کوئی گروہ خدا کی ذات میں، اس کی صفات میں اور اس کے حقوق و اختیارات میں دوسروں کو شریک بنا لیتا تھا، جب خدا سے غفلت اس سے بغاوت و سرکشی تک پہنچ جاتی تھی جب کوئی قوم دنیا کی محبت میں مست ہو کر، خواہشات نفس پوری کرنے میں غرق ہو جاتی تھی جب انسانوں کی کوئی بھیڑ اپنی انسانیت فراموش کرکے جانوروں کا ریوڑ بن جاتی تھی، جب بے حیائی بدکرداری کمزوروں کی حق تلفی، ظلم اور سنگدلی کسی علاقے میں عام ہو جاتی تھی، جب انسانوں کا کوئی طاقتور جتھا، دوسرے کمزور انسانوں کا خدا بن جاتا تھا۔ جب عزت و وقار اور شرافت کا معیار دولت اور قوت بن جاتی تھی، جب شرک، کفر اور گناہ کی تاریکیاں کسی انسانی معاشرے پر چھا جاتی تھیں۔ جب انسانیت جبر و ظلم کے شکنجے میں کسی ہوئی الاماں الاماں پکارنے لگتی تھی اور جب انسانی روح کی تشنگی اپنی آخری حد کو چھو لیتی تھی تو

"اس گاؤں میں، اس بستی میں، اس شہر میں اور اس علاقے میں نبوت و رسالت کا آفتاب طلوع ہوتا اور وحی الٰہی کی بارش برسنے لگتی تھی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنا کوئی نبی و رسول مبعوث فرماتا تھا کہ وہ باغی و سرکش بندوں کو راہ راست پر لائے ان تک پیغام حق پہنچائے اور ان کی اصلاح کرے۔

انبیاء کرام کا ابتدائی خطاب اور آغاز دعوت

نافرمان بندوں کی ہمہ جہتی اصلاح اور ان کی زندگیوں میں کلی انقلاب کے لئے انبیاء کرام اللہ کی ہدایت کے تحت جو سب سے پہلا کام کرتے تھے وہ یہ ہوتا تھا اور یہی ہو سکتا تھا کہ انہیں بندگی رب کی دعوت دیں اور بتائیں کہ اللہ کے سوا ان کا ۔۔ئی اور خدا نہیں ہے بلا استثنا تمام انبیاء کرام علیہم السلام کا ابتدائی خطاب اور ان کی دعوت کا آغاز یہی تھا کیونکہ تمام خرابیوں کی جڑ شرک و کفر ہے اور تمام اچھائیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ توحید اور ایمان باللہ ہے تمام اسلامی عقیدے اسی سرچشمے سے پھوٹتے اور تمام نیکیاں اسی سے ابلتی ہیں آپ دنیا کے اصل بگاڑ کا جائزہ لیں تو پائیں گے کہ خدا کے بارے میں کوئی غلط تصور اور کوئی غلط خیال اس کی جڑ ہے۔ کوئی شخص یا کوئی گروہ خدا کا انکار کرے یا اس کی ذات و صفات کے بارے میں کوئی غلط تصور

جائے نتیجے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق واقع نہیں ہوگا جب تک وہ غلط تصور اور غلط خیال دل و دماغ سے نوچ کر پھینک نہ دیا جائے۔ کوئی انسان نہ توحید کی حقیقت پا سکتا اور نہ اپنی خواہشات نفس کے منہ میں تقویٰ کا لگام ڈال سکتا ہے عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت کی صحت بھی عقیدۂ توحید کی صحت پر موقوف ہے اگر عقیدۂ توحید میں کوئی خلل ہو تو لازماً اس کا اثر عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت پر بھی پڑے گا۔ اسکی عبرتناک مثال یہود و نصاریٰ ہیں۔ جب تک توحید صحیح نہ ہو اور اس پر مخلصانہ ایمان کی دولت نصیب نہ ہو نہ دنیا سے بگاڑ کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور نہ انسانوں کی ہمہ جہتی اصلاح ممکن ہے۔

انبیاء کرام نذیر و بشیر بنا کر بھیجے جاتے تھے تاکہ وہ خدا کے باغیوں کو ان کے انجام بد سے خبردار کر دیں اور خدا کے وفاداروں کو اس کی رحمت و خوشنودی کی خوشخبری سنا دیں۔ ان کے ابتدائی خطاب اور آغاز دعوت کی پہلی مفصل سرگذشت حضرت نوح علیہ السلام کی تاریخ میں ملتی ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا	بے شک ہم نے بھیجا نوح کو اس
اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ	کی قوم کی طرف پس اس نے
يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ	کہا اے میری قوم بندگی کرو
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ	اللہ کی کوئی نہیں تمہارا معبود
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ	اس کے سوا میں خوف کرتا
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ	ہوں تم پر ایک بڑے دن کے
(الاعراف آیت ۵۹)	عذاب کا۔

(ترجمہ شاہ عبدالقادر و شیخ الہند)

شاہ عبدالقادرؒ نے الاعراف کی آیت میں الٰہ کا ترجمہ معبود کیا ہے اور المومنون کی آیت میں اس کا ترجمہ "حاکم" کیا ہے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی حقیقی معبود ہے اور نہ کوئی حقیقی حاکم، جب انسان صرف اللہ کو واحد معبود اور واحد حاکم تسلیم نہ کرلے۔ ایمان باللہ کا وجود ہی نہیں ہوتا۔ ما لکم من الٰہ غیرہ وہ تہلکہ خیز اور زلزلہ انداز اعلان ہے۔ جس نے شرک و کفر کی بنیادوں کو ہلا دیا ہے اور ان بنیادوں پر اٹھائی ہوئی عمارت زمین بوس ہو گئی ہے۔

تیسری جگہ فرمایا گیا۔

اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا (اس نے کہا) میں تم لوگوں کو صاف صاف خبردار کرتا ہوں کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر ایک دردناک عذاب آئے گا (ہود ۳، آیت ۲۵، ۲۶)

چوتھی جگہ ارشاد ہوا:-

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس ہدایت کے ساتھ) کہ اپنی قوم کے لوگوں کو خبردار کر دے قبل اس کے کہ ان پر ایک دردناک عذاب آئے۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! میں تمہارے لیے ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا (پیغمبر) ہوں (تم کو آگاہ کرتا ہوں) کہ اللہ کی بندگی کرو اس سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ تمہارے گناہوں سے درگزر فرمائے گا اور تمہیں ایک وقت مقرر تک باقی رکھے گا

(نوح آیت ۱ تا ۴)

پانچویں مقام پر کہا گیا:-

قوم نوح نے رسولوں کو جھٹلایا۔ یاد کرو جبکہ

ان کے بھائی نوح نے ان سے کہا تھا "کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔ میں تمہارے لیئے ایک امانت دار ہوں لہذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ میں اس کام پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں میرا اجر تو رب العالمین کے ذمہ ہے۔ پس تم اللہ سے ڈرو اور (بے کھٹکے) میری اطاعت کرو۔

(الشعراء ۵۰۱ تا ۱۱۰)

ابتدائی خطاب کی ان باتوں میں کفر و شرک اور اللہ کی بغاوت کے برے انجام سے ڈرایا اور خوف دلایا گیا ہے اس کی حکمت کے بارے میں ایک مفسر لکھتے ہیں :۔

" دعوت کے آغاز میں خوف دلانے کی حکمت یہ ہے کہ جب تک کسی شخص یا گروہ کو اس کے غلط روی کی بدانجامی کا خطرہ نہ محسوس کرایا جائے وہ صحیح بات اور اس کے دلائل کی طرف توجہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا راہ راست کی تلاش آدمی کے دل میں پیدا ہی اس وقت ہوتی ہے جب اس کو یہ فکر دامنگیر ہو جاتی ہے کہ کہیں میں ٹیڑھے راستے پر تو نہیں جا رہا ہوں جس میں ہلاکت کا اندیشہ ہو۔"

انذار یعنی ڈراوا سنانے کے علاوہ آغاز دعوت میں جو باتیں کہی گئی ہیں وہ یہ ہیں :۔
(۱) اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی حاکم نہیں ہے (۲) میری اطاعت کرو (۳) میں تمہارے لیئے ایک امانت دار رسول ہوں (۴) میں اس کام پر تم سے اجر کا طالب نہیں میرا اجر اللہ رب العالمین کے ذمے ہے۔

آغاز دعوت میں قوم نوح سے جو مطالبہ کیا گیا وہ صرف یہ تھا کہ اللہ کی کامل بندگی کرو اور جو رسول تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں ان کی اطاعت کرو۔ تیسری اور چوتھی بات اس دعوت کے حق ہونے کی دلیل کے طور پر کہی گئی ہے۔ قوم نوح کو ڈراوا سنانے کے ساتھ ساتھ یہ بشارت بھی سنائی گئی ہے کہ اگر وہ اس دعوت حق کو قبول کرلے تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور آنے والا عذاب ٹل جائے گا۔ انذار کے ساتھ تبشیر ایک لازمی جزو کے طور پر لگی ہوئی ہے۔

اپنی دعوت کا آغاز کرتے ہوئے حضرت نوحؑ نے اس کے صحیح اور برحق ہونے کی ایک دلیل یہ دی ہے کہ " میں تمہارے لیئے ایک امانت دار رسول ہوں اس کی تشریح یہ ہے :۔

اس کے دو مفہوم ہیں' ایک یہ کہ میں اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر یا کم و بیش کر کے بیان نہیں کرتا بلکہ جو کچھ خدا کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتا ہے وہی بے کم و کاست تم تک پہنچا دیتا ہوں اور دوسرا مفہوم ہے کہ میں ایک ایسا رسول ہوں جسے تم پہلے سے ایک امین اور راست باز آدمی کی حیثیت سے جانتے ہو۔ جب میں خلق کے معاملے خیانت کرنے والا نہیں ہوں تو خالق کے معاملے میں کیسے خیانت کر سکتا ہوں لہذا تمہیں باور کرنا چاہیئے کہ جو کچھ میں خدا کی طرف سے پیش کر رہا ہوں اس میں بھی ویسا ہی امین ہوں جیسا دنیا کے معاملات میں آج تک تم نے مجھے امین پایا ہے۔"

دوسری دلیل حضرت نوحؑ نے یہ دی تھی کہ میں اس پر تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں اس دلیل کی تشریح

" دوسری دلیل یہ ہے کہ میں ایک بے غرض آدمی ہوں تم کسی ایسے ذاتی فائدے کی نشاندہی نہیں کر سکتے جو اس کام سے مجھے حاصل ہو رہا ہو، یا جس کے حصول کی میں کوشش کر رہا ہوں۔ اس بے غرضانہ طریقہ سے کسی ذاتی فائدے کے بغیر جب میں اس دعوت حق کے کام میں شب و روز اپنی جان کھپا رہا ہوں اپنے اوقات اور محنتیں صرف کر رہا ہوں اور ہر طرح کی تکلیفیں اٹھا رہا ہوں تو تمہیں باور کرنا چاہیئے کہ میں اس کام میں مخلص ہوں۔ ایمانداری کے ساتھ جس چیز کو حق جانتا ہوں اور جس کی پیروی میں خلق خدا کی فلاح دیکھتا ہوں وہی پیش کر رہا ہوں کوئی نفسانی جذبہ اس کا محرک نہیں ہے کہ اس کی خاطر میں جھوٹ گھڑ کر لوگوں کو دھوکہ دوں یہ دونوں دلیلیں ان اہم دلائل میں سے ہیں جو قرآن مجید نے بار بار انبیاء علیہم السلام کی صداقت کے ثبوت میں پیش کی ہیں اور جن کو وہ نبوت کے پرکھنے کی کسوٹی قرار دیتا ہے۔

اب یہ بھی دیکھ لیجئے کہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کو بندگی رب اور اپنی اطاعت کی دعوت کتنی مدت تک دیتے رہے

ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اور پچاس کم ایک ہزار برس ان کے درمیان رہا آخر کار ان لوگوں کو طوفان نے آگھیرا اس حال میں کہ وہ ظالم تھے۔ (العنکبوت آیت ۱۴)

مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حاشیہ قرآن میں لکھا ہے :-

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ حضرت نوح چالیس سال کی عمر میں معبوث ہوئے۔ ساڑھے نو سو برس دعوت و تبلیغ اور سعی و اصلاح میں مصروف رہے پھر طوفان آیا۔ طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے اس طرح کل عمر ایک ہزار پچاس ہوئی۔"

دعوت و تبلیغ کی پوری مدت میں انھوں نے جن مصائب و شدائد کے درمیان زندگی بسر کی، اس کو قرآن نے کرب عظیم کہا ہے۔

آغاز دعوت ہمیشہ یکساں رہا

اس کے بعد قرآن کا مطالعہ کر کے دیکھئے کہ کیا حضرت نوح علیہ السلام سے لیکر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ہزاروں سال کی طویل مدت میں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ابتدائی خطاب اور ان کی دعوت کی نقطہ آغاز میں کوئی فرق واقع ہوا یا نہیں؟ کوئی فرق واقع نہیں ہوا۔

یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی بگڑی ہوئی قوم بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے اسے جو دعوت دی وہ بھی وہی تھی جو حضرت نوح نے اپنی مشرک و کافر قوم کو دی تھی۔

دیکھو میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لیکر آیا ہوں لہذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اللہ میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ لہذا تم اسی کی بندگی کرو۔ یہی راستہ سیدھا ہے۔

(آل عمران آیت ۵۰-۵۱)

اور یہی بات وہ خدا کے روبرو قیامت کی عدالت میں عرض کریں گے۔

میں نے ان سے اس کے سوا کچھ نہیں کہا جس کا آپ نے

حکم دیا تھا یہ کہ اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا
رب بھی۔ میں اسی وقت تک ان کا نگراں تھا جب تک کہ میں
ان کے درمیان تھا جب آپ نے مجھے واپس بلا لیا تو آپ
ان پر نگراں تھے اور آپ تو ساری ہی چیزوں پر نگراں ہیں
(المائدہ: ۱۱۷)

انبیاء کرام نے اپنی قوموں کو اچھے اعمال کی نصیحت
بھی کی اور انھیں برے اعمال سے روکا بھی، لیکن جن قوموں
نے ان کی اصل دعوت کو بہرے کانوں سے سنا تھا وہ
ان کی ان نصیحتوں پر کیا کان دھرتے جس طرح انھوں
نے ان کی اصل دعوت کا انکار کیا اسی طرح ان کی عملی
نصیحتوں کا بھی مذاق اڑایا اور آخر کار وہ تباہ و
برباد ہوئے۔ جو لوگ دنیا کے آرام اور یہاں کی لذتوں
کے عاشق ہوتے ہیں وہ صرف انھیں باتوں پر کان دھرتے
ہیں جن سے ان کا یہ مقصد حاصل ہو رہا ہو یا اس کے
حاصل ہونے کی توقع ہو۔

سیدنا محمدؐ کی جدوجہد کا اولین مرحلہ

پھر جب اللہ رب العالمین نے تمام جن و انس کے
لیے اپنا آخری نبی و رسول مبعوث فرمایا۔ اپنی آخری کتاب
نازل کی اور ایک ایسی مکمل شریعت عطا فرمائی جس میں
قیامت تک کسی ترمیم و تنسیخ کی ضرورت پیش نہ آئے تو آخری
رسول کا ابتدائی خطاب۔ اور ان کی دعوت کا نقطۂ آغاز
وہی رہا جو حضرت نوح کی نقطۂ آغاز تھا۔ فرق صرف یہ ہوا
کہ پہلے یا قوم (اے میری قوم!) سے خطاب شروع ہوتا تھا
اور اب یاایہا الناس (اے دنیا جہان کے لوگو!)
سے خطاب شروع ہوا۔

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ
إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ
فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ
الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

(الاعراف ۱۵۸)

اے محمدؐ! کہو اے انسانو! میں تم سب کی
طرف اس خدا کا پیغمبر ہوں جو زمین و آسمانوں کی
بادشاہی کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی خدا نہیں
ہے وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا
ہے۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے
نبی امیؐ پر جو اللہ اور اس کے ارشادات کو مانتا
ہے اور پیروی اختیار کرو اس کی، امید ہے کہ تم
راہ راست پا لوگے۔

اس آیت میں جس اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی
ہے وہ آسمانوں کا بادشاہ بھی ہے اور زمین کا بادشاہ
بھی۔ اللہ کی بادشاہی اور اس کی حاکمیت وہ حقیقت
ہے کہ اس کو تسلیم کئے بغیر عقیدۂ توحید کا وجود ہی ممکن نہیں
ہے حاکمیت الٰہ کا عقیدہ سیاست نہیں بلکہ عین توحید
ہے۔ پھر پورے قرآن کا مطالعہ کرکے دیکھئے کہ اللہ کی بادشاہی
اس کی حاکمیت اور اس کی مالکیت کو کتنی بار دہرایا گیا ہے
اور اسے کس قدر نمایاں کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس
کو تسلیم کئے بغیر اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالے
بغیر نہ کبھی کسی کو ہدایت ملی ہے اور نہ آئندہ ملے گی اور یہی
وجہ ہے کہ آغاز دعوت ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے
آخری رسول سے اسی حقیقت کا اعلان کرایا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:— لوگو! اپنے رب کے

غضب سے بچو حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔ (الحج ۱۱)

تیسری جگہ ارشاد ہے ہے۔

اے محمد کہدو لوگو! میں تمہارے لیئے صرف وہ شخص ہوں جو (برا وقت آنے سے پہلے) صاف صاف خبردار کر دینے والا ہو۔ پھر جو ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کے لیئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی اور جو ہماری آیات کو نیچا دکھانے کی کوشش کریں گے وہ دوزخ کے یار ہیں۔ (الحج ۴۹تا ۵۱)

چوتھی جگہ کہا گیا:-

لوگو ایک مثال دی جاتی ہے غور سے سنو جن معبودوں کو خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو وہ چھڑا بھی نہیں سکتے مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزت والا تو اللہ ہی ہے۔ (الحج: ۷۳-۷۴)

پانچویں جگہ فرمایا:-

الٓر۔ فرمان ہے، جس کی آیتیں پختہ اور مفصل ارشاد ہوئی ہیں ایک دانا اور باخبر ہستی کی طرف سے کہ تم نہ بندگی کرو مگر صرف اللہ کی۔ اس کی طرف سے تم کو خبردار کرنے والا بھی ہوں اور بشارت دینے والا بھی اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف پلٹ آؤ تو وہ ایک مدت تک تم کو اچھا سامان زندگی دے گا اور صاحب فضل کو اس کا فضل عطا کرے گا۔ لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو میں تمہارے حق میں ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں تم سب کو اللہ کی طرف پلٹنا ہے اور وہ سب کچھ کرسکتا ہے

(ہود ۱تا۴)

جب سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے آئے اور وہاں اسلامی حکومت قائم ہوگئی اور وہاں سے لوگوں کو دین کی دعوت دی گئی تو وہ یہی تھی کہ:-

لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں سب کا خالق ہے تمہارے بچنے کی توقع اس صورت سے ہو سکتی ہے وہی تو ہے جس نے تمہارے لیئے زمین کا فرش بچھایا۔ آسمان کی چھت بنائی اور پر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیئے رزق بہم پہنچایا پس جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

(البقرہ :- ۲۱، ۲۲)

تمام نوع انسانی کے سامنے وہ اصل بات پیش کی گئی جس کی طرف بلانے کے لیئے قرآن مجید آیا ہے۔

دعوت الی اللہ

اگر پورے دین کی طرف دعوت کو ایک جملے میں کرانا ہو تو اس کے لیئے قرآن مجید میں دعوت الی اللہ (اللہ کی طرف دعوت) کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے کیونکہ ایمان باللہ ہی پورے دین کا مرکزی نکتہ ہے۔ سورہ یوسف میں ارشاد ہوا ہے:-

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○

(یوسف: ۱۰۸)

تم ان سے صاف کہدو کہ میرا راستہ تو یہ ہے' میں اللہ کی کی طرف بلاتا ہوں میں خود بھی پوری روشنی میں اپنا راستہ دیکھ رہا ہوں اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے اور شرک کرنے والوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:۔

اور ایسا کبھی نہ ہونے پائے کہ اللہ کی آیات جب تم پر نازل ہوں تو کفار تمہیں ان سے باز رکھیں اپنے رب کی طرف دعوت دو۔ اور ہرگز مشرکوں میں شامل نہ ہو' اور اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کو نہ پکارو' اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس ذات کے۔ فرماں روائی اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب پلٹائے جانے والے ہو

(القصص: ۸۷-۸۸)

تیسری جگہ کہا گیا:۔

تم صاف کہدو کہ مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو اس کے ساتھ شریک ٹھہراؤں۔ لہٰذا میں اسی کی طرف دعوت دیتا ہوں اور اسی طرف میرا رجوع ہے۔ (الرعد: ۳۶)

چوتھی جگہ ارشاد ہوا:۔

اور اس شخص کی بات سے اچھی بات اور کس کی ہوگی جس نے اللہ کی طرف بلایا اور نیک عمل کیا اور کہا کہ میں مسلمان ہوں۔

(حٰم السجدہ: ۳۳)

پانچویں جگہ اللہ کی طرف دوڑنے اور بھاگنے کی دعوت دی گئی ہے:۔

پس دوڑو اللہ کی طرف' میں تمہارے لیے اس کی طرف سے صاف صاف خبردار کردینے والا ہوں اور نہ بناؤ اللہ کے ساتھ کسی کو دوسرا معبود' میں تمہارے لیے اس کی طرف سے صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔

(الذاریات: ۵۰-۵۱)

اس میں دوسری آیت صاف بتا رہی ہے کہ پہلی آیت میں توحید کی دعوت دی گئی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اے شرک میں مبتلا بندو' شرک سے پاک صاف ہوکر اللہ کی طرف دوڑو اور صرف اسی کی چوکھٹ پر اپنے سر جھکا دو۔

کیا بات سامنے آئی

اس تفصیل سے یہ بات سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو اقامت دین کے جس مشن پر بھیجتا رہا اس کا اولین مرحلہ یہ تھا کہ وہ اللہ کے مشرک بندوں تک توحید کا پیغام پہنچائیں اور انہیں شرک کفر اور معصیت کے انجام بد سے خبردار کریں کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ کے بندے صرف اللہ ہی کو اپنا معبود' مالک اور حاکم تسلیم نہ کرلیں اور اپنی پوری زندگی اس کی بندگی کے حوالے نہ کردیں' یہ دین کا قیام اور ادیان باطلہ پر اس کا غلبہ ممکن نہیں ہے یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ نبیوں اور رسولوں نے دعوت و تبلیغ کا یہ اولین فریضہ پوری طرح انجام دیا

اور وہ اس ذمہ داری کو زندگی کے آخری لمحہ تک
ادا کرتے رہے خواہ کسی نے ان کی دعوت حق قبول کی
ہو یا نہ کی ہو۔ حضرت نوحؑ ساڑھے نو سو برس تک اپنی
مشرک قوم کو پکارتے رہے خلوت میں، جلوت میں، اعلانیہ
مخفی طور پر، سمجھا کر، ڈرا کر، ترغیب دے کر، ہر طرح انھیں
اللہ کی طرف بلاتے رہے لیکن صدیوں کی اس طویل مدت
میں محض تھوڑے سے لوگ ایمان لائے جیسا کہ قرآن نے
خود کہا ہے وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ اور تھوڑے
ہی لوگ تھے جو نوح کے ساتھ ایمان لائے تھے ہود (ہلم)
حضرت لوط علیہ السلام کی دعوت پر تو اتنے لوگ بھی ایمان
نہیں لائے تھے بلکہ سورہ ذاریات سے معلوم ہوتا ہے
کہ حضرت لوط جس علاقے میں بھیجے گئے تھے اس میں بجز
ان کے گھر والوں کے کوئی شخص بھی ایمان نہیں لایا اور
گھر والوں میں بھی خود ان کی بیوی ایمان نہیں لائی۔
اس سے پوری طرح یہ بات واضح ہوئی کہ شرک
وکفر میں مبتلا انسانوں تک توحید و ایمان کا پیغام پہنچانا
اور انھیں اللہ کی طرف بلانا انبیاء کرام کا وہ فریضہ
ہے جسے ہر حال میں انہوں نے انجام دیا ہے۔ غیر مسلموں
میں دعوت دین کی اہمیت کا اس سے بڑھ کر ثبوت
اور کیا ہوگا۔۔

مدرسہ تعمیر سیرت

جامع مسجد سے

کرائے کی عمارت میں منتقل ہوگیا

مدرسہ تعمیر سیرت ۱۹۷۳ء میں مالیرکوٹلہ کی جامع
مسجد میں قائم کیا گیا تھا۔ خدا کے فضل سے مدرسہ
ترقی کرنے لگا تو اس کے لئے مستقل جگہ کی تلاش
ہوئی، آج کل ہر شہر میں جگہ کی کمی ہے کوئی موزوں
اور مناسب جگہ حاصل نہ ہوسکی۔

جامع مسجد کے متصل شمال کی جانب ایک جگہ
مدرسہ تعلیم القرآن کے لئے موجود ہے عرصہ سے
اس جگہ پر باقاعدہ مدرسہ کا وجود نہیں تھا اس
جگہ کی بابت بھی گفتگو کی گئی مگر کامیابی نہ ہوسکی۔

اسی رمضان سے پہلے اگست کے مہینہ میں انتظامیہ
کمیٹی جامع مسجد کے صدر حاجی محمد دین، سکریٹری
محمد علی (امیر جماعت تبلیغ مالیرکوٹلہ)، محاسب محمد طفیل
فورمین محکمہ ٹیوب ویل، اور خزانچی عبد الرحیم یہ چار
حضرات مفتی صاحب مالیرکوٹلہ سے ملے اور تقاضا کیا کہ
مدرسہ تعمیر سیرت جامع مسجد سے اٹھالیں کیونکہ جامع مسجد
میں سفیدی کرانی ہے۔ مفتی صاحب نے وعدہ کیا کہ جگہ تلاش
کی جائیگی۔ اس کے باوجود حاجی محمد دین صدر انتظامیہ
کمیٹی نے رمضان کے آخری جمعہ میں لوگوں کے سفیدی کرانے
کی بابت کہنے پر جواب میں یہ دل خراش الفاظ کہے کہ
"یہ مدرسہ کے بچے مرجائیں جب ہی تو سفیدی کراؤں"

(باقی برابر کے کالم میں)

۲۴ اور ۲۵ ستمبر کو جامع مسجد میں ایک میٹنگ کر کے مدرسہ کے
معاملہ کو خوب اچھالا۔

اللہ کا شکر ہے مدرسہ کے لئے ایک جگہ نواب گنج
محل سینما روڈ پر آر حبیب اللہ کے کارخانہ کے برابر میں کرایہ
پر حاصل ہوگئی اور مدرسہ اس جگہ منتقل ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ
بہتر اور مبارک فرمائے اور دین کا یہ مدرسہ دین کی بیش از
بیش خدمت انجام دیتا رہے۔ (ادارہ)

اللہ (ہی) سب سے بڑا ہے

کئی سال سے مقننہ اور عدلیہ کے درمیان ایک قسم کی کشاکش جاری تھی۔ بالخصوص یہ اس وقت بڑھ گئی جب ۱۹۷۳ء میں کیشونند بھارتی کے کیس میں سپریم کورٹ نے یہ فیصلہ دیا کہ پارلیمنٹ کو آئین کی بنیادی خصوصیات (فیچرس) یا بنیادی ڈھانچے میں ترمیم کا اختیار نہیں ہے۔ حکمراں پارٹی کانگریس نے سمجھا کہ اونچی عدالتیں سوشلزم کی راہ میں رکاوٹ بن گئی ہیں چنانچہ پارلیمنٹ نے آئین میں ۴۴ ویں ترمیم کا بل پاس کرکے یہ رکاوٹ دور کر دی۔ ادھر کئی سال سے ملک میں دو قسم کی بحثیں چلتی رہی ہیں ایک یہ کہ آئین میں دیئے ہوئے "بنیادی حقوق" کو فوقیت حاصل ہے یا "رہنما اصول" کو دوسری یہ کہ ملک کا اقتدار اعلیٰ کس کے پاس ہے چنانچہ اس وقت اخبارات میں "ہواز ساورن" "مقتدر اعلیٰ کون ہے؟" کے عنوان سے بھی بعض مضامین نظر سے گذرے۔

حالیہ ترمیمی بل کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ پارلیمنٹ کی برتری اور اس کے اقتدار اعلیٰ پر مہر تصدیق ثبت کر دی جائے اور بالخصوص یہ بات واضح کر دی جائے کہ آئین میں ہر قسم کی ترمیم کا اس کو پورا اختیار حاصل ہے چنانچہ پارلیمنٹ نے خود اپنے ووٹوں سے یہ اعلان کر دیا تھا کہ مقتدر اعلیٰ ہم ہیں۔ مغرب سے برآمد کردہ جمہوریت میں عوام کو مقتدر اعلیٰ قرار دیا جاتا ہے لیکن بہت سے معاملات میں وہ اپنے نمائندوں کے منہ تکتے رہ جاتے ہیں بل پاس ہو جانے کے بعد مرکزی وزیر قانون نے اپنی تقریر میں کہا

"یہ بل جو آئین میں سب سے پہلی جامع ترمیم ہے بہت سی چیزوں کے درمیان یہ بھی واضح کرتا ہے کہ پارلیمنٹ کو بغیر کسی شک و شبہے کے برتری حاصل ہے"

اور سابق وزیراعظم (اندرا گاندھی) کے الفاظ میں پارلیمنٹ کو آئین میں ترمیم کرنے کا بلا قید و شرط غیر محدود اور کمال درجے کا اختیار حاصل ہے اور آئین کے بنیادی ڈھانچے کا نظریہ ناقابل تسلیم ہے۔

اس ترمیمی بل کے ذریعے آئین کے رہنما اصولوں کو "بنیادی حقوق" پر فوقیت دیدی گئی ہے۔ دس بنیادی فرائض کا ایک باب اس میں بڑھا دیا گیا ہے عدلیہ کے دائرۂ اختیار کو محدود کیا گیا ہے پارلیمنٹ اور ریاستی اسمبلیوں کی مدت پانچ سال سے بڑھا کر چھ سال کر دی گئی ہے بوقت ضرورت کسی بھی صوبے میں مرکزی مسلح فوج بھیجی جا سکتی ہے۔ صدر کو کونسل آف منسٹرس کے مشورے کا پابند بنایا گیا ہے گورنمنٹ ملازمین کے مسائل سے نمٹنے کے لئے ایک بڑی ٹربیونل مقرر کرنے کا اختیار

حاصل کیا گیا ہے اسی طرح معاشی مسائل کے لئے بھی بڑی بیونل مقرر کرنے کا اختیار حاصل کر لیا گیا ہے اس ترمیمی بل میں اس کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ پارلیمنٹ کی پاس کردہ کسی دستوری ترمیم کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ اس ترمیمی بل میں ایسی بڑی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں کہ اب آئندہ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ اپنے اپنے دائرے کے کام انجام دیں گے۔

مجھے اس پر کوئی تبصرہ کرنا نہیں ہے، ہاں میں ایک سوال کی توضیح کرنا چاہتا ہوں جو اقتدار اعلیٰ کی کی بحث کے درمیان بعض ذہنوں میں پیدا ہوا ہے۔

کیا اسلامی نظام حکومت میں بھی یہ بحث چھڑ سکتی ہے کہ مقتدر اعلیٰ کون ہے؟ آیا عوام مقتدر اعلیٰ ہیں یا ان کی منتخب کردہ پارلیمنٹ مقتدر اعلیٰ ہے یا اقتدار اعلیٰ عدلیہ کے پاس ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حقیقی اسلامی نظام حکومت میں اس بحث کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے اس لئے کہ اسلام جن حقیقتوں پر ایمان لانے کا نام ہے ان میں سب سے پہلی حقیقت یہ ہے کہ اللہ جو اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔ اقتدار اعلیٰ تنہا اسی کے پاس ہے۔ وہی مقتدر اعلیٰ وہی سپریم اور وہی ساورن ہے عوام بھی اس کے محکوم، پارلیمنٹ بھی اس کی محکوم، انتظامیہ بھی اس کی محکوم اور عدلیہ بھی اس کی محکوم مطلق حاکمیت کسی کے پاس نہیں سب کا حاکم اللہ ہے پوری کائنات اس کی مخلوق اور اس کے زیر فرمان ہے اس کے حکم، اس کے قانون اور اس کے فرمان کے آگے سب کی گردنیں خم ہیں۔ قرآن اس کا بھیجا ہوا دستور حیات اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بھیجے ہوئے آخری رسول اور رہنما ہیں۔

غور کیجئے، ان حقیقتوں پر ایمان لانے کے بعد اس بحث کی گنجائش ہی کہاں رہتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اور بھی مقتدر اعلیٰ ہو سکتا ہے۔ قرآن میں اللہ کے حاکم مطلق اور مقتدر اعلیٰ ہونے کی حقیقت اتنی دفعہ دہرائی گئی ہے کہ اس پر شک وشبہے کی پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتی اور یہ بات اس کے خالق اور رب ہونے کا ایک ایسا منطقی تقاضا ہے جس پر انسانی عقل جو اسی کی دی ہوئی ہے پوری طرح مطمئن ہو جاتی ہے اس طرح پولیٹکل سائنس میں اقتدار اعلیٰ کی پیچیدہ بحث اسلامی عقائد کے پہلے ہی عقیدہ، عقیدۂ توحید پر ختم ہوتی ہے انسان اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور اسے اطمینان قلب کی دولت مل جاتی ہے۔ اوہام وخرافات کی بندشیں کٹ جاتی ہیں اور انسان ایک اللہ کی بندگی کے سوا ہر دوسری بندگی سے آزاد ہو جاتا ہے۔ کیسا سکون ہے اسلام میں۔ کتنا اطمینان ہے اسلام میں۔

قرآن مجید میں ایک جگہ فرمایا گیا:-

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۙ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝

نہایت متبرک ہے وہ ذات جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہان والوں کے لئے متنبہ کرنے والا (نذیر) ہو جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے جس نے

کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے جس کے ساتھ بادشاہی میں
کوئی شریک نہیں ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور اس
کی ایک تقدیر مقرر کی ۔

یہ دو آیتیں کتنی صاف اور واضح ہیں۔ پہلے یہ ارشاد
ہوا کہ جس ذات نے یہ قرآن، یہ فرقان اپنے بندے
(محمدؐ) پر نازل کیا وہ نہایت متبرک ہے اور اس بندے
کو سارے جہان کے لیئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے
اس کے بعد یہ ارشاد ہوا جس ذات نے یہ قرآن نازل
کیا ہے وہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک
ہے اور تنہا مالک ہے اس کی بادشاہی میں کوئی اس
کا شریک نہیں ہے، وہی ہر چیز کا خالق ہے اور اسی نے
ہر ایک کی تقدیر مقرر کی ہے ۔

اس آیت میں اسلام کے اولین عقیدے ــ
توحید ــ کی پوری تعلیم سمیٹ دی گئی ہے قرآن مجید
کی جامع آیات میں سے یہ ایک عظیم الشان آیت
ہے جس میں چند الفاظ میں اتنا بڑا مضمون سمو دیا گیا
ہے کہ ایک پوری کتاب بھی اس کی وسعتوں کا احاطہ
کرنے کے لیئے کافی نہیں ہو سکتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم
کا قاعدہ تھا کہ آپ کے خاندان میں جب کسی بچے کی
زبان کھل جاتی تھی تو آپ یہ آیت کریمہ اسے سکھاتے
تھے اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے ذہن میں توحید
کا پورا تصور بٹھانے کے لیئے یہ آیت ایک بہترین ذریعہ
ہے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس کے بچے جب ہوشیار
ہونے لگیں تو آغاز ہی میں ان کے ذہن پر یہ نقش
ثبت کر دے ۔

قرآن میں ایک دوسری جگہ فرمایا۔

اور کہہ تعریف ہے اس خدا کے لیئے جس نے
نہ کسی کو بیٹا بنایا، نہ کوئی بادشاہی میں
شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس
کا مددگار رہا اور اس کی بڑائی بیان
کرو کمال درجے کی بڑائی ۔

(بنی اسرائیل آخری آیت)

اس کی بڑائی بیان کرو" اس حکم پر عمل اس طرح
کیا گیا کہ دن رات میں پانچ بار اذان میں اس کی بڑائی
کا اعلان کیا جاتا ہے اور نماز کی ہر رکعت میں پانچ
چھ مرتبہ اس کی بڑائی کا اعتراف کیا جاتا ہے ان
کے علاوہ کتنے ہی ایسے مواقع اور ہیں جن میں اللہ
کی کبریائی کے اعلان و اعتراف کی تعلیم دی گئی ہے

قرآن میں تیسری جگہ فرمایا گیا

پس بالا و برتر ہے اللہ بادشاہ حقیقی
کوئی خدا اس کے سوا نہیں مالک ہے
عرش بزرگ کا

(المومنون: ۱۱۶)

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ برتری (سربلندی)
اور بادشاہت (ساورنٹی) اللہ تعالیٰ ہی کا حق
ہے کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہے ۔

چوتھی جگہ فرمایا:۔

کہو میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب کی
انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے حقیقی
معبود کی (سورہ الناس)

اس آیت میں صراحت کی گئی ہے کہ جس طرح وہ کائنات
کا رب، بادشاہ اور معبود ہے اسی طرح انسانوں
کا رب، بادشاہ اور معبود بھی وہی ہے، کوئی دوسرا
ان صفات میں اس کا ساجھی نہیں ہے ۔

پانچویں جگہ فرمایا

نہایت بزرگ و برتر ہے وہ جس کے
ہاتھ میں کائنات کی سلطنت ہے اور وہ
ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

(الملک : ۱)

یہ جس سورہ کی آیت ہے اس کا نام ہی "الملک" ہے ملک کا لفظ عربی زبان میں بادشاہی، اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت کے لیئے بولا جاتا ہے۔

چھٹی جگہ فرمایا

نافرمانی سے پرہیز کرنے والے، یقیناً باغوں
اور نہروں میں ہوں گے بڑے ذی اقتدار
بادشاہ کے قریب

(القمر : ۵۴-۵۵)

اس آیت میں "ملیک مقتدر" بادشاہ اقتدار کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ یہاں اس مضمون کی آیتوں کو جمع کرنا مقصود نہیں ہے۔ یہ جاننے کیلئے کہ اللہ تعالیٰ ہی مقتدر اعلیٰ ہے۔ اتنی آیتیں بھی کافی ہیں۔

یہ بات بھی معلوم ہے کہ قرآن میں زندگی کے تمام شعبوں کے لیئے خواہ وہ انفرادی ہوں یا اجتماعی احکام دیئے گئے ہیں اور انھیں پر عمل کا حکم دیا گیا ہے۔ ہر مسلمان پر ان کی تعمیل واجب ہے، خواہ وہ کوئی عام شہری ہو یا سربراہ مملکت۔ جن احکام کی قرآن میں صراحت ہے ان میں قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی البتہ جو چیزیں کتاب وسنت میں منصوص نہیں ہیں ان میں اجتہاد کا وسیع دروازہ کھلا ہوا ہے اور ایسے مسائل میں اسلامی پارلیمنٹ کو قانون بنانے کا اختیار بھی حاصل ہے۔

اس مختصر توضیح سے معلوم ہوا کہ اسلامی نظام حکومت میں اس بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ مقتدر اعلیٰ کون ہے؟ ہوازساورن (مقتدر اعلیٰ) کون ہے؟ اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ مقتدر صرف اللہ ہے

اس وقت دنیا کے ترقی یافتہ ممالک میں، بالخصوص دو طاقتور ملکوں میں اصلاً دو قسم کے نظام رائج ہیں پہلی قسم میں نظری اور عملی طور پر مقتدر اعلیٰ کا مقام عوام کو دیا گیا ہے اور دوسری قسم میں نظری طور پر تو اقتدار عوام کے پاس ہی ہوتا ہے لیکن عملاً مقتدر اعلیٰ ایک پارٹی ہوتی ہے۔ وہاں کے عوام کا کام اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ برسراقتدار پارٹی کو ووٹ دیں اور اس کے احکام کی تعمیل کریں اس نظام میں انتظامیہ تو پارٹی کی مطیع فرمان ہوتی ہے۔ عدلیہ کا کام بھی اصلاً پارٹی ہی کے احکام کی تعمیل کرنا ہوتا ہے۔ جیساکہ اوپر کہا گیا اسلامی نظام ان دونوں قسم کے نظاموں سے مختلف ہوتا ہے کیونکہ اس نظام میں اللہ کے فرمانبردار عوام اللہ کے نائب اور خلیفہ ہوتے ہیں یہ اصلاً صرف احکام الٰہی کے تابع فرمان ہوتے ہیں اور ان کی نمائندہ حکومت کا کام بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے آخری رسول کی تشریحات اور ان کے اسوے کی پیروی کرے اور نئے مسائل میں کتاب وسنت کو سامنے رکھکر اپنی اجتہادی قوت وصلاحیت سے کام لے۔

اس نظام کی سب سے اعلیٰ اور قابل تقلید مثال وہ ہے جسے خلافت راشدہ کے نام سے پکارا جاتا ہے اس نظام میں قانون چونکہ اللہ کا چلتا ہے اس لئے خلیفہ وقت پر بھی عام شہریوں کی طرح اسلامی عدالت میں مقدمہ چلایا جا سکتا ہے وہ عام انسانوں کی طرح عدالت میں حاضر ہوتا ہے اگر شرعی قانون کے مطابق مقدمہ اس کے حق میں نہ ہو تو عدالت کا جج اس کے خلاف فیصلہ دیتا اور خلیفہ وقت کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے اس نظام میں ایک بوڑھی عورت بھی خلیفہ وقت کو ٹوک سکتی اور اس کے طرز کے خلاف احتجاج کر سکتی ہے اور اگر اس کی بات قرآن کے مطابق ہو تو سربراہِ مملکت کو اپنی رائے بدلنی پڑتی ہے یہ محض نظری باتیں نہیں بلکہ خلافت راشدہ اور اس کے بعد کے زمانے بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور تاریخ اس کی شاہد ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلیفہ مقرر ہونے کے بعد جو خطبہ دیا تھا اس میں اسلامی حکومت اور خلیفہ وقت کی حیثیت و نوعیت بتادی تھی۔ انہوں نے فرمایا تھا۔

اے لوگو! میں تمہارا امیر مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو میری اعانت کرو۔ اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو سچائی امانت ہے اور جھوٹ خیانت ہے۔ انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق دلا دوں جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو۔ لیکن جب خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت ضروری نہیں ہے۔

یہ مختصر خطبہ ایک کوزہ ہے جس میں دریا بھر دیا گیا ہے۔ یہ تمام اسلامی حکومتوں اور حاکموں کے لئے ایک منشور ہے پوری خلافت راشدہ میں اسی پر عمل ہوتا رہا۔ انہیں جامع اور اہم ترین جز یہی ہے کہ اصل اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی ہے اگر سربراہ مملکت اس کی خلاف ورزی کرے تو پھر اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ نبی علیہ السلام کا واضح ارشاد ہے۔

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق

جہاں اللہ کی نافرمانی ہو وہاں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں

یہی وہ چیز ہے جو اسلامی نظام حکومت کو دوسرے تمام نظاموں سے ممتاز کرتی ہے اور اسے انسانیت کے لئے سراپا رحمت بنا دیتی ہے کیونکہ اللہ رحمان و رحیم ہے اور اس نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا ہے جس سے اس کے بندوں پر زیادتی یا ظلم ہوتا ہو۔ اللہ نے اپنا قانون دنیا سے ظلم و زیادتی ختم کرنے اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لئے بھیجا ہے۔

یہ بات کہ اللہ مقتدر اعلیٰ ہے اور اس کی بھیجی ہوئی کتاب ناقابل ترمیم ہے وہ لوگ بھی تسلیم کرتے ہیں جو آئین ہند میں ترمیمات کی حمایت کرتے ہیں ان کی زبان سے سنا جاتا ہے کہ آئین کوئی الہامی کتاب نہیں ہے کہ اس میں ترمیم نہ ہو سکے معلوم ہوا کہ خدا کی بھیجی ہوئی کتاب میں ترمیم کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

اولین نقوش

پچھلا نام بیٹرس بے تھا بعد میں عبداللہ بیٹرس بے رکھا۔ انگلستان کے رہنے والے اور برطانوی فوج میں میجر تھے۔ اپنے قبول اسلام کا واقعہ لکھتے ہیں کہ کافی سال پہلے وہ برما میں تھے اور وہاں کے ایک بحری راستے سے روزانہ ہی کشتی کے ذریعہ سفر کیا کرتے تھے کشتی چاٹگام (بنگلہ دیش) کا ایک ہوشیار مسلمان ملاح شیخ علی چلایا کرتا تھا۔ شیخ علی اپنے مذہب پر پورا عمل کرتا تھا وقت پر نماز کی ادائے گی اور ہر نماز میں خلوص ولگن کو دیکھ کر میرے دل میں شیخ علی کے لئے احترام تو پیدا ہوا ہی تھا میں اسی کے ساتھ اس مذہب کے بارے میں بھی متوجہ ہوا جس نے شیخ علی جیسے شخص کو تقدس کے رشتہ میں باندھ دیا تھا۔ عبداللہ بیٹرس بے کا کہنا ہے کہ میرے ہر طرف بدھ دھرم کے ماننے والے موجود تھے۔ یہ لوگ بھی بڑے منکسرالمزاج تھے اور طبیعت کے لحاظ سے خاصے دریا دل تھے یہ اپنی عبادگاہ (پگوڈا) بھی جاتے تھے اور وہاں یہ اعتراف کرتے تھے کہ وہ بدھ، قانون اور راہب کے ذریعہ اپنی مکتی چاہتے ہیں لیکن مجھے شیخ علی ملاح کی طرح ان کی عبادت میں ولولہ اور لگن نہیں ملا شیخ علی کی باتیں دوسروں کی طرح لچھے دار نہیں ہوتی تھیں لیکن اس کی حرکات وسکنات انسان کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لیتی تھیں شیخ علی کی اس صحبت نے میجر بیٹرس بے کو آمادہ کیا کہ وہ اسلام اور سیرت پر کوئی کتاب حاصل کریں اور اس کا مطالعہ کریں۔

دو دن گذر گئے اور میجر بیٹرس بے بھی نجانے کہاں ہوتے ہوتے سرزمین عرب پہنچ گئے۔ جہاں عربوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوا۔ ان کی باتیں سنیں اور شیخ علی کے قائم کردہ ابتدائی نقوش پھر یکایک ابھر آئے میجر بیٹرس بے مسلمان ہو چکے ہیں اور اب وہ اپنے اس غریب ملاح شیخ علی کو یاد کرتے ہیں جس کی شرافت اور جس کے مذہبی یقین ولگن نے ان کو سب سے پہلے اسلام کی طرف مائل کیا تھا۔

معمولی واقعات۔ بڑے نتائج

یہ ایک واقعہ نہیں لاتعداد واقعات ملتے ہیں کسی معمولی سے انسان کا معمولی سا واقعہ انسانی فطرت پر اثر ڈال جاتا ہے اس کی قلب ماہیت ہو جاتی ہے سیدنا حمزہؓ کو کس واقعہ نے قبول اسلام کی راہ پر ڈالا، سیدنا عمرؓ کی راہ استقامت میں بہن اور بہنوئی کے بہنے والے خون نے کیسے ہل چل پیدا کر دی سیدنا بلالؓ کی مظلومیت نے کتنوں کو بے چین کر دیا ہوگا

تاریخ کے ہر دور میں یہی کچھ ہوتا چلا آیا ہے ذہن بدلنے کے لیئے شعور کی پختگی پیدا کرنی ہوتی ہے لیکن ذہن بدلنے سے پہلے دلوں کا بدلنا ضروری ہوتا ہے اور دل کے لیئے ضروری نہیں کہ اس کی تبدیلی کے لیئے کوئی ایک متعین طریقہ مقرر ہو۔

طالب علم اور معلّم

واقعہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنی جگہ طالب علم ہے اور ہر انسان اپنی جگہ معلم بھی ہے اچھی بات اپنا اثر دکھاتی ہے جب کہ اس بات کے کرنے والے کو معلوم بھی ہونے نہیں پاتا کہ اس کی کس بات کا کس پر کیا اثر پڑا ہے یہ جو ہم سنتے اور پڑھتے ہیں کہ شیخ جیلانی رحمتہ اللہ علیہ اور فلاں اور فلاں بزرگوں کے مواعظ کا یہ اثر ہوتا تھا کہ ہزاروں اور سینکڑوں افراد ایک ہی نشست میں مشرف باسلام ہوجایا کرتے تھے۔ یہ محض شیخؒ کے کلام کی تاثیر کا اثر نہیں تھا بلکہ شیخ کی شخصیت اور مسلم سماج کے پیدا کئے ہوئے اثرات تھے جو اپنا عکس ڈال چکے ہوتے تھے اور ذراسی چوٹ لگتے ہی دل کی دنیا بدل دیتے تھے مسلمان خواہ کہیں بھی ہو اور کچھ ہی کام کرتا ہو اس کے ذہن میں یہ بات تازہ رہنی ہی چاہیئے اور اسے یاد دلاتے رہنے کی بھی ضرورت ہے کہ وہ اسلام کی عملی تصویر ہے۔ مسلمان مزدور ہو، رکشا پلر ہو، تانگا چلاتے ہو، ڈرائیور ہو، دوکان دار، سرکاری ملازم افسر، ماتحت جس حیثیت سے بھی ہو وہ اگر ہر وقت یہ سوچے کہ وہ مسلمان بھائیوں کے سامنے عملی نمونہ اور غیر مسلموں کے لیئے اسلام کی علامت ہے اور اس کا کوئی فعل دکھاوے کے لیئے نہیں بلکہ خالص اللہ کی خوشنودی کے تحت اور اس کے احکام کے مطابق ہے تو کون ہے جو اسکی ضرب کی تاب لاسکے۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

صفحہ ۲۳ کا بقیہ

دوسرے اصول میں بھی بہت سی قیدیں ملحوظ رکھنی پڑتی ہیں۔ مثلاً سفر، مرض، اکراہ، نسیان، جہل، عام ابتلاء۔

تیسرے اصول میں بھی قیودات ہیں مثلاً اجتماعی ہورہا ہو یا ملکی اور ملی نقصان ہو تب یہ اصول چلے گا

چوتھا اصول یہ ہے کہ اگر چند خطرات جمع ہوجائیں تو ان میں سے آسیر کو مباح بنا یا جائے گا۔

پانچویں اصول میں بھی اسی قسم کی شرائط ہیں جن کی مثالیں۔ الاشباہ والنظائر اور دوسری کتابوں میں کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

اب غور اور فکر کا لمحہ ہے کہ کہاں نبوت کا منشاء اور کہاں روشن خیالی اور اجتہاد کے نام پر ہوائے نفسانی اور مغرب سے مرعوبیت اور دعوئی اہل قرآن ہونے کا۔

ان حضرت کیلئے علامہ اقبال فرماگئے ہیں کہ !!

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

حدیث نبوی

دوخصلتیں ایسی ہیں جو منافق میں جمع نہیں ہوسکتیں :-

۱- خوش خلقی

۲- دین کا صحیح فہم

لندن میں ہونے والی بین الاقوامی اسلامی اقتصادی کانفرنس کے افتتاح موقعہ پر برطانوی وزیر خارجہ ڈیوڈ اوون نے کہا تھا کہ برطانیہ کا عالم اسلام سے ہمیشہ روایتی رشتہ قائم رہا ہے لیکن آج کے دور میں اس کا ان ملکوں سے جو رشتہ ہے ایسا مضبوط رشتہ تاریخ میں کبھی کبھی قائم نہیں ہوا۔

اس اقتصادی کانفرنس سے یورپ نے بڑی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں کیونکہ اس کا خاص موضوع یہی تھا کہ بین الاقوامی اقتصادی ترقی کے میدان میں مسلمانان عالم کو کیا رول ادا کرنا چاہیے۔ یہ کانفرنس ایک اقتصادی نظام کو وجود دینے کی جانب ایک ابتدائی قدم ہے اور اسی نظام کے سلسلہ میں وہاں کے مبصرین نے یہ امیدیں باندھ رکھی ہیں کہ تیسری دنیا کے ترقی پذیر ملکوں کو اب اسلامی ملکوں سے زیادہ پائیدار بنیادوں پر مدد مل سکے گی برطانوی وزیر خارجہ نے اپنے پیغام میں کہا تھا" آپ کی کانفرنس یورپ اور اسلامی دنیا کے عوام کے مابین بہتر مفاہمت پیدا کر سکے اور خدا کرے کہ آپ دنیا کے لئے ایک زیادہ بہتر اور منصفانہ نظام معیشت کی منصفانہ منزل کی جانب پرامن طور سے بڑھ سکیں۔

یہ کانفرنس کیا خدمت انجام دے گی! کے بارے میں تفصیلی رپورٹ آنے کے بعد ہی اظہار خیال کیا جا سکے گا۔ لیکن اس موقعہ پر جو بات ہم مسلمانان ہند کے گوش گزار کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ گذشتہ چند سالوں سے جب سے کہ مختلف مفکرین اسلام مدبرین امت اور رہنمایان ملت کی یہ کوششیں ابھر کر سامنے آئیں کہ مسلمان ایک فرقہ نہیں بلکہ ایک دینی تحریک ہیں جس کا تخاطب عالم انسانیت سے ہے اسی وقت مسلمانان عالم میں یہ احساس زندہ ہوا کہ وہ اسلام کو مستقبل کے نظام عالم کی حیثیت سے پیش کریں اور محض اپنے ملکوں اور گوشوں اور مدرسوں میں بیٹھ کر دفاعی خدمت انجام نہ دیں۔ بلکہ دنیا کے ہر حصے میں پہنچ کر اسلام کا تعارف کرائیں اور دنیا کو باور کرانے کی کوشش کریں کہ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں اسلام نے ایک متوازن رہنمائی نہ کی ہو۔

آج دنیا میں اسلام کے نام لیواؤں کی پوزیشن دفاعی نہیں ہے بلکہ اقدامی بنتی جا رہی ہے اور جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے ہیں دنیا کے دانشور اسلام کو سمجھنے اور اس کا اثر قبول کرنے پر آمادہ ہو رہے ہیں۔ یورپ

امریکہ، افریقہ، اور مشرق بعید ہر طرف اسلامی مساعی جاری ہیں اور بحمد اللہ ان کے نتائج پیدا ہو رہے ہیں۔

ہندوستان کے مسلمان بھی دنیا کی ایک اہم مسلم اکائی ہیں اور انھیں بھی دنیا کے اسلامی قافلے سے قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے دنیا کی وہ مسلم آبادیاں جن کے پاس وسائل و ذرائع کی کمی نہیں اگر آج ایک نئے انداز سے لندن، پیرس، جینیوا، واشنگٹن اور ٹوکیو کو اپنے دائرۂ اثر میں لا رہے ہیں تو ہم ہندوستانی مسلمان اپنے محدود وسائل کے اعتبار سے محدود طور پر ہی سہی اپنے ملک کو اور یہاں کے سماج کو تو بہر حال اسلام سے متاثر کر سکتے ہیں اور کم از کم اس حد تک خدا کے حضور سرخرو ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے اکائی میں جہاں کی بولی کو ہم جانتے ہیں اور جہاں ہمارا رہنا بنا ہے وہاں ہم نے اسلام کا تعارف کرانے کی بھرپور کوشش کی۔

ہندوستان کا ذہن کبھی جامد نہیں رہا عام ہندوستانی باشندے کہنے کو ہندو فرقے کا ایک حصہ ہیں لیکن ان کے ہر ہر خاندان میں اپنے عقائد اور رسم و رواج سے بغاوت کا جذبہ پایا جاتا ہے ان میں سے جو لوگ ہندوازم کو ایک طرز فکر سمجھتے ہیں وہ بھی اسے ہر غالب رنگ میں ڈھالنے کے لئے تیار رہیں ہم مسلمانوں کے معاملہ میں یہ بات ضرور ہے کہ تاریخ کے طویل ماضی نے انھیں مسلمانوں کے قریب نہیں آنے دیا اور شاید ہم نے بھی ان کے سامنے اپنے آپ کو ایک دین کا اصولی علم بردار کی بجائے ایک فرقے کے مفادات کا ترجمان بنا کر پیش کیا ہے اس کی وجہ سے بھی وہ ہماری طرف متوجہ نہیں ہوئے لیکن اس تعصب اور تنگ نظری سے قطع نظر ہماری نگاہ اس بات پر زیادہ مرکوز رہنی چاہیئے کہ جو فرقہ جامد نہیں ہے اور نئے خیالات کو اخذ کرنے اور پرانے افکار کو ترک کرنے کے واسطے آمادہ ہے اسے اسلام سے قریب لانے کے لئے ہم کیا جد و جہد کریں۔ اس بڑے مقصد کے لئے اگر ہمیں اپنا کام کا دائرہ وسیع کرنا پڑے اور اپنا اسلوب کار میں کوئی تبدیلی لانے کی ضرورت ہو تو ہمیں اس پر بھی غور کرنا چاہیئے۔

ہمارے ماضی قریب کے جو رہنما فکر کر ایک خطۂ ملک الگ کرا ئے گئے وہ داستان بھی اب پارینہ بن چکی ہے اور اس داستان کے اثرات اور رد عمل کا دور بھی گزر چکا ہے اب ہمارا دور ہے اور یہ بات بھی سوچنی ہے ہم اپنے ملکی سماج کے دلوں کی دنیا کو کس طرح جیتیں اور یہاں کے متحرک باشندگان خدا کو کس طرح ایمان و یقین اور حرکت و عمل کے اس پیغام سے متعارف کرائیں جس کے ہم امین ہیں اور جس کے سلسلے میں ہمیں یقین ہے کہ ہمارے شریف النفس انسانوں کے سامنے اگر صحیح ڈھنگ سے پیش ہو اور ہم اس کا سچا نمونہ بھی ہوں تو ان پڑوسی بھائیوں کا ایک بڑا طبقہ اس سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔

گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب
دین بندۂ مومن کے لئے موت یا خواب
(اقبالؒ)

ہدایت کہاں سے حاصل کی جائے؟

مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم

زمین، خشک، مردہ و بے جان پڑی ہوتی ہے جب "آسمان سے" پانی برستا ہے اسی وقت ہر طرف تازگی و شادابی پھیل جاتی ہے۔ سبزہ لہلہانے لگتا ہے پھول کھلنے لگتے ہیں اور ذرہ ذرہ میں گویا جان پڑ جاتی ہے۔ زمین پر تاریکی چھائی ہوتی ہے ہر چیز اندھیرے کے حجاب میں لپٹی ہوتی ہے جب "آسمان پر آفتاب طلوع ہے اور اس کی کرنیں زمین پر پہونچتی ہیں تو ہر شے روشن ہو جاتی ہے۔ ہر طرف نور پھیل جاتا ہے کوئی چیز چھپی ہوئی یا دھندلی نہیں رہ جاتی اور ذرہ ذرہ جگمگانے لگتا ہے آفتاب جب چھپ جاتا ہے تو زمین پھر سے بے نور رہ جاتی ہے اور سارا منظر بے روپ بھیانک اور بے رونق ہو جاتا ہے، آسمان پر چاند اور تارے طلوع ہوتے ہیں تو یہ بدمنظری پھر دور ہو جاتی ہے اور آنکھوں کے سامنے زینت رونق اور خوشنمائی کا ایک نیا سماں پھرنے لگتا ہے

اسی طرح زمینی زندگی کا ہر دور آسمانی تائید ونصرت مدد و اعانت پرورش و سرپرستی کا محتاج ہے زمین پر سردی کے بعد گرمی، گرمی کے بعد برسات، برسات کے بعد سردی کے موسم جو ادل بدل کر آتے رہتے ہیں۔ زمین پر رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کے جو دورے ہوتے رہتے ہیں یہ سب (خواہ وہ پرانے خیال کے مطابق، آسمان کے گردش کا نتیجہ ہیں) درخت جب خشک ہو جاتے ہیں سبزہ جب جل جاتا ہے زمین جب پیاسی ہو کر تپنے لگتی ہے دریاؤں کے لبوں پر جب ریت کی پپڑیاں جم جاتی ہیں تو آسمان ہی کی بارش اپنے فیض و کرم سے ان سب کو سیراب سب کو تر و تازہ اور سب کو شاداب کر دیتی ہے اگر آسمان کی یا اس کے بجائے ہیئت جدیدہ کا جو بھی اصطلاحی لفظ رکھا جائے کی دستگیری قدم قدم پر سہارا نہ دیتی رہتی تو آج نہ زمین موجود ہوتی نہ زمین کی دلچسپیاں اور نہ خوشنمائیاں نہ زینتیں اور وہ یقین نہ آرائشیں اور نہ آسائشیں۔

جب آپ کی مادی جسمانی، ناسوتی زندگی کی بنا، پرورش، ترقی و تکمیل کا اس قدر سامان "آسمان" سے ہوتا رہتا ہے تو آپ اپنی اخلاقی، روحانی و ملکوتی زندگی کے لیے "آسمان" کی طرف سے کیوں اس قدر غافل، بے پروا اور بے نیاز ہیں؟ آسمانی بارش جب آپ کی زمینی کھیتی کو سیراب کرتی رہتی ہے تو کیا آپ کے دل کی کھیتی زندگی نہ بخشے گی۔

کیا آپ کی اخلاقی زندگی کو تازہ وشاداب نہ کریگی؟
آسمانی آفتاب جب آپ کی تاریک زمین کو روشن اور
آپ کے جسم کو گرم کرتا ہے تو کیا آسمانی آپ کی روح
میں نور اور اجالا اور آپ کے دل میں گرمی نہ
پیدا کر دے گی؟ آپ زمین کے باشندے ہیں
اور آپ کی ہر قسم کی زندگی کی پرورش و تربیت
ترقی وتکمیل کا سامان "آسمان" ہی کے ذمہ رکھدیا
گیا ہے (وفی السماء رزقکم وما توعدون)
آپ کی عقل وفکر کی مردہ زمینوں کو وحی الٰہی کی
آسمانی بارش زندہ وبیدار کر سکتی ہے آپ کے
دل ودماغ کے سرد وتاریک گوشوں کو وحی
الٰہی ہی کا آسمانی آفتاب نور وحرارت پہنچا سکتا ہے
اپنا رشتہ آسمان ہی سے جوڑیئے اپنے رزق
جسمانی و روحانی کا حصہ آسمان سے تلاش کیجئے
اپنی حیات ابدی اور دائمی زندگی کا نسخہ
آسمان ہی سے حاصل کیجئے۔ صرف یہی رشتہ
ایسا ہے جو زندگی میں نظم وتربیت معنی ومفہوم
پیدا کر دیتا ہے صرف یہی واسطہ ایسا ہے جو
آپ کو خوف وحزن، شک وتردد یاس
وحیرانی کی ناہمواریوں اور تلخیوں سے نجات
دلاکر آپ کی زندگی میں سکون واطمینان کی
ہمواری اور لطف وشیرینی پیدا کر سکتا ہے
صرف یہی عقیدہ ایسا ہے جو محتاجی وبے کسی
بے نیازی اور حکومت کا، گدائی میں شاہی
کا، اور بندگی میں خدائی کا مزہ "کل" نہیں
"آج" پیدا کر دیتا ہے۔

عزت مآب نواب افتخار علی خاں صاحب آف مالیرکوٹلہ
کا ارشادِ گرامی

۱۹۷۳ء کے نئے سال کے آغاز کو دارالافتاء
مالیرکوٹلہ کے نئے دور کا آغاز کہا جا سکتا ہے جبکہ
سابقہ مفتی صاحب کے ریٹائر ہونے کے بعد
دارالعلوم دیوبند کے فاضل استاذ مولانا
فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب کو مفتی اعظم
مالیرکوٹلہ کے عظیم منصب کے لئے منتخب کیا گیا۔
فقہ اسلامی کی باریکیوں کا سمجھنا ہر شخص
بلکہ ہر عالم کے لئے بھی ممکن نہیں ہوتا، معاملات
کے تصفیہ میں شرعی احکام کی نزاکتوں کا لحاظ
رکھتے ہوئے زبردست قوتِ فیصلہ کی بھی ضرورت
ہوتی ہے اور حالات وزمانہ کی بھی رعایت کرنی
پڑتی ہے۔

یہ اہالیانِ مالیرکوٹلہ اور پنجاب کی خوش قسمتی
ہے کہ مفتی ہلال عثمانی نے اس منصب کو سنبھالا
ہے۔ ایک اچھے مفتی اور مذہبی رہنما کو جن
اوصاف اور صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہیئے وہ
ان میں بدرجۂ اتم موجود ہیں اور بفضلہ اس خاندان
سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے علم وفضل میں خاص
امتیاز رکھتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ پنجاب کے مسلمانوں کو ان سے بہت
کچھ فائدہ انشاء اللہ پہنچے گا، حکومت بھی ان کی ہمت
افزائی میں پوری فراخدلی سے کام لے رہی ہے۔ (نواب مالیرکوٹلہ)

سیرتِ رسولؐ اخلاق کے آئینہ میں

مفتی کفیل الرحمن نشاط نائب مفتی دار العلوم دیوبند

اخلاق و پابندیٔ عہد کا بے نظیر نمونہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب قریش کو تبلیغ فرماتے فرماتے تھک گئے اور ان کے سخت دل موم نہ ہوئے تو مایوس ہو کر عرب کے دوسرے قبائل میں تبلیغ کا آغاز فرمایا مکہ مکرمہ بیت اللہ شریف کی وجہ سے مرکزی حیثیت رکھتا تھا اور حج کے زمانہ میں عرب کے تمام ہی قبیلے مکہ آیا کرتے تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے اور ان کے سامنے اسلام پیش فرماتے ان میں سے بعض دولت ایمان سے مشرف ہوتے اور بعض نہ ہوتے۔

ایک بار مدینہ کے مشہور قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ حج کی غرض سے آئے اور آپ نے معمول کے مطابق انھیں اسلام کا پیغام پہونچایا ان لوگوں کو یہودیوں کے ذریعہ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ نبی آخر الزماں کی تشریف آوری کا وقت قریب آچکا ہے۔ انہوں نے یہ سوچ کر کہ کہیں یہودی ان پر ایمان لاکر ہمیں شکست نہ دیدیں اسلام لانے میں سبقت کی اور چھ آدمیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد مدینہ میں تیزی سے اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ بھیجے ہوئے مبلغ حضرت مصعب ابن عمیر رضؓ کے ذریعہ مدینہ کے گھر گھر میں اسلام کا چرچا ہو گیا اور ان لوگوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ چلنے کی درخواست کی اس موقعہ پر حضرت عباسؓ نے ان لوگوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ لیا انہوں نے وعدہ کیا مگر ان کے سردار ابوالہیثم نے کہا کہ اے اللہ کے رسول یہ تو نہ ہوگا کہ آپ کو غلبہ حاصل ہو جانے کے بعد ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں تشریف لے آئیں۔ آنحضور صلی اللہ نے یہ سنکر تبسم کرتے ہوئے فرمایا نہیں اب میرا اور تمہارا خون ایک ہے

اس معاہدہ کے بہت عرصہ بعد یعنی ۸ھ ہجری میں جب مکہ فتح ہو گیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو انصار میں سے بعض کو یہ گمان ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وطن میں پہونچ گئے اہل خاندان نے اسلام قبول کر لیا کہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چھوڑ کر یہیں قیام پذیر نہ ہو جائیں۔

انصار کے اس خطرہ کی اطلاع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بلاکر دریافت فرمایا۔ اول ان لوگوں نے کچھ پس وپیش کیا مگر آنحضور صلی اللہ کے اصرار پر صاف بات بتادی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو سب سے زیادہ پابند عہد اور اخلاق وشفقت و محبت کے پیکر تھے، جن کے اخلاق کی عظمت کی گواہی خود قرآن کریم نے دی ان سے مخاطب ہوئے ارشاد فرمایا۔ معاذ اللہ یہ ممکن نہیں میری تو زندگی اور موت تمہیں لوگوں کے ساتھ ہے۔

اخلاق ومروت ومحبت کا ایک اور نمونہ

انصار کے ساتھ اخلاق اور گہرے تعلق کا ایک اور نمونہ تاریخ وسیرت کے اوراق کی زینت ہے غزوۂ حنین میں جب دشمن شکست کھاکر بھاگے تو بے شمار ساز وسامان چھوڑ گئے مسلمانوں کے بے انتہا مال غنیمت ہاتھ لگا۔ یہ غزوہ فتح مکہ کے فوراً بعد ہوا تھا اور اس میں بہت سے وہ لوگ بھی شامل تھے جو ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے تھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کی مالی دلجوئی ان لوگوں کے مقابلہ میں نسبتاً زیادہ فرمایا کرتے تھے جو پختہ اور معتمد مسلمان ہوتے تھے اور جن کی اسلام اور احکام اسلام پر مضبوطی واضح ہو چکی ہوتی تھی۔

اس موقعہ پر بھی یہی ہوا آپؐ نے تازہ تازہ اسلام لانے والوں کو مال غنیمت کا زیادہ حصہ دیا انصار میں سے بعض پر یہ امتیاز گراں گذرا اور انہوں نے بات کی تہ تک نہ پہونچتے ہوئے باہم کہا۔ تعجب کی بات ہے کہ آنحضورؐ مال غنیمت ہمارے بجائے قریش کو عطا فرمارہے ہیں جب کہ قریش کے خون سے ہماری تلواریں ابھی تک رنگین ہیں۔

آنحضورؐ کے کانوں تک انکی یہ گفتگو پہونچی تو قلق ہوا اور ان لوگوں کو جمع کر کے فرمایا اے انصار یہ میں کیا سن رہا ہوں کیا یہ سچ نہیں کہ تم لوگ گم کردہ راہ تھے اور میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں راہ دکھلائی تم لوگ غریب تھے اللہ تعالیٰ نے میرے سبب سے تمہیں خوشحال کیا تم لوگوں کے درمیان دشمنی تھی اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں ایک دوسرے کے گلے ملا دیا اب دنیا کے ذرا سے مال کی وجہ سے دل میلے کرتے ہو اے انصار تمہارے قدم تو اسلام پر جم چکے اور قریش نے تازہ تازہ اسلام قبول کیا ہے میں نے ان کی دلجوئی کی خاطر انھیں مال غنیمت دیدیا اے انصار کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ اور لوگ تو اپنے ہمراہ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے گھر لے جاؤ اللہ کی قسم میں تو تم لوگوں سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ اگر مہاجر نہ ہوتا تو انصاری ہونے کو محبوب سمجھتا اور اگر لوگ علیحدہ علیحدہ راہ اختیار کرتے تو میں انصار کی راہ کو اپناتا۔

انصار نے رسول اکرمؐ کا اخلاق ومروت محبت و تڑپ سے لبریز یہ ارشاد سنا تو بے اختیار اشکبار ہو گئے اور یقدر روئے کہ داڑھیاں آنسوؤں سے بھیگ گئیں اس کے بعد سب یک زبان بولے ہمیں مال غنیمت نہیں چاہیے ہمارے واسطے اللہ اور اللہ کے رسول ہی کافی ہیں۔

اعلان

ایشیاء کی سب سے بڑی آزاد اسلامی تعلیم گاہ کا عظیم اجتماع

ہندوستان اور ہندوستان سے باہر یہ خبر مسرت کیساتھ سنی جائیگی کہ دارالعلوم دیوبند کی مجلس اسلامی اعلیٰ (مجلس شوریٰ) نے اپنے اجلاس مورخہ ۲۳ جولائی ۱۹۷۷ء میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا سو سالہ اجلاس (دستاربندی) نومبر ۱۹۷۷ء میں منعقد کیا جائے، اور اس سلسلہ میں جو تیاریاں ہو رہی ہیں ان کی پوری سرگرمی اور تیزی کے ساتھ تکمیل کی جائے،

اجلاس کے انعقاد کا یہ پہلا باضابطہ اعلان ہے۔ اجلاس صدسالہ کے ناظم اعلیٰ جناب مولانا حامد الانصاری غازی صاحب دفتر اہتمام کی رہنمائی اور ہدایات کے مطابق اجلاس صدسالہ کی بنیادی تیاریوں کے سلسلہ میں سرگرمی سے اقدامات کر رہے ہیں، امید ہے دارالعلوم کے دس ہزار فضلاء اور برصغیر کے لاکھوں عوام اور دنیا کے تعلیمی اداروں کے سربراہ اور اساتذہ اس عظیم اور نمائندہ اجلاس میں شریک ہوں گے اور مستقبل کیلئے تعلیمی مقاصد کا جائزہ لیں گے۔

تاریخ خداوند عالم کی مرضی کا دوسرا نام ہے اور دارالعلوم دیوبند اس صدی کے مذہبی روحانی بزرگوں کا ایک ایسا تاریخی کارنامہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے اس عظیم ادارہ نے اسلامی تعلیم کے عالمی مرکز اور جنگ آزادی کے قلعہ کی حیثیت سے ہندوستان میں اسلامی دنیا اور انسانی برادری کی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں، یہ ادارہ ہر خارجی اثر سے آزاد ہے اس کا پچیس لاکھ روپیہ سالانہ کا بجٹ اللہ کے فضل سے عوام کے ذریعہ اور عوام کے فائدہ کیلئے صرف ہوتا ہے۔ یہاں تعلیم کی کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے اور طالب علموں کی تمام ضروریات بغیر کسی قیمت کے مہیا کی جاتی ہیں۔

امید ہے کہ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر ہمارے تمام فضلاء، اساتذہ، اخبار نویس، قومی عمائدین اور ارباب خیر حضرات صدسالہ اجلاس کی تیاری کے سلسلہ میں مکمل تعاون فرمائیں گے، ادارہ کی طرف سے اجلاس کی تیاریوں کے سلسلے میں تمام اخباروں کو خبریں مہیا کی جائینگی اور عوام ان تیاریوں سے باخبر رہیں گے، ماہ رمضان المبارک کے بعد جو پروگرام مرتب ہوں گے ان کو فضلاء دیوبند اور عام مسلمانوں کی معلومات کے لئے شائع کر دیا جائے گا۔

دستخط:- حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

از:- مولانا وسیم اختر بلال (مدرس مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ)

یورپ کا مشہور مصنف لی (Lee) لکھتا ہے کہ!

قانون محمدیؐ دراصل قانون روما کا قالب ہے۔

جس کی صورت میں رومن قانون عرب سلطنت کے سیاسی حالات کی مطابقت سے ممالک مشرقی میں اپنایا گیا اور نافذ ہوا۔ اس کے علاوہ اسلامی قانون اور کسی چیز کا نام نہیں ہے (ہسٹاریکل جیورس پروڈینس)

مستشرقین کے ایک بہت بڑے گروہ جس میں آموس (Amos) ایملیو بسی (Emilion Bumi) جیسے محققین نے اسلامی آفاقی قانون سے زچ ہوکر اور تنگ آکر اس قسم کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔

قرآن کریمر (Krimer) نے ایک قدم آگے بڑھا کر کہدیا کہ!

رومن قانون کا اثر اسلامی قانون پر اُن یہودی روایات اور رسوم کے ذریعہ سے پڑا جو کہ مفتوح اقوام میں مسلمانوں کی فتح سے پہلے ہی موجود تھیں

اسلام کے کچھ کرم فرماؤں نے جنہیں حفیظ صابری احمد امین ڈاکٹر شفیق شاتا (Shafiqe Shahta) جیسی شخصیات بھی شامل ہیں، راہِ اعتدال اور روشن خیالی کا نام لیکر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ!! "اسلامی قانون بنیادی طور پر اقوام مفتوحہ سے کافی ماخوذ ہے" مگر —

فیض الاخوری، عارف نکدی، اور شیخ محمد سلمان جیسے محقق علماء نے نہایت سخت تردید کرکے ثابت کر دیا کہ ابھی کچھ لوگ بیدار ہیں اور ایسے رکیک حملوں کا منہ توڑ جواب موجود ہے۔

لیکن سب سے زیادہ خطرناک حملے وہ ہیں جنہیں اسلام کی تعریف و توصیف سے آغاز ہوتا ہے اور پھر پوری شان تقویٰ سے یہ کوشش کی جاتی ہے کہ خود اسلام ہی کا منشاء ہے کہ

قرآن و حدیث کی تعلیمات اور اسلامی قانون میں اتنی سختی نہ برتی جائے جو بدنام زمانہ مولویوں نے اختیار کر رکھی ہے۔ بلکہ اسلام تو نہایت ترقی پسند مذہب ہے۔ اجتہاد کے ذریعہ سے ہم اسے اپنے وقت کے حالات کے مطابق ڈھال سکتے ہیں اور یہ نظریات کوئی غیر نہیں بلکہ اسلام دوست عنصر پیش کر رہا ہے۔

اس گھر کو آگ لگ رہی ہے گھر کے چراغ سے

یہ حلقہ اپنی رائے کو مدلل بنانے اور قوی ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں سے کچھ دلائل پیش کرتا ہے مزید وزنی بنانے کیلئے خلفائے راشدینؓ کے فیصلوں کو پیش کرتا ہے جو

بظاہر کتاب وسنت کے خلاف نظر آتے ہیں۔ !

مثلاً۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خمس میں اہل بیت کا مقررہ حصہ نہیں دیا۔ یا فدک کی جائیداد اہل بیت کی سپرد نہیں کی۔ حالانکہ عہد نبوی میں یہ دونوں چیزیں ان کے لیے مخصوص تھیں۔ یا حضرت عمرؓ نے شراب کی حد اسّی کوڑے مقرر کی۔ یا قطع ید کا حکم منسوخ کر دیا۔ یا سواد عراق کی زمین فوجیوں میں تقسیم کرنے کے بجائے رفاہ عام کیلئے مخصوص کر دی۔ اسی طرح تمدنی ضروریات اور زمانہ کی مصلحتوں کو بھی آڑ بنا کر احکام کی تبدیلی کا وعظ ہوتا ہے جس کی وجہ سے عامۃ الناس کے علاوہ دین کا سرسری مطالعہ کرنے والا بھی مغالطہ میں آجاتا ہے۔ اہل قرآن اور ان کے ہمنوا برابر اس "نیک" کام میں لگے ہوئے ہیں۔

مولانا حنیف صاحب ندوی کی کتاب اجتہاد اور مولانا جعفر شاہ صاحب پھلواری کا مقالہ فقہ جدید کی ضرورت ۔ (ثقافت جنوری ۵۶ء) ان حضرات کے لیے بہت معاون ثابت ہوا

پھر عربی میں ڈاکٹر صبحی محمصانی کی کتاب

تاریخ الفلسفۃ الشرعیۃ الاسلامیۃ

نے تو اس حلقہ کو کافی مواد فراہم کر دیا ہے (اگرچہ وہ ایک عالمانہ کتاب ہے اور کافی دیدہ ریزی سے لکھی گئی ہے)۔

مولانا حنیف اسلامی قوانین کو کھلونا سمجھتے ہوئے اجتہاد فرماتے ہیں کہ !

آنحضرتؐ نے اگر بٹائی وغیرہ سے متعلق بعض ہدایات دی ہیں تو اس سے اس بات پر استدلال کرنا کہ اسلام کے نزدیک اصلی چیز ملکیت ہے قطعاً غلط اور غیر حکیمانہ استدلال ہے غور فرمائیے کہ اسلام کو آخر اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ معاشرہ انسانی نے وقت کی سیاسی اقتصادی مجبوریوں کی بنا پر ملکیت کا کیا تصور قائم کیا ہے اور کن شرائط کے تحت جائز قرار دیا ہے (صفحہ ۱۸۳)

گویا مولانا کے نزدیک زراعت سے متعلق جو ارشادات نبویؐ ہیں یا آپ کا خود تعامل جو اس سلسلہ میں رہا۔ اس کا تعلق اسلامیات سے بالکل نہیں ہے۔ بلکہ ان معاملات میں جو تصور چاہے آدمی قائم کرلے اور جو چاہے عمل کرے۔ لیکن زمین کی ملکیت اسلام کا قانون نہیں ہے تو پھر قرآن نے جو حکم دیا ہے۔

وَانفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ — آل عمران

ترجمہ:- اور خرچ کرو اپنی اچھی کمائی سے اور جو ہم نے زمین سے تمہیں عطا کیا ہے۔

كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ — انعام

ترجمہ:- ان کی پیداوار کھاؤ اور اس کا حق کٹنے کے وقت دیدو۔

نیز۔ قرآن و حدیث میں وراثت کے مسئلہ کی جو اتنی لمبی تفصیل کی گئی ہے تو کیا وراثت کی تقسیم وغیرہ کے احکام سب لغو ہیں یا زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدلتے رہیں گے۔ جن آیات سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں۔ نمونے کے طور پر چند ذکر ہیں۔

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

ترجمہ۔ اللہ احکام میں سہولت چاہتے تنگی نہیں چاہتا (بقرۃ)

اگر غور کیا جائے تو اسمیں یُسر و عُسر کا جو تذکرہ کیا گیا ہے وہ مطلقاً نہیں ہے بلکہ ایک ماہ کے روزے کے احکام دینے کے بعد یہ کہا گیا ہے کہ تم میں سے جو لوگ سفر میں ہوں یا مریض ہوں انکے لیے یہ سہولت دی گئی ہے

جب وہ سفر کرلیں یا تندرست ہو جائیں تو ان کی قضا دوسرے دنوں میں کرلیں اس حکم کے دینے کے بعد کہا گیا کہ خدا نے احکام میں دشواری نہیں بلکہ سہولت دے رکھی ہے۔

اسی طرح سے وما جعل علیکم فی الدین من حرج ۔ (حج)

ترجمہ:۔ اس نے دین کے سلسلہ میں تمہارے اوپر کوئی تنگی نہیں رکھی ۔ یا

لا یکلف اللّٰہ نفساً الا وسعہا (بقرہ)

ترجمہ:۔ اللہ ہر شخص کو اس کی طاقت و قدرت بھر تکلیف دیتا ہے۔

یہاں بھی کتنا زبردست مغالطہ دیا جا رہا ہے جبکہ اس آیت کا سیاق و سباق خود بتلا دیا کہ جو احکام دیئے گئے ہیں ان میں تنگی و دشواری محسوس ہوتی ہے تو گھبرا کر خدا کا دامن نہ چھوڑنا وہ تمہاری مدد اور نصرت کرے گا۔ کیونکہ اس سے پہلے ملت ابراہیمی کا تذکرہ ہے اور بعد میں خدا کے والی اور مددگار ہونے کی بشارت ہے

چند احادیث جن سے یہ طبقہ تبدیل احکام کا استدلال کرتا ہے۔

(۱) بعثت بالحنیفۃ السمحۃ

ترجمہ:۔ میں آسان دین حنیفی دیکر بھیجا گیا ہوں۔

(۲) لا ضرر و لا ضرار

ترجمہ:۔ اسلام میں نہ تو تکلیف پہونچانا ہے نہ خود تکلیف اٹھانا ہے۔

(۳) وما خیر بین اشیئن الا اختار ایسرہما ما لم یکن اثما۔

ترجمہ:۔ آپکو دو چیزوں میں سے کسی ایک کے اختیار دیا جاتا تھا۔ تو آپ ان میں سے آسان تر کو اختیار فرماتے۔ جبکہ اسکا انتخاب گناہ نہ ہو۔

مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں ان احادیث کا مفہوم بھی صاف ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آخری حدیث شریف میں صاف طور پر (لفظوں میں بھی) موجود ہے ما لم یکن اثما یعنی جب آسان پہلو میں گناہ نہ ہو تب اسے آپ اختیار فرماتے تھے اور گناہ کا کام ہوتا تو اس سے بہت دور رہتے

امام شاطبی کے زمانے میں (آٹھویں صدی میں) کچھ لوگوں نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ اسلام کے اندر جتنی رخصتیں ہیں سب کو جمع کرکے ان پر عمل کیا جائے اور قرآن کی یہی آیات دلیل میں پیش کرکے کہا کل ذالک نیا فی شرع الشاق الثقیل

ترجمہ:۔ ان تمام آیات و احادیث سے معلوم ہوتا کہ قانون شرع تنگی کے منافی ہے۔

امام شاطبی جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں !

والجواب عن ھذا ما تقدم وھو ایضاً لو ادی الی ایجاب اسقاط التکلیف جملۃ فان التکالیف کلہا شاقۃ ثقیلۃ ولذالک سمیت تکلیفاً من الکلفۃ و ھی المشقۃ فاذا کانت المشقۃ حیث لحقت فی التکلیف تقتضی الرفع بھذہ الدلائل لزم ذالک فی الطہارۃ والصلوٰۃ والزکوٰۃ والحج والجہاد ولا یقف عند حد الا اذا لم یبق علی العبد تکلیف وھذا محال

(ج ۱ ص ۸۳)

ترجمہ :- اس کا جواب اوپر گزر چکا ہے۔ اگر آیات اور احادیث کا وہی مفہوم ہے جو تم لوگ بیان کرتے ہو تو پھر اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ آیات و احادیث اسلامی احکام کو سرے سے ساقط کر دینے ہی پر ابھارتی ہیں کیونکہ اگر دشواری و مشقت کی وجہ سے ہی احکام ساقط ہوں گے تو شریعت کے ہر حکم میں کچھ نہ کچھ مشقت ہے اور اسی مشقت ہی کی وجہ سے تو احکام اسلامی کو "تکالیف شرعیہ" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ تکلیف "کلفۃ" سے مشتق ہے۔ جو کہ مشقت کا دوسرا نام ہے اگر ہر تکلیف و مشقت جو کسی اسلامی حکم کی بجا آوری میں پیش آئے اس کو ان دلائل کے ذریعہ منسوخ کر دیا جائے۔ تو پھر طہارت، نماز، زکوٰۃ، حج اور جہاد اور تمام احکام شرعیہ ساقط ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ بندے کے اوپر کوئی تکلیف نہیں رہے گی۔ یہ انتہائی غلط اور محال ہے۔

ایک جگہ امام شاطبی مصلحت کے متعلق لکھتے ہیں کہ :- وان مصالح انما اعتبرت من حیث وضع الشارع لکن اللہ لا من حیث ادراک المکلف (ج ۴ ص ۵۶)

ترجمہ :- مصلحتیں وہی معتبر ہیں جو ان مقاصد کو پورا کرتی ہوں جن کے لیئے شارع نے ان کو رکھا ہے نہ یہ کہ ہر شخص کی مصلحتیں۔

جن مسائل کے متعلق یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ دورِ خلافت میں کتاب و سنت کی تصریحات کے خلاف عمل کیا گیا۔ ان کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں ان کی روح سمجھنے کے بعد تمام باتیں روز روشن کی طرح عیاں ہو جائیں گی۔

فدک اور دیگر زمینوں کا مسئلہ

بنو نضیر فدک اور خیبر کی جو زمینیں آپؐ کی نگرانی میں تھیں ان کی آمدنی کو آپؐ سامان جہاد اور مسافروں وغیرہ میں صرف کرتے تھے ازواج مطہراتؓ اور اہل بیت کی کفالت بھی فرماتے تھے اسی لیئے آپؐ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ! وہ زمینیں بطور وراثت ان کو ملنی چاہیئں مگر جب صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظم وغیرہ نے ان کو یہ سمجھایا کہ نبی کی وراثت نہیں چلتی ہے بلکہ وہ عامۃ المسلمین کا حق ہوتا ہے۔ نیز آپؐ جو تصرف فرماتے تھے وہ ذاتی حیثیت سے نہیں بلکہ نبی کی حیثیت سے تھا۔ گویا آپ کا قبضہ ان چیزوں پر مالکانہ نہیں بلکہ حاکمانہ تھا۔ اب یہ اسلامی قبضہ میں رہیں گی۔ تو وہ سب کی سب مطمئن واپس چلی گئیں۔

مولفۃ القلوب

اس مسئلہ کو خلط مبحث کی وجہ سے الجھا دیا گیا ہے۔ درحقیقت قرآن میں جو آٹھ مصرف بیان کئے گئے ہیں۔ اُن سے اس مسئلہ کو جس میں کہ حضورؐ نے مؤلفۃ القلوب کی خمس مال سے غزوہ حنین میں عارضی مدد کی تھی ان دونوں کو خلط ملط کر دیا گیا ہے۔

دراصل حضرت عباسؓ نے انما الصدقات والی آیت کی تشریح میں مؤلفۃ القلوب کے لیئے غزوۂ حنین والی مثال پیش کی تھی۔ مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ آج بھی باقی ہے یہ منسوخ نہیں ہوا اسی لئے تو حضرت ابوبکرؓ نے خود زبرقان شاعر اور عدی بن حاتم کو مولفۃ القلوب والے مصرف ہی سے دیا ہاں غزوہ حنین کے ان ۳۲ افراد میں اب عطا کی علت نہیں پائی جا رہی تھی اس لیئے رو کر دیا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ تم لوگ جاؤ اور اپنی کوشش سے اپنی روزی کماؤ خدا تعالیٰ تمہاری رعایت اس وقت

تک نہیں کرے گا۔ جب تک تم رعایتیں طلب کرتے رہو گے

ان الفاظ سے صاف ظاہر ہو گیا تالیف قلوب کی رقم عارضی ہے جب مصلحت اور ضرورت ہوگی۔ تو جاری کی جائے گی

قطع ید کی سزا کی منسوخی

ڈاکٹر محمد صالح نے حضرت عمرؓ کے اس عمل سے بھی استدلال کیا ہے اور اسی طریقہ کے تقریباً بیس مسائل اولیات عمرؓ کے نام سے لکھ مارے ہیں۔

حالانکہ اس کا بیک گراؤنڈ معلوم ہو جائے تو پھر صاف معلوم ہو جائے گا کہ حضرت عمرؓ نے قانون کی مخالفت کی یا عین منشار کے مطابق کیا۔

درحقیقت زبردست قحط حضرت عمرؓ کے زمانہ میں آیا۔ جس کا نام ہی عام الرمادہ پڑ گیا تھا۔ یعنی ہر طرف خاک ہی خاک اڑتی نظر آتی تھی۔

یہ قحط ۱۸ھ میں پڑا تھا۔ اس وقت بیت المال میں جو کچھ تھا وہ غرباء میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اس وقت اگر کوئی بھوک و پیاس سے بے تاب ہو کر کسی کی کوئی کھانے کی چیز اٹھا لیتا تو حضرت عمرؓ نے قطع ید کا حکم کچھ عرصہ کیلئے ملتوی فرما دیا تھا (منسوخ نہیں)۔

جب کہ حدیث شریف بھی ہے کہ لا قطع فی ثمر و لا کثر یعنی کھجور اور پھل کی چوری پر ہاتھ نہیں کٹے گا۔ یہ فعل عین منشا نبوت کے مطابق تھا۔

حد خمر یہاں بھی حضرت عمرؓ نے منشار نبوت کے موافق حکم دیا خود آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے پہلی بار جب کوئی شراب پیئے تو اس کے کوڑے لگاؤ دوبارہ پیئے تو پھر سزا دو تیسری بار پھر ایسا ہی کرو چوتھی بار قتل کر دو (ابوداؤد)

دار قطنی کی روایت ہے کہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جلد فی الخمر ثمانین

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسّی کوڑے بھی سزا دی ہے۔

غرض اسی قسم کے تعامل سے اپنے اجتہاد خاص کیلئے استدلال کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ چاہے وہ تجارتی گھوڑوں کی زکوٰۃ کا مسئلہ ہو یا بیس رکعت تراویح کا مسئلہ ہو۔ خلفاء راشدین کا تعامل عین منشار نبوت کے موافق تھا۔ ہوائے نفس کے نہیں!!

علماء کرام نے مصلحت اور ضرورت کے لئے چند اصول متعین کئے ہیں۔ جنکو بالاجمال ذکر کرتا ہوں

(۱) الضرورات تبیح المحظورات
ضرورتیں ممنوع چیزوں کو بھی مباح بنا دیتی ہے

(۲) المشقة تجلب التيسير
دشواری آسانی لاتی ہے۔

(۳) الضرر يزال۔ تکلیف دور کی جانی چاہیے

(۴) الضرر يدفع بقدر الامكان
حتی المقدور تکلیف دور کی جائے۔

(۵) الاصل فی الشئ الاباحة
ہر چیز میں اصلاً اباحت ہے۔

بظاہر ان اصولوں سے مذکورہ بالا نظریہ کی تائید معلوم ہوتی ہے۔ مگر مختصر تشریح کے بعد واضح ہو جائیگا کہ کیسا نازک پل ہے اس پر چلنا ہر راہی کا کام نہیں ہے مثلاً۔ پہلا اصول ممنوع چیزوں کو جب مباح کرتا ہے جب اس کی جان مال یا عزت و آبرو خطرے میں ہو۔ امام سرخسی نے تفسیر کبیر میں یہی نقل کیا ہے اور مثال دی ہے کہ جہاد کے گھوڑے پر بجاہد جہاد کے علاوہ ضرورت کے وقت سوار ہو سکتا ہے

باقی برصفحہ ۲۵

پیاری بیٹی !

سلام مسنون۔ رحمتیں، برکتیں، دعائیں

ان گنت شادیوں میں ماں باپ نے اپنے بچے بچیوں کیلئے رخصتیاں لکھی ہیں۔ دوستوں نے سہرے پڑھے ہیں۔ عزیزوں نے تہنیت نامے پیش کئے ہیں۔ مگر رسم کے بوجھ تلے دب کر اب یہ چیز بھی اپنا اثر کھو بیٹھی ہے۔

میرا یہ خط نہ رسم ہے نہ رواج۔ یہ تو میری آج تک کی کمائی ہے۔ جو پڑھنے، عمل کرنے اور تجربے نے مجھے دی تھی۔ وہی آج اپنی پیاری بیٹی کو سونپ رہا ہوں۔ اس امید پر کہ میری بیٹی اسے شادی کی شہنائی سمجھ کر بھلا نہ دے گی بلکہ ایک دردمند دل کا پیام سمجھ کر ہر مہینے اپنی شادی کی تاریخ پر، پھر ایک نظر دیکھ لیا کرے گی۔

بیٹی ایک اچھی بات کسی نے کہی تھی۔ انسان جب دنیا میں آتا ہے۔ تو وہ روتا ہے۔ اور سب مارے خوشی کے ہنستے ہیں۔ اسے چاہئے کہ وہ دنیا سے ایسے جائے کہ وہ ہنستا ہوا رخصت ہو اور سب اس کے لئے رو رہے ہوں۔

میری دعا ہے کہ اپنے اس گھر سے بچھڑنے کا غم لے کر چاہے تم آنسوؤں کے ساتھ وداع ہو۔ مگر سب گھر والے اس پر مطمئن اور خوش ہوں کہ ہماری بھی انشاء اللہ جہاں جائے گی۔ بہار ساتھ جائے گی۔ اور پھول کھل اٹھیں گے اور بیٹی یہ بھی دعا ہے کہ سسرال کے بعد ایک گھر اور آنیوالا ہے۔ ابدی گھر خدا کرے تم ایسی زندگی گذار کر وہاں کے سجے ہوئے گھر کو اپنی مہمان داری کیلئے سجا سجایا پاؤ اور وہاں بھی اپنے پیاروں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنو۔ آمین

بیٹی۔ ہر نئی جگہ جانے سے پہلے اس کی تیاری کرنی پڑتی ہے۔ سامان ساتھ لینا ہوتا ہے یہ تمہارے مالک کی کتنی بڑی دین ہے کہ دنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی اس نے سارا سامان باندھ کر خود تمہارے ساتھ کر دیا۔ یہ اچھی آنکھیں۔ یہ چہرہ۔ یہ ہر وقت کام کے لئے تیار ہاتھ پاؤں یہ جاننے سوچنے، سمجھنے کی قابلیت۔ یہ بھلائی برائی کی تمیز کتنا سارا مال و اسباب بنا مول لے، تم کو ملا ہے کہ اس کی قیمت چکانا چاہتی ہو تو آنکھوں کو شوہر کے علاوہ کسی اور طرف مت اٹھانا۔ منہ کھلیں تو ایسے موتی برسیں کہ سننے والے جھولیاں بھر لیں کان صرف اچھائیاں سنیں اور غیبت، ٹوہ کھوج، کرید کو اندر جانے کا راستہ تک نہ ملے، ہاتھ اٹھیں تو کسی بے آسرا کو سہارا دینے اور محروم کو اس کا حق دینے کے لئے پاؤں شرم کی راہ پر اٹھیں اور جہاں یہ حد ختم ہو، وہیں جم کر کھڑے ہو جائیں۔ دیکھو تو کتنا عجیب سودا ہے یہ۔ مالک کا مال مالک کی پسند سے خرچ کرو۔ بس حساب چکتا ہوا۔ اور پھر آنیوالی ہمیشہ کی زندگی کا نفع الگ سے ملتا ہے۔ تم جس خدمت گار سے خوش ہوتی ہو۔ اجرت کے ساتھ انعام بھی تو دیتی ہو۔ تو پھر اپنے آقا کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ؟ وہ تو بے حساب انعام عطا کرے گا۔

دل ہو وفا پسند، نظر ہو حیا پسند !
جس حسن میں یہ وصف ہو، وہ ہے خدا پسند

دلہن بیٹی! دوسرا سامان وہ ملتا ہے جو تم آنکھ کھولتے
اپنے چاروں طرف پاتی ہو۔ نثار ہونے والے ماں باپ اور
رگ۔ پیار کرنے والے بہن بھائی اور عزیز علم اور تربیت
گہنوں سے سجانے والے خیر خواہ پھر یہ اچھا گھر۔ اچھا کھانا
اچھا پہننا۔ یہ ان گنت احسان کبھی تو تم سے کچھ چاہتے ہیں پیار
شفقت کرنیوالوں کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کو تم سے ہمیشہ
ت، خدمت اور پیار کا برتاؤ ملے۔ وہ تم کو ناشکرا، غافل
رخود پسند نہ پائیں۔ اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کا بدلہ
ہے کہ تم ان کو بھلے ڈھنگ سے، بھلائی کرنے اور بھلائیاں
پھیلانے کے لئے برتو۔ ان کو اپنے لئے جینے کا سامان سمجھو۔ ان
خاطر نہ جیو۔

آج جو لڑکی ہمت کرکے اپنے شوہر سے کہہ سکے "اللہ میری
طرا پنی عاقبت خراب نہ کیجئے گا۔ آپ جو کچھ بھی بھلے طریقہ
سے کما لائیں گے۔ وہی میرے لئے ایک خزانہ ہوگا میری دل
ہی کے لئے آپ کو کوئی غلط راستہ اپنانے کی ضرورت انشاد
کبھی نہیں پڑے گی۔" میری بیٹی۔ ایسی لڑکی اپنے دولہا
اپنے ساتھ بہت بڑا احسان کرے گی۔ اور اپنے شوہر کو
اور خرابیوں سے بچالے جائے گی۔!

دنیا کے سب سے سچے انسان (صلی اللہ علیہ وسلم) نے
مایا۔ "آدمی کہتا ہے۔ یہ میرا مال، یہ میرا مال۔ کہاں ہے
ن کا مال؟ ۔ سوائے اس کے جو اس نے کھا لیا وہ بچ گیا
پہن لیا وہ پھٹ گیا؛ ور جو خرچ کر دیا وہ (مالک کے پاس)
ع ہو گیا۔ باقی مال تو سب اس کے وارثوں کا ہے۔"

اپنے چاروں طرف اس سچی بات کے پھیلے ہوئے ثبوت
ھو۔ ہزاروں گز زمین پر شاندار کوٹھیاں کھڑی ہیں جن کے
ن صرف ڈھائی گز زمین پا سکے ہیں۔ اور ان کوٹھیوں میں وارث
ہیں۔ یہ بھی چند دن کے لئے وہ کاروبار جو اپنے کمانے والے
کام آنے کے بجائے، دوسروں کی خوشیاں پوری کر رہے
۔ وہ زیور وہ زرق برق لباس جو سال میں ایک دو بار بس
ماوے کے لئے کرائے کے سامان کی طرح پہنے جاتے تھے
ب اپنے پہننے والوں کے بجائے کسی اور کا چاؤ پورا کر رہے ہیں۔

ایک اور سچے اور معصوم انسان (مسیح علیہ السلام) نے
انجیل میں کہا تھا۔ "اپنے واسطے زمین پر مال مت جمع کرو جہاں
کیڑا کھاتا، زنگ لگتا، اور چور چرا تا ہے۔ اپنے لئے آسمان
پر مال جمع کرو۔" تو بیٹی۔ اپنا مال اپنے ہی کام میں زیادہ
لانا۔ سب کچھ دوسروں ہی کے لئے چھوڑ جانے کی بھول نہ کرنا۔
کھا اور پہن لو اور پھر جو بچے اسے وہاں جمع کرو جہاں
کوئی کھٹکا نہیں۔ دنیا میں بھی بہت ہلکی رہوگی۔ اور آخرت
میں بھی ہلکا حساب ہو کر گھنٹہ دو گھنٹے میں چھٹی مل جائے گی
انشاءاللہ۔

جی چاہتا تھا کہ اپنی بیٹی کو اس خوشی میں اچھے سے تحفے
دوں۔ مگر ایسے تحفے سے قیمتی اور کیا تحفہ دے سکتا ہوں
جس سے دنیا بن سکے اور آخرت سنوار سکے اللہ کرے
تم دونوں اس تحفے سے بھرپور فائدہ اٹھاؤ گے
جی یہ بھی چاہتا تھا کہ اپنی بیٹی کو اپنی آنکھوں سے دلہن بنا
دیکھوں سر پر ہاتھ پھیر کر پیار سے گلے لگاؤں۔ مگر میں مجبوری کے
کٹہرے اور بے بسی کی چار دیواری میں گھرا ہوا ہوں۔ اگر مالک
دوجہاں کی ابھی یہی مرضی ہے تو میں خوشی سے اس پر راضی ہوں
مگر دعائیں تو دنیا میں کسی کے روکے نہیں رکتیں۔

صیاد پہ ظاہر ابھی یہ راز نہیں ہے
پرواز ۔ اسیر پر پرواز نہیں ہے

اللہ تم کو بہترین جیون ساتھی دے۔ بہترین
زندگی دے۔ بہترین کمائی دے بہترین اجر دے۔ اور سب
کے لئے یہ شادی بابرکت ہو۔ آمین،

ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ تمہارے
اباجان

زریں اقوال

- رات کو سوتے وقت غور کرو کہ آج کتنے اچھے اور کتنے برے کام
- حق گوئی و بے باکی جواں مردی کا ثمرہ ہے۔
- ہر مصیبت زدہ کی مدد کرو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔

مخالف ہواؤں کے جھونکوں کے باوجود مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ دین کی شمع بن کر اپنی روشنی پھیلا رہا ہے۔ مالیرکوٹلہ کے علاوہ پنجاب کے دوسرے علاقوں کے طلبہ بھی اس سے فیض حاصل کر رہے ہیں، مجموعی طور پر طلبہ کی تعداد تین سو سے زائد رہتی ہے۔ نو اساتذہ ان مسلم نونہالوں کی تعلیم اور تربیت میں مشغول ہیں جن بھائیوں کے دلوں میں دین کا درد اور اس کی محبت ہے وہ بہرحال مدرسہ کی امداد اور تعاون میں کوتاہی نہیں کرتے۔

عیدالاضحیٰ کا موقعہ ہے قربانی کی سعادت حاصل کرنے والے بھائی اس موقعہ پر قربانی کی کھالیں یا کھال کی رقم مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کیلئے دیکر ایک فریضہ کی ادائیگی کے ساتھ علم دین کی اشاعت میں حصہ لیں۔ اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔

فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی (مفتی مالیرکوٹلہ) مہتمم مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ (پنجاب)

خطبہ مسجد حرام مکہ مکرمہ

حصول علم کا اصل مقصد

خطیب :- فضیلۃ الشیخ عبداللہ خیاط
ترجمہ وتلخیص :- مولانا محمد اسلام قاسمی

بندگان خدا ! خداوند قدوس قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے: واللہ تعالیٰ تم ایمان والوں میں سے اہل علم کے درجات بلند کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ علم کا درجہ دنیا اور آخرت میں بہت ہی اعلیٰ اور ارفع ہے، علم کے لئے کوشش اور محنت دنیا کی ہر چیز کے مقابلہ میں سب سے بہتر کوشش اور محنت ہے، حدیث شریف کی تصریح موجود ہے کہ جب کوئی شخص علم کی تلاش میں کسی راہ پر گامزن ہوجائے تو خدا اس کیلئے جنت کا راستہ ہموار کردیتا ہے، علم کے فضائل میں قرآنی آیات اور احادیث بکثرت موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ہر محنت اور ہر کمائی یا ہر ترقی سے بہتر علم ہی کی محنت اور ترقی ہے۔

پھر علوم میں اولیت حاصل ہے اس علم کو جس سے شریعت کا علم حاصل ہو جس سے خدا کی صحیح معنوں میں عبادت کرنے کا طریقہ معلوم ہو ــــــ یہ وہ علم ہے جس کا حصول بھی بہت ضروری ہے اور جو شخص اس علم دین کے حصول کی سعی کرتا ہے اس کیلئے قرآن وحدیث میں بشارتیں موجود ہیں، روایت ہے کہ جب کوئی علم دین حاصل کرنے کی غرض سے گھر سے نکلتا ہے تو فرشتے اس کے راہ میں پر بچھاتے ہیں، سمندر کی مچھلیاں اس کیلئے دعائیں کرتی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا اس علم کے ذریعہ جس سے خیر کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں تفقہ عطا فرماتا ہے ــــــ

علم دین کا فضل وکمال اور اس کے اعلیٰ درجات حاصل کرنے کے لئے کچھ حدود وشرائط بھی متعین ہیں جسے نظر انداز کرکے اعلیٰ مقام حاصل نہیں کیا جاسکتا سب سے پہلی شرط اخلاص ہے یعنی اس علم سے اللہ کی رضا مطلوب ہو اور تاکہ اس علم کا طالب خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے امور پر عمل پیرا ہوسکے ــــ دین کی اشاعت کرے ــــــ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دے اور دل میں خدا کا خوف رکھے جیساکہ ارشاد ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنی خدا کے بندوں میں اہل علم ہی اللہ سے ڈرتے ہیں اور اگر کوئی شخص اس مقصد سے علم حاصل کرے کہ اس سے مادی فوائد حاصل ہوں، یا منصب وعظمت ملے، جاہ ودولت ملے، یا اس کے ذریعہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کیا جاسکے یا دوسروں سے مجادلہ کیا جاسکے تو پھر یہ علم فضل وکمال اور اجر وثواب کا ذریعہ ہونے کی بجائے

عذاب کا باعث بن جاتا ہے، حدیث کی روایت ہے۔
جس کسی نے علم حاصل کیا اس لئے تا کہ علماء سے مباحثہ
کرسکے یا جہلا اور سفہاء کی توجہ اپنی جانب مبذول کرنے تو
خداوند قدوس اسے جہنم میں داخل کرے گا"۔ دوسری
روایت میں ہے، "جس نے اس لئے علم دین کو حاصل کیا
تاکہ امراء سے مقصد برآری میں استعمال کرے یعنی مادی
فوائد حاصل کرے تو اس کیلئے جہنم کا عذاب ہے"۔

بندگانِ خدا یہ وعید ایسی سخت وعید ہے
جس سے ہر صاحب فکر سبق حاصل کرسکتا ہے ——
جو بھی اس وعید پر غور کرے یقیناً وہ اس بات سے احتراز
کرے گا کہ اس کا علم حصول دنیا کا ذریعہ بنے، یا دوسروں
پر بڑائی اور دنیا میں عظمت و رفعت حاصل کرنے کا
باعث ہو، وہ افراد جو کہ علم دین کو حصول دنیا کیلئے
حاصل کرتے ہیں انہیں اس سخت وعید کا بھی خیال رکھنا
چاہیئے" —— وہ اپنے آپ کو اسی عذاب
کا مستحق سمجھیں جسکی نشاندہی حدیث میں کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علماء حضرات
کا وصف بیان کرتے ہیں، "خدا کے کچھ ایسے بندے ہیں
جن پر خاموشی طاری ہے اس لئے نہیں کہ وہ گونگے اور
بہرے ہیں بلکہ اس لئے کہ ان کے دلوں میں خدا کی
خشیت ہے۔ —— یہ علماء کی جماعت ہے۔ جو
فصیح الکلام اور آزاد ہیں (پھر بھی خاموش رہتے ہیں)
جب یہ خدا کی عظمت یاد کرتے ہیں تو ان کی عقل حیران
رہتی ہے۔ دلوں میں خشیت طاری ہو جاتی ہے، زبان
خاموش ہو جاتی ہے،

یہ ہیں وہ علماء جنہوں نے علم دین کو اخلاص
کے ساتھ صرف اللہ کے لئے حاصل کیا پھر انہوں نے
علم دین کی نشر و اشاعت میں اپنے لئے کوئی فائدہ
نہ چاہا اسی امید پر کہ خدا آخرت میں اجر عظیم سے نوازیگا
جن کے پیش نظر خدا ہی پر توکل کا سہارا رہا —— نتیجہ
یہ ہوا کہ وہ ائمۂ دین بنے، پوری قوم کی رہنمائی کرتے رہے
اور وہ اس میں کسی فائدے کے خواہاں نہ رہے چنانچہ
خدا نے انہیں دنیا میں بھی عزت بخشی اور آخرت کا اجر
موعود ہے،

اس کے برخلاف آج کے دور میں بعض طالبان
علم کا جائزہ لیجئے جنہیں اپنے مستقبل کو خوشحال بنانے
کی فکر ہے جو علم دین کو مادی فوائد کے حصول کا ذریعہ بناتے
ہیں —— والدین کی نظر ان کے بچوں کی تعلیم کے وقت
ان کے مستقبل پر رہتی ہے —— ان کی خوشحالی دنیوی
زندگی مقصود رہتی ہے —— ایسی صورت میں خدا پر توکل
کہاں رہا کہ خدا بھی ان کے لئے کافی رہتا —— من توکل
علی اللہ فہو حسبہ کے مصداق نہیں رہے،

اے وہ لوگو جنہوں نے خدا کے اس فرمان کا عملی
طور پر انکار کیا! اس وقت تک مقصود حاصل نہیں ہو سکتا
اور نہ رشد و ہدایت مل سکتی ہے، جب تک علم دین کے اوپر
مادی فوائد کا غلاف چڑھا ہوا ہے اور جب تک سلف
صالحین کے نہج کو چھوڑ کر اصل مقصد دنیا کا حصول رہیگا۔
خدا سے ڈرو اور اس علم سے احتراز کرو جس میں مادی
اغراض شامل ہوں جس کے لئے سخت وعیدیں
آئی ہیں • • • • • • • •

کس نے میرے چند تنکوں کو جلانے کے لئے
برق کی زد میں گلستاں کا گلستاں رکھدیا۔

رسولِ خدا کی ایک وفاکیش صحابیہ

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

انجم عثمانی

جب ایمان روح میں سما جاتا ہے تو جوش اور ہوش کی سرحدیں مل جاتی ہیں، دل و دماغ۔ جذبات و افکار ایک دوسرے میں جذب ہو کر اس لرزہ خیز صدا میں ڈھل جاتے ہیں جو موت کی زرد لبوں پر بھی خدائے واحد کو پکارتی ہے تو وجود کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر خاک پر بکھر جاتا ہے اور تمام فاصلے طے کر کے روح اپنے خالق حقیقی سے جا ملتی ہے، جوش اور ہوش کی یہی روحانی طاقت تھی جس نے حضرت صفیہ رضؓ کو بلندیوں پر پہنچا دیا۔

حضرت صفیہؓ حضرت امیر حمزہؓ کی حقیقی بہن تھیں اور قریش کے ضعیف العمر سردار عبدالمطلب کی بیٹی تھیں اور حضورؐ کی وہ خوش نصیب پھوپھی تھیں جن کے لئے آخرت کا ابدی سکون اور ایمان کی وہ لازوال دولت جس کے سامنے قصر شاہی کا فلک بوس غرور بھی زمین بوس تھا، مقدر کیا جا چکا تھا۔ حضرت صفیہؓ نے منکرین خدا کی تلواروں تلے خدائی وحدانیت اور رسولؐ کی رسالت کی تصدیق کی تھی، آپؓ نے دین اسلام قبول کر کے اپنے وسیع و عریض وطن کے مقابلہ میں قبر کے تنگ گوشہ کو ترجیح دی تھی، تاکہ اس میں اتر کر وہ اپنے معبود حقیقی سے مل سکیں، اس بے جگر مجاہدہ کا یہ عالم تھا کہ جب جنگ احد میں لوگ افواہ ناہنجار حضورؐ کی وفات کی غلط خبر سن کر میدان چھوڑنے لگے تو اس مجاہدہ نے انہیں للکارا، جس آواز سے مایوس انسانوں میں نیا ولولہ، نیا جوش پیدا ہوا وہ اس عظیم مجاہدہ ہی کی آواز تھی، یہی صدا تھی کہ جو مجاہدین کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ پلٹ آئے، اس قابل احترام خاتون نے ہی ان کو پکارا تھا کہ ٹھہرو! کدھر چلے ہو؟ جہاد جیسی عظیم نعمت کو ٹھکرائے جاتے ہو، اپنے محسن حضورؐ کو دشمنوں کے نرغے میں چھوڑے جا رہے ہو، رک جاؤ، تم میں سے کوئی نہیں جائے گا، میدان جہاد میں پشت دکھانا صاحب ایمان کا شیوہ نہیں، آپؓ کی اس پرجوش اور ایمان افروز صدا نے مجاہدوں کے قدم روک دیئے، یقین اور ایمانی سوز سے پر آواز نے شکستہ قلوب میں نئی روح پھونک دی، وہ جیسے نیند سے چونک اٹھے اور غیرتِ ایمانی سے لبریز نعروں کے ساتھ وہ میدان جنگ میں لوٹ آئے اور ایسے لوٹے کہ فتح و کامرانی ان کے قدم چوم رہی تھی —— اس قدر جوش کے ساتھ ساتھ حضرت صفیہؓ صبر کا پیکر بھی تھیں انتہا یہ ہے کہ جب حضرت حمزہؓ کو شہید کر دیا گیا اور شہید بھی اس طرح کیا گیا کہ جسم کا کوئی حصہ نہ تھا جو زخمی نہ ہو تو حضرت صفیہؓ اپنے بہادر بھائی کی لاش دیکھنے چلیں، اسی وقت حضورؐ نے ان کے بیٹے زبیرؓ کو آواز

دی کہ جاؤ اپنی ماں کو روک دو کہ وہ اپنے بھائی کی لاش نہ دیکھ پائیں گی، بیٹے نے آکر حکم سنایا تو فرمایا کہ میں جانتی ہوں کہ میرے بھائی نے راہ خدا میں جان دی ہے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی تعمیل کی ہے، خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل پر میں اشک کیوں بہاؤں؟ اور جب ان کو حضورؐ نے اجازت مرحمت فرمادی تو واقعتاً ان کی قوت ایمانی نے معمولی جذبات کو کچل کے رکھ دیا اور آپؓ نے اپنے بہادر بھائی کی لاش دیکھ کر صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہا ـــــ کتنی حسین ہے وہ موت جو زندہ جاوید کر دے، اور کتنا عظیم تھا حضرت صفیہؓ کا صبر کہ جس نے اتنے سخت وقت میں بھی خدا اور رسول کی اطاعت کی،

اس عظیم مجاہدہ کی بہادری کا یہ عالم تھا کہ جب مدینہ کی ساری تیغ آزما مسلم آبادی غزوۂ خندق کے محاذ پر سمٹ آئی تھی، جب یہودیوں اور مشرکوں کی منتشر کہ فوج کو اپنی قوت ایمانی کا یقین دلانے کیلئے ہر فرد بے چین تھا، جب شوہروں نے اپنی بیویوں کو مدینہ میں خدا کے حوالے کیا اور باپ اپنے شیر خوار بچوں کو کمزور ماؤں کے سینہ سے چمٹا دیکھ کر شہادت کو گلے لگانے چل دیئے تھے، اسی وقت مدینہ شریف میں یہودی یہ خوفناک سازش کر رہے تھے کہ مجاہدوں کی عدم موجودگی میں سب کو ختم کر ڈالا جائے، اس وقت حضرت صفیہؓ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ ان کے سینہ میں بھی وہ آتش سوزاں ہے جو خدا کے منکروں کو خوف و دہشت سے شل کر ڈالتی ہے، قلعہ اطم کی فصیل پر سیاہ فام خطرات میں چمکنے والی حضرت صفیہؓ کی دو نسوانی آنکھیں جائزہ لے رہی تھیں اور زبان ان الفاظ کی ادائیگی میں مصروف تھی، حسّان! اے حسّان! دیکھ رہے ہو وہ قلعے کے دروازے سے لگا ہوا سپاہی، یقیناً یہ بزدل یہودیوں کا جاسوس ہے جو کھل کر ہماری طاقت کا مقابلہ کرنے کی بجائے چھپ کر آیا ہے، حسّان جاؤ اس کا سر تن سے جدا کر لاؤ اور اس کو شجاعت اور بزدلی کا فرق سمجھا دو، حضرت حسّان کے لبوں سے ایک درد بھری آواز نکلی کاش اس قابل ہوتا اور ضعف مانع نہ ہوتا تو کیا اس وقت عورتوں کے درمیان نظر آتا، یہ سن کر حضرت صفیہؓ ایک جوش اور ولولے کے ساتھ قلعے کے دروازے پر پہنچیں اور چشم زدن میں ایک کوہ افگن ضرب بن کر اس کی ناپاک کھوپڑی کو پاش پاش کر دیا، یہودی مرد ایک بزدل لاش کی طرح بہادر مومنہ کے قدموں میں گر پڑا،

ایک مرد کو اپنے قدموں میں پڑا دیکھ کر حضرت صفیہؓ کا سر غرور سے اونچا ہونے کے بجائے سجدۂ شکر خداوندی کے لئے جھک گیا اور انہوں نے اس ان دیکھی ذات کا شکریہ ادا کیا کہ جس کے بھروسہ پر وہ قلعہ سے باہر موت کے منہ میں کود پڑی تھیں، حضرت صفیہؓ نے اس ناپاک کھوپڑی کو تن سے جدا کر کے قلعہ کے سامنے ڈال دیا تاکہ جب دشمن حملہ کرنے آئیں تو انہیں یقین ہو جائے کہ قلعہ میں صرف عورتیں ہی نہیں جانباز مرد بھی ہیں۔ جن کی شجاعت میں انسان کی نہیں خدا کی طاقت دکھائی دیتی ہے، چنانچہ جب یہودی قلعہ اطم پر شب خون مارنے آئے تو اس لاش کو دیکھ کر الٹے پاؤں واپس ہو گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ قلعہ میں عورتیں ہی نہیں مرد بھی ہیں۔ لیکن وہ یہ فراموش کر رہے تھے کہ اسلام کے دائرہ میں مرد اور عورت کی اونچ نیچ نہیں ہے، دونوں ایک ہی

طنز و مزاح

ہندی کے ایک مزاح نگار نے ایک مرتبہ ایک مضمون لکھا تھا جس کا عنوان تھا ,, جھمکا گرا رے بریلی کے بازار میں ،، اس مضمون کا خلاصہ یہ تھا۔ مصنف بریلی کے بازار میں پہنچا ہے اور گمشدہ جھمکے کی تلاش کرتا ہے، جب اسے یہ کہیں بھی نہیں ملتا تو ڈھنڈورا پٹواتا ہے ,, اے بریلی کے معزز شہریو! مدت ہوئی یہاں بازار میں ایک حسینہ کا جھمکا گر پڑا تھا، وہ اگر کسی کے پاس ہو تو از راہ کرم اُس حسینہ کو واپس کر دے، کیوں کہ برسوں سے وہ چیخ چیخ کر فریاد کر رہی ہے ,, جھمکا گرا رے بریلی کے بازار میں۔

ہمارا جی چاہتا ہے کہ ہم بغداد کے شہر میں جا کر یہ ڈھنڈورا پٹوائیں۔ ,, اے بغداد کے معزز شہریو! الٰہ دین کے پاس ایک لیمپ یا چراغ ہوا کرتا تھا، وہ اگر الٰہ دین کے کسی وارث یا دوست کے یہاں ہو تو مہربانی کر کے ہمارے حکمرانوں کو دیدے، کیونکہ انہیں اس کی سخت ضرورت ہے۔

یوں تو ہمارے حکمرانوں کے پاس خدا کا دیا بہت کچھ ہے، لیاقت ہے، سیاسی سوجھ بوجھ ہے، وطن کی خدمت کرنے کا جذبہ ہے، رام راج قائم کرنے کا منصوبہ ہے، اپنے ملک کو چار چاند لگانے کی خواہش ہے، مگر ان کے پاس ایک چیز نہیں ہے اور وہ ہے "الٰہ دین کا چراغ" یہ ایک ایسی کمی ہے، جس پر جگر مراد آبادی کا مصرع صادق آتا ہے

؎ جیسے ہر شے میں کسی شے کی کمی پاتا ہوں میں

دراصل شروع سے ہی ہندوستانی حکمران محسوس کرتے رہے ہیں کہ الٰہ دین کے چراغ کے بغیر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے، مثال کے طور پر جب بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دے کر حکومت کی باگ ڈور سنبھالی ہوگی تو اس نے اپنے پہلے خطبہ میں ضرور وعدہ کیا ہوگا، میں تین سال میں ہندوستان کو جنت نشان بنا دونگا اور جب کچھ عرصہ کے بعد عوام نے شکایت کی ہوگی، حضور! آپ نے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا، تو اس نے جھلا کر جواب دیا ہوگا، کیا میرے پاس الٰہ دین کا چراغ ہے جو راتوں رات ملک کی کایا پلٹ کر رکھ دوں، مجھ سے پہلے ہونے والے حکمرانوں۔ تغلقوں، خلجیوں، اور لودھیوں نے سرکاری خزانہ خالی کر دیا تھا، اسے پُر کرنے میں وقت لگے گا، وہ نہ خود کورپٹ تھے، بلکہ انہوں نے دوسروں کو بھی کورپٹ بنا دیا تھا، کورپشن کو دور کرنے کے لئے مہلت چاہیئے، انہوں نے سکے کا پھیلاؤ کو روکنے کا کوئی اقدام نہیں کیا، اس کا انسداد

کرنے کے لیئے وقت درکار ہے،

مغلوں کے بعد جب انگریز برسر اقتدار آئے تو پہلے وائسرائے نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ضرور کہا ہوگا، خدا کا شکر بجا لائیے، آپ کو مغل بادشاہوں سے نجات ملی، دراصل یہ لوگ حکومت کرنے کے قابل ہی نہیں تھے، ان کا نصب العین تھا کہ عوام کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جائے، اب آپ کو ایسے حکمران نصیب ہوئے ہیں جو صحیح معنوں میں آپ کے خادم ثابت ہوں گے، ہم وعدہ کرتے ہیں ہر شخص کیلئے روٹی کپڑا اور مکان کا انتظام کیا جائے گا لوٹ کھسوٹ، رشوت خوری اور بد انتظامی کا قلع قمع کیا جائے گا، غنڈوں اور بدمعاشوں کو عبرتناک سزائیں دی جائیں گی، اور جب کافی وقت گذر جانے کے بعد لوگوں نے شکوہ کیا ہوگا، جناب! ہمارا حال تو پہلے سے بھی بدتر ہو گیا ہے، تو کسی انگریز وائسرائے نے جھڑک کر کہا ہوگا، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس الٰہ دین کا چراغ ہے، کہ ہم صرف پچاس برس میں آپ کی تمام تکالیف رفع کریں، آخر جو بدعنوانیاں مغل بادشاہوں نے کیں ان کا ازالہ کرنے کے لئے کم از کم ایک صدی چاہیئے، آپ کو شکایت کرنے کی بجائے صبر سے کام لینا چاہیئے تھا، آپ شاید یہ نہیں جانتے کہ آپ کی مصیبتوں کے لئے ہم نہیں ہمارے پیشرو ذمہ دار ہیں،

اور پھر ایک دن آیا جب انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنا پڑا، اور جب اغیار کی بجائے اپنوں نے عنان حکومت سنبھالی، عوام نے اطمینان کا سانس لیا، کہ اب نہ کچھ ہو کر رہے گا، کانگریس پارٹی نے انہیں وہ سبز باغ دکھائے کہ وہ خوشی سے جھومنے لگے، لیکن جب تیس برس کے بعد بھی انہیں کسی قسم کی راحت نہ ملی تو انہوں نے اپنے حکمرانوں سے پوچھا کہ ماجرا کیا ہے، ان کے پاس پہلے ہی جواب موجود تھا، یہ سب انگریزوں کا قصور ہے "وہ ملک کی تمام دولت لوٹ کر اپنے ساتھ لے گئے، ہمارے پاس ہے ہی کیا جو ہم آپ کو دیں بہر حال جو تھوڑا بہت تھا وہ ہم نے آپس میں بانٹ لیا، ٹھیک ہے ہم نے ملک میں سوشلزم یا اقتصادی انقلاب لانے کا وعدہ کیا تھا، لیکن جناب ہمارے پاس الٰہ دین کا چراغ تو ہے نہیں کہ صرف تیس برس میں اسے معرض وجود میں لا کر دکھا دیں، رہی غریبی دور کرنے کی بات ہمیں بالکل معلوم نہیں تھا کہ ہندوستان میں اتنے لوگ غریب ہیں، ورنہ ہم غریبی دور کرنے کا کبھی وعدہ نہ کرتے، آپ کا یہ گلہ بھی بیکار ہے، کہ ہم اپنے دھندے کے خود غرض ہیں، سب حکمران خود غرض ہوتے ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو کوئی شخص حکمران بننا پسند نہ کرتا،،

عوام نے تنگ آکر کانگریس سے اپنی حمایت واپس لے لی اور جنتا پارٹی کو اقتدار سونپ دیا اب اگر خدانخواستہ جنتا پارٹی بھی ووٹروں کی توقعات پوری کرنے کی بجائے یہ کہنے لگے، ہم جلد سے جلد مکمل انقلاب لانا چاہتے ہیں، لیکن جو غلط پالیسیاں کانگریس حکومت نے پچھلے تیس برسوں میں رائج کیں، انہیں درست کرنے میں وقت لگے گا، آپ چاہتے ہیں کہ قیمتوں کو بڑھنے سے روکا جائے، کورپشن کا خاتمہ کیا جائے، ہم آپ کے ان تمام خوابوں کو حقیقت میں تبدیل کر دیں گے، لیکن کم از کم دس سال کی مہلت تو دیجئے، ہم نہایت قابل

باقی۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا
صفحہ ۱۲ سے آگے

مالک حقیقی کے سامنے جھکاتے ہیں اور دوروں کیلئے ایک ہی خدائے بزرگ و برتر کے غیبی شکر امداد کو آتے ہیں ——— بقیع کے خاموش قبرستان میں آج بھی یہ عظیم مجاہدہ، یہ بے جگر اور وفاکیش صحابیہ میٹھی نیند سورہی ہے کہ جس کی بہادری کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں اور جس کا صبر و استقلال فدائیت و جاں نثاری سے تاریخ اسلام کے اوراق آج بھی روشن ہیں۔

(بشکریہ ہدیٰ ڈائجسٹ دہلی)

زیر لب۔ باقی صفحہ ۱۲ کا

منتظمین ہیں، لیکن معاف کیجئے، ہمارے پاس الٰہ دین کا چراغ تو نہیں،

اگر جنتا پارٹی اس قسم کی باتیں کرنے لگے تو عوام کو سوچنا پڑے گا کہ اگلے انتخابات میں کسی پارٹی کو ووٹ دینے سے پہلے اس کے لیڈروں سے پوچھ لیا جائے " کیوں صاحب! کیا آپ کے پاس الٰہ دین کا چراغ ہے؟ اگر وہ اس سوال کا جواب نفی میں دیں تو ان سے عرض کرنا چاہیئے " معاف کیجئے، ہم آپ کو ووٹ دینے سے معذور ہیں، کیونکہ ہم ووٹ اس پارٹی کو دیں گے جس کے پاس الٰہ دین کا چراغ ہے "

مسلم ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ایسوسی ایشن کا تعارف

از:- محمد صدیق بی اے، بی ایڈ

یکم مئی ۱۹۹۰ء کو مالیرکوٹلہ کے مسلم تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک نشست جناب محمد اقبال صاحب کی زیر صدارت احمد منزل کچا کوٹ میں منعقد ہوئی جس میں اس بات پر غور کیا گیا کہ نوجوانوں کی ایک سماجی فلاحی تنظیم ہونی چاہیئے جو سماجی برائیوں کو دور کرے اور معاشرہ کو مغربی تہذیب کے اثرات سے بچانے کیلئے جد و جہد کرے، آخر متفقہ طور پر ایک تنظیم مسلم ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ایسوسی ایشن کے نام سے تشکیل دی گئی، یہ ایسوسی ایشن ایک غیر سیاسی تنظیم ہے جس کا مقصد نوجوانوں کی فلاح و بہبود اور ملت کے افراد کی خدمت کے علاوہ کچھ نہیں، شروع میں کام چلانے کیلئے ایک ایڈہاک کمیٹی منتخب کی گئی تھی اور ایسوسی ایشن کا باقاعدہ انتخاب ۱۴ اگست کو ہوا جس میں ایڈہاک کمیٹی توڑ کر نئے عہدیداران کو منتخب کیا گیا اور ذیل کے حساب سے ذمہ داریاں سونپی گئیں (صدر) جناب شیخ شمشاد علی قریشی صاحب (سینئر نائب صدر) جناب محمد صدیق صاحب بی اے بی ایڈ (نائب صدر) جناب عبد الغفور صاحب سکریٹری جناب میاں محمد اقبال صاحب (خزانچی) محمد بلال فاروقی صاحب اور پبلسٹی سکریٹری جناب محمد اسلم صاحب

ایسوسی ایشن کے اغراض و مقاصد اس طرح ہیں (۱) مسلم قوم میں تعلیم کو فروغ دینا (۲) تعلیم یافتہ بیروزگار نوجوانوں کو روزگار کے مواقع سے آگاہ کرنا (۳) نوجوانوں کے اندر دینی جذبہ پیدا کرنا (۴) مسلم اور غیر مسلم افراد میں میل جول اور مفاہمت پیدا کرنا (۵) سماجی برائیوں کو دور کرنے کیلئے کوشش کرنا (۶) غریب مسلم طلباء کی امداد کرنا (۷) ملک کی تعمیر و ترقی میں سرگرم حصہ لینا ہر وہ مسلم نوجوان جو ایسوسی ایشن کے اغراض و مقاصد سے اتفاق رکھتا ہے اور جس کی کم سے کم تعلیمی قابلیت میٹرک ہے ایسوسی ایشن کی رکنیت کیلئے درخواست دے سکتا ہے، خدائے بزرگ و برتر نوجوانوں کی ان مخلصانہ کوششوں کو قبول فرمائے اور ان کے نیک مقاصد کو کامیابیوں سے نوازے (آمین)…

بقیہ علماء کا احترام

مگر حقیقت یہ ہے کہ علماء کا یہ اختلاف آج کا نہیں سو پچاس برس کا نہیں خیر القرون بلکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہے،

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرہؓ کو اپنے نعلین شریف بطور علامت کے دیکر اس اعلان کیلئے بھیجتے ہیں کہ جو شخص کلمہ گو ہو وہ جنت میں ضرور داخل ہوگا، راستہ میں حضرت عمرؓ ملتے ہیں اور معاملہ پوچھتے ہیں، حضرت ابوہریرہؓ اپنے آپ کو حضورؐ کا قاصد بتاتے ہیں، لیکن پھر بھی حضرت عمرؓ اس زور سے اس کے سینہ پر دو ہاتھ مارتے ہیں کہ وہ بیچارے سرینوں کے بل زمین پر گر پڑتے ہیں مگر نہ کوئی حضرت عمرؓ کے خلاف پوسٹر شائع ہوتا ہے نہ کوئی جلسہ ہوکر احتجاجی ریزولیوشن پاس ہوتا ہے۔

حضرات صحابہ کرامؓ میں ہزاروں مسئلے مختلف فیہا ہیں اور ائمہ اربعہؒ کے یہاں تو شاید فقہ کی کوئی جزئی ہو جو مختلف فیہ نہ ہو۔ چار رکعت نماز میں نیت باندھنے سے سلام پھیرنے تک تقریباً دو سو مسئلے ائمہ اربعہ کے یہاں ایسے مختلف فیہ ہیں جو مجھ کوتاہ نظر کی نگاہ سے بھی گذر چکے ہیں اور اس سے زائد نہ معلوم کتنے ہوں گے مگر کبھی رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ دو تین مسئلوں کے سوا کانوں میں نہ پڑے ہوں گے، نہ ان کیلئے اشتہارات و پوسٹر شائع ہوئے ہوں گے نہ جلسے اور مناظرے ہوتے دیکھے ہوں گے، راز یہ ہے کہ عوام کے کان ان مسائل سے آشنا نہیں ہیں، علماء میں اختلاف رحمت ہے اور بدیہی امر ہے جب بھی کوئی عالم کسی شرعی دلیل سے کوئی فتویٰ دیگا دوسرے کے نزدیک اگر وہ حجت صحیح نہیں تو وہ شرعاً اختلاف کرنے پر مجبور ہے، اگر اختلاف نہ کرے تو مداہن اور عاصی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگ کام نہ کرنے کے لئے اس لچر اور پوچ عذر کو حیلہ بناتے ہیں ورنہ ہمیشہ اطباء میں اختلاف ہوتا ہے، وکلاء کی رائے میں اختلاف ہوتا ہے" مگر کوئی شخص علاج کرانا نہیں چھوڑتا، مقدمہ لڑانے سے نہیں رکتا، پھر کیا مصیبت ہے کہ دینی امور میں اختلاف علماء کو حیلہ بنایا جاتا ہے، یقیناً سچے عمل کرنیوالے کے لئے ضروری ہے کہ جس عالم کو وہ اچھا سمجھتا ہے، متبع سنت سمجھتا ہے اس کے قول پر عمل کرے اور دوسروں پر لغو حملوں اور طعن و تشنیع سے باز رہے جس شخص کے ذہن کی رسائی دلائل کے سمجھنے اور ان میں ترجیح دینے تک نہیں ہے اس کا حق نہیں کہ انمیں دخل دے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ علم کو ایسے لوگوں سے نقل کرنا جو اس کے اہل نہ ہوں اس کو ضائع کرنا ہے۔ مگر جہاں بددینی کی یہ حد ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات پر لب کشائی ہر شخص کا حق سمجھا جاتا ہو وہاں بیچارے علماء کا کیا شمار ہے جس قدر الزامات رکھے جائیں کم ہیں۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

(ماخوذ از فضائل تبلیغ)

باقی: حروف و حکایت

خدا کرے حق گوئی و حق پرستی کی یہ مثالیں عام ہوجائیں اللہ کا شکر ہے آج بھی امت محمدیہ میں اللہ کے ایسے بندے موجود ہیں۔ ہماری رہنمائی کیلئے روشنی کے یہ چراغ اللہ تعالیٰ فروزاں رکھے۔ کیا ہی خوب فرمایا ہے نبی برحق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتبعوا العلماء فانہم سرج الدنیا ومصابیح الآخرۃ علماء کی پیروی کرو کیونکہ وہ دنیا کے نور اور آخرت کے چراغ ہیں،

مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ

مولانا محمد منظور نعمانی
مدیر الفرقان لکھنؤ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی ذی النورین رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے دیوبند کے عثمانی خاندان کا علمی سلسلہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے خاص طور پر نمایاں ہوا ہے، مولانا فضل الرحمٰن عثمانی دارالعلوم دیوبند کے قائم کرنے والے تین بزرگوں میں سے ایک تھے، اللہ نے ان کو سات بیٹے دیئے جن میں ایک سے بڑھ کر ایک نمایاں ہوا۔ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مفتی ہوئے، شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث ہوئے اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ہوئے، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ کی اولاد میں مفکر ملت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب مدظلہ کے نام نامی سے کون واقف نہیں ہے، دوسرے صاحبزادے قاری جلیل الرحمٰن صاحب عثمانی مدظلہ (مدرس دارالعلوم دیوبند) کی اولاد میں ایک ہمارے مالیرکوٹلہ کے مفتی فضیل الرحمٰن عثمانی اور دوسرے صاحبزادے مفتی کفیل الرحمٰن نشاط عثمانی دارالعلوم دیوبند کے نائب مفتی ہیں،

دارالعلوم دیوبند سے اسی قدیم اور گہری وابستگی کی وجہ سے مفتی فضیل الرحمٰن صاحب کہا کرتے ہیں دیوبندی مسلک میری رگوں میں خون کی طرح گردش کر رہا ہے، اس کو مجھ سے الگ نہیں کیا جا سکتا، مفتی صاحب موصوف کے جد امجد مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ کے متعلق مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ کا زیر نظر مضمون ماہنامہ الفرقان کے اگست ۱۹۷۱ء کے شمارے میں چھپا تھا، امید ہے دلچسپی سے پڑھا جائے گا اور مستند مضمون نگار عالم دین کے تاثرات سے علمائے دیوبند کی حقیقی عظمت کے خدوخال نمایاں ہوں گے۔ (ادارہ)

راقم سطور اب سے ٹھیک پچاس سال پہلے، شوال ۱۳۴۳ھ میں جب ایک طالب علم کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا تھا تو اگرچہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحبؒ کو اس وقت کاغذات میں "نائب مہتمم دارالعلوم" ہی لکھا جاتا تھا اور ضابطہ میں ان کا عہدہ اور منصب یہی تھا، لیکن فی الحقیقت وہی مہتمم تھے،

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ جو عہدہ کے لحاظ سے اصل مہتمم تھے کچھ مدت پہلے سے مرحوم ریاست حیدرآباد" کے "مفتی عدالت العالیہ" کا منصب قبول فرما چکے تھے اور اس کی وجہ سے وہیں قیام فرما تھے۔ بلکہ کہا جاتا تھا کہ حضرت حافظ صاحب کے حیدرآباد تشریف لیجانے سے پہلے بھی اہتمام سے متعلق کاموں کا زیادہ تعلق حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ہی سے رہتا تھا، غالباً اس میں اس کو بھی دخل تھا دونوں حضرات میں ایسا تعلق تھا کہ دوئی کا احساس ہی نہیں تھا،

ایک دفعہ دارالعلوم کی میری طالب علمی ہی کے زمانہ میں ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ میں اپنے کو دارالعلوم کا نائب مہتمم ہی کہتا اور لکھتا ہوں لیکن واقعہ یوں ہے کہ حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ نے جب مجھے اس خدمت کے لئے مامور اور مقرر کیا تھا تو مجھے "نائب مہتمم" نہیں بلکہ "مہتمم ثانی" بنایا تھا،

بہرحال ہر قسم کی ذمہ داری اور عمل دخل کے لحاظ سے وہی اس وقت دارالعلوم مہتمم تھے اور حق یہ ہے کہ مثالی مہتمم تھے۔ ہر طرف سے یکسو ہو کر صرف دارالعلوم ہی کو انہوں نے اپنی زندگی کا مصرف اور موضوع بنا لیا تھا، اہل و عیال کے جھمیلوں سے بھی اللہ نے آزاد رکھا تھا بس اپنی اکیلی زندگی تھی، دارالعلوم کا دارالاہتمام (یا دفتر اہتمام) ہی ان کا مسکن تھا، اسی کے ایک کونے میں پلنگ پر ان کا بستر لگا رہتا تھا، دیکھنے میں نہایت ضعیف اور منحنی تھے، معلوم ہوتا تھا کہ بوڑھی اور سوکھی ہڈیوں کا ایک کشیدہ قامت ڈھانچہ ہے جس پر کھال منڈھی ہوئی ہے، مگر آنکھوں میں غیر معمولی قسم کی ایک چمک تھی چلتے پھرتے ہمیشہ تسبیح ہاتھ میں رہتی لب متحرک۔ لَا یَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ کی تصویر نظر آتی،

مشہور تھا کہ غذا برائے نام ہی ہوتی ہے، بس چائے اور دوائیں پر گزارا ہے، سنتے تھے کہ چائے بہت اعلیٰ قسم کی استعمال ہوتی ہے، ذوق نہایت لطیف ہے، دودھ بھی پیالی میں چھلنی سے چھان کر ڈالا جاتا ہے کوئی بالائی کا کوئی ریشہ نہ آ جائے کیا عجب کہ ذوق کی یہ لطافت اپنے مرشد حضرت گنگوہی رہ کی خدمت کی برکات میں سے ہو۔۔۔

میں نے کئی بزرگوں سے یہ واقعہ سنا ہے کہ یہی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی ایک زمانہ میں حضرت گنگوہی رہ کے ہاں خادمانہ طور پر مقیم تھے، تہجد کے وقت حضرت کیلئے چائے تیار کرنے اور پلانے کی خدمت اپنے ذمے رکھی تھی، ایک رات کو چائے تیار کر کے حضرت کو پیش کی، حضرت نے چائے پینا شروع کی اور فرمایا، مولوی حبیب! آج چائے کچھ پانی کا اثر ہے۔ اگلے دن انہوں نے چائے کے تیار کرنے میں خاص احتیاط کی، کیتلی کو پہلے کھولتے ہوئے پانی سے گرم کیا اس کے بعد اسمیں چائے بنائی پھر پیالی تیار کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کی، حضرت نے پیالی منہ سے لگائی اور فرمایا مولوی حبیب آج بھی کچھ پانی کا کچھ اثر ہے، انہیں سخت ندامت ہوئی اور تعجب بھی ہوا۔ اگلی رات کو انہوں نے پھر بہت احتیاط اور اہتمام سے چائے تیار کی اور مزید یہ کیا کہ پیالی دھو کر پہلے تولیہ سے خشک کیا اس کے بعد اس میں چائے بنا کر حضرت کی خدمت میں پیش کی، حضرت نے چائے پی، اور فرمایا مولوی حبیب آج کچھ پانی کا وہ اثر نہیں ہے۔۔۔

حضرت گنگوہی قدس سرہ کی لطافت مزاج کے حضرت میرزا مظہر جان جاناںؒ کی طرح اس طرح کے بہت سے قصے مشہور ہیں، تو ممکن ہے کہ چائے کے بارہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے ذوق و مزاج کی لطافت قیام گنگوہ کی برکات میں سے ہو۔

میں عرض یہ کر رہا تھا کہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی بہت ہی ضعیف اور منحنی تھے، ان کے دبلے پتلے اور سوکھے جسم کو دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ ان کی رگوں میں خون بس برائے نام ہی ہوگا، مگر اس حالت میں بھی کارکردگی کا یہ عالم تھا کہ جب بھی کسی ضرورت سے دارالاہتمام کی طرف سے گزر ہوتا حضرت مولانا کو کام ہی میں مصروف منہمک دیکھا جاتا،

اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی تیقظ دیا تھا، اپنی جگہ بیٹھے
بیٹھے دارالعلوم کے ہر گوشے اور شعبے کی خبر رکھتے تھے، سب بڑوں
اور چھوٹوں پر ان کا غیر معمولی اور بڑا رعب تھا، طلبہ کے ساتھ
ان کا رویہ بڑا ہی مشفقانہ تھا، جو طالب علم اپنی کوئی ضرورت لیکر
ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، پوری توجہ اور ہمدردی سے اس کی
بات سنتے اور چاہے اس بیچارہ کا کام بالکل نہ ہو پاتا لیکن وہ
یہی احساس اور تاثر لے کر واپس آتا کہ مجھ پر حضرت مہتمم صاحب
کی خاص نظر عنایت ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ خاص کمال حضرت
ممدوح کو عطا فرمایا تھا۔ خود اپنا ذاتی واقعہ عرض کرتا ہوں،
میں ایک طالب علم کی حیثیت سے دو سال دارالعلوم میں رہا
دمیرا قیام چند اور طلبہ کے ساتھ دارالعلوم سے باہر مطبع قاسمی
کے ایک خستہ سے کمرے میں تھا میری برابر یہ خواہش اور
کوشش رہی کہ دارالعلوم کے احاطہ کے اندر کسی مناسب حجرہ
میں قیام کی جگہ مل جائے، کئی دفعہ حضرت مہتمم صاحب کی
خدمت میں درخواست لے کر حاضر ہوا، خوب یاد ہے جب
پہلی دفعہ اس ضرورت سے حاضری ہوئی اور درخواست پیش
کی، حضرت ممدوح نے بڑی ہمدردی اور شفقت کا معاملہ فرمایا
درخواست پڑھ کر فوراً اس پر کچھ لکھا اور اپنے پیشکار مولوی
عبدالاحد صاحب کو (برابر کے کمرے میں بیٹھ کر کام کرتے تھے)
خود بلند آواز سے پکارا ــ مولوی عبدالاحد! ــ وہ فوراً حاضر
ہوئے میری طرف، اور میری درخواست کی طرف اشارہ کرتے
ہوئے ان سے فرمایا۔

"یہ حجرہ کے لئے مولوی صاحب کی درخواست
ہے اس کو اپنے پاس رکھیے اور جب بھی کوئی مناسب جگہ خالی
ہو پہلے مولوی کو دی جائے ــــــ میں مطمئن بلکہ بہت خوش
ہو کر واپس آگیا، لیکن جب دو تین مہینے تک کوئی انتظام
نہیں ہوا تو پھر دوسری درخواست لیکر حاضر ہوا حضرت مہتمم
صاحب نے پھر ویسی ہی شفقت کا معاملہ فرمایا، پھر اسی طرح
پیشکار مولوی عبدالاحد صاحب کو خود ہی پکار کے بلایا اور
میری طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے فرمایا کہ "بھئی مولوی
صاحب کی درخواست پہلے بھی آئی تھی، آپ کیلئے ابھی تک
حجرہ کا انتظام نہیں ہو سکا! ـــ انہوں نے اپنے خاص
انداز میں عرض کیا کہ "حضرت ابھی تک کوئی اچھی جگہ خالی
نہیں ہوئی ـــ حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا "بھئی خیال
رکھنا چاہیے، اور جب بھی کوئی مناسب جگہ نکلے مولوی
صاحب کو پہلے دینا چاہیے"، اور دوسری درخواست بھی
کچھ لکھ کر مولوی عبدالاحد صاحب کے حوالہ کر دی گئی، میں
پھر مطمئن ہو کر واپس آگیا اور میرے دل نے پوری طرح
محسوس کیا کہ حضرت مہتمم صاحب کو میرا بڑا خیال اور مجھ پر
خاص نظر عنایت ہے اور اب تک مجھے حجرہ نہ مل سکنے کا
خود ان کو بھی رنج و قلق ہے،

دارالعلوم کے دو سالہ قیام میں کم از کم ۳-۴ دفعہ
اس طرح درخواست لے کر حضرت مہتمم صاحب کی خدمت میں
حاضری کی نوبت ضرور آئی تھی، اگرچہ نتیجہ یہ رہا کہ اپنے قیام
کے آخری دن تک بھی مجھے دارالعلوم کے احاطہ میں جگہ نہیں
مل سکی لیکن یہ خیال مجھے کبھی نہ ہوا کہ حضرت مہتمم صاحب نے
بے توجہی برتی بلکہ تاثر ہر دفعہ یہی رہا کہ ان کو تو میرے
ساتھ بڑی ہمدردی اور بڑی مربیانہ فکر ہے لیکن اتفاق
سے کوئی جگہ ہی نہیں نکل سکی، یا نیچے کے حضرات نے دوسرے
لوگوں کو ترجیح دی اور میں محروم رہا؛

بہرحال حضرت مہتمم صاحب کا رویہ اس
قدر مشفقانہ تھا کہ ان کی طرف سے دلوں میں شکایت کی کبھی
لہر بھی نہیں پیدا ہوئی۔

ایک دفعہ طلبہ میں دارالعلوم کے بعض انتظامی

ارکنوں کے کسی نامناسب طرزِ عمل سے برافروختگی پیدا ہوئی، لیڈرانہ مزاج رکھنے والے کچھ طالب علموں نے اس کو ایک احتجاجی تحریک کی شکل دینے کی کوشش شروع کی حضرت مولینا حبیب الرحمٰن صاحب نے طلبہ کو جمع کر کے خطاب فرمایا ـــــ

ان کی تقریر کے یہ الفاظ اب تک اس عاجز کے کانوں میں گونج رہے ہیں:

"سن لو! تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں، تم ہی میری اولاد ہو، تمہارے ہی ساتھ جی رہا ہوں، انشاءاللہ تمہارے ہی درمیان رہتے ہوئے مروں گا، تم ہی میری تجہیز و تکفین کروگے، تم ہی میری نمازِ جنازہ پڑھو گے، تم ہی مجھے دفن کروگے"

اس طرح اپنائیت کے خطاب کرنے کے بعد تنبیہ بھی خوب فرمائی اس وقت ایسا محسوس ہوا کہ شاید سب کے دلوں کا غسل ہو گیا،

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کوئی رسمی قسم کے واعظ اور خطیب نہیں تھے لیکن بڑی ٹھوس اور مدلل اور دلنشین تقریر فرماتے تھے میں نے ان سے بہتر کسی سے مسلکِ جماعت دیوبند کی ترجمانی نہیں سنی،

میری طالب علمی کے آخری سال میں پنجاب کے ایک بہت بڑے پیر صاحب جو ایک ایسی درگاہ کے صاحبِ سجادہ تھے جس کا حلقۂ ارادت و عقیدت وہاں کی درگاہوں اور گدیوں میں غالباً سب سے زیادہ وسیع ہو گا، دارالعلوم تشریف لائے یہ پیر صاحب پنجاب کے اکثر سجادہ نشینوں کی طرح بے علم نہیں تھے، بلکہ صاحبِ علم تھے لیکن اندازہ کیا جاتا تھا کہ اگرچہ ان کے دل میں اکابر علماء دیوبند کا احترام ہے اور وہ بریلوی ذہن کے قطعاً نہیں ہیں تاہم کسی نہ کسی درجہ میں جماعت دیوبند کے بارہ میں اس قسم کی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں جن میں ناخدا ترس مخالفین کے پروپیگنڈہ سے بہت سے ناواقف مخلص حضرات بھی مبتلا ہو جاتے ہیں ـــ دو تین دن ان کا قیام دارالعلوم میں رہا۔ ایک دن غالباً ان کے بعض رفقاء کی یہ خواہش معلوم ہونے پر کہ وہ یہاں کے حضرات اکابر سے کچھ سننا اور مستفید ہونا چاہتے ہیں، حضرت پیر صاحب کے اعزاز و اکرام میں دارالعلوم کی طرف سے ایک خاص جلسہ ہوا اس میں حضرت استاذ العلامہ سید محمد انور شاہ کشمیری اور حضرت مولینا سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب چاندپوری نے بھی خطاب فرمایا، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے مدلل انداز میں اور بڑے موثر و دلنشین طریقہ پر اپنے اکابر کے مسلک و مشرب کی وضاحت فرمائی،

جہاں تک یاد رہ گیا ہے اس کا حاصل اور خلاصہ یہ تھا کہ ـــ ہم اور ہمارے اکابر عقائد اور اصول میں طریقہ اہل السنۃ والجماعۃ کے متبع ہیں اور پوری طرح مطمئن ہیں کہ وہی طریقہ ما انا علیہ واصحابی کا مصداق ہے،

فروع میں ہم پوری بصیرت کے ساتھ فقہ حنفی کا اتباع کرتے ہیں اور اتباع ہوی اور اعجاب کل ذی رأی برأیہ کے اس دور میں عام امت کے دین کی حفاظت کیلئے اور فتنوں سے ان کو بچانے کے لئے ائمہ کی تقلید شخصی کو ہم پورے شرح صدر کے ساتھ ضروری سمجھتے ہیں۔ اور حضرات صوفیاء کرام کی نسبت احسانی اور تزکیۂ اخلاق کو ہم روح دین سمجھتے ہیں"

ان تینوں اصولی باتوں پر حضرت مہتم صاحب نے پوری تفصیل اور بھرپور استدلال کے ساتھ روشنی ڈالی تھی

ر تقلید شخصی کے بارہ میں جو کچھ اس تقریر میں فرمایا تھا
ی بھی بصیرت افروز اور اطمینان بخش تھا، واقعہ یہ ہے
ع موضوع پر آج تک بھی میں نے ایسی اطمینان بخش
تحریر پڑھی نہ کسی کی تقریر سنی۔

حضرت مولینا حبیب الرحمٰن صاحب رح
دور میں صرف دار العلوم کے مہتمم اور انتظامی افسر
یں تھے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ پوری جماعت کے زعیم و قائد
سان اور گویا غیر رسمی امیر کا مقام بھی ان کو حاصل
ہر اہم معاملہ میں وہی پالیسی طے فرماتے تھے، ان کو اطمینان
تھا کہ پوری جماعت دار العلوم میرے ساتھ ہے اور
مینان برحق ہوتا تھا، مگر افسوس ہے کہ آخری دور میں
ت کی وحدت اور یگانگت کو نظر لگ گئی، باہمی اعتماد
ر کی خاص برکات اٹھ گئیں اور ان کی جگہ اختلاف
نتشار کے نامبارک اثرات نے لے لی اور جب صحابہؓ
ی مقدس جماعت بھی نزاع باہمی کے خداوندی
ان سے نہ بچ سکی تو کون طبقہ اور کون گروہ ہو سکتا
و اس ابتلا اور امتحان سے ہمیشہ محفوظ رہنے کا استحقاق
ہو۔ یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید

۱۳۴۷ھ میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب
اللہ علیہ کی وفات کے بعد مولینا حبیب الرحمٰن صاحب
، اور منصب کے لحاظ سے بھی دار العلوم کے مہتمم
پا گئے تھے لیکن اس کے بعد صرف ایک سال کے
یا حیات رہے اور ۱۳۴۸ھ میں وفات پا گئے۔
رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین

جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا اور جو اللہ
نہیں ڈرتا وہ سب سے ڈرتا ہے،

قربانی

۱۰ ذی الحجہ

ہزاروں سال قبل ایک باپ اپنے بیٹے کو عرب کی تپتی ہوئی
ریتلی زمین پر لٹا کر چھری پھیر رہا ہے،
آخر کیوں !!
کیا اس کو بیٹے سے محبت نہیں ؟
یا اس کو مال و دولت کا لالچ ہے ؟
اقتدار کی ہوس ؟
یا کوئی مجبوری ؟
"ابا جان میں بخوشی ذبح ہونے کیلئے تیار ہوں۔
بیٹے کی آواز نے باپ کے قدم تیز تر کر دیے'
کیا باپ اور بیٹے دونوں مجنوں تھے، (معاذ اللہ)
یا کسی قسم کا نشہ تھا !!!
کوئی مذاق تھا۔ یا مصلحت !!
کوئی سیاسی چال تھی یا کوئی مشق !!
زمین حیراں !! آسماں لرزاں !!
آواز آتی ہے !!
کہ !!
تم لوگ امتحان میں کامیاب !
اے میرے خلیل !! تم نے عبدیت اور انسانیت کی
مانگ کو بیٹے کے خون سے بھرنا چاہا۔
تم نے اشرف اور اکمل ہونے کی لاج رکھی !
تم نے نبوت کی حفاظت !
اور !!

(باقی ۶۵ پر)

روشنی کی موت

بہت ٹمٹمایا تھا بجھنے سے پہلے

انشا

جناب ایم افضال ملک صاحب

مدرس مدرسہ تعمیر سیرت برانچ ۱

کیوں اشک بار ہے تو اے قلم ....؟

کس لئے جگر پاش پاش ہے !..؟ میں جانتا ہوں، یہ تصویر جو تیرے سوگوار لفظوں سے بنی ہے، تجھے رلائے دے رہی ہے، ایک برس پرانے رنگوں کی اس تصویر کو آج تجھے بھی پڑھنا ہے، میں بھی اشکبار ہوں آج .... جگر پاش پاش ہے۔

لوحِ ذہن پہ کندہ یادوں کی لکیریں اب شاید کبھی نہ مٹ سکیں۔

میں دیکھ رہا ہوں اس تصویر میں ادھر شروع سے پرئیر ہوں میں اکھڑا ہوا ہوں، میرے سامنے بچے کھڑے ہوئے ہیں غالباً یہ دوسری و پہلی جماعت کے طلبہ ہیں۔ ہاں! یاد آیا.... شاید حساب کا پیریڈ ہے، سوال لکھا کر چیک کرنے کو کھڑا ہوا ہوں۔ ہوں! یہ اونچی مسجد واقع سرہندی گیٹ کی نچلی منزل کے اندر کا منظر ہے، غالباً صبح کے دس بج چکے ہیں،

اچانک محمود صاحب اندر آتے ہیں، خاموش طبع قسم کے ماسٹر محمود صاحب (معلم اسلامیہ برانچ ۲) کچھ زیادہ ہی پُر الم سی خموشی میں ڈوبے ہوئے ہیں، میرے پاس (درجہ کے اندر) آکھڑے ہیں سلام کے ساتھ بڑی دھیمی سی مگر سوز سے لبریز آواز میں ایک جملہ میری طرف پھینک دیا۔ "نامی صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، آج دوپہر کو دفنایا جائے گا،" (یہاں مفہومی جملہ استعمال کیا گیا ہے) مجھ پہ اس جملہ کا گرنا آسمانی بجلی سے زیادہ شاک پہنچا گیا — چند ثانیہ تک یقین ہی نہیں آیا مگر.... سچائی کو تسلیم کرنا جانے کیوں ضمیر لازمی سمجھتا ہے؟

محمود صاحب چلے گئے ہیں۔ میں کھڑا کا کھڑا سا رہ گیا ہوں، جانے کتنے لمحے اسی بے خودی کی حالت میں کھڑے کھڑے بتا دیئے..... اچانک ایک طالب علم کی معصوم آواز نے مری سماعت سے مل کر مجھے بتا دیا ہے ایک بج رہا ہے۔ مدرسہ میں چھٹی کردی ہے۔ گھر آگیا ہوں کھانا کھانے مگر کھانے کی طرح کھانا کب کھایا جانا جلدی جلدی فریضۂ ظہر سے فراغت لیکر نامی صاحب مرحوم کے گھر چلا آیا ہوں۔ دو بجنے کو ہیں۔ نامی صاحب مرحوم کی قیام گاہ (جو اب ایک سرائے کے کمرہ کی طرح نامی صاحب چھوڑ کے کہیں انجانی سمت چل دیے ہیں) پر بیرونی بیٹھک میں کچھ لوگ کھڑے ہیں، کچھ باہر ادھر ادھر آ، جا رہے ہیں۔ مرحوم کے اہل و عیال کی خاص رہائش گاہ پر ماتم کا ابر چھایا ہے، اس ماتمی ابر کی جلتی چھاؤں میں سب گھر والے اپنی پلکوں پہ اشکوں کے بخارات لئے میت کے گرد جمع ہیں — رو رہی ہر آنکھ جیسے جدا ہونے والے سے جدائی کی شکایت کر رہی ہے..... اور پھر جیسے آنکھ والے سب بے بس ہو کے رہ جاتے ہیں — باہر کچھ لوگ تجہیز و تکفین کے سامان

کیلئے (دوڑ دھوپ کر رہے ہیں، ان میں ماسٹر اختر پرویز ماسٹر محمود احمد اور محمد حنیف (میونسپلٹی ملازم) خاص طور پر نظر آ رہے ہیں۔ (غالباً شہر بھر میں اعلان پُرملال کروا دیا گیا ہے، تجہیز و تکفین کی آخری رسوم کا وقت غالباً ½۲ بجے کا دیا گیا ہے۔

دوپہر کے دو بج چکے ہیں۔ بیرونی بیٹھک میں کچھ لوگ بیٹھے دوسرے آنیوالوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں بھی بیٹھا ہوں۔ لوگ آ آ بیٹھتے جا رہے ہیں۔ یہ ایک طرف کو ہیڈ ماسٹر کفایت اللہ، کوثر علی شاہد پرنسپل پورن ناتھ چوپڑہ حاجی عبدالرحیم صاحب، نذیر ستار صاحب، شمشاد حسرت خالد کفایت، عبدالوحید اور دیگر کئی لوگ بیٹھے ہوئے ہیں (باقی نام اس وقت یاد نہیں آ رہے ہیں)۔ بیٹھک کے ایک گوشے میں دروازہ کے قریب مرحوم کے چہیتے واکیلے نواسا سجاد گھٹنوں پہ سر جھکائے بیٹھے ہیں، غم سے دبی ہوئی نیم سرخ آنکھیں اشک باری کی چغلی کھا رہی ہیں۔ دوسرے اور لوگ آ، جا رہے ہیں۔

½۲ بجے کا عمل ہے، خواتین نے (مکان کے اندرونی صحن میں) مرحوم کو آخری دید کے ساتھ الوداع کہہ دیا ہے، میت باہر لائی جا چکی ہے، مرحوم کی آخری دید کیلئے لوگوں کا ہجوم سڑک پہ رکھی ہیں کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں، دیکھنے والوں کا تانتا سا بندھا ہے۔

½۲ بجے کچھ چند منٹ ہو چکے ہیں، دبی چیخوں جیسی آوازوں سے دور، میت کو چار کاندھے سنبھالے ہوئے جامع مسجد کے آگے سے گذر رہے ہیں، سوگواروں کے ہجوم کے آگے آگے، جنازہ جامع مسجد کے متصل کیلوں گیٹ میں داخل ہو گیا، تقریباً ۵۰۰ لوگوں کے بوجھل قدم کندھا دینے والوں کے قدموں کی تقلید میں اٹھتے ہوئے کیلوں گیٹ سے باہر نکل کر قبرستان کی حدود کی گرد میں اٹھے جا رہے ہیں۔

تین بجے کا عمل ہے میت قبرستان میں لیجائی جا چکی ہے، گور تیار کی جا رہی ہے، شہر کے بڑے قبرستان (واقع ریلوے لائن پار بیرون کیلوں گیٹ) کی مسجد (جو اب چھوٹی عید گاہ بھی ہے) میں نماز جنازہ ادا کی جا رہی ہے مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب کی امامت میں سبھی لوگ (تقریباً) تین صفیں آراستہ کئے، میت سمیت، حضور خداوندی میں حاضر ہیں۔

نماز ہو چکی ہے۔ میت قبرستان کے بیچ میں ایک طرف کو (نز دواقع بستی کے قریب ہی) گور کے پاس رکھی ہے، قبر تیاری کے آخری مرحلوں میں ہے، لحد کے لئے کچھ نوجوان لوگ اپنے اپنے ظرف کے مطابق (ایک قریبی گھر سے) کچی اینٹ لا لا کر قبر کے پاس رکھ چکے ہیں، دیگر لوگ ایک بڑے سے درخت کے نیچے تھوڑے فاصلہ پر جمع ہوئے بیٹھے ہیں۔ تین بج چکے ہیں۔

میت کو سپرد لحد کر دیا گیا ہے، لحد بند کرنیکا عمل تیزی سے کیا جا رہا ہے۔ متعلقین و دیگر کچھ لوگ لحد بندی کیلئے اینٹیں پکڑا رہے ہیں، میں بھی باری باری، اینٹیں (گور میں) لوگوں کو پکڑا رہا ہوں۔

لحد بند ہو چکی ہے، مٹی ڈالی جا رہی ہے۔ گورکن کے ساتھ سبھی لوگ (متعلقین) اپنی اپنی نسبت سے ایک ایک دو دو مشت مٹی ڈال کر کے ہاتھ جھاڑتے ہوئے ایک طرف کو کھڑے ہیں، میں مٹی ڈال چکا ہوں سجاد صاحب نے، میت پہ ڈال کر لایا جانیوالا کپڑا دکھیسی، مجھے پکڑا دیا ہے، مٹی ڈالی جا چکی ہے۔

ساڑھے تین بجے کا عمل ہے، مرحوم کو ان کے

والدین کے قدموں میں اور ان کے چھوٹے برادر کی آرام گاہ کے قریب میں آخری آرام گاہ پر سپردِ خاک کیا جا چکا ہے۔ سب لوگ دست بہ فاتحہ ہیں، فاتحہ پڑھ کر سب واپس اپنی اپنی راہ چل دیئے ہیں۔

مرحوم کے لڑکے سجاد صاحب غم سے نڈھال ہیں، میں کپڑا اٹھائے ان کے ساتھ ساتھ چل رہا ہوں ہمارے ساتھ ان کے والد یعنی مرحوم کے داماد نیاز احمد صاحب بھی ہیں، ابھی گورستان سے باہر نکلے ہی ہیں بڑے سے برگد کے درخت کے تلے، انوار احمد خاں صاحب (ایم ایل اے) رکشہ میں سوار گورستان پہنچ رہے ہیں۔ ملتے ہیں، سجاد صاحب کے والد صاحب کو دیکھ کر رکشہ سے اتر آتے ہیں، سلام کرکے، دیر سے پہنچنے کی وجہ بتا کر مرحوم کی قبر بہ فاتحہ کیلئے چل دیئے ہیں،

پانچ بج چکے ہیں ہم ریلوے پھاٹک پار کر کے سڑک پر آ گئے ہیں، سجاد صاحب نے مجھے رکشا کیلئے کہا کیلوں گیٹ کے باہر بس اڈہ پر ایک رکشہ والا رکشہ لے آیا ہے، میں سجاد کے والد کو ساتھ لیکر رکشہ میں بیٹھ گیا ہوں، سجاد پیچھے آ رہے ہیں۔

چھ بجے کا عمل ہے رکشہ میں سوار میں صاحب کو لیکر ان کے مکان پہنچ گیا ہوں۔ سوگوار آ، جا رہے ہیں۔ میں، صاحب کے ساتھ اور لوگوں میں بیٹھک کے اندر بیٹھ گیا ہوں۔ مرحوم کی خوبیاں سنی سنائی جا رہی ہیں، لوگ آتے ہیں، چند بیٹھتے ہیں، چلے جاتے ہیں۔

شام کے ساڑھے چھ کا وقت ہے، میں بھی سجاد صاحب سے اجازت لیکر اپنے گھر کو لوٹ رہا ہوں .... میں گھر کو لوٹ تو رہا ہوں مگر دل ابھی تک اس مرگِ عظیم کے تلخ مناظر کی پرسوگ وادی سے نہیں لوٹا .... اور میرا تصور، جیسے مرحوم اور مرحوم جیسی اس عالم سے کوچ کر جانیوالی ہستیوں کو، اس عالم سے پرے دور کہیں ڈھونڈ رہا ہے..... اور جب ڈھونڈ نہیں پاتا تو تھک کے اداس میری طرح لوٹ آتا ہے۔ اُداس — بعد خاموش یا بعد خموشی کی اداسی بھری زبان میں جیسے کہہ رہا ہو ؎

شعر

"اے رہروؤ! تم نے بہ ایں آبلہ پائی

کس منزلِ بے بہار میں ڈالا ہے پڑاؤ"

باقی :- قربانی

وقت کے مورخ نے سنہرے حرفوں سے لکھا۔!!

کہ !!

تاریخ خلافت و نیابت میں

قربانی کا

یہ ! انوکھا اور اچھوتا ہیرا جڑ کر

مستقبل کو سبق دیا

کہ !!

نیابت اور خلافت کا

صحیح حق دار کون ہے !!

(بلال)

ہمارے معاون

جن کی رقمیں مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کے لئے اگست ستمبر میں وصول ہوئیں اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، امداد دینے والوں کے نام اور آمد و خرچ کا مکمل حساب ہر مہینے پیش کر دیا جاتا ہے۔

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
	اگست		
۶/۵۴۳	عبدالوحید صاحب بی اے محلہ راجاں	امداد	۲
۶/۵۴۴	محمد رفیق صاحب سول ہسپتال	"	۴
۳۸/۳۷۰۱	محمد رفیق صاحب محلہ بالو کا نزد رائی گرنڈ	"	۲۰
۳۸/۳۷۰۲	محمد خلیل صاحب " "	"	۵
۳۸/۳۷۰۳	رحیم دین صاحب شیر والی گیٹ	"	۵
۳۸/۳۷۰۴	محمد خلیل صاحب "	"	۵
۳۸/۳۷۰۵	غوث محمد صاحب "	"	۵
۳۸/۳۷۰۶	محمد شکیل صاحب "	"	۷
۳۸/۳۷۰۷	حشمت علی صاحب "	فطرہ	۵
۳۸/۳۷۰۸	محمد حسین صاحب "	"	۵
۳۸/۳۷۰۹	محمد حلیم صاحب "	زکوٰۃ	۴۰
۳۸/۳۷۱۰	جامع مسجد میں رومال میں اکٹھے کئے	امداد	۱۰
۳۸/۳۷۱۱	امانت علی صاحب محلہ موجیان	زکوٰۃ	۲۰
۳۸/۳۷۱۲	عبدالعزیز صاحب "	امداد	۱۰
۳۸/۳۷۱۳	محمد اسحاق صاحب "	زکوٰۃ	۵
	کوپن جلد ۲۳ از ۲۲۲۳ تا ۲۲۳۰	امداد	۲۷
۳۸/۳۷۱۴	اللہ کا ایک بندہ	امداد	۵
۴۲/۴۱۳۷	گمنام	"	۱
۴۲/۴۱۳۸	برکت اللہ صاحب محلہ موجیان	زکوٰۃ	۲۰
۴۲/۴۱۳۹	محمد بشیر ولد لبھو جی شاہ "	"	۲۰
	کوپن جلد ۲۱ رسید ۲۰۰۲	امداد	۱
۱۳/۱۳۳۳	حسن محمد سرہندی گیٹ	"	۳
۱۳/۱۳۳۴	محمد اسلم صاحب مقبرات "	"	۲
	کوپن جلد ۲۳ از رسید ۲۲۱۳	"	۵
	کوپن جلد ۲۳ از ۲۲۲۱، ۲۲۲۲	"	۲
۳۸/۳۷۱۵	اہلیان و مدیر معرفت صغرا احمد صاحب	"	۱۲
۳۸/۳۷۱۶	رلا صاحب محل کلاں	"	۵
۳۸/۳۷۱۷	جناب وحید صاحب محلہ کچی کوٹ	زکوٰۃ	۵۰
۱۹/۱۸۵۹	عبدالغفور صاحب شیر پور لدھیانہ	امداد	۱
۱۹/۱۸۶۰	محمد مستعین الرحمٰن " "	"	۲
۲۲/۲۱۴۰	محمد صاحب مسجد بن والی	"	۱۰
۲۲/۲۱۴۱	احمد علی صاحب "	زکوٰۃ	۵
۱۳/۱۳۳۵	بابو محمد سلیمان صاحب محلہ راجاں	امداد	۵
۱۳/۱۳۳۶	محمد شکیل صاحب " "	"	۳
۱۳/۱۳۳۷	محمد سعید صاحب " "	"	۲
	کوپن جلد ۲۴ رسید ۲۳۱۶	"	۱
	کوپن جلد ۲۱ از رسید ۲۰۰۳ تا ۲۰۰۵	"	۳
۳۸/۳۷۱۸	محمد سلیمان صاحب سرہندی گیٹ	زکوٰۃ	۲۵
۳۸/۳۷۱۹	محمد کالو صاحب دوکاندار "	"	۲۵
۳۸/۳۷۲۰	حافظ نذیر صاحب امام مسجد "	"	۱۰

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
	کوپن جلد ۲۱ از رسید ۲۰۰۰ تا ۲۰۱۰	امداد	۱۱
۱۹/۱۸۶۱	جناب حامد حسن صاحب جمالپورہ	زکوٰۃ	۲۰
	کوپن جلد ۲۱ از رسید ۲۰۱۰ تا ۲۰۲۵	امداد	۹
	کوپن جلد ۲۱ از رسید ۲۰۲۵ تا ۲۰۳۱	۔۔	۶
۱۲/۲۲۲۱	محمد شفیع صاحب دہلی گیٹ	۔۔	۵
۲۲/۲۴۰۰	مفتی صاحب ۔۔	۔۔	۱
۲۲/۲۴۰۱	حافظ عبدالعزیز صاحب ۔۔	۔۔	۱
۲۲/۲۴۰۰	محمد جمیل صاحب عظیم پورہ	۔۔	۲
۲۲/۲۴۰۰	حاجی عبدالغفور صاحب کینیوں گیٹ	۔۔	۵
۳۸/۳۷۴۱	محمد ارشاد صاحب سرہندی گیٹ	زکوٰۃ	۵۰
۳۸/۳۷۴۲	محمد صدیق ٹیلر جمالپورہ	امداد	۱۰
۳۸/۳۷۴۱	حاجی لوئی ۔۔	زکوٰۃ	۱
	کوپن جلد ۲۳ از رسید ۲۲۳۳ تا ۲۲۳۹	امداد	۶
	کوپن جلد ۲۱ از رسید ۲۰۳۲ تا ۲۰۳۶	۔۔	۵
	کوپن جلد ۲۳ از رسید ۲۲۳۹ تا ۲۲۴۹	۔۔	۱۱
۳۸/۳۷۴۲	محمد سلیمان مالیر	زکوٰۃ	۲۵
۳۸/۳۷۴۲	محمد رمضان محلہ احسان پورہ	۔۔	۱۰
۳۸/۳۷۴۲	محمد علی پسر احمد علی مالیر	۔۔	۵
۳۸/۳۷۴۲	محمد یوسف مالیر	۔۔	۵۰
۳۸/۳۷۴۲	چوہدری عمر دین ۔۔	۔۔	۵۰
۲۲/۲۱۴	محمد بشیر محلہ احسان پورہ	۔۔	۵
۲۲/۲۴۰۰	ارشد خاں صاحب چھتی گلی	۔۔	۱۰
۲۲/۲۴۰۰	عبدالمجید برتن فروش موتی بازار	امداد	۵
	کوپن جلد ۱۱ از رسید ۱۰۱۳ تا ۱۰۱۹	۔۔	۶
۲۲/۲۱۴	محمد ابراہیم صاحب عظیم پورہ	زکوٰۃ	۵۰

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
۲۲/۲۱۴۴	ڈاکٹر محمد یوسف جمال پورہ	زکوٰۃ	۵۰
۲۲/۲۱۴۵	نذیر محمد صاحب نصرت خانی	۔۔	۱۵
۲۲/۲۱۴۶	محمد صدیق صاحب جمالپورہ	۔۔	۱۰۰
	کوپن جلد ۳۱ از رسید ۳۰۰۰ تا ۳۰۰۶	امداد	۶
	کوپن جلد ۲۳ از رسید ۲۲۵۰ تا ۲۲۵۳	۔۔	۳
	کوپن جلد ۳۰ از رسید ۲۹۰۰ تا ۲۹۱۳	۔۔	۱۳
۳۸/۳۷۴۹	جامع مسجد میں اکٹھے ہوئے رومال میں	امداد	۳۴/۶۹
۳۸/۳۷۴۰	اظہر قریشی صاحب محلہ شیخاں	زکوٰۃ	۲۰
۲۲/۲۴۰۸	محمد شفیق ٹیلر ماسٹر موتی بازار	امداد	۷
۲۲/۲۴۰۹	محمد اسرائیل ۔۔ ۔۔	۔۔	۲
۲۲/۲۴۱۰	محمد گلزار ۔۔ ۔۔	۔۔	۲
۲۲/۲۴۰۷	محمود صاحب محلہ الیاس خاں	۔۔	۵
	کوپن جلد ۱۱ از رسید ۱۰۱۵ تا ۱۰۱۷	۔۔	۳
۳۶/۳۵۶۹	ولی محمد صاحب نیو لائٹ ڈرائی کلینرز	۔۔	۲
۱۹/۱۸۶۲	محمد رفیق صاحب ٹھیکیدار بیرون دہلی گیٹ	زکوٰۃ	۳۰
۲۲/۲۱۴۷	سلطان احمد جوہڑ ملیر	فطرہ	۲
۲۲/۲۱۴۸	حبیب احمد صاحب ۔۔	۔۔	۵
۲۲/۲۱۴۹	نورالدین صاحب ۔۔	۔۔	۱۰
۲۲/۲۱۵۰	مستری نذیر احمد صاحب ۔۔	۔۔	۵
۲۲/۲۱۵۱	حاجی عبدالغفور لاتن ملیر	زکوٰۃ	۱۰
۲۲/۲۱۵۲	حاجی خوشی صاحب ۔۔	۔۔	۱۰
	کوپن جلد ۲۱ از رسید ۲۰۳۶ تا ۲۰۵۹	امداد	۲۳
۱۹/۱۸۶۳	علی محمد خاں صاحب ٹریکاں والا	زکوٰۃ	۴۵
۱۹/۱۸۶۴	محمد سلیم ولد عبداللطیف صاحب کمانگراں	۔۔	۵۰
۱۹/۱۸۶۵	عبدالرحمٰن صاحب چدماراں	۔۔	۲۰

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
[illegible]	حاجی محمد صدیق صاحب چوڑیاں والاں	زکوٰۃ	۴۰
	کوپن جلد ۲۱ از رسید ۲۰۶ تا ۲۰۸	امداد	۲۸
	ستمبر		
۱۹/۱۸۶۷	عبدالرشید صاحب جامع مسجد مالیرکوٹلہ	زکوٰۃ	۱۰
۱۹/۱۸۶۸	حافظ عنایت علی صاحب کچا کوٹ	زکوٰۃ	۲۰
۲۲/۲۱۵۴	عطا محمد صاحب کھٹیکاں	"	۱۰
۲۲/۲۱۵۵	حاجی شادی "	"	۱۰
۲۲/۲۱۵۶	حاجی کمال الدین "	"	۱۰
۲۲/۲۱۵۷	عمر الدین "	"	۱۰
۲۲/۲۱۵۸	محمد احمد صاحب "	"	۵
۲۲/۲۱۵۹	حاجی جان محمد صاحب "	"	۵
۲۲/۲۱۶۰	فقیر محمد صاحب "	"	۱۰
۲۲/۲۱۶۱	محمد ابراہیم صاحب "	"	۲۰
۲۲/۲۱۶۲	عبدالحمید "	فطرہ	۱۰
۲۲/۲۱۶۳	چوہدری خوشی محمد "	زکوٰۃ	۱۰
۲۲/۲۱۶۴	حکیم عبدالمجید صاحب موڈی والا	"	۱۰
	کوپن جلد ۲۱ از رسید ۲۰۸۶ تا ۲۰۹۲	امداد	۹
۲۲/۲۱۶۵	حافظ مشتاق احمد پوپلزئی امام مسجد غریب نگری	"	۱۱
۲۲/۲۱۶۶	فضل حسین جمال پورہ	فطرہ	۱۴
۲۲/۲۱۶۷	بابو صاحب	زکوٰۃ	۱۰
۳۸/۳۷۳۱	محمد سلیمان شیروانی گیٹ	"	۲۰
۳۸/۳۷۳۲	نظام الدین کچا کوٹ	"	۲۵
۳۸/۳۷۳۳	محمد یوسف صاحب جمال پورہ	"	۸۰
۳۸/۳۷۳۴	محمد یوسف "	فطرہ	۱۶

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
۳۸/۳۷۳۵	محمد ابراہیم نئی آبادی	زکوٰۃ	۱۲۵/
۳۸/۳۷۳۶	فصیح محمد صاحب "	"	۵۰
۳۸/۳۷۳۷	محمد اسمٰعیل جمال پورہ	"	[illegible]
۳۸/۳۷۳۸	محمد اسمٰعیل پنج گرائیاں	"	۱۰
	کوپن جلد ۳۱ از رسید ۳۰۰۱ تا ۳۰۳۶	امداد	[illegible]
	کوپن جلد ۲۳ از رسید ۲۲۵۳ تا ۲۲۶۰	"	۸
۲۲/۲۱۶۸	جامع مسجد میں رومال میں جمع	"	[illegible]
	کوپن جلد ۲۱ از رسید ۲۰۹۷ تا ۲۱۰۰	"	[illegible]
۵۰/۴۹۰۱	ڈاکٹر سید نجم الحسن زیدی دہلی گیٹ	"	[illegible]
۵۰/۴۹۰۲	عبدالرشید مالک فرینڈس بیکری سنائی گیٹ	زکوٰۃ	[illegible]
۵۰/۴۹۰۳	ڈاکٹر سعید احمد "	"	[illegible]
۵۰/۴۹۰۴	عبداللطیف صاحب بیج میکر چوڑ ماراں	"	[illegible]
	کوپن جلد ۲۲ از رسید ۲۱۳۰ تا ۲۱۴۳	امداد	[illegible]
۱۹/۱۸۶۹	محمد ابراہیم ولد عمر دین جمال پورہ	زکوٰۃ	[illegible]
۱۹/۱۸۷۰	محمد اسمٰعیل صاحب بناریا "	"	[illegible]
	کوپن جلد ۲۳ از رسید ۲۲۶۱ تا ۲۲۶۵	امداد	[illegible]
۳۸/۳۷۳۹	محمد رفیق بائی پاس	زکوٰۃ	
۳۸/۳۷۴۰	حاجی بوٹا "	"	
۳۸/۳۷۴۱	بابو صاحب "	"	
۳۸/۳۷۴۲	صوفی اسمٰعیل "	"	
۳۸/۳۷۴۳	محمد یامین ولد محمد صدیق "	"	
۳۸/۳۷۴۴	چوہدری محمد ابراہیم "	"	
۳۸/۳۷۴۵	عبدالرشید "	"	
۳۸/۳۷۴۶	محمد دین "	"	
۳۸/۳۷۴۷	محمد جمیل "	"	

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
۴۸/۳۷۴۸	حاجی بابو صاحب بائی پاس	زکوٰۃ	۵۰
۴۸/۳۷۴۹	جان محمد عرف جانی "	"	۵
۴۸/۳۷۵۰	محمد رمضان "	"	۵
۱۹/۱۸۷۱	جناب محمد بشیر صاحب سبزی فروش دہلی گیٹ	امداد	۵
۵۰/۴۹۰۵	محمد اقبال صاحب جوہاراں	زکوٰۃ	۱۰
۵۰/۴۹۰۶	دین محمد صاحب ہتھن	امداد	۵
۵۰/۴۹۰۷	محمد سلیم صاحب قلعہ رحمت گڑھ	"	۱۵
۵۰/۴۹۰۸	ڈاکٹر روشن دین محلہ قریب دہلی گیٹ	"	۱۰
۵۰/۴۹۰۹	گمنام مالیرکوٹلہ	"	/۵
	کوپن جلد ۳۲ از رسید ۳۳۴۹ تا ۳۳۹۶	"	۴۷
۱۹/۱۸۷۲	سنتاد علی خاں صاحب سابق سیشن جج دہلی گیٹ	"	۲۵
۱۹/۱۸۷۳	جناب حاجی انوار احمد خاں صاحب ایم ایل اے ریلوے روڈ مالیرکوٹلہ	"	۵۰
۶/۵۴۵	عبدالرحمٰن صاحب ٹائر والے سرہندی گیٹ	"	۲
۶/۵۴۶	مہر محمد " " کی کوٹ	"	۲
۵۴۷	محمد بشیر پنجابی ٹی سٹال سرہندی گیٹ	"	۲
۵۴۸	ڈاکٹر محمد دین	"	۲
۵۴۹	حکیم عبدالحمید صاحب معرفت ڈاکٹر محمد دین	"	۲
۵۵۰	پہلوان محمد سلیم صاحب سرہندی گیٹ	"	۲
۵۵۱	پہلوان محمد لیاقت " گھڑی ساز "	"	۲
۵۵۲	محمد اسلم صاحب بوٹ ساز	"	۲
۵۵۳	محمد فیروز صاحب گھڑی ساز	"	۲
۵۵۴	محمد شریف فروٹ فروش نزد بس سٹینڈ	"	۲
۵۵۵	امداد علی صاحب " "	"	۲
۵۵۶	محمد بشیر حلوائی سرہندی گیٹ	"	۲
۵۵۷	نثار احمد صاحب دوکاندار "	"	۲

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
۵۵۸	انوار صاحب دوکاندار سرہندی گیٹ	امداد	۲
۵۵۹	محمد بشیر صاحب کپڑے والے "	"	۲
۵۶۰	عزیز ٹیلرنگ "	"	۵
۵۶۱	محمد شفیع صاحب بیج میکر "	"	۵
۵۶۲	محمد حنیف شاہ "	"	۲
۵۶۳	محمد ادریس صاحب کریانہ مرچنٹ	"	۱
۵۶۴	محمد رمضان صاحب برال بوٹ ہاؤس	"	۲
۵۶۵	حاجی محمد شفیع صاحب کھال فروش	"	۵
۵۶۸	محمد شفیق صاحب سرہندی گیٹ	"	۱۰
۵۷۰	ولی محمد اینڈ سنز دلوانخانہ روڈ	"	۵
۵۷۲	محمد سلیم صاحب نقشہ نویس	"	۵
۵۷۴	عبدالرشید حجام صدر بازار	"	۲
۵۷۶	محمد طفیل صاحب معرفت سنگم ٹیلر	"	۲
۶/۵۷۷	محمد یٰسین صاحب معرفت سنگم ٹیلر	"	۲
۵۷۹	محمد جمیل صاحب ٹیلر "	"	۲
۵۸۰	محمد جمیل معرفت چوڑی فروش	"	۲
۵۸۱	عبدالرحیم صاحب گھڑی ساز صدر بازار	"	۳
۵۸۲	عبدالحلیم صاحب دوکاندار	"	۲
۵۸۳	نثار عالم خان بانس بازار	"	۱
۵۸۵	لیاقت صدیقی صاحب موتی بازار	"	۲
۵۸۶	فضل محمد صاحب "	"	۲
۵۸۷	محمد صدیق "	"	۲
۵۸۸	محمد شریف "	"	۲
۵۸۹	عبدالغفار صاحب "	"	۲
۵۹۰	مسز حسن ٹیلر "	"	۵

نمبر رسید	اسم گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
۵۹۲	بابو قلعی گر موتی بازار	امداد	۲
۵۹۳	حاجن فاطمہ مالیر	"	۵
۵۹۴	سجاد شکور الدین مالیر	"	۵
۵۹۵	حاجی غلام محمد صاحب مالیر	"	۱۰
۵۹۶	محمد حنیف صاحب اینڈ عبد اللہ صاحب	"	۶۰
۵۹۹	محمد اسلم صاحب فروٹ فروش سرہندی گیٹ	زکوٰۃ	۲۵
۶۰۰	جان اینڈ سنز صدر بازار	امداد	۵
۲۶/۲۸۰۵	محمد یٰسین صاحب وائی سیلیس	"	۵
۲۶/۲۸۰۸	عبد الستار صاحب لوہار بازار	"	۱
۱۵۷۰	محمد سلیم صاحب نقشہ نویس	"	۵
۲۸/۲۷۵۱	شکیل صاحب ٹیلر معرفت تارا چند ٹیلر	"	۲
۲۶/۵۲	عاشق صاحب " "	"	۲
۲۷۵۳	سرور " "	"	۲
۲۷۵۴	عارف " "	"	۲
۲۷۵۵	محمد جمیل صاحب " "	"	۲
۲۷۵۶	اختر صاحب " "	"	۲
۲۸/۲۷۵۷	کبریا صاحب " "	"	۲
۲۷۵۸	سعید " "	"	۲
۲۷۵۹	نور محمد " "	"	۲
۲۷۶۰	شکیل صاحب " "	"	۲
۲/۲۷۲	محمد صدیق صاحب معرفت غفور	"	۲
۲۷۳	عبد الغفور صاحب " "	"	۲
۲۷۴	محمد صدیق	"	۲
۳۱/۱۵۶۱	عبد المجید سرہندی گیٹ	فطرہ	۲
۱۸/۱۲۰۷	محمد بلال صاحب	"	۲

نمبر رسید	اسم گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
۱۸/۱۲۰۸	محمد موسیٰ صاحب	فطرہ	۲/۸۰
۱۸/۱۲۰۹	محمد اختر صاحب	"	۲
۱۸/۱۲۱۰	عبد المجید صاحب	"	۲
۱۸/۱۲۰۶	یٰسین درجہ پنجم مدرسہ ہذا	"	۱۰
	کوپن جلد ۳۳ از رسید ۳۲۰۱ تا ۳۲۳۹	امداد	۳۹
	کوپن جلد ۳۴ از رسید ۳۴۹۱ تا ۳۵۰۰	"	۱۰
۵۰/۲۹۱۰	مہر محمد صاحب کچا کوٹ	زکوٰۃ	۲۵
	کوپن جلد ۲۳ از رسید ۲۲۶۶ تا ۲۲۷۰	امداد	۵
۱۹/۱۸۷۶	محمد صدیق کچا کوٹ	زکوٰۃ	۲۰
۵۰/۲۹۱۱	غلام حیدر برال بوٹ ہاؤس سرہندی گیٹ	"	۵
۵۰/۲۹۱۲	بشیر احمد دکاندار اندرون سرہندی گیٹ	"	۸
۵۰/۲۹۱۳	محمد علی صاحب فاروقی " "	"	۱۰
۵۰/۲۹۱۴	ڈاکٹر نظام الدین " "	"	۲۰
۵۰/۲۹۱۵	نور محمد صاحب جرگ روڈ	"	۱۰
۵۰/۲۹۱۶	نذیر احمد صاحب "	"	۲۰
۵۰/۲۹۱۷	رحیم بخش صاحب "	"	۲۰
۵۰/۲۹۱۸	مستری چراغ الدین صاحب "	"	۲۰
	کوپن جلد ۳۶ از رسید ۲۵۰۱ تا ۲۵۰۸	امداد	۸
	کوپن جلد ۲۹ از رسید ۱۳۳۵ تا ۱۳۵۰	"	۱۶
۱۹/۱۸۷۷	بابو صاحب قلعی گر چوک موتی بازار	زکوٰۃ	۱۰
۱۹/۱۸۷۸	مہدی حسن صاحب کبیری کبوہان	"	۳۰
	کوپن جلد ۳۲ از رسید ۳۵۰۱ تا ۳۵۵۵	امداد	۵۵
۵۰/۲۹۱۹	نعمت اللہ عرف احمد کباڑی نزد کبوہ اسکول	"	۱۰
۱۹/۱۸۷۹	اہلیہ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی دہلی گیٹ	زکوٰۃ	۵۰
	چندہ ماہانہ برائے ۷۸ء بابت اگست ۷۸ء	امداد	[illegible]

نمبر رسید	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم	نمبر رسید	اسم گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
۱۶/۱۵۶۲	محمد اقبال صاحب باغبانان اندرون سرہندی گیٹ	زکوٰۃ	۵	۳۸/۲۷۸۲	احسان الرحمٰن چدماران	فطرہ	۵
۱۶/۱۵۶۳	عبداللطیف صاحب مقبران "	"	۵	۳۸/۲۷۸۳	محمد رفیق حیدرنگر	"	۱۶
۱۹/۱۸۸۰	محمد خلیل صاحب نورمین ڈھلیاں گیٹ	"	۲۵	۳۸/۲۷۸۵	غلام محمد چوماران	امداد	۵
۱۹/۱۸۸۱	محمد اللہ صاحب ولد محمد اسمٰعیل صاحب محلہ اسلام آباد	"	۱۰	۳۸/۲۷۸۶	عبدالحمید صاحب شیروانی گیٹ	زکوٰۃ	۵
۳۸/۲۷۶۱	حاجی خوشی محمد صاحب ہتھن ملیر	"	۲۴۰/		کوپن جلد نمبر ۳۰ از رسید نمبر ۲۹۱۴ تا نمبر ۲۹۶۹	امداد	۵۶
۳۸/۲۷۶۲	" " "	فطرہ	۲۵		کوپن جلد نمبر ۳۱ از رسید نمبر ۳۰۳۶ تا نمبر ۳۰۵۲	"	۱۷
۳۸/۲۷۶۳	خدا بخش صاحب مالیرکوٹلہ	"	۵		کوپن جلد نمبر ۲۳ از رسید نمبر ۲۲۷ تا نمبر ۲۳	"	۳۰
۳۸/۲۷۶۴	محمد شفیع صاحب سنامی گیٹ	"	۶	۳۸/۲۷۸۷	گمنام جامع مسجد	"	۹۴/-
۳۸/۲۷۶۵	حاجی کالو صاحب چہماماں	زکوٰۃ	۵	۳/۷۷۶	عبدالغفور "	"	۲/
۳۸/۲۷۶۶	علی شیر پھروا ہی	فطرہ	۱	۱۹/۱۸۲۰	محمد صدیق مرنج پسائی "	"	۲
۳۸/۲۷۶۷	قطب الدین فریدپور	زکوٰۃ	۱۰۰	۲۶/۲۵۴۴	عبدالرشید حجام صدر بازار	"	۲
۳۸/۲۷۶۸	گمنام مالیرکوٹلہ	"	۱۰	۴/۳۶۸	" "	"	۲
۳۸/۲۷۶۹	حاجی محمد اسمٰعیل رحمت گڈھ	"	۵		کوپن جلد نمبر ۲۴ از رسید نمبر ۲۳۱۲ تا نمبر ۲۳۱۹	"	۶
۳۸/۲۷۷۰	رحمت اللہ مالیرکوٹلہ	فطرہ	۵	۱۲/۱۳۳۹	نثار احمد چوماران	فطرہ	۵
۳۸/۲۷۷۱	گمنام "	امداد	۵	۱۲/۱۳۴۰	خوشی محمد "	"	۵
۳۸/۲۷۷۲	ڈاکٹر محمد نذیر جامع مسجد	زکوٰۃ	۲۰	۱۲/۱۳۴۱	حبیب صاحب بالوکا	امداد	۲
۳۸/۲۷۷۳	محمد صابر صاحب راجان	زکوٰۃ	۵۰	۱۲/۱۳۴۲	محمد شفیع صاحب "	"	۲
۳۸/۲۷۷۴	نفس الدین ٹھکھر	"	۱۰	۱۲/۱۳۴۳	محمد صدیق صاحب "	"	۲
۳۸/۲۷۷۵	مہر محمد مالیرکوٹلہ	"	۲۵	۱۲/۱۳۴۴	مستری محمد رفیق "	"	۵
۳۸/۲۷۷۶	ولی محمد صاحب "	فطرہ	۱۸		کوپن جلد نمبر ۳۶ از رسید نمبر ۳۵۶۷ تا نمبر ۳۶۰۰	"	۳۷
۳۸/۲۷۷۷	محمد دین بھسی	زکوٰۃ	۳۰	۱۹/۱۸۸۲	محمد صدیق ولد پیر بخش بھینی کمبوہاں	زکوٰۃ	۳۰
۳۸/۲۷۷۸	عبدالغفور بھسی	"	۳۰	۱۹/۱۸۸۳	نذیر صاحب ٹلکھ	فطرہ	۱۰
۳۸/۲۷۷۹	محمد رمضان قلعہ رحمت گڑھ	فطرہ	۵	۱۹/۱۸۸۴	عبدالرشید خاں صاحب دہلی گیٹ	زکوٰۃ	۱۰۰
۳۸/۲۷۸۰	عبدالحلیم زرکوباں	"	۵	۱۹/۱۸۸۵	محمد اسمٰعیل برکت پورہ	"	۵۰
۳۸/۲۷۸۱	حبیب احمد جمال پورہ	زکوٰۃ	۵۰		کوپن جلد نمبر ۳۷ از رسید نمبر ۳۶۰۱ تا نمبر ۳۶۴۳	امداد	۴۳

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
۵۰/م۹۲۰	غلام رسول بی اے مدرس مدرسہ ہذا	زکوٰۃ	۱۰
۵۰/م۹۲۱	صدیق احمد شیر دانی گیٹ بیبی گھو بال	״	۱۰
۵۰/م۹۲۱	محمد صابر محلہ کمان گراں	״	۲۰
۵۰/م۹۲۱	محمد بشیر سنار صدر بازار	״	۱۰
۵۰/م۹۲۲	عبد الحلیم واچ میکر ״	امداد	۵
۵۰/م۹۲۵	حسین کمار حسین ״	״	۵
۵۰/م۹۲۶	چودھری کلاتھ ہاؤس ״	״	۵
۵۰/م۹۲۷	عبد الرحیم واچ میکر ״	״	۱۰
۵۰/م۹۲۸	محمد سلیمان پان فروش موتی بازار	فطرہ	۱۵
۵۰/م۹۲۹	چودھری بشیر احمد بانس بازار	امداد	۵
۵۰/م۹۳۰	مسرز سندر سنگھ ویدان سنگھ موتی بازار	״	۵
۵۰/م۹۳۱	حسن ٹیلرز موتی بازار	״	۳
۵۰/م۹۳۲	اسرائیل ٹیلرز پرانا لوہا بازار	״	۲
۵۰/م۹۳۳	محمد اقبال پرانا لوہا بازار	״	۲
۵۰/م۹۳۴	ڈاکٹر محمد رفیق خلجی ایم بی بی ایس لال بازار	״	۵
۵۰/م۹۳۵	محمد رمضان محلہ سادھے والا	״	۱۰
۵۰/م۹۳۶	عبد الرحمٰن ״ ״	فطرہ	۵
۵۰/م۹۳۷	محمد صدیق ״ ״	امداد	۵
۵۰/م۹۳۸	محمد بشیر ״ ״	״	۱۰
۵۰/م۹۳۹	شفیق احمد محلہ گجراں	زکوٰۃ	۱۰
۱۹/۱۸۸۶	محمد انور محلہ کچا کوٹ	״	۱۰
۱۹/۱۸۸۷	محمد سلیم عظیم پورہ	״	۱۰
۱۹/۱۸۸۸	فریاد علی کچا کوٹ	״	۲۰
	کوپن جلد ۳۶ از رسید ۳۵۱ تا ۳۶۶	امداد	۱۸
۴۸/۳۷۸۸	عزیز ٹیلر سرہندی گیٹ	زکوٰۃ	۱۰۰

رسید نمبر	اسم گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
۴۲/م۱۱۴	منیر حسن محلہ راعیاں	امداد	۱۰
۴۲/م۱۱۵	محمد بشیر صاحب ملیر چوہٹہ	زکوٰۃ	۱۰۰
۴۸/م۴۲۸	میاں جی عبد الحکیم صاحب ہمدن	״	۲۱
۴۲/م۱۱۶	شہاب الدین محلہ راعیاں	״	۱۰۰
۳۸/م۴۹۰	حکیم عبد اللطیف صدر بازار	امداد	۱۰/۳
۴۲/م۱۱۷	شمیم نکہت صاحبہ دہلی (دار الحکومت ہند)	زکوٰۃ	۴۰
	کوپن جلد ۲۴ از رسید ۲۳۲ تا ۲۴۰	امداد	۳۲
۴۲/م۱۲۱	محمد ابراہیم شیر دانی گیٹ	زکوٰۃ	۳۰
۴۲/م۱۲۲	کریم بخش قلعہ رحمت گڑھ	״	۲۰
۴۲/م۱۱۸	احمد دین محلہ کھٹیکاں	״	۵۰
۴۲/م۱۱۹	ابراہیم ولد عمر دین جمال پورہ	״	۲۰
۵۰/م۹۴۰	یوسف سراج گھکو بستی	״	۵۰
۵۰/م۹۴۲	شیر عالم بانس بازار	״	۲
۵۰/م۹۴۳	محمد عبد اللہ بانس بازار	״	۶۰
۵۰/م۹۴۴	محمد رمضان ابن عمر بخش اندرون شیر دانی گیٹ	فطرہ	۱۱/۲۵
۵۰/م۹۴۵	محمد اسماعیل سبزی منڈی مالیر کوٹلہ	امداد	۲۵
۱۸/۱۷۱۱	روشن دین بیرون دہلی گیٹ	فطرہ	۲
۱۸/۱۷۱۲	عبد الرشید ڈھابی گیٹ مالیر کوٹلہ	״	۵
۱۸/۱۷۱۳	حیات محمد محلہ بخشی بدر الدین	״	۲
۱۸/۱۷۱۴	محمد شفیق خان ״ ״	״	۱
۱۸/۱۷۱۵	فضل محمد محلہ بارہ دری	״	۵
۱۸/۱۷۱۶	فرید بخش ״ کینوں والا	״	۱
۱۸/۱۷۱۷	عبد الجبار محلہ راجاں والا	״	۵
۱۸/۱۷۱۸	عبد الجبار ״ ״	״	۵
۱۸/۱۷۱۹	رشید احمد محلہ نئی بستی	״	۴

نمبر رسید	اسمائے گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
۱۸/۱۱۲۰	محمد دین بھسی مالیر	فطرہ	۵
۱۸/۱۱۲۱	محمد امین " "	"	۵
۱۸/۱۱۲۲	نور محمد صاحب سٹہ بازار مالیر کوٹلہ	"	۲
۱۸/۱۱۲۳	نور محمد صاحب شیروانی گیٹ "	"	۲
۱۸/۱۱۲۴	عبدالعزیز شیروانی گیٹ "	"	۳
۱۸/۱۱۲۵	رحیم بخش صاحب محلہ تیلیاں والا	"	۲
۱۸/۱۱۲۶	عبدالعزیز شیروانی گیٹ	"	۳
۱۸/۱۱۲۷	محمد اقبال صاحب محلہ دیداں	"	۱
۱۸/۱۱۲۸	محمد بشیر صاحب کچا کوٹ	"	۱۵
۱۸/۱۱۲۹	عبدالعزیز صاحب شیروانی گیٹ	"	۲
۱۸/۱۱۳۰	عبدالرشید " ڈھابی گیٹ	"	۵
۱۸/۱۱۳۱	سیف الرحمٰن محلہ بخشی بدرالدین	"	۱۰
۱۸/۱۱۳۲	مالکی صاحب " بھسی مالیر کوٹلہ	"	۲
۱۸/۱۱۳۳	محمد سلیمان " شیروانی گیٹ "	"	۲
۱۸/۱۱۳۴	محمد سلیمان کیلوں والا گیٹ "	"	۲
۱۸/۱۱۳۵	محمد بشیر صاحب عبدالحمید روڈ مالیر کوٹلہ	"	۲
۱۸/۱۱۳۶	محمد رشید ملکھو شیروانی گیٹ "	"	۲/۲۵
۱۸/۱۱۳۷	شیخ عبدالرشید " " "	"	۲
۱۸/۱۱۳۸	رشید صاحب ملکھو شیروانی گیٹ "	"	۱
۱۸/۱۱۳۹	والدہ صاحبہ نسرین جامع مسجد "	"	۲
۱۸/۱۱۴۰	محمد صدیق صاحب سرہندی گیٹ "	"	۷
۱۸/۱۱۴۱	عبدالرحمٰن صاحب محلہ دیداں "	"	۱
۱۸/۱۱۴۲	عبدالرحمٰن " " "	"	۱
۱۸/۱۱۴۳	رحمت علی " سرہندی گیٹ "	"	۵
۱۸/۱۱۴۴	محمد اسحاق " " " "	"	۱۵

رسید نمبر	اسمائے گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
۱۸/۱۰۴۵	محمد یوسف صاحب سرہندی گیٹ	فطرہ	۱۲
۱۸/۱۰۴۶	محمد بشیر صاحب محلہ شکور بستی مالیر کوٹلہ	"	۵
۱۸/۱۰۴۷	نور محمد صاحب شیروانی گیٹ "	زکوٰۃ	۵۰/-
۱۸/۱۰۴۸	رحمت علی " سرہندی گیٹ "	فطرہ	۵
۱۸/۱۰۴۹	محمد حفیظ محلہ نصرت خانی "	"	۱
۱۸/۱۰۵۰	محمد حفیظ صاحب " "	"	۱
۱۸/۱۰۵۱	فیض محمد صاحب محلہ دیداں "	"	۵
۱۸/۱۰۵۲	محمد بشیر شیروانی گیٹ "	"	۲
۱۸/۱۰۵۳	محمد خلیل صاحب "	"	۲
	چندہ ماہانہ از طلباء بابت اگست ۱۹۷۷ء	امداد	۸۵
۲۲/۱۲۳	اللہ دتا صاحب سنانی گیٹ	فطرہ	۱۰
۱۹/۱۳۴۵	محمد رفیق صاحب سول ہسپتال	امداد	۲
[illegible]	چودھری حسن پانڈیاں	زکوٰۃ	۵۰
۴۸/۸۴۲	محمد سلیمان ولد اللہ داد بخش "	"	۵۰
۴۸/۸۰۳	عبدالمجید ولد گیندا "	"	۲۰
	کوپن جلد ۳۷ از رسید ۳۶۷۰ تا ۳۶۸۱	امداد	۲۰
۵۰/۹۴۶	عبدالرشید صاحب ڈھابی گیٹ	فطرہ	۲
۹۴۷	محمد خلیل " محلہ بوڑیاں دہلی گیٹ	زکوٰۃ	۲۰
۹۴۸	عبدالمجید خان صاحب امرگڑھ	"	۲۰
۹۴۹	محمد صابر " چوڑماران	فطرہ	۱۸/۲۵
۹۵۰	محمد سلیم صاحب "	"	۵
۹۵۱	[illegible] نمبردار حیات دہلی گیٹ	زکوٰۃ	۱۰
۹۵۲	محمد شبیر صاحب نواب گنج	"	۱۰
۹۵۳	شفیق احمد " آٹا چکی سٹہ بازار	"	۱۵
[illegible]	حاجی محمد ابراہیم محلہ بادکا	"	۱۰

نمبر رسید	اسمائے گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
792/3/44	نورجہاں فاروقی سرہندی گیٹ	زکوٰۃ	12
6177/44	گمنام مالیر کوٹلہ	"	15
68/44	محمد اشرف محلہ راجاں	فطرہ	30
1566/16	عبدالحمید محلہ رنگ سازاں	زکوٰۃ	10
	ٹوکن جلد ۱۱ رسید ۱۰۱۵	امداد	1
11 344/44	گجن خاں موضع لنڈا لوجھی	فطرہ	10
12 344/44	شہزاد حسن " "	امداد	1
13 344/44	علی شیر " "	"	1
14 344/44	نور محمد " "	فطرہ	5
15 344/44	عبدالمجید " "	"	8
16 344/44	شیر علی " "	"	4
17 344/44	دات محمد " "	زکوٰۃ	20
18 344/44	بشیر احمد " "	فطرہ	4
19 344/44	غنی محمد " "	"	3
20 344/44	محمد علی " "	"	3
	ٹوکن جلد ۳۲ رسید ۲۱۰۱	امداد	1
801 49/44	ساکی خاتون موضع ڈگتی ضلع سنگرور	زکوٰۃ	25
802 49/44	احمد دین " "	"	10
803 49/44	عبدالمجید " "	"	10
804 49/44	ابراہیم " "	"	30
805 49/44	محمد شفیع " "	"	17
806 49/44	خوشی محمد " "	"	50
807 49/44	فضل محمد " "	"	10
808 49/44	حافظ عبدالستار " "	فطرہ	3
809 49/44	حافظ عبدالستار " "	زکوٰۃ	20

نمبر رسید	اسمائے گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
810 49/44	محمد شفیع موضع ڈگتی ضلع سنگرور	زکوٰۃ	10
811 49/44	عبدالرشید " "	فطرہ	20
812 49/44	فضل خاں " "	"	2
813 49/44	حافظ عبدالستار " "	زکوٰۃ	5
805 3/44	ماسٹر سوہن لال بھوانی گڑھ	امداد	2
4452/25	مسز پشاوری سیلز کارپوریشن سرہندی گیٹ	زکوٰۃ	5
4453/15	محمد فیروز چوہان سرہندی گیٹ	فطرہ	7?
1831/19	عبدالغفور شکر نزد جامع مسجد	امداد	2
1832/19	راحت علی " "	"	5
1833/19	محمد صدیق " "	"	3
4414/25	صوفی جنیدین ضلع میرٹھ	زکوٰۃ	20
4415/25	رحمت اللہ امام مسجد	"	5
4416/25	عبدالرشید ضلع بجنور	"	5
4417/25	حشمت علی لدپر	"	5
4418/25	امیر حسن کھدر والے	"	4
4419/25	نثار احمد آڑتی کھدر والے	"	2
4420/25	عبدالقادر کشمیری ردپر	"	1
4421/25	عبدالغفور کشمیری	"	3
4422/25	عبدالغنی ڈار	"	1/50
4423/25	عبدالستار شاہ لدپر	"	1
4424/25	حکیم الدین "	"	2
4425/25	منشی یوسف سہارنپور (یوپی)	"	5
4426/25	محمد صدیق کشمیری " "	"	2
4427/25	منشی رحمت اللہ " "	"	5
4428/25	رفیق احمد " "	امداد	1

رسید نمبر	اسمائے گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
۲۷/۲۳۱۱	حاجی محمد شفیع صاحب کھال فروش	زکوٰۃ	۵۰
۲۷/۲۳۱۲	محمد یامین صاحب محلہ مقبولان	″	۱۰۰
۲۷/۲۳۱۳	نامعلوم ″ ″	″	۲۰
۲۷/۲۳۱۴	چودھری عبدالرشید ″	″	۲۰۰
۲۷/۲۳۱۵	شیر محمد صاحب کارپنٹر	فطرہ	۵
۲۷/۲۳۱۶	مستری نورالدین صاحب محلہ راجان	زکوٰۃ	۴۰
۲۷/۲۳۱۷	محمد خالد چغتائی صاحب ″	امداد	۵
۲۷/۲۳۱۸	عبداللہ صاحب محلہ حبیب پورہ	زکوٰۃ	۵
۲۷/۲۳۱۹	امام الدین ″ ″	″	۱۰
۲۷/۲۳۲۰	محمد شکیل ولد عمر دین ″	فطرہ	۱۷
۲۷/۲۳۲۱	قالو ولد فقیریا نابھہ	زکوٰۃ	۲۰
۲۷/۲۳۲۲	عبدالحمید ولد محمد صدیق صاحب	فطرہ	۱۰
۲۷/۲۳۲۳	مستری محمد سرور محلہ راجان	″	۱۷
۲۷/۲۳۲۴	سلیم اختر صاحب نقشہ نویس	زکوٰۃ	۴۰
۲۷/۲۳۲۵	عبدالحمید ″ ولد محمد صدیق محلہ کمنگراں	″	۵۰
۲۷/۲۳۲۶	عبدالرزاق صاحب ولد محمد یوسف کارخانے والے	″	۴۰
۲۷/۲۳۲۷	سیف الرحمٰن محلہ راجان	فطرہ	۱۳
۲۷/۲۳۲۸	علی محمد صاحب ولد بدرالدین ″	″	۱۲
۲۷/۲۳۲۹	محمد اسمٰعیل ″ جرگ روڈ	زکوٰۃ	۱۰
۲۷/۲۳۳۰	محمد اسحٰق ″ دوکاندار	″	۱۰
۲۷/۲۳۳۱	محمد سلیمان سرہندی گیٹ	امداد	۱۰
۲۷/۲۳۳۲	محمد سلمان محلہ راجان	فطرہ	۱۱
۲۷/۲۳۳۳	رستم بخش پسر فتح محمد محلہ باغبان	″	۸/۵۰
۲۷/۲۳۳۴	عبدالرحیم صاحب ولد عبدالغفور محلہ راجان	″	۱۰
۲۷/۲۳۳۵	عبدالرشید صاحب ولد شیر خاں صاحب	″	۲

رسید نمبر	اسمائے گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
۲۷/۲۳۳۶	حسن محمد صاحب گوجر حبش پورہ	خیرات	۲
۲۷/۲۳۳۷	شفیع محمد صاحب ولد من تیلیاں بازار	″	۱۰
۲۷/۲۳۳۸	عبدالکریم صاحب ″	زکوٰۃ	۱۰
۲۷/۲۳۳۹	مشتاق احمد ولد محمد یوسف محلہ تیلیاں	″	۵
۲۳/۲۲۱۶	عبدالرزاق صاحب دوکاندار	امداد	۱۰
۲۳/۲۲۱۷	محمد شریف محلہ بخشی بدرالدین	″	۲
۲۳/۲۲۱۸	عبدالغفار خاں صاحب عظیم پورہ	″	۲
۲۳/۲۲۱۹	نامعلوم مالیرکوٹلہ	زکوٰۃ	۱۰۰
۲۳/۲۲۲۰	منشی ولی محمد محلہ عظیم پورہ	امداد	۵۰
۲۳/۲۲۲۱	مستری عبداللطیف محلہ الیاس خاں	زکوٰۃ	۱۰
۲۳/۲۲۲۲	قمر جہاں دختر عبدالجبار عظیم پورہ	امداد	۲
۲۳/۲۲۲۳	حبیب خاں صاحب ″	زکوٰۃ	۱۰
۲۳/۲۲۲۴	منشی غلام محمد خاں محلہ الیاس خاں	″	۲۰
۲۳/۲۲۲۵	محمد دین صاحب ولد محمد رمضان کچہ کوٹ	امداد	۵
۲۳/۲۲۲۶	محمد رمضان بھٹی عظیم پورہ	″	۵
۲۳/۲۲۲۷	عبدالغفار خاں ″	″	۲
۲۳/۲۲۲۸	عبدالجبار صاحب ″	″	۲
۲۳/۲۲۲۹	محمد شریف محلہ بخشی بدرالدین	فطرہ	۱۵
۲۳/۲۲۳۰	جناب حشمت علی خاں محلہ زرکوبہ	″	۱
۲۳/۲۲۳۱	محمد رمضان صاحب محلہ عظیم پورہ	زکوٰۃ	۳۰
۲۳/۲۲۳۲	محمد اسمٰعیل ″ ″ مقبولان	″	۱۲
۲۳/۲۲۳۳	محمد جمیل عظیم پورہ	فطرہ	۲/۲۵
۲۳/۲۲۳۴	محمد رمضان ″	″	۵
۲۳/۲۲۳۵	عنایت خاں صاحب گاؤں رسول پور	امداد	۵
۲۳/۲۲۳۶	محمد حنیف نمبردار ″ ″	زکوٰۃ	۱۰

رسید نمبر	اسمائے گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
۲۳/۲۲۳۷	مستری محمد بشیر گاؤں رسول پور	امداد	۲
۲۳/۲۲۳۸	جناب محمد صدیق صاحب "	"	۱
۲۳/۲۲۳۹	خوشی محمد " "	فطرہ	۲
۲۳/۲۲۴۰	لیاقت علی گاؤں دہلیز	زکوٰۃ	۱۰
۲۳/۲۲۴۱	حاجی محمد یوسف خان "	امداد	۵
۲۳/۲۲۴۲	احمد خان " "	"	۱
۲۳/۲۲۴۳	رحیم الدین صاحب "	زکوٰۃ	۲۰
۲۳/۲۲۴۴	حاجی احمد الدین "	امداد	۲
۲۳/۲۲۴۵	مشتاق علی "	"	۱
۲۳/۲۲۴۶	سلطان محمد "	"	۱
۲۳/۲۲۴۷	حاجی رحیم بخش "	"	۲
۲۳/۲۲۴۸	محمد مشتاق "	زکوٰۃ	۲
۲۳/۲۲۴۹	فقیریا صاحبیا "	"	۱۰
۲۳/۲۲۵۰	سید مشتاق "	"	۱
۲۳/۲۲۵۱	شبیر احمد صاحب "	امداد	۴
۲۳/۲۲۵۲	محمد حنیف صاحب احمد گڑھ	فطرہ	۱۰
۲۳/۲۲۵۳	حاجی مختار " "	زکوٰۃ	۲۰
۲۳/۲۲۵۵	گلزار یا احمد " "	فطرہ	۵
۲۳/۲۳۵۶	گلزار احمد " "	امداد	۲
۲۳/۲۲۵۷	عبدالحمید " "	"	۳
۲۳/۲۲۵۸	محمد نظیر صاحب "	"	۲
۲۳/۲۲۵۹	پیر بخش گاؤں پیر لدھیانہ	فطرہ	۲۵
۲۳/۲۲۶۰	غلام محمد انصاری "	"	۱۶
۲۳/۲۲۶۱	محمد ارمان صاحب احمد گڑھ	"	۳
۲۳/۲۲۶۲	امام صاحب مسجد محلہ الیاس خان	"	۵

رسید نمبر	اسمائے گرامی عطیہ دہندگان	مد	رقم
۲۳/۲۲۶۳	نور محمد صاحب محلہ عظیم پورہ	زکوٰۃ	۶
۲۳/۲۲۶۴	گمنام مالیرکوٹلہ	فطرہ	۵
۲۳/۲۲۶۵	عبدالجبار صاحب محلہ عظیم پورہ	امداد	۲
[illegible]	کوپن عیدلٹ نمبر رسید ۶۱۱۶ تا ۶۱۲۷	"	۱۶
۳۹/۲۸۰۱	حبیب ولد رانجھا	"	۱۰
۳۹/۲۸۰۲	محمد خلیل ولد رلیا	"	۱
۳۹/۲۸۰۳	جناب چودھری دین محمد	زکوٰۃ	۱۰۰
۳۹/۲۸۰۴	چودھری خوشی محمد صاحب	"	۲۰
۳۹/۲۸۰۵	خورشید محمد "	امداد	۱۰
۳۹/۲۸۰۶	حاجی شہزادہ	زکوٰۃ	۲۰
۳۹/۲۸۰۷	فتح دین بنگلہ والا حویلی پونچ	"	۵
۳۹/۲۸۰۸	چودھری ولی محمد صاحب جھتری والے حویلی پونچ	"	۱۰۰
۳۹/۲۸۰۹	ولی محمد صاحب محلہ پونچ حویلی	"	۱۰
۳۹/۲۸۱۰	حاجی غلام محمد پونچ دی حویلی مالیرکوٹلہ	"	۱۰۰
۴۲/۱۸۴۲	علی ضمیر صاحب ولد ماسٹر ظہیر علی صاحب کچہ کوٹ	فطرہ	۵
۴۲/۱۸۴۳	علی ظہیر صاحب ماسٹر ظہیر علی صاحب نئی آبادی	"	۲
۶/۵۶۶	محمد شفیق صاحب تمباکو والے سرہند گیٹ	امداد	۲
۶/۵۶۷	غلام محمد صاحب معرفت محمد شفیق صاحب "	"	۲
۲۵/۴۴۵۹	ڈاکٹر محمد نذیر صاحب ملیر گوجراں	"	۵
۲۵/۴۴۰۱	عبدالجبار صاحب محلہ چودھراں مالیرکوٹلہ	زکوٰۃ	۵۰
۲۵/۴۴۰۲	شیخ عبدالرحمٰن صاحب " "	فطرہ	۵
۲۵/۴۴۰۳	سلامت علی صاحب محلہ دیداں "	زکوٰۃ	۲۰
۲۵/۴۴۰۴	نثار احمد "	"	۴۰
۲۵/۴۴۰۵	سلامت علی محلہ چودھراں	"	۵۰
۲۵/۴۴۰۶	محمد سلیمان صاحب	"	۲۰

رسید نمبر	اسمائے گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
۷ ۴۴/۵۵	محمد صدیق ٹھیکیدار جواہر نگر	زکوٰۃ	۴۰
۸ ۴۴/۵۵	مستری محمد صادق صاحب محلہ چوبداران	فطرہ	۵
۹ ۴۴/۵۵	حاجی محمد رمضان صاحب محلہ دیدان	زکوٰۃ	۲۵
۱۰ ۴۴/۵۵	حاجی محمد رمضان صاحب "	فطرہ	۱۱/۲۵
۱۱ ۴۴/۵۵	مستری خوشی محمد صاحب معمار چوبداران	زکوٰۃ	۵
۱۲ ۴۴/۵۵	محمد حنیف صاحب ٹی اسٹال کمل سینما روڈ	"	۱۰
۱۳ ۴۴/۵۵	غلام محمد پسر علی محمد	فطرہ	۵
۱۴ ۴۴/۵۵	غضنفر علی خان خالد سنائی گیٹ	امداد	۲
۱۵ ۴۴/۵۵	علی محمد صاحب محلہ دایاں گلی مالیرکوٹلہ	فطرہ	۵
۱۶ ۴۴/۵۵	جناب ٹھیکیدار عبدالحمید صاحب	امداد	۴۰
۱۷ ۴۴/۵۵	جناب محمد جمیل ٹی اسٹال والے کمل سینما مالیرکوٹلہ	زکوٰۃ	۱۵
۱۸ ۴۴/۵۵	محمد اقبال محلہ چوبداران "	فطرہ	۵
۱۹ ۴۴/۵۵	محمد اختر صاحب آزاد نگر نزد کمل سینما	امداد فطرہ	۳ ۲/۲۵
۲۰ ۴۴/۵۵	محمد شریف مسجد پیرہ	"	۴/۲۵
۲۱ ۴۴/۵۵	جناب افتخار احمد صاحب محلہ دیدان	"	۳
۲۲ ۴۴/۵۵	نور محمد صاحب محلہ چوبداران	"	۳۰

رسید نمبر	اسمائے گرامی عطیہ دہندگان	بمد	رقم
۲۳ ۴۴/۵۵	محمد صدیق بیج میکر چوبداران	زکوٰۃ	۱۰
۲۴ ۴۴/۵۵	عبدالوحید پسر فضل محمد "	فطرہ	۱۰
۲۵ ۴۴/۵۵	عبدالمجید پسر رحم الدین محلہ دیدان	"	۱/۵۰
۲۶ ۴۴/۵۵	محمد اشرف پسر محمد شفیق صاحب دایاں گلی	"	۵
۲۷ ۴۴/۵۵	ماسٹر عبدالرشید چوبداران	"	۸
۲۸ ۴۴/۵۵	مستری عبدالحمید "	"	۵
۲۹ ۴۴/۵۵	محمد شفیق پسر محمد صدیق محلہ دیدان	زکوٰۃ	۲۰
۳۰ ۴۴/۵۵	محمد اشرف پسر محمد حنیف چوبداران	"	۲۰
۳۱ ۴۴/۵۵	حاجی عبدالرحمٰن صاحب "	"	۲
۳۲ ۴۴/۵۵	محمد حنیف پسر بابو "	"	۵
۳۳ ۴۴/۵۵	محمد شفیق پسر محمد صدیق محلہ دیدان	"	۵
۳۴ ۴۴/۵۵	حاجی عبدالرحمٰن محلہ چوبداران	"	۵
۳۵ ۴۴/۵۵	نثار احمد محلہ دیدان	فطرہ	۱۰
۳۶ ۴۴/۵۵	عبدالکریم صاحب حلوائی محلہ چوبداران	"	۵
۳۷ ۴۴/۵۵	محمد صابر صاحب "	"	۵
۳۸ ۴۴/۵۵	عبدالغفور موضع سمتی	فطرہ	۵۰

حساب آمد و خرچ مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ بابت اگست و ستمبر ۱۹۷۷ء

بقایا سابقہ بتاریخ یکم اگست ۱۹۷۷ء	3903 — 52
آمدنی بمد امداد	365 — 25
آمدنی بمد رسالہ و کتب	20 — 00
آمدنی بمد زکوٰۃ و فطرہ	888 — 00
کل آمدنی	5176 — 81
مصارف تنخواہ وغیرہ	1940 — 44
بقایا بتاریخ 31/8/77	3236 — 37

[illegible]

بقایا بتاریخ یکم ستمبر ۱۹۷۷ء	3236 — 37
آمدنی بمد امداد	2037 — 71
آمدنی بمد رسالہ و کتب	174 — 00
آمدنی بمد چندہ از طلبہ مدرسہ	134 — 25
آمدنی بمد زکوٰۃ و فطرہ	7869 — 30
کل آمدنی	13451 — 63
مصارف تنخواہ وغیرہ	2692 — 70
بقایا بتاریخ 30/9/77	10758 — 93

علماء کا احترام

از:۔ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ
سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

عامۂ مسلمین کو ایک خاص امر کی طرف متوجہ کرنا ہے وہ یہ کہ اس زمانہ میں علماء کی طرف سے بدگمانی بے توجہی نہیں بلکہ مقابلہ اور تحقیر کی صورتیں بالعموم اختیار کی جا رہی ہیں، یہ امر دین کے لحاظ سے نہایت ہی سخت خطرناک ہے، اس میں ذرا شک نہیں کہ دنیا کی ہر جماعت میں جس طرح اچھوں میں برے ہوتے ہیں علماء کی جماعت میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ جھوٹے سچوں میں شامل ہیں۔ اور علماء سوء علماء رشد میں مخلوط ہیں۔ مگر پھر بھی دو امر بیحد لحاظ کے قابل ہیں اول یہ کہ جبتک کسی شخص کا علماء سوء میں سے ہونا محقق نہ ہو جائے اسپر ہرگز کوئی حکم نہ لگا دینا چاہیئے وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا

ترجمہ اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس پر عملدرآمد نہ کیا کر کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہو گی (بیان القرآن)، اور محض اس بدگمانی پر کہ کہنے والا شاید علماء سوء میں ہو اس کی بات کو بلا تحقیق رد کر دینا اور بھی زیادہ ظلم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سعدد احتیاط فرمائی ہے کہ یہود تورات کے مضامین کو عربی میں نقل کر کے سناتے تھے۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ نہ انکی تصدیق کیا کرو نہ تکذیب بلکہ یہ کہہ دیا کرو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے سب پر ہمارا ایمان ہے۔ یعنی یہ کہ کافروں کی نقل کے متعلق بھی بلا تحقیق تصدیق و تکذیب سے روک دیا۔ لیکن ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کوئی شخص کسی قسم کی بات ہماری رائے کے خلاف کہتا ہے تو اس کی بات کی وقعت گرانے کے لئے کہنے والے کی ذات پر حملے کئے جاتے ہیں، گو اس کا اہل حق ہونا بھی محقق ہو۔

دوسرا ضروری امر یہ ہے کہ علماء حقانی، علماء رشد علماء خیر بھی بشریت سے خالی نہیں ہوتے معصوم ہونا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شان ہے اسلئے ان کی لغزشوں انکی کوتاہیوں، ان کے قصوروں کی ذمہ داری انہیں پر عائد ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کا معاملہ ہے سزا دیں یا معاف فرما دیں بلکہ اغلب یہ ہے کہ ان کی لغزشیں انشاء اللہ تعالیٰ معاف ہی ہو جاوینگی۔ اسلئے کہ کریم آقا اپنے اس غلام سے جو ذاتی کاروبار چھوڑ کر آقا کے کام میں مشغول ہو جائے اور ہمہ تن اسی میں لگا رہے اکثر تسامح اور درگذر کیا کرتا ہے۔ پھر اللہ جل وعلا کی برابر تو کوئی کریم ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن وہ بمقتضاء عدل گرفت بھی فرمائیں تو وہ ان کا اپنا معاملہ ہے۔ ان امور کی وجہ سے علماء سے لوگوں کو بدگمان کرنا، نفرت دلانا، دور رکھنے کی کوشش کرنا

بلندی کا سبب ہوگا اور ایسا کرنے والوں کیلئے ہم ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ان من اجلال اللہ تعالیٰ اکرام ذی شیبۃ المسلم و حامل القرآن غیر الغالی فیہ ولا الجافی عنہ واکرام ذی السلطان المقسط (ترغیب عن ابی داؤد)

ترجمہ تینوں اصحاب ذیل کا اعزاز اللہ تعالیٰ کا اعزاز ہے، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا وہ محافظ قرآن جو افراط تفریط سے خالی ہو تیسرا منصف حاکم، دوسری حدیث میں ارشاد ہے، لیس من امتی من لم یجل کبیرنا ویرحم صغیرنا ویعرف لعالمنا، (ترغیب عن احمد والحاکم وغیرھما) ترجمہ وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، ہمارے علماء کی قدر نہ کرے وہ ہماری امت میں سے نہیں ہے، ایک اور حدیث میں وارد ہے عن ابی امامۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلث لا یستخف بحقھم الا منافق ذو الشیبۃ فی الاسلام و ذو العلم و امام مقسط (ترغیب عن الطبرانی) ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو خفیف سمجھنے والا منافق ہی ہو سکتا ہے (نہ کہ مسلمان) وہ تین شخص یہ ہیں، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم، تیسرا منصف حاکم۔

بعض روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ مجھے اپنی امت پر سب چیزوں سے زیادہ تین چیزوں کا خوف ہے ایک یہ کہ ان پر دنیاوی فتوحات زیادہ ہونے لگیں جس کی وجہ سے ایک دوسرے سے حسد پیدا ہونے لگے، دوسرے یہ کہ قرآن شریف آپس میں اتنا عام ہو جائے کہ ہر شخص اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرے حالانکہ اس کے معانی اور مطالب بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں سمجھ سکتا، اور جو لوگ علم میں پختہ کار ہیں وہ بھی یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں، سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے (بیان القرآن) یعنی علم میں پختہ کار لوگ بھی تصدیق کے سوا آگے بڑھنے کی جرأت نہیں کرتے تو پھر عوام کو چون وچرا کا کیا حق ہے، تیسرے یہ کہ علماء کی حق تلفی کی جائے اور ان کے ساتھ لاپرواہی کا معاملہ کیا جائے، ترغیب میں اس حدیث کو بروایت طبرانی ذکر کیا ہے اور اس قسم کی روایات بکثرت حدیث کی کتابوں میں موجود ہیں،

جس قسم کے الفاظ اس زمانہ میں علماء اور علوم دینیہ کے متعلق اکثر استعمال کئے جاتے ہیں فتاویٰ عالمگیری میں ان میں سے اکثر الفاظ کو کفریہ میں شمار کیا ہے، اگر لوگ اپنی ناواقفیت سے اس حکم سے غافل ہیں، اس لئے نہایت ضروری ہے کہ اس قسم کے الفاظ بالعموم استعمال کرنے میں بہت زیادہ احتیاط کی جائے، بفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ علماء حقانی کا اس وقت وجود ہی نہیں رہا اور یہ سب جماعتیں جن پر علماء کا اطلاق کیا جاتا ہے سُو ہی ہیں تب بھی آپ حضرات کی طرف ان علماء کو علماء سُو کہنے سے سبکدوشی نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایسی حالت میں تمام دنیا پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ علماء حقانی کی ایک جماعت پیدا کی جائے ان کو علم سکھایا جائے اسلئے کہ علماء کا وجود فرض کفایہ ہے، اگر ایک جماعت اس کیلئے موجود ہے تو یہ فرض سب سے ساقط ہے ورنہ تمام دنیا گنہگار ہے۔

ایک عام اشکال یہ کیا جاتا ہے کہ ان علماء کے اختلاف نے عوام کو تباہ و برباد کر دیا ہے ممکن ہے کہ کسی درجہ میں صحیح ہو

باقی مضمون صفحہ ۸۹ پر

ماهنامہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ

رجسٹرڈ نمبر پی - پی ٹی اے ۸۱

مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کا
علمی و دینی ترجمان

مالیرکوٹلہ ۱۴۸۰۲۳

تقدیر کیا ہے؟

ملنے کا پتہ

کتب خانہ محمودیہ دیوبند یوپی

مؤلفہ

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

REGD No. P/PTA/81.

ذی الحجہ ۹۷ء، محرم، صفر ۹۸ء
مطابق
دسمبر ۷۷ء جنوری، فروری ۷۸ء

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ
کا
علمی و دینی ترجمان

جلد نمبر ۲
شمارہ ۹ - ۱۰ - ۱۱

زیر سیادت
مفتی اعظم پنجاب حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی بانی و مہتمم مدرسہ

ادارۂ تحریر
مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط (فاضل دیوبند - ایم اے)
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند
مولانا وسیم اختر بلال (فاضل دیوبند)
مدرس مدرسہ تعمیر سیرت
مولانا سہیل عزیز (فاضل دیوبند)
عبدالوحید (بی اے)
سابق مدرس مدرسہ تعمیر سیرت

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر غلام محمد نے مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کے لئے محبوب پریس دیوبند میں چھپوا کر شائع کیا۔ مالک مدرسہ تعمیر سیرت۔ مالیر کوٹلہ

تاریخ اشاعت 25/2/78

ترتیب

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی خریداری اس شمارہ پر ختم ہو چکی ہے آئندہ خریداری جاری رکھنے کے لئے مبلغ دس روپے سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کیجئے ورنہ اگلا شمارہ بذریعہ وی پی -/۱۳ بھیجا جائے گا۔

(ماخوذ)

ہم اپنے ہاتھ میں گھڑی باندھتے ہیں وقت دیکھنے کے لئے گھڑی میں سوئیاں ہوتی ہیں جو برابر چلتی رہتی ہیں، یہ سوئیاں گھنٹے بھی بتاتی ہیں، منٹ اور سیکنڈ بھی، وقت کی سب سے چھوٹی اکائی ہے سیکنڈ ـــ سیکنڈ جو پلک جھپکتے ہی گذر جاتا ہے بظاہر اس ایک لمحہ کی کوئی قیمت نہیں ہوتی لیکن یہ ایک ایک لمحہ مل کر منٹ بن جاتے ہیں اور اس طرح وقت گذرتا رہتا ہے اور ہماری زندگی کی مہلتِ عمل کم ہوتی جاتی ہے، جب نیا سال آتا ہے تو ہم خوش ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کو مبارکباد دیں اور نیک خواہشات پیش کرتے ہیں، ہماری نیک خواہشات کا مفہوم عموماً یہی ہوتا ہے کہ یہ سال کامیابیاں اور کامرانیاں لائے۔

عام لوگوں کی نظر میں کامیابی اور کامرانی کا مطلب امتحان میں پاس ہو جانا، اچھی نوکری مل جانا، تجارت میں منافع ہونا عیش و آرام سے رہنا اور دکھوں اور پریشانیوں سے دور رہنا ہی ہوتا ہے، لیکن ایک مومن کیلئے کامیابی اور کامرانی حاصل کرنے کا مفہوم اس قدر محدود نہیں ہوتا، مومن کچھ اس طرح سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی اس مہلت میں میں نے کیا کیا۔ کتنا وقت اللہ کی یاد اور اس کی حمد و ثنا میں گذارا کس حد تک دعوت دین کا فریضہ انجام دیا، کتنے غریبوں کی امداد کی۔ کتنے ضعیفوں کے کام آیا اور والدین، پڑوسیوں، دوستوں اور دوسرے لوگوں کے حقوق کا پاس رکھا، اور نتیجہ میں میں نے اپنی ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لئے کیا سامان فراہم کیا میں کس حد تک جھوٹ، غیبت، گندی باتوں، تکبر، ظلم غصہ اور حسد سے دور رہا، اگر وہ ان معاملات میں ناکام رہا ہے اور دنیاوی بہت سے فائدے اسے حاصل ہوئے ہیں تو وہ مطمئن نہیں ہوتا، اس کی نظر میں یہ دنیاوی فائدے کم حیثیت ہوتے ہیں، وہ تو ان فائدوں کی بابت سوچتا ہے جو آخرت میں اسے ملنے والے ہیں۔ وہ تو اس امتحان کی فکر کرتا ہے جس کا نتیجہ حشر کے دن سامنے آئے گا، اس دن جو لوگ کامیاب قرار دیئے جائیں گے وہ جنت النعام میں پائیں گے، ہمیں اور آپ کو بھی اس رخ سے سوچنا چاہیئے ـــ ۱۹۸۳ء گذر گیا۔ اور ہماری مہلت عمل ایک سال کم ہو گئی، ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے معاملات کا جائزہ لیں اور جو کمیاں گذشتہ سال رہ گئی ہوں، انہیں دور کریں، مومنانہ زندگی گذاریں تاکہ ہم بھی اس امتحان میں کامیاب قرار دیئے جائیں اور انعام میں جنت پائیں،

آمین

بقیہ:- خدا کی ہستی پر عقل اور فطرت کی شہادت

نہیں کیوں کہ مرنے کے بعد زندگی نہیں، نہ کسی کے سامنے جواب دہی کرنی ہے، نیک و بد کا امتیاز صرف اس لئے ہے کہ ہمارے دماغ میں نیک و بد کا معیار موجود ہے اور وہ معیار ہم نے خود پیدا نہیں کیا وہ معیار اگر غور سے دیکھا جائے تو خدا کی ہستی پر منتہی ہوتا ہے۔

اگر خدا نہیں تو پھر نہ صرف یہ کہ زندگی میں کوئی معنی نہیں رہتے بلکہ نیک و بد، زشت و خوب، حسن و قبح، خیر و شر یہ سب باتیں مہمل اور لایعنی ہیں۔ پھر نہ کوئی نیکی ہے نہ بدی نہ اچھائی ہے نہ برائی ـــ الغرض بقول افلاطون صداقت، حسن اور خیر یہ تینوں حقائق، خدا کی ہستی پر دال ہیں۔ ●●

ایڈیٹر

چمن میں جائیے تو قسم قسم کے پھول بہاریں بکھرتے نظر آئیں گے، سرخ، نیلے، پیلے، ہرے، پھر ہر پھول کا ڈیزائن الگ۔ خوشبو الگ۔ اس اختلافِ رنگ و بو میں ہی چمن کے حسن و جمال کا راز پوشیدہ ہے۔

اے ذوقؔ اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے

یہی حال گلشنِ ہستی اور انسانی معاشرے و سماج کا ہے، صورتیں الگ، پہناوے مختلف، ذوق الگ الگ، خیالات و رجحانات، زاویۂ نظر مختلف۔ لیکن یہ اختلاف اپنی اپنی حدوں میں انسانی سماج کے لیے ذرا بھی نقصان دہ نہیں ہے۔ بلکہ کارو بارِ ہستی کا حسن قائم ہی اس اختلاف سے ہے۔

مگر جیسا کہ عرض کیا اختلاف اپنی حدوں میں رہے،

ایک صاحب زور زور سے ہاتھ ہلاتے ہوئے سڑک پر چلے جارہے تھے۔ کہ ان کا ہاتھ ایک راہ گیر کی ناک پر پڑا، اس نے احتجاج کیا۔ شرمندہ ہونے کے بجائے جواب دیا مجھے ہاتھ ہلانے کی آزادی ہے۔

راہ گیر نے جواب دیا آپ کی آزادی اس حد پر ختم ہو جاتی ہے جہاں سے میری ناک شروع ہوتی ہے۔

حقِ اختلاف کی جتنی پاسداری اسلام نے کی ہے شاید ہی کسی نے کی ہو، کیوں کہ اختلاف کا حق ختم ہو جائے تو فکر انسانی کی نشو و نما نہیں ہو سکتی۔ کوئی ٹوکنے والا نہ رہے تو برائیوں کی اصلاح نہیں ہو سکتی، آزادی کے ساتھ یہ روک ٹوک بھی انسانی سماج کیلئے ضروری ہے۔

لیکن اسلام نے اختلاف کے حق کو "حق" کے ساتھ باندھ دیا ہے کہ تمہارا اختلاف "حق" کیلئے ہونا چاہئے یہ اختلاف کا بنیادی ادب ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں فرمایا ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا

(سورہ نساء، پارہ ۵ آیت ۵۸)

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی، اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہے۔

اس آیت سے یہ باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) مسلمان سب سے پہلے بندہ خدا ہے اس کی فرمانبرداری اور وفاداری کا مرکز صرف یہی ذات ہے

(۲) رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت کی واحد عملی صورت ہے۔ کیوں کہ یہی ایک معتمد ذریعہ ہے جس سے ہم تک خدا کے احکامات پہنچتے ہیں۔

(۳) ان دونوں اطاعتوں کے بعد ان اولی الامر کی اطاعت جو خود مسلمانوں میں سے ہوں، اولی الامر کے مفہوم میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کے سربراہ کار ہوں بشرطیکہ وہ خود بھی خدا اور رسول کے مطیع ہوں۔

(۴) اور چوتھی بات اس آیت سے یہ معلوم ہوئی کہ کسی اختلاف کی صورت میں کہ اسلام میں خدا کا حکم اور رسول کا طریقہ آخری سند Final Authority کی حیثیت رکھتا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان جس مسئلہ میں بھی تنازع اور اختلاف ہوگا، اس میں فیصلہ کیلئے "قرآن و سنت" کی طرف رجوع ہوگا اور جو فیصلہ وہاں سے حاصل ہوگا اسکے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔

ظاہر ہے جب "حق" یعنی کتاب و سنت ہمارے اتفاق اور اختلاف کا محور ہوں گے تو وہ اختلاف جو نفسانیت سے پھوٹتا ہے لائق توجہ نہ ہوگا، بلکہ نفسانی اختلاف کی جڑ اسی سے کٹے گی کہ کتاب و سنت کو حق کا معیار تسلیم کیا جائے، اس سے باہر جو کچھ ہوگا وہ ناحق ہوگا۔ فطری اختلاف جو حق کی خاطر ہوگا اس میں آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ اس اختلاف میں گراوٹ، دھاندلی بازی اور تشدد ہرگز نہ ہوگا، اگر اختلاف گراوٹ کیساتھ ہے۔ اگر اختلاف میں دھاندلی اور تشدد ہے تو سمجھ لینا چاہیے یہ وہ اختلاف ہرگز نہیں ہے جو اہل حق کے درمیان ہو جایا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اختلاف سے بچائے کہ اسمیں انتشار و پراگندگی کے سوا خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے۔

مومن کا رویہ

سیرت کی کتابوں میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ آپ نے پڑھا ہوگا کہ ایک بار ایک شخص آپ کو برا بھلا کہنے لگا اور خواہ مخواہ آپ کی توہین کرنے لگا۔ اس وقت وہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے۔ آپ خاموشی سے سنتے رہے اور حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی اسکی بے ہودگیوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن کب تک؟ تھوڑی دیر بعد حضرت صدیق اکبرؓ کو بھی غصہ آگیا اور آپؓ نے بھی اسکی باتوں کا کچھ جواب دیا۔ جب حضرت صدیق اکبرؓ اسکے جواب میں کچھ فرمانے لگے تو آنحضرتؐ وہاں سے ہٹ گئے۔ کچھ دیر بعد جب معاملہ رفع دفع ہوگیا اور حضرت صدیقؓ نبیؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ شخص مجھے ناحق برا بھلا کہہ رہا تھا اس وقت تو آپؐ کچھ نہ فرمایا نہیں لیکن جب میں نے اسکی کچھ باتوں کا جواب دیا تو آپ وہاں سے تشریف لے آئے، یہ کیا بات ہوئی؟

نبیؐ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اسکی زیادتیوں کی پر خاموش تھے تو اللہ کے فرشتے تمہاری حمایت کر رہے تھے اور اس شخص کے حق میں بد دعا کر رہے تھے لیکن جب تم نے معاملہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا تو رحمت کے فرشتے چلے گئے اور معاملے کا سرا شیطان نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ شیطان کی موجودگی میں مجھے وہاں ٹھہرنا کچھ اچھا نہ لگا۔

نبیؐ کی بات سنکر صدیق اکبرؓ بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے فوراً محسوس کر لیا کہ ایسے موقعوں پر ایک سچے مومن کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔

٥

دشنام اگر دہد خسیسے — چارہ نبود بجز شنیدن

گر پائے کسے سگے گزیدہ — با سگ نتواں دہن گزیدن

اگر کوئی کمینہ شخص کسی کو گالی دے تو سوائے سن لینے کے اور کیا ہو سکتا ہے اگر کتا کسی کے پیر میں کاٹ لے تو کوئی بھی بدلے میں کتے کو نہیں کاٹ سکتا۔

فضیل الرحمٰن

انہوس ہے پچھلے چند مہینوں میں ہمیں اپنے تین بزرگوں کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ ان میں سے ایک —— دارالعلوم دیوبند کے دیرینہ مدرس استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید میاں اختر حسین صاحب (ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند) تھے۔ مولانا اختر حسین صاحب جو دارالعلوم میں "میاں صاحب" کے نام سے پہچانے جاتے تھے محدث دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا سید میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے تھے۔ مولانا اختر حسین صاحب کا اصل نام سید محمد عباس تھا ۲۳ رجب ۱۳۱۴ھ بروز پنجشنبہ آپ کی ولادت ہوئی اور کم و بیش پچپن برس دارالعلوم کی خدمت کر کے طویل بیماری اور معذوری کے بعد یکم ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ بعد نماز فجر اپنے رب سے جا ملے۔ راقم الحروف نے ان سے "ہدایہ" پڑھی تھی، موصوف کا درس ہدایہ بہت مشہور تھا اور حق تو یہ ہے کہ اس کتاب کا حق ادا کر دیتے تھے، ان کی مجلس درس بڑی باوقار ہوا کرتی تھی، دارالحدیث کی جنوبی درس گاہ طلبار سے کھچا کھچ بھری رہتی تھی، موصوف ایک مسئلہ ختم کرنے کے بعد بڑے خاص انداز میں گنگنی سی آواز سے فرمایا کرتے تھے "ہوگیا یہ بھی مسئلہ —— اور آگے پڑھو" —— ایسے میں عبارت پڑھنے والے کو بڑا چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ "آگے پڑھو" کا دا ختم ہوتے ہی اگر عبارت شروع نہ ہوئی —— تو خاص انداز میں فرماتے تھے "کیا سو رہی ہے؟" درس میں ہر طالب علم پر پوری نگاہ ہوتی تھی ذرا غفلت ہوئی اور مولانا نے پوچھا سبق کہاں ہو رہا ہے؟ ان کے درس میں ہر طالب علم کو پوری طرح متوجہ رہنا پڑتا تھا۔

مولانا مرحوم کسی کا ہدیہ قبول نہ کرتے تھے —— دارالعلوم میں مدرس ہو جانے کے بعد میں نے بھی کوئی چیز پیش کی تو حیا مجھ مرحوم اور حضرت والد صاحب قبلہ کے تعلق سے قبول فرما لی یہ ان کی راقم الحروف پر ایسی شفقت تھی جو کسی دوسرے کے ساتھ نہ تھی۔ والد صاحب سے خاص تعلق تھا جب حاضر ہوتا اپنے دست مبارک سے پان بنا کر ضرور کھلاتے تھے —— مالیر کوٹلہ آنے لگا تو اپنے مجربات میں سے ایک خاص تعویذ عنایت فرمایا اور اس کی اجازت دی، اس کے ساتھ سورہ مزمل شریف کی بھی اجازت دی۔ دیر تک دعائیں دیتے رہے، اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے، اب ایسے شفیق اور متقی بزرگ کہاں دیکھنے کو ملیں گے۔ دارالعلوم دیوبند میں ان کا وجود باعث خیر و برکت تھا۔

○ ہمارے دوسرے بزرگ ہند و پاک اور عالم اسلام کے معروف عالم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری تھے۔ مولانا بنوری کو میں نے سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں سنہ ۶۲ء میں دیکھا ایک روز حرم پاک میں داخل ہو رہا تھا کہ صحن کعبہ

میں سامنے سے ایک سرخ و سفید رنگ بارعب شخص کو آتے دیکھا
خود بخود دل چاہا کہ ان سے ملا جائے، تعارف ہوا تو معلوم
ہوا کہ مولانا یوسف صاحب بنوری ہیں، نہایت محبت سے
پیش آئے، جدامجد کے تعلق سے انتہائی مسرت کا اظہار کیا۔

مرحوم ۶ر ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹۰۸ء بروز
جمعرات پشاور میں پیدا ہوئے تھے، ان کے والد سید زکریا
صاحبؒ ایک بلند پایہ عالم تھے، اپنے والد اور کابل کے کچھ
علماء سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۳۴۵ھ میں
دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، دو برس دورۂ حدیث کی
موقوف علیہ کتابوں کا درس لینے کے بعد حضرت علامہ انورشاہ
کشمیری کے درس میں شریک ہوئے، دو تین برس مصر میں رہ کر
فیض الباری اور نصب الرایہ کتابیں چھپوائیں اور اس دوران
وہاں کے اہل علم اور کتب خانوں سے خوب خوب استفادہ
کیا، مولانا عربی، فارسی، اردو اور پشتو چاروں زبانوں
کے ادیب خطیب تھے، متعدد کتابیں تصنیف کیں، ان کتابوں
کے علاوہ آپ کی ایک بڑی علمی یادگار نیو ٹاؤن کراچی میں
آپ کا قائم کردہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ ہے جو اپنی شان کا ایک
نیا مدرسہ ہے۔

۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۷ء کو عالم اسلام کی یہ عظیم شخصیت
اہل علم کو روتا چھوڑ کر چلی گئی، اللہ تعالی جنت کے اعلیٰ
مراتب عطا کرے۔

© ۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۷ء ہی کو ہمارے ایک بزرگ قاری
محمد یعقوب صاحب ۸۸ سال کی عمر میں کراچی میں رحلت فرماگئے
قاری صاحب حضرت جدامجد مرحوم کے اول خلیفہ حضرت
مولانا قاری محمد اسحٰق صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے
صاحبزادے تھے، بڑے صاحبزادے قاری محمد یوسف
صاحب ۱۹۷۱ء میں فوت ہو چکے تھے، دونوں بھائی جدامجد
مرحوم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ سے بیعت تھے، بچپن
میں والد صاحب کے ہمراہ حضرت مولانا قاری محمد اسحاق صاحب
کی رہائش گاہ پل بنگش دہلی جایا کرتا تھا، اس کے دھندے
دھندلے نقوش آج بھی ذہن پر ثبت ہیں، قاری صاحب مرحوم
کی نورانی مجلسیں، قاری یعقوب صاحب کی مہمان نوازی، سفر حج
میں قاری یعقوب صاحب کی میرے ساتھ غیر معمولی شفقت یہ سب
واقعات یاد آ کر رلاتے رہیں گے، اللہ تعالی کروٹ کروٹ جنت نصیب
فرمائے، قاری یعقوب صاحب جنکو ہم سب بھائی تائے ابا کہتے تھے
ہم ان کو بھول نہیں سکتے۔

بقیہ: حضرت محمدؐ کا پیغام

کی پیروی کرنا چھوڑ دے، آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ میں جو کچھ کہتا
ہوں اور جو کچھ کرتا ہوں وہ سب اللہ کی ہدایت کے مطابق
کرتا ہوں، اس لئے میری پیروی کرنا گویا خدا کی پیروی کرنا
ہے۔

آخری اہم بات جو حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغام
کے طور پر دنیا کو بتائی وہ یہ ہے کہ لوگو! تم سب خدا کے سامنے
جوابدہ ہو، تم ایسے آزاد نہیں ہو کہ جو تمہاری مرضی میں آئے
تم کرتے رہو اور کوئی تمہیں پوچھنے والا نہ ہو بلکہ تم اپنے ایک
ایک کام اور اپنی ایک ایک بات اور اپنی زندگی کے سارے
اعمال کا حساب اپنے خالق اور معبود کو دینے والے ہو مرنے
کے بعد تمہیں زندگی بخشی جائے گی اور تمہیں اپنے رب کے سامنے
جوابدہی کیلئے پیش ہونا پڑے گا، اس وقت اگر تم
نے نیک اعمال کئے ہوں گے تو تمہیں نعمتوں بھری جنت
میں داخل کر دیا جائے گا اور اگر تمہاری زندگی برائیوں
سے بھری ہوگی تو تمہیں جہنم میں جھونک دیا جائیگا جہاں
پر وہ مصیبت تمہارے لئے ہوگی جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے

●●

خدا کی ہستی پر عقل اور فطرت کی شہادت

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

قرآن شریف میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات اور خود حضرت انسان کے اندر ایسی نشانیاں رکھی ہیں جو اس ذات یکتا کی ہستی پر گواہی دیتی ہیں،

چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

(۱) سَنُرِیْھِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِھِمْ ،

(۲) وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ -

(۱) ہم عنقریب ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے آفاق میں بھی اور خود ان کی اپنی ہستی میں بھی،

(۲) اور ہم نے خود تمہارے اندر نشانیاں رکھی ہیں پس کیا تم غور نہیں کروگے -

یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی دلیل خواہ خطابی ہو یا برہانی[1] ہمارے اندر حق الیقین یا ایمان کامل نہیں پیدا کر سکتی کیونکہ دلائل کا تعلق عقل و حواس سے ہے اور اللہ تعالیٰ ان دونوں کی دسترس سے بالاتر ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ کائنات اور اپنے آپ میں غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر ضرور پہونچ سکتے ہیں کہ ایک مدبر اور حکیم، قادر مطلق اور عالم الغیب ہستی ضرور ہے جو اس کائنات کو چلا رہی ہے، چنانچہ داکبرؔ فرماتے ہیں :-

" نظام عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اس کا بنانے والا "

عقل کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے - اب اگر کسی کو ایمان و ایقان کی آرزو ہو تو اس کے پیدا کرنے کی صورت دوسری ہے، ایمان اور ایقان (خلفائے راشدین، صحابۂ کبار، اولیا اور صوفیائے کرام کا ایمان) منطقی بحثوں، فلسفیانہ بحثوں، کلامیہ نکتہ سنجیوں دار المطالعوں، بحث مباحثہ، سکولوں، کالجوں، لیبارٹریوں لیکچروں اور کتابوں سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ قلب کی صفائی سے حاصل ہوتا ہے اور تصفیہ قلب اور تزکیۂ باطن اطباع رسول سے پیدا ہوتا ہے -

اگر کوئی مرشد کامل مل جائے تب تو کیا کہنا

ع ؎ سفر و جادۂ صد باَ بے گاہے - لیکن اگر یہ کبریت احمر نہ ملے تو

---

[1] خطابی دلیل وہ ہوتی ہے جس میں انسان کی توجہ خود اس کی ذات، کائنات اور نوادر قدرت کی طرف مبذول کی جائے یعنی جو دل سے اپیل کرے برہانی دلیل وہ ہوتی ہے جس میں منطقی طور پر صغریٰ کبریٰ مرتب کر کے نتیجہ نکالا گیا ہو یعنی وہ دلیل جو دماغ سے اپیل کرے -

مناطقہ کے برخلاف قرآن پاک علت اور معلول، حادث اور قدیم کی بحث میں نہیں پڑتا کیوں کہ یہ باتیں سب محل نظر ہیں -

قرآن تو ایسی دلیلیں پیش کرتا ہے جو سننے والے کے دل میں اتر جاتی ہیں اور عالم اور جاہل دونوں کو تسلی عطا کرتی ہیں ٭

ملول ہونے کی ضرورت نہیں۔ قال الرسول صلعم ترکت
فیکم الثقلین کتاب اللہ وسنتی، بس مسلم اگر مومن
حقیقی بننا چاہے تو سرکار مدینہ کا دامن مضبوطی سے پکڑے
اور قرآن حکیم کا مطالعہ کرے انشاء اللہ منزل مقصود کو پہنچ
جائے گا۔

ہاں ہر ایک مبلغ اسلام کو ان دلائل سے بھی واقف
ہونا چاہیے تاکہ وہ غیر مسلم پر اتمام حجت کرسکے، اس لیے
ذیل میں ہم چند دلائل لکھتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو
ہم سے قریب الفہم بنانے کے لیے مہیا فرمادیے ہیں۔

(۱) زمین کے موجودات تین قسموں میں منقسم ہیں ایک
وہ جو زندگی رکھتے ہیں اور حرکت ارادی کے بھی مالک ہیں
مثلاً انسان، شیر، مچھلی، چڑیا وغیرہ۔ اس قسم کو حیوان کہتے
ہیں، دوسری قسم میں وہ مخلوقات ہیں جو زندہ تو ہیں
لیکن حرکت ارادی سے محروم ہیں، مثلاً درخت، تیسری قسم
وہ ہے جو نہ زندہ ہے اور نہ متحرک مثلاً پتھر۔

ظاہر ہے کہ یہ تینوں قسمیں ایک دوسرے سے
بالکل علیحدہ ہیں اور یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ پتھر کا ٹکڑا ترقی
کرکے گلاب کا پودا بن جائے، اور گلاب ترقی کرکے انسان
ہوجائے لیکن کس قدر حیرت انگیز امر ہے کہ اس ظاہری
اور باطنی اختلاف اور تفریق کے باوجود جب ان تینوں
(حیوان، نباتات، جماد) کی کیمیاوی تحقیق کی جاتی ہے تو
معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی بنیاد ایک ہی ہے یعنی یہ سب
کے سب پیدا ہوئے ہیں، ان مواد جامدہ سے جو نہ جان
رکھتے ہیں اور نہ حرکت ارادی رکھتے ہیں جن کا نام علمی
دنیا میں عناصر ELEMENTS ہے۔

آپ گیہوں کا دانہ زمین میں بوتے ہیں اور یہ دانہ مٹی
پانی اور ہوا سے بعض عناصر جذب کرکے رفتہ رفتہ درخت کی شکل
اختیار کرتا ہے جس سے وہی گیہوں پیدا ہوتا ہے، آپ لیموں
کا تخم بوتے ہیں اور لیموں ہی حاصل کرلیتے ہیں، مرغی کے
انڈے کو مدت معینہ تک گرمی پہونچا کر مرغی ہی کا بچہ حاصل کرتے
ہیں، اسی طرح مرغابی کے انڈے سے مرغابی نکلتی ہے تماشہ
یہ ہے کہ ان سب کی ترکیب انہی عناصر سے ہوئی ہے۔ جو
بے جان ہیں جن میں کوئی حرکت ارادی نہیں، لیکن کیا مجال
کہ گیہوں کے تخم سے نارنگی، اور طاؤس کے انڈے سے
سانپ پیدا ہوسکے، عناصر بے جان ہیں، لا یعقل ہیں یعنی
غیر ذوی الشعور ہیں، جامد ہیں، لیکن ہم کائنات میں ہر جگہ یہ اصول
پاتے ہیں کہ LIKE BREEDS LIKE یعنی گندم از گندم بروید
جو ز جو۔ از مکافات عمل غافل مشو، اور یہ بھی ظاہر ہے
کہ دنیا میں کوئی چیز دوسری چیز سے ملتی جلتی نہیں، ع
ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ پس سوال
یہ ہے کہ جب بنیاد سب کی ایک ہے تو یہ تفریق کیسی؟ اور
موجودات کی مختلف صورتوں میں یہ نیرنگی اور بوقلمونی کہاں
سے آئی؟

اہل علم اس راز کے دریافت کرنے کا صرف ایک ہی
طریقہ رکھتے ہیں اور وہ یہ کہ مختلف زندہ اجسام کو تحلیل کرکے
دیکھیں کہ حیوانات ونباتات وجمادات کے اجزائے حیات
میں کیا فرق ہے لیکن جب انہوں نے ایسا کیا تو انہیں
معلوم ہوا اور بہرحال وہ اسی نتیجہ پر پہونچے کہ تمام موجودات
خواہ وہ جان دار ہوں یا بے جان، چند عناصر بسیط سے
مرکب ہیں جو خود بے جان ہیں اور لا یعقل ہیں،

انہوں نے خیال کیا کہ شاید ان کو علیحدہ علیحدہ
کرنے سے یہ کیفیت پیدا ہوجاتی ہو لاؤ ان کو پھر ملا کر دیکھیں
لیکن ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب انہوں نے دیکھا
کہ جدا ہوجانے کے بعد وہ عناصر دوبارہ مل نہیں سکتے

اور اگر کسی طرح ان کو ملا بھی دیں تو آثار حیات پیدا نہیں ہوتے
ایک بلبل ہمارے سامنے چہک رہا ہے طرح طرح کے نغمے اس کی منقار سے پیدا ہو رہے ہیں، پاس ہی ایک گلاب کا درخت ہے جس کے پھولوں سے ہمارا دماغ معطر ہو رہا ہے وہیں پتھر کا ایک وزنی ٹکڑا پڑا ہے جسے ہم ہلا نہیں سکتے، جب ہم بلبل کو ہلاک کر کے اس کی ترکیب حیات معلوم کرتے ہیں، گلاب کا پھول توڑ کر اس کے عناصر دریافت کرتے ہیں، پتھر کو ریزہ ریزہ کر کے اس کے اجزاء کی تحلیل کرتے ہیں تو ان تینوں کے اجزا بالکل جامد ہیں، بے جان ہیں، غیر ذی شعور ہیں نہ آواز ہے نہ نغمہ نہ رنگ ہے نہ بو، نہ ثقل ہے نہ وزن اور ہماری سمجھ میں مطلق نہیں آتا کہ وہ کیا چیز تھی، جو بلبل کے حقیر جثہ میں دنیائے نغمہ، پھول کی نازک شکل میں ہنگامۂ نکہت اور پتھر کے سکون میں وزن اعصاب شکن کی کیفیت رکھتی تھی۔

جب تحقیق و تفتیش کی یہ صورت سائنسدانوں کو کسی نتیجہ پر نہ پہنچا سکی، تو انہوں نے جستجو کی اور ایک راہ اختیار کی یعنی خوردبین ایجاد کی۔ اس کے ذریعہ سے جب انہوں نے زندگی کے راز کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ زندہ اجسام میں بہت سے چھوٹے چھوٹے جراثیم (CELLS) پائے جاتے جو شفاف، بے رنگ اور لیس دار ہیں، مختلف شکل کے ہیں اور حیوانات کے اندر ہر وقت حرکت کرتے رہتے ہیں، ان کا مشغلہ یہ ہے کہ آس پاس سے موادِ جامدہ بطور غذا حاصل کرتے ہیں اور کسی ایسے مخفی طریقے سے جس کا علم انسان کو اس وقت تک حاصل نہیں ہوا، اس مواد کو زندگی بخشتے ہیں اور پھر اعصاب، شرائین اور عضلات کی شکل میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ نظام اس قدر مکمل اور باقاعدہ ہے کہ جو جراثیم ہڈیاں بنانے کے لئے متعین ہیں وہ ہڈی ہی بناتے ہیں، اب نہیں ہو سکتا کہ وہ پھول کی پتی بنا دیں،

ظاہر ہے کہ ان جراثیم کو حصول غذا کے لئے ایک ہی قسم کا ماحول نہیں ملتا، لیکن اس اختلاف کے باوجود نتیجہ یکساں ہوتا ہے یعنی پھل کی جگہ پھل اگتا ہے اور کونپل کی جگہ کونپل نکلتی ہے اور یہ جراثیم تمام اجسام میں اس قدر کثرت کے ساتھ پھیل کر جزو ہستی ہو جاتے ہیں کہ جسم کا کوئی حصہ بھی ان سے خالی نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ تمام جراثیم چند ابتدائی جراثیم سے پیدا ہوئے لیکن سوال یہ ہے کہ سب سے پہلا زندہ جرثومہ جو باقی جراثیم کی آفرینش کا باعث ہوا کیا ہے! اور اس میں حیات کہاں سے آئی؟ اور اس سے مختلف الکیفیات جراثیم کیسے پیدا ہو گئے؟

یہ سوال ایسا ہے جس کا جواب آج تک کسی بڑے سے بڑے عالم، حکیم، فلسفی، یا سائنسداں سے نہیں ہو سکا اور یہی عجز ہے جو انسان کو کسی برتر قوت کے تسلیم کرنے کی طرف مائل کرتا ہے۔

دوسری مثال پر غور کیجئے:۔

آپ کسی کارخانہ میں جائیں تو دیکھیں گے کہ بڑے بڑے پہیے ہر وقت گردش میں ہیں، بہت سے آلات ادھر ادھر تیزی سے حرکت کر رہے ہیں اور مشین کے تمام پرزے منظم طریق پر اپنا اپنا کام کر رہے ہیں، یہ دیکھنے کے بعد کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کسی کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ یہ تمام حرکت جنبش نظم و عمل خود بخود ہو رہا ہے یقیناً عقل انسانی اس کا سبب دریافت کرے گی اور جب اس کو معلوم ہو گا کہ یہ سب اس بھاپ کی قوت سے ہو رہا ہے جو کوئلہ اور پانی کی مدد سے پیدا کی جاتی ہے تو وہ

مطمئن ہو جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ جب ایک معمولی مشین کا وجود اور اس کی حرکت بغیر کسی موجد اور محرک کے نہیں ہو سکتی تو قدرت کے یہ بے شمار مظاہر و آثار اور موجودات کی کروڑوں صورتیں کس طرح از خود ظہور میں آسکتی ہیں؟۔

آپ ان چھوٹے چھوٹے جاندار کیڑوں کو لیجئے، جن کو نگاہ نہیں دیکھ سکتی یہ اسی طریق پر پیدا ہوتے ہیں جس پر حیوانات اور ذی حیات مخلوق پیدا ہوتی ہے، بڑھتی ہے اور فنا ہو جاتی ہے، علم انسانی نہ آج تک ان کی حقیقت آفرینش کو دریافت کر سکا اور نہ ان چھوٹے کیڑوں میں سے کسی کی ٹانگ تک بنا سکا۔

انسان ہوا میں اڑ سکتا ہے، برق، کہربا کی مدد سے دنیا پر حکمرانی کر رہا ہے، تمام جمادات اور نباتات اور حیوانات کو مسخر کر چکا ہے، ایجادات اور اختراعات کی وجہ سے اس نے دنیا کا نقشہ ہی بدل دیا ہے، مگر آپ دنیا جہان کے ماہرین کیمیا، حیاتیات، طبعیات کو جمع کر کے دریافت کیجئے کیا وہ مچھر کی آنکھ بنا سکتے ہیں۔؟

انسان کا یہی اعتراف عجز، یہی حیرانی، یہی بیچارگی ہمیں کسی فوق البشر ہستی کے وجود کا پتہ دیتی ہے اور غور کرنے کے بعد ایک عقلمند آدمی امام رازی کی ہمزبانی پر مجبور ہو جاتا ہے کہ خدا کو پہچاننے کے لئے نہ کسی دلیل کی ضرورت ہے نہ برہان کی کیونکہ کائنات کے ایک ایک ذرہ کی تکوین خدا کی ہستی پر گواہ ہے،

ہم بیان کر چکے ہیں کہ تمام زندہ اجسام، شفاف اور لیس دار جراثیم سے بنتے ہیں اور ان جراثیم کی کیمیاوی ترکیب پر غور کیجئے۔

آپ کو معلوم ہے کہ یہ جراثیم چار عناصر بسیطہ کے مرکب ہیں، آکسیجن، ہائیڈروجن، نائیٹروجن اور کاربن کاربن ایک زہریلی گیس ہے، آکسیجن اجسام کو مشتعل کرنے والی گیس ہے۔ ہائیڈروجن اور نائٹروجن بھی شعاعی گیس ہیں جو آکسیجن سے ہلکی ہوتی ہیں یہ عناصر باہم ایک دوسرے کی ضد ہیں، لیکن ان کے امتزاج سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں وہ اسکول کے طلبہ کو بھی معلوم ہیں، یعنی جب آکسیجن اور ہائیڈروجن دونوں ملتے ہیں تو پانی بن جاتا ہے نائٹروجن اور آکسیجن کے ملانے سے تیزاب پیدا ہو جاتا ہے۔ آکسیجن اور کاربن جب ملیں گے تو زہریلی گیس بن جائے گی، اگر چاروں کو ملا دیں تو انہی اشکال میں سے کوئی شکل پیدا ہوگی۔ جو یقیناً حیات انسانی کیلئے مفید نہیں ہے

اب سوال یہ ہے کہ وہ کیا چیز ہے جو ان متضاد عناصر کو مخلوط کر کے جراثیم پیدا کر دیتی ہے، جن میں زندگی ہوتی ہے اور زندگی کہاں سے آجاتی ہے، اگر ترکیب کا نتیجہ ہے تو ہمارے ترکیب دینے سے کیوں نہیں ظاہر ہوتی؟ اور ان جراثیم میں یہ اہلیت اور صلاحیت کہاں سے آجاتی ہے کہ مرغی بنانے والے جراثیم کبھی بلی نہیں بناتے! کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ طائر بنانے والے جراثیم انسان بنانے لگیں

دوسرا سوال یہ ہے کہ ان غیر ذی عقل عناصر میں یہ لیاقت کہاں سے آگئی کہ کائنات میں عقل و خیر، حسن اور صداقت ہر جگہ جلوہ گر کر دیں؟ کیا ان عناصر میں۔
(TRUTH, BEUTY AND Goodness
کہیں پائی جاتی ہے، تو جو چیز اجزا میں نہیں وہ مرکب میں کہاں سے آگئی اور یہ نظم و نسق کس طرح پیدا ہو گیا۔

اگر یہ نظم و اہتمام جسے ہم مسلمان، مشیت ایزدی کہتے ہیں نہ ہو تو آکسیجن ہمارے اجسام کو جلا کر خاک سیاہ کر دے، اور ہائیڈروجن تمام دنیا کو پانی کی

شکل میں تبدیل کر دے، اور نائٹروجن ہر جگہ تیزاب کا کام کرے اور کاربن حیات کا نام دنیا سے مٹا دے، کاشتکار گیہوں بوئے اور کھیتوں میں مینڈک پیدا ہوں، مرغی کو انڈوں پر بٹھائیں تو انڈوں میں سے سانپ بچھو نکل پڑیں الغرض نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خدا کو منطقی طور پر ثابت کرو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں امر کو ثابت کرو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے ان مسلمات کے مطابق کر کے دکھاؤ جو ہمیں پہلے سے مسلم ہیں۔ جن کی صحت و صداقت کے متعلق ہمیں شک نہیں ہے، یعنی اس امر کو ہمارے معتقدات کے مطابق دکھاؤ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اعتقاد ثبوت سے بالاتر ہے۔

ہر ثبوت کی بنیاد کسی نہ کسی اعتقاد پر ہے اس لئے اعتقاد کا درجہ ثبوت سے بلند تر ہے، کسی بات کو ثابت کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اسے کسی ایسی دوسری بات کے مطابق کر دیا جائے جسے ہم پہلے سے درست مانتے ہیں۔

اب اگر اس چیز کا ثبوت مانگا جائے کہ ہم اسے کیوں درست تسلیم کرتے ہیں تو وہ کسی دوسری مسلمہ شے کے مطابق ہوگی۔ اسی طرح بڑھتے چلیں تو آخر کار ہم ایسے اصولوں پر پہونچ جائیں گے جن کا ثبوت خود اپنے اندر رکھتے ہیں اور انہیں علوم متعارفہ کہتے ہیں (AXIOMATIC TRUTHS) لیکن ایک متشکک دہریہ سوال کر سکتا ہے کہ ان آخری اصولوں کے شک و شبہ سے بالاتر ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اس کا جواب اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ اگرچہ ہم منطقی طور پر ثابت نہیں کر سکتے۔ لیکن محسوس کرتے ہیں کہ وہ صحیح ہیں ہمیں ان کے غلط ہونے کا خیال ہی نہیں آتا، یہ ایک نفسیاتی نکتہ ہے جو بہت غور طلب ہے۔

(۲) کسی بات کا ثابت نہ ہو سکنا اس کے غلط ہونے کی دلیل نہیں ہے، کیوں کہ منطق اور عقل دونوں محسوسات ہی میں کارآمد ہو سکتی ہیں، بعض حقائق منطق سے بالاتر ہوتے ہیں مثلاً عام طور سے یہ بات مسلم ہے کہ اگر جینا چاہتے ہو تو موت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھو، لیکن ہیگل لکھتا ہے "اگر تم جینا چاہتے ہو تو مرنا سیکھو!" عام منطقی اصولوں سے یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی لیکن اس کے صحیح ہونے میں مجھے کسی قسم کا شک نہیں ہے۔

(۳) ایک منکر جب خدا کی ہستی کا ثبوت طلب کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے پہلے سے یہ فرض کر لیا ہے کہ دنیا میں یا اس کے پاس بعض اصول ایسے ہیں جن کو وہ بنیادی اصول سمجھتا ہے اور ان کی صحت و صداقت میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے، ہم سوال کرتے ہیں کہ تمہارے پاس یہ ماننے کی کیا وجہ ہے کہ تمہارے اصول "خدا کی ہستی" سے بھی زیادہ لائق اعتماد اور قابل یقین ہیں؟

وہ کہے گا کہ میری عقل کی ہدایت ہے، اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ عقل کی تعلیم ہمیشہ صحیح نہیں ہوتی اور عقل انسانی محدود ہے۔ رہے حواس وہ بھی بعض اوقات دھوکہ دے جاتے ہیں، پس یہ معیار لائق اعتماد نہیں ہے، علاوہ بریں حواس اور عقل تو عالم محسوسات میں چلتے ہیں، اور اس عالم کے علاوہ بھی ایک عالم ہے جو حواس کی دسترس سے بالاتر ہے، لاکھوں انسانوں کی گواہی ہمارے پاس موجود ہے کہ ایک ایسا عالم ہے۔ ورار العقل ہستی کو عقل سے معلوم کرنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسے ناک سے دیکھنے اور کان سے سونگھنے کی کوشش کرنا۔

(۴) ملحد جب ہم سے خدا کی ہستی کا ثبوت چاہتا ہے تو وہ یہ

پہلے فرض کر لیتا ہے کہ ثابت کرنے اور دلیل دینے والی طاقت
اس قابل ہے کہ خدا کو جان سکے، لیکن ہم اس سے یہ سوال
کرتے ہیں کہ تمہارے پاس اس اعتماد کا کیا ثبوت ہے ؟
ممکن ہے کہ تمہارا خیال غلط ہو۔

دنیا کے اکابر فلاسفہ اس امر میں متفق ہیں کہ انسان
کا شعور عقلی (INTELLECTUAL - CON-
SCIOUNESS) مظاہر فطرت کی تحقیق اور ان کے مابین ربط
قائم کرنے سے آگے نہیں بڑھ سکتا یعنی انسان کی
عقل کی پرواز مادیات کی حدود سے متجاوز نہیں ہو سکتی
اسی لئے کانٹ نے لکھا ہے کہ لفظ ثبوت کے عام معنوں
کے لحاظ سے خدا کی ہستی ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا
عقل و ادراک کی رسائی سے پرے اور بہت پرے ہے
کانٹ کے علاوہ کپل کا عقیدہ بھی یہی ہے لیکن کانٹ اور
کپل دونوں خدا پرست ہیں،

اگر میں یہ کہوں کہ میں تمہاری آواز کو دیکھ نہیں سکتا
یا تمہاری رنگت کو سن نہیں سکتا تو میں تمہاری رنگت
کی ہستی سے انکار تو نہیں کرتا،

(۵) جس دلیل نے مجھے ہمیشہ تسلی دی ہے وہ یہ ہے۔
(۱) اس کائنات میں ہر جانب اور ہر جا نظم و تنظیم
نظر آتے ہیں،
(۲) نظم مستلزم ہے کسی ناظم کے وجود کو۔
(۳) لہٰذا کائنات کا لازماً کوئی ناظم ہے اور وہ با
شعور بھی ہے اور باحکمت بھی۔

اگر کائنات میں قانون کی حکومت نہ ہوتی تو آسمان و
زمین اور اجرام سماوی کے متعلق جو پیشگوئیاں کی جاتی ہیں
وہ کبھی صحیح نہ ہوتیں لیکن ہم رات دن مشاہدہ کرتے ہیں
کہ منجم کسوف و خسوف کے متعلق پیشگوئی کرتے ہیں اور
وہ صحیح ہوتی ہے، نظم و نسق اور قوانین یقیناً ایک منتظم اور
مقنن پر دلیل ہے۔

(۶) ایک اور دلیل جو تسلی بخشتی ہے یہ ہے کہ نظام جسمانی
اور خارج کائنات میں ایک زبردست مطابقت پائی
جاتی ہے، ایک دنیا انسان کے اندر ہے (اسی لئے اسے
عالم صغیر کہتے ہیں) اور ایک دنیا انسان کے باہر ہے، ان
دونوں دنیاؤں میں مطابقت پائی جاتی ہے، بیرونی
دنیا کا نظام ایسا ہے کہ یہاں تنازع للبقا کا "راج"
ہے، اور کوئی شخص اپنی حفاظت نہ کرے تو وہ ہلاک
ہو جائے گا۔ اس کے بالمقابل ہمارے اندر اپنے جسم
و جان کو محفوظ رکھنے کی زبردست خواہش پائی جاتی ہے
کیونکہ دنیا کا نظام ہی اس قسم کا ہے کہ جب تک
ہم اپنے آپ کو پیار نہ کریں اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے
لئے کوشش نہ کریں اس وقت تک ہم زندہ نہیں رہ
سکتے، یہ مطابقت اس امر پر دال ہے کہ کائنات کا
انتظام، غیر ذی شعور اور غیر مدرک "سالمات" کے ہاتھ
میں نہیں بلکہ ایک ذی شعور اور مدرک ہستی، اس کائنات
کے پس پردہ کارفرما ہے،

ہربرٹ اسپنسر (۱۹۰۲-۱۸۲۰) اس مطابقت سے
بہت متاثر ہوا ہے، وہ لکھتا ہے کہ اندرونی اور بیرونی دنیا
میں جو اصول کام کر رہا ہے وہ ایک ہی ہے اور قادر مطلق
ہے، غیر محدود، لامتناہی اور ازلی ہے اس سے زیادہ ہم
کچھ نہیں جان سکتے کہ ایک اصول علی الاطلاق یا فوق الکائنات
طاقت ہے جو قادر مطلق اور غیر ممکن الفہم ہے،

بہرحال ایک ازلی مطلق اور مدبر طاقت کے وجود کا
اسپنسر کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔

(۷) مسئلہ ارتقا بھی خدا کی ہستی پر گواہ ہے، کائنات

میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک مصرف اور ہمارے جس قدر
حواس ہیں ان کیلئے میدانِ عمل موجود ہے، یہ نہیں کہ خوشبو ہو
اور سونگھنے کا آلہ نہ ہو یا ناک ہو اور بو نہ ہو، تو جب جسمانیات
میں یہ باطنی اور خارجی مطابقت پائی جاتی ہے، تو خیالات
اور روحانیات میں بھی یہی اصول ہونا چاہیئے اگر کوئی خیال
انسانی دماغ میں مضبوطی کے ساتھ جما ہوا ہے تو گمان غالب
یہی ہے کہ اس خیال کا جواب یعنی امر واقعی خارج میں موجود
ہے،

اب خدا کے خیال کی وسعت اور ہمہ گیری اور عالمگیریت
تو روز روشن کی طرح ظاہر ہے، اگر خدا کی ہستی کا یقین
اس قدر عام ہے (کہ تمام ترقی) اور لاکھوں برس سے انسانی
روح میں جلوہ گر چلا آتا ہے تو ماننا پڑتا ہے کہ اس "یقین"
کا خارج از ذہن انسانی، جواب بھی موجود ہو۔ EAKIT
جو مسئلہ ارتقا کے زبردست حامیوں میں سے ہے، اس
دلیل کو بہت وزنی خیال کرتا ہے۔

(۸) حسن وجمال جو اس کائنات میں پایا جاتا ہے
وہ بھی خدا کی ہستی پر دلالت کرتا ہے، قطع نظر اس امر
سے کہ اگر ایک طرف ہمارے اندر حسن سے لطف اندوز
ہونے کی صلاحیت ہے تو دوسری طرف کائنات میں اس
کے ہر ذرّہ میں حسن موجود ہے، خود ہمارے اندر حسن وجمال
سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت یہ بتاتی ہے کہ کوئی
حسین وجمیل قادرِ مطلق ہستی اس کائنات پر حکمراں ہے۔
جس نے انسان کی زندگی کو اعلیٰ بنانے کے لئے اور جذبات
عالیہ کی پرورش کیلئے کائنات کے ذرہ ذرہ میں حسن بھر
دیا ہے، بے شعور مادّے کو حسن وجمال سے کیا علاقہ؟
آواز تو ہے ہی مگر اس میں سُریلا پن بھی ہے جو ہمارے دل
کو موہ لیتا ہے۔

اسی لئے بعض صوفیا نے کہا ہے اَللّٰہ جمیل و
یحب الجمال۔

(۹) محبت بھی جس کی بہترین مظہر ماں ہے ہماری
توجہ اس طرف مبذول کرتی ہے کہ کائنات کی علت کوئی
محبت کرنے والی ہستی ہے، مادہ بے شعور اور جامد ہے
اس میں محبت کی صلاحیت نہ تھی اور نہ ہے۔

(۱۰) ضمیر یا حسِ اخلاق کی گواہی بھی خدا کی ہستی پر ایک
روشن دلیل ہے، کانٹ کے نزدیک تو "THE
STARRY HEAVENS WITHOUT
AND THE MORAL LAW WITHIN"
یہ دو چیزیں خدا کی ہستی پر زبردست گواہ ہیں اور قرآن
مجید نے ان دونوں کی طرف توجہ دلائی ہے، چھوٹی سی بستی
کے لئے ایک سمجھدار انسان کی ضرورت ہوتی ہے تو اس قدر
وسیع کائنات کا انتظام آپ ہی آپ کیسے ہو رہا ہے۔؟
پھر انسان اپنے اندر غور کرے، کیا ایک قوت اس کے اندر
ہر لحظہ کارفرما نہیں، جو اسے نیکی کی طرف مائل کرتی ہے
اگر خدا نہیں تو پھر نیکی کا تصور کہاں سے آیا؟ اگر کوئی
معیار نہیں تو پھر نیک بننے کی کیا ضرورت ہے؟ اس
کے جواب میں کہا جائے گا کہ نیکی سے دنیا میں امن قائم
ہوگا، میں کہتا ہوں اس سے کیا فائدہ! مجھے تو بدامنی
میں لطف آتا ہے، دہریہ کے پاس میرے اس سوال
کا کیا جواب ہے؟

جب خدا نہیں تو ذمہ داری کیسی اور کیوں؟
دہریہ کے نزدیک امن وامان "اچھی عمدہ مفید یا ضروری
چیز ہے میرے نزدیک نہیں" مجھے تو بدامنی میں لطف
آتا ہے کیوں کہ خواہشات کی تکمیل بدامنی میں زیادہ
آسانی سے ہو سکتی ہے اور مجھے نیک بننے کی ضرورت

بقیہ ص

ویسے تو انسانیت کی فلاح اور سماج کی بہبود کے لئے اسلام نے جو اصول دیئے ہیں وہ سب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہی ہیں جو انہوں نے ساری دنیا کو دیا ہے لیکن ان میں کچھ باتیں اپنی اہمیت اور نوعیت کے لحاظ سے خصوصیت کا درجہ رکھتی ہیں ہم وہی آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ نے اپنا پیغام یہ کہہ کر پیش نہیں کیا کہ یہ میری بات ہے، لوگ اسے مانیں، بلکہ انہوں نے فرمایا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، وہ خدا کی طرف سے کہہ رہا ہوں اور میرا پیغام خدا کا پیغام ہے جو اس نے میرے ذریعہ سے اپنے بندوں کو دیا ہے،

دوسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ میں کوئی نرالی بات نہیں کہہ رہا ہوں، میری بات وہی ہے جو پہلے دن سے اللہ کے ہر رسول نے پیش کی ہے، اللہ کے یہ رسول ہر زمانے اور ہر دیش میں آئے ہیں اور انہوں نے وہی پیغام اللہ کے بندوں کو دیا ہے جو میں دے رہا ہوں، یہ بات دوسری ہے کہ زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کی باتیں کچھ ادل بدل گئی ہیں،

تیسری بات جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی وہ یہ ہے کہ میرا پیغام چونکہ خدائی پیغام ہے، اس لئے وہ کسی خاص قوم یا کسی خاص ملک کیلئے نہیں ہے بلکہ دنیا کے سارے انسانوں کیلئے ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ نے واحدانیت کا بہت جامع اور وسیع ترین تصور پیش فرمایا اور اسے سب سے مقدم قرار دیا، واحدانیت کا یہ تصور صرف اتنا نہیں ہے کہ اللہ ہے اور وہ ایک ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا تنہا پیدا کرنے والا مالک اور اس کا انتظام کرنے والا اور آقا اور حاکم صرف اللہ ہی ہے، پوری کائنات میں کوئی دوسری ہستی ایسی نہیں ہے جو ان حیثیتوں میں کسی طرح بھی اس کی شریک ہو اس عقیدے کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے کو صرف اللہ کا بندہ سمجھے اور اسی کے بتائے ہوئے حکموں کی پیروی کرے، اسی کے آگے سر جھکائے، اسی کو زندگی موت کا مالک سمجھے۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ نے اپنی حیثیت بھی ایک بندے کی حیثیت بتائی اور صاف صاف یہ کہہ دیا کہ میں اللہ کا نبی ہوں اور سب سے پہلے میں خود خدا کے بھیجے ہوئے قانون کا پابند ہوں، میں اپنی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا اور یہی پیغام میں ساری انسانیت کو دے رہا ہوں کہ وہ صرف خدا کی ہدایات کی پابندی کرے اور اس کے سوا دوسروں کے احکام

(باقی صفحہ پر)

سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ میں

مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط
(فاضل دیوبند۔ ایم اے) — نائب مفتی دار العلوم دیوبند

دشمنوں کی اولاد سے حسنِ سلوک و اخلاق

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کھلے دشمنوں اور ان کی اولاد کے ساتھ بھی اخلاقِ عالی اور حسنِ سلوک کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ آپ کے مدینہ طیبہ ہجرت فرمانے سے پہلے اور بعد میں یہود کی دشمنی معروف ہے یہ لوگ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے سخت ترین دشمن اور خون کے پیاسے تھے، جب بھی موقعہ پڑا کھل کر اور چھپ کر دشمنی سے باز نہ آئے اور معاہدہ سے پھر گئے۔

ہجرت کے بعد یہود کی وعدہ خلافیوں دشمنی کے علی الاعلان اظہار اور مقابل آنے کے نتیجہ میں رسول اللہ نے قبائل یہود بنو نضیر اور بنو قینقاع کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا تھا۔

یہ قبائل خیبر نامی جگہ پر آباد ہو گئے تھے اور مسلمانوں کے خلاف ان کی ریشہ دوانیاں تیز ہو گئی تھیں، یہود تجارت پیشہ اور خوشی سے تھے، انہوں نے خیبر میں بہت سے مضبوط قلعے بنا کر خود کو محفوظ کر لیا تھا۔

۷ھ میں جب ان کے چیلنج اور ریشہ دوانیاں حد سے بڑھ گئیں تو مسلمانوں نے اللہ کا نام لیکر ان پر چڑھائی کر دی اور غزوۂ خیبر پیش آیا، مسلمان کامیاب ہوئے اور فتح و کامرانی، اسلام کا جھنڈا لہرایا گیا، یہود کے بہت سے سردار لڑائی میں کام آئے یہود کا سردار حی بن اخطب بھی مارا گیا، اور بہت سامانِ غنیمت ہاتھ آیا حی کی بیٹی صفیہ بھی اسیروں میں تھیں، لوگوں نے عرض کیا کہ صفیہ یہود کے سردار کی بیٹی ہیں، اگر حضورؐ عقد فرمالیں تو یہودیوں پر اس کا خوشگوار اثر پڑے گا اور صفیہ کی دلجوئی و دلداری بھی ہو جائے گی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حی کی دشمنی کی باوجود اس کی اولاد پر شفقت فرمائی اور صفیہ کی دلجوئی اور عطائے اعزاز و شرف کی خاطر عقد فرمالیا، اور صفیہ اس طرح ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہو گئیں۔

مساوات و اخلاق کا نمونہ

غزوۂ بدر ۲ھ میں پیش آیا، یہ غزوہ وہ پہلا معرکہ کارزار تھا جس نے حق و باطل کا فیصلہ کر دیا اور آئندہ اشاعتِ اسلام کی راہ کافی حد تک ہموار کر دی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی اور مشرکین تقریباً ایک ہزار تھے، ادھر مسلمان بظاہر خستہ حال تھے، سواری کے جانور اور ہتھیار بھی پورے طور پر مہیا نہیں تھے اور ادھر مشرکین ہر طرح کے سامان سے لیس تھے مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ زبردست فتح نصیب ہوئی ستر کافر مارے گئے اور ستر اسیر ہوئے۔

ان گرفتار ہونے والے لوگوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے، یہ خفیہ طور پر اسلام لے آئے تھے اور مشرکین و کفار کیساتھ آنا نہیں چاہتے تھے مگر وہ لوگ انہیں کھینچ لائے۔

ان گرفتار شدہ لوگوں کے متعلق جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کے مطابق یہ فیصلہ ہو گیا کہ انہیں قتل نہ کریں بلکہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے تو حضرت عباسؓ سے بھی فدیہ کا مطالبہ ہوا،

حضرت عباسؓ بولے، اے اللہ کے رسول میرے پاس اس وقت کچھ بھی نہیں، پھر یہ کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔

رسول اللہؐ نے فرمایا، درست ہے آپ کے اسلام سے میں واقف ہوں، مگر ظاہری طور پر آپ مسلمانوں کے خلاف اور دشمن کے لشکر میں تھے اور آپ کے پاس وہ سونا موجود ہے جو آپ اپنی اہلیہ ام الفضل کو دے کر آئے تھے (بذریعہ وحی آپؐ کو علم ہو گیا تھا) حضرت عباسؓ بولے بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، میرے اس سونا دینے کا علم کسی تیسرے شخص کو نہیں تھا، اس کے بعد حضرت عباسؓ نے فدیہ دے کر رہائی حاصل کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کر سکتے تھے کہ حضرت عباسؓ کو فدیہ لئے بغیر چھوڑ دیتے اور صحابہ کرامؓ بھی اس کی بخوشی اجازت دیدیتے مگر آنحضورؐ نے اسے مساوات اور اخلاق عالی کے خلاف سمجھا اور بااصرار حضرت عباسؓ سے فدیہ وصول فرمایا، بے شک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مساوات عدل اور ارشاد ربانی " انک لعلیٰ خلق عظیم " کا حقیقی و کامل مظہر تھی۔

" نماز دین کا ستون ہے "

بقیہ — اعجاز القرآن

کبھی اسے پیہم لڑائیوں سے سابقہ پیش آیا جن میں شکست اور فتح دونوں ہی ہوتی رہیں، کبھی وہ دشمنوں پہ غالب آیا اور کبھی وہی دشمن جنہوں نے اس پر ظلم توڑے تھے اس کے سامنے سرنگوں نظر آئے کبھی اسے وہ اقتدار نصیب ہوا جو کم ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے، ان تمام حالات میں ایک انسان کے جذبات ظاہر ہے کہ یکساں نہیں رہ سکتے، اس رہنما نے ان مختلف مواقع پر خود اپنی ذاتی حیثیت میں جب کبھی کلام کیا اس میں ان جذبات کا اثر نمایاں نظر آتا ہے جو ایسے مواقع پر انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن خدا کی طرف سے آئی ہوئی وحی کے طور پر ان مختلف حالات میں جو کلام اس کی زبان سے سنا گیا وہ انسانی جذبات سے بالکل خالی کسی ایک مقام پر بھی کوئی بڑے سے بڑا نقاد انگلی رکھ کر یہ نہیں بتا سکتا کہ یہاں انسانی جذبات کار فرما نظر آتے ہیں،

۷ - جو وسیع اور جامع علم اس کتاب میں پایا جاتا ہے وہ اس زمانہ کے اہل عرب اور اہل روم و یونان و ایران تو درکنار اس بیسویں صدی کے اکابر اہل علم میں سے بھی کسی کے پاس نہیں ہے۔ آج حالت یہ ہے کہ فلسفہ سائنس اور علم عمران کی کسی ایک شاخ کے مطالعہ میں اپنی عمر کھپا دینے کے بعد آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ اس شعبہ علم کے آخری مسائل کیا ہیں اور پھر جب وہ غائر نظر سے قرآن کو دیکھتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں ان مسائل کا واضح جواب موجود ہے، یہ معاملہ کسی ایک علم تک محدود نہیں ہے بلکہ ان تمام علوم کے باب میں صحیح ہے جو کائنات اور انسان سے کوئی تعلق رکھتے ہیں کیسے باور کیا جا سکتا ہے

بقیہ صفحہ ۲۰۲ پر

ماخوذ

اس حقیقت کو نہایت وضاحت کیساتھ قرآن مجید میں بیان کر دیا گیا ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے، اس موضوع سے متعلق بیشتر آیات میں فقط اس اعلان پر اکتفا کیا گیا ہے کہ یہ کتاب اللہ کی جانب سے نازل کردہ ہے، لیکن بعض آیات داخلی شواہد و دلائل پر بھی مشتمل ہیں جن سے قرآن کا کلام الٰہی ہونا قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے۔

ان دلائل میں سر فہرست قرآن مجید کا وہ چیلنج ہے جو معترضین کو دیا گیا ہے، اور ان سے کہا گیا ہے کہ "اگر تم اس قرآن کو کسی انسان کی تصنیف سمجھتے ہو تو اس کی مانند کوئی کلام تصنیف کر کے دکھاؤ"۔

بعض لوگ اس چیلنج کی حقیقی نوعیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن ہی کیا کسی شخص کے اسٹائل میں بھی کوئی دوسرا شخص نثر یا نظم لکھنے پر قادر نہیں ہوتا ہو مزرومی، شیکسپیر، گوئٹے، غالب، ٹیگور، اقبال سب ہی اس لحاظ سے بے مثل ہیں کہ ان کی نقل اتار کر انہی جیسا کلام بنانا کسی کے بس میں نہیں ہے، قرآن کے چیلنج کا یہ جواب دینے والے دراصل غلط فہمی میں ہیں کہ فلیاتو بجلاث مثلہ کا مطلب قرآن کے اسٹائل میں اس جیسی کوئی کتاب لکھ دینا ہے حالانکہ اس سے مراد محض اسٹائل میں مماثلت نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس پائے اور شان اور اس مرتبے کی کوئی کتاب لے آؤ جو صرف عربی میں ہی نہیں دنیا کی کسی زبان میں خصوصیات کے لحاظ سے قرآن کی مدمقابل قرار پا سکے جن کی بنا پر قرآن ایک معجزہ ہے۔ مختصراً چند بڑی بڑی خصوصیات حسب ذیل ہیں جن کی بنا پر قرآن پہلے بھی معجزہ تھا اور آج بھی معجزہ ہے۔

۱۔ جس زبان میں نازل ہوا ہے اس کے ادب کا وہ بلند ترین اور مکمل ترین نمونہ ہے پوری کتاب میں ایک لفظ اور ایک جملہ بھی معیار سے گرا ہوا نہیں ہے جس مضمون کو بھی ادا کیا گیا ہے موزوں ترین الفاظ اور مناسب ترین انداز میں بیان کیا گیا ہے، ایک ہی مضمون بار بار بیان ہوا ہے اور ہر مرتبہ پیرایۂ بیان نیا ہے جس سے تکرار کی بدنمائی کہیں پیدا نہیں ہوتی اول سے لے کر آخر تک ساری کتاب میں الفاظ کی نشست ایسی ہے جیسے نگینے تراش تراش کر جوڑے گئے ہوں، کلام اتنا موثر ہے کہ کوئی زباں داں آدمی اسے سن کر سر دھنے بغیر نہیں رہ سکتا، حتیٰ کہ منکر اور مخالف کی روح بھی وجد کرنے لگتی ہے ۱۴ سو برس گزرنے کے بعد بھی آج تک یہ کتاب اپنی زبان کے ادب کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے جس کے برابر تو درکنار جس کے قریب بھی اس زبان کی کوئی کتاب اپنی ادبی قدر و قیمت میں نہیں پہنچتی یہی نہیں بلکہ یہ کتاب عربی زبان کو اس طرح پکڑ کر بیٹھ گئی ہے کہ ۱۴ صدیاں گزر جانے پر بھی اس زبان کا معیار فصاحت وہی ہے جو اس کتاب نے قائم کر دیا تھا

حالانکہ اتنی مدت میں زبانیں بدل کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہیں، دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں ہے جو اتنی طویل مدت تک املاء، انشا محاورے، قواعد، زبان اور استعمال الفاظ میں ایک ہی شان پر باقی رہ گئی ہو، لیکن یہ صرف قرآن کی طاقت ہے جس نے عربی زبان کو اپنے مقام سے ہلنے نہیں دیا اس کا ایک لفظ بھی آج تک متروک نہیں ہوا ہے، اس کا ہر محاورہ آج تک عربی ادب میں مستعمل ہے اس کا ادب آج بھی عربی کا معیاری ادب ہے اور تقریر و تحریر میں آج فصیح زبان وہی مانی جاتی ہے جو ۱۴ سو سال پہلے قرآن میں استعمال ہوئی تھی، کیا دنیا کی کسی زبان میں کوئی انسانی تصنیف اس شان کی ہے ؟

۲۔ یہ دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوع انسانی کے افکار، اخلاق تہذیب اور طرز زندگی پر اتنی وسعت اتنی گہرائی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی پہلے اس کی تاثیر نے ایک قوم کو بدلا اور پھر اس قوم نے اٹھ کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا، کوئی دوسری کتاب ایسی نہیں ہے جو اس قدر انقلاب انگیز ثابت ہوئی ہو، یہ کتاب صرف کاغذ کے صفحات پر لکھی نہیں رہ گئی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے ایک ایک لفظ نے خیالات کی تشکیل اور مستقل تہذیب کی تعمیر کی ہے ۱۴ سو برس سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے اور روز بروز اس کے یہ اثرات پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

۳۔ جس موضوع سے یہ کتاب بحث کرتی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ ازل سے ابد تک پوری کائنات پر حاوی ہے وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے، وہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور ناظم و مدبر کون ہے، کیا اس کی صفات ہیں، کیا اس کے اختیارات ہیں، اور وہ حقیقت نفس الامری کیا ہے جس پر اس نے یہ پورا نظام عالم قائم کیا ہے، وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام ٹھیک ٹھیک متشخص کر کے بتاتی ہے کہ یہ اس کا فطری مقام اور یہ اس کی پیدائشی حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے، وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور اس حیثیت کے لحاظ سے انسان کیلئے فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے، جو حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متصادم ہوتے ہیں، صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک گوشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیسے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے اور صحیح راستہ جو ہمیشہ سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہیگا کس ذریعہ سے اس کو معلوم ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانہ میں اس کو بتلایا جاتا رہا ہے وہ صحیح راستے کی صرف نشاندہی کر کے نہیں رہ جاتی بلکہ اس راستے پر چلنے کے لئے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد اخلاق، تزکیہ نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون غرض حیات انسانی کے ہر پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بیان کر دیا گیا ہے مزید برآں وہ پوری تفصیل کیساتھ بتاتی ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور ان غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے

عالم میں رونما ہونے والے ہیں وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرا عالم برپا ہونے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے اس تغیر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے دوسرے عالم کا پورا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیتی ہے اور پھر بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ وہاں انسان کیسے ایک دوسری زندگی پائے گا اور کس طرح اس کی دنیوی زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہوگا کن امور کی اس سے باز پرس ہوگی کیسی ناقابلِ انکار صورت میں اس کا پورا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، کیسی زبردست شہادتیں اس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی جزا اور سزا پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے. جزا پانے والوں کو کیسے انعامات ملیں گے اور سزا پانے والے کس کس شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے، اس وسیع مضمون پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا مصنف کچھ صغریٰ کبریٰ جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر رہا ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا مصنف حقیقت سے براہِ راست تعلق رکھتا ہے اس کی نگاہ ازل سے ابد تک سب کچھ دیکھ رہی ہے تمام حقائق اس پر عیاں ہیں کائنات پوری کی پوری اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، نوعِ انسانی کے آغاز سے اس کے خاتمہ تک ہی نہیں بلکہ خاتمہ کے بعد اس کی دوسری زندگی تک بھی وہ اس کو بیک نظر دیکھ رہا ہے اور وہ قیاس و گمان کی بنا پر نہیں بلکہ علم کی بنا پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے، جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کسی ایک کو بھی آج تک غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے جو تصورِ کائنات و انسان پیش کرتا ہے وہ تمام مظاہر و واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور ہر شعبہ علم میں تحقیق کی بنیاد بن سکتا ہے فلسفہ و سائنس اور علوم و عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات اس کے کلام میں موجود ہیں اور سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک مکمل مربوط اور جامع نظامِ فکر قائم ہوتا ہے پھر عملی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق انسان کو دی ہے وہ انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں بلکہ ۱۴ سو سال سے روئے زمین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجربے نے ان کو بہترین ثابت کیا ہے اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے. جسے اس کتاب کے مقابلہ پر لایا جا سکتا ہو؟

۴- یہ کتاب پوری کی پوری یک وقت لکھ کر دنیا کے سامنے پیش نہیں کر دی گئی تھی بلکہ چند ابتدائی ہدایات کے ساتھ ایک تحریک اصلاح کا آغاز کیا گیا تھا اور اس کے بعد ۲۳ سال تک وہ تحریک جن جن مرحلوں سے گزرتی رہی ان کے حالات اور ان کی ضروریات کے مطابق اس کے اجزاء اس تحریک کی رہنمائی کی زبان سے کبھی طویل خطبوں اور کبھی مختصر جملوں کی شکل میں ادا ہوتے رہے پھر اس مشن کی تکمیل پر مختلف اوقات میں صادر ہونے والے یہ اجزاء اس مکمل کتاب کی صورت میں مرتب ہو کر دنیا کے سامنے رکھ دیئے گئے جسے "قرآن" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے. تحریک کے رہنما کا بیان ہے کہ یہ خطبے اور جملے اس کے طبع زاد نہیں ہیں بلکہ خداوند عالم کی طرف سے اس پر نازل ہوئے ہیں، اگر کوئی شخص خود انہیں اس کے رہنما کے طبع زاد قرار دیتا ہے تو وہ دنیا کی پوری تاریخ سے کوئی نظیر ایسی پیش کرے کہ کسی انسان

سے سالہا سال تک مسلسل ایک زبردست اجتماعی تحریک کے بطور خود رہنمائی کرتے ہوئے کبھی ایک واعظ اور معلم اخلاق کی حیثیت سے، کبھی ایک مظلوم جماعت کے سربراہ کی حیثیت سے کبھی ایک مملکت کے فرمانروا کی حیثیت سے، کبھی برسرِ جنگ فوج کے قائد کی حیثیت سے، کبھی ایک شارع اور مقنن کی حیثیت سے، غرض بکثرت مختلف حالات اور اوقات میں بہت سی مختلف حیثیتوں سے جو مختلف تقریریں کی ہوں یا باتیں کہی ہوں وہ جمع ہو کر ایک مکمل مربوط اور جامع نظام فکر و عمل بنا دیں، ان میں کہیں کوئی تناقض اور تضاد نہ پایا جائے ان میں ابتدا سے انتہا تک ایک ہی مرکزی تخیل اور سلسلۂ فکر کارفرما نظر آئے اس نے اول روز سے اپنی دعوت کی جو بنیاد بیان کی ہو آخری دن تک اسی بنیاد پر وہ عقائد و اعمال کا ایک ایسا ہمہ گیر نظام بناتا چلا جائے جس کا ہر جزو دوسرے اجزاء سے کامل مطابقت رکھتا ہو اور اس مجموعہ کو پڑھنے والا کوئی صاحب بصیرت آدمی یہ محسوس کئے بغیر نہ رہے کہ تحریک کا آغاز کرتے وقت اس کے محرک کے سامنے آخری مرحلے تک کا پورا نقشہ موجود تھا اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ بیچ کے کسی مقام پر اس کے ذہن میں کوئی ایسا خیال آیا ہو جو پہلے اس پر منکشف نہیں تھا یا جس کو بعد میں اسے بدلنا پڑا۔ اس شان کا کوئی انسان اگر کبھی گذرا ہو جس نے اپنے ذہن کی خلاقی کا یہ کمال دکھایا ہو تو اس کی نشاندہی کی جائے۔

۵۔ جس رہنما کی زبان پر یہ خطبے اور جملے جاری ہوئے تھے وہ یکایک کسی گوشے سے نکل کر صرف ان کو سنانے کے لئے نہیں آ جاتا تھا اور انہیں سنانے کے بعد کہیں چلا نہیں جاتا تھا، وہ اس تحریک کے آغاز سے پہلے بھی انسانی معاشرے میں زندگی بسر کر چکا تھا اور اس کے بعد بھی وہ زندگی کی آخری ساعت تک ہر وقت اسی معاشرے میں رہتا تھا، اس کی گفتگو اور تقریروں کی زبان اور طرزِ بیان سے لوگ بخوبی آشنا تھے، احادیث میں ان کا ایک بڑا حصہ اب بھی محفوظ ہے جسے بعد کے عربی داں لوگ پڑھ کر خود بہ آسانی دیکھ سکتے ہیں کہ اس رہنما کا اپنا طرزِ کلام کیا تھا اس کے ہم زبان لوگ اس وقت بھی صاف محسوس کرتے تھے اور آج بھی عربی زبان کے جاننے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ اس کتاب کی زبان اور اس کا اسٹائل اس رہنما کی زبان اور اس کے اسٹائل سے بہت مختلف ہے حتیٰ کہ جہاں اس کے خطبے کے بیچ میں اس کتاب کی کوئی عبارت آ جاتی ہے وہاں دونوں کی زبان کا فرق بالکل نمایاں نظر آتا ہے سوال یہ ہے کہ دنیا میں کوئی انسان کبھی اس بات پر قادر ہوا ہے یا ہو سکتا ہے کہ سالہا سال تک دو قطعی مختلف اسٹائلوں میں کلام کرنے کا تکلف بناہتا چلا جائے اور کبھی یہ راز فاش نہ ہو سکے کہ یہ دو الگ اسٹائل دراصل ایک ہی شخص کے ہیں؟ عارضی اور وقتی طور پر اس قسم کے تصنع میں کامیاب ہو جانا تو ممکن ہے لیکن مسلسل ۲۳ سال تک ایسا ہونا کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ ایک شخص جب خدا کی طرف سے گفتگو یا تقریر کرے تو اس کی زبان اور اس کا اسٹائل بالکل ہی کچھ اور ہو۔

۶۔ وہ رہنما اس تحریک کی قیادت کے دوران میں مختلف حالات سے دوچار ہوتا رہا۔ کبھی برسوں وہ اپنے ہم وطنوں اور اپنے قبیلے والوں کی تضحیک، توہین اور سخت ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہا، کبھی اس کے ساتھیوں پر اس قدر تشدد کیا گیا کہ وہ ملک چھوڑ کر نکل جانے پر مجبور ہو گئے کبھی دشمنوں نے اس کے قتل کی سازشیں کیں، کبھی خود اسے اپنے وطن سے ہجرت کرنی پڑی۔

مسلسل

سیاستِ شرعیہ

ڈاکٹر ساجد علی خاں صاحب
لکچرار اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

سیاست شرعیہ کے بنیادی اصول اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کی اصلاح حال کی جائے، ان کے درمیان عدل و انصاف کو قائم رکھا جائے اور ان کو ایک صالح اور نیک زندگی گذارنے کی ہدایت کی جائے اس وجہ سے ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ بلاشبہ سیاست شرعیہ (اسلامی سیاست) ہی وہ سیاست ہے جو سیاست عادلہ پر قائم ہے اور اسی وجہ سے اس میں اتنی وسعت اور لچک رکھی گئی ہے تاکہ اصلاحی مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔

اس لئے یہ اعتراض کہ باوجود اتنی لچک اور وسعت کے مسلم حکومتیں اور دول اسلامیہ اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتیں، دراصل خود مسلمانوں کے تصور و کمزوری کو ظاہر کرتا ہے، اگر وہ لوگ اسلامی قوانین سے فائدہ نہ اٹھائیں تو یہ ان قوانین کی کمی کی دلیل نہیں ہے بلکہ عمل نہ کرنے والوں کی سستی اور کم فہمی کی دلیل ہے، اس لئے کہ اسلام نے نہ صرف احکامات دیئے ہیں بلکہ ان سے استنباط کرنے کے اصول بھی فراہم کئے ہیں جو مصالح انسانی کے اعتبار سے کامل اور اکمل ہیں اور جن پر عمل کرکے ہر مسلم حکومت ہر قسم کے قوانین عصریہ سے بے نیاز ہو سکتی ہے، مذاہب عالم میں صرف اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو اجتہاد و تعقل اور تفکر کی دعوت دیتا ہے اور قدم قدم پر لوگوں کو اس کیلئے آمادہ کرتا ہے کہ وہ پہلے سوچیں، سمجھیں اور پھر مانیں۔

اگر ایسے عالمی مذہب کے ماننے والے خود ہی آنکھیں بند کرلیں اور غور و فکر کرنے میں تساہل کریں تو اس میں خود ان کا قصور ہے۔

موجودہ مسلم مملکتوں کو صرف ایسی اسٹیٹ کہا جاسکتا ہے، جس کی زمام حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، اس حال میں جبکہ ان کا سیاستِ شرعیہ (اسلامی سیاست) سے کچھ واسطہ نہ ہو وہ صحیح معنی میں اسلامی حکومت ہونیکا اور اسلامی سیاست کو رائج کرنے کا دعویٰ کس طرح کرسکتی ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ کتاب و سنت سے بے بہرہ ہوکر اور کسی دوسرے شے کو بنیاد بنا کر مسلمان ایک مملکت کی تعمیر کرسکتے ہیں لیکن کیا ایسی مملکت کو اسلامی مملکت کہا جاسکتا ہے؟

بحیثیت پیغمبر آخرالزماں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعلیٰ درجہ کے مدبر حکومت بھی تھے، آپ نے وہ قانونی اور سیاسی کارنامے انجام دیئے ہیں جو تمام عالم کے انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہیں، آپ کی حیثیت اس زمین میں ــــ "خلیفۃ اللہ" کی ہے جس نے وحی الٰہی کی رہنمائی میں اجتماعی زندگی کے تمام فرائض انجام دیئے اور انسانی معاشرہ کی ان تمام امیدوں کو پورا کیا جن میں سے ہر ایک دنیا کیلئے ایک مثال بننے والی تھی "خلیفۃ اللہ" کی حیثیت سے آپ کے کارنامے حیرت انگیز ہیں، آپ کی

ذاتِ اقدس سیاسی دائرہ میں بھی نئے نئے اصول، قوانین، احکام، ہدایات اور اساسی تنظیمات کا سرچشمہ ہے جن کی بنیاد پر قدیم فطری تصورات ایک نئے اور متوازن نظام سے آشنا ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامی حکومت اپنی صحیح شکل، منہاج نبوت اور سچے آثار کے ساتھ خلفاء راشدین کے دور میں ملتی ہے، تاریخی واقفیت کے اعتبار سے اور صحیح اسلامی تعلیمات پر قائم ہونے کے اعتبار سے اس دور کو اسلامی حکومت کا عصر اول کہا جاتا ہے [1] اس دور میں بھی صدیق اکبرؓ اور عمر فاروقؓ کا دور ہر حیثیت سے ایک مثالی دور ہے جس کا اعتراف نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم مفکرین بھی کرتے ہیں، ایک اطالوی مفکر لاڈو کاؤنٹ ہنری دی کاسٹری اپنی کتاب الاسلام میں تحریر کرتا ہے۔

ابوبکرؓ اور عمرؓ نے اپنے ہاتھ میں سلطنت کی زمام لے کر اس کو چار چاند لگا دیئے اور سیاسی حکمت عملی کا ایک ایسا نقش پیش کر کے دکھایا جس نے ساری دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا، یہ کہنا بغیر کسی مبالغہ کے صحیح ہوگا، یہ دونوں مشرقی یونان کی بیزنطینی سلطنت کے جن حکمرانوں اور اعلیٰ کمانڈروں سے برسرجنگ تھے ان کے مقابلہ میں دونوں زیادہ مستقل مزاج، زیادہ انصاف پسند، زیادہ مدبر بار اور قانع، زیادہ شریف طبع، باعظمت جری، اولوالعزم اور زیادہ بلند مرتبہ تھے [2]

آج کے دور میں اسلام کی سیاسی بنیادیں تلاش کرنے کے لئے اور اسلامی فلسفۂ سیاست مرتب کرنے کے لئے پہلے ایک بار پھر دورِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور دور خلفاء راشدین میں لوٹنا ہوگا۔

عقیدۂ توحید ۔ سیاست شرعیہ کی بنیاد عقیدۂ توحید اور اللہ کے الٰہ (معبود حقیقی) ہونے کے تصور پر ہے یعنی انسان صرف اللہ کو اپنا معبود حقیقی (الٰہ) اور رب قرار دے اور اس کے ہی احکام کے سامنے اپنی گردن جھکائے، یہی وہ عقیدہ ہے جس کو قرآن نے جگہ جگہ بہت صاف الفاظ میں بیان کیا ہے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ (الاعراف ۵۴)

"بیشک تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا۔"

اسی آیت میں آگے کہا گیا ہے:-

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ (الاعراف ۱۰۲)

"خبردار رہو اسی کی خلق ہے اور اسی کے امر، بڑا بابرکت ہے اللہ (جو) تمام عالموں کا پروردگار ہے"

ایک جگہ اور ارشاد ہے:-

ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ - (الانعام ۱۰۲)

"وہی ایک تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود حقیقی (الٰہ) نہیں (وہی) ہر چیز کا خالق ہے پس تم اسی کی بندگی کرو اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے،"

قُلْ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۞ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ۞ (ص: ۶۵-۶۶)

"(اے نبی) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو بس خبردار کرنے والا ہوں اللہ کے علاوہ کوئی معبود حقیقی (الٰہ) نہیں وہ یکتا ہے اور سب پر غالب (وہ) پروردگار ہے آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ ان کے بیچ ہے وہ زبردست اور درگزر

[1] دیکھئے الفخری، فی الآداب والدول الاسلامیہ [2] الاسلام ہنری دی کاسٹری، ترجمہ بزبان عربی از احمد فتحی زغلول پاشا (مصری صفحہ)

عقیدۂ توحید کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان غیراللہ کی غلامی سے نکل کر ایک اللہ کی غلامی میں آجائے وہ نفع وضرر کا پہنچانے والا صرف اسی کو جانے، چنانچہ جب نجاشی کے دربار میں مہاجرین حبشہ نے آداب شاہی کے مطابق بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا تو کسی نے اعتراض کیا اس کے جواب میں مہاجر مسلمانوں کے امیر حضرت جعفرؓ نے کہا " ہمارے نبی نے اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی، دراصل یہ اس طرف اشارہ تھا کہ اللہ کے علاوہ ہم کسی کے احکام پر چلنے کو تیار نہیں، حضرت مغیرہؓ نے بھی رستم کے دربار میں اس کو واضح کیا اور مسلمانوں کے جہاد کا مقصد بتاتے ہوئے کہا۔ ہمارا مقصد بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کرنا ہے۔

عبدیت | دراصل عقیدۂ توحید انسان کے اندر ایک ایسا جذبۂ عبدیت بیدار کرتا ہے جو اس کو دوسروں کی غلامی سے بے نیاز کر دے اور انسانوں کو حقیقی آزادی عطا کر دے، اس کے مطابق انسان دوسرے انسانوں کا غلام نہیں ہے بلکہ ایک ایسے الٰہ کا عبد وغلام ہے جو ساری کائنات کا خالق اور پرورش کرنے والا ہے، اللہ کی عبدیت انسان کو ذہنی ومادی قوتوں کی غلامی سے نجات دلاتی ہے، اسی کو قرآن نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۔ (الاعراف: ۱۵۷)

"اور (یہ نبی) ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لادے ہوئے تھے اور ان بندشوں کو کاٹتا جن میں وہ کسے ہوئے تھے۔"

انسان کے وہ بندھن اور بوجھ جن کا اس آیت میں ذکر ہے غیراللہ کی غلامی ہے یہ دنیوی الٰہ اور ارباب ہیں جو اس کی گردن پر مسلط ہیں اور جن سے چھٹکارا پانے کیلئے یہ بے چین۔ یہ الٰہ کسی جگہ سماجی طبقات کی شکل میں ہیں، تو کہیں یہ قوم ووطن کے نام پر اور کہیں یہ پارٹی اور جماعت کے رنگ میں موجود ہیں، انہی دنیوی الٰہ کے نتیجے میں ظلم وستم کا بازار گرم ہوتا ہے، ایک انسان دوسرے کا دشمن بنتا ہے اور ایک جماعت دوسری جماعت سے نفرت کرتی ہے،

ایک اللہ کی عبودیت انسان کے اندر سے خودغرضی اور تنگ نظری کو نکال کر دوسروں کے ساتھ ہمدردی وغمخواری کے جذبات اور وسعت نظری پیدا کرتی ہے، انسان کے دل ودماغ سے ان بندشوں کو ہٹاتی ہے جن میں وہ جکڑا ہوا ہے۔

دراصل ایک ہی بندگی کا اقرار انسانی فطرت کا تقاضا ہے ہر انسان کا وجدان طبعی وقوانین کے سامنے اپنے بیچارگی اور بے بسی کی شہادت دیتا ہے، ان طبعی قوانین اور اصول وضوابط کے پس پردہ اسے ایک ایسی ذات نظر آتی ہے جس کے دست قدرت میں ان سب کی باگ ڈور ہے جو ان سب قوانین کو بناتے اور چلانے والی ہے انسان اپنی اس بیچارگی کا اقرار صرف اسی طرح کرسکتا ہے کہ وہ اس بالاتر ذات کے سامنے اپنے سر کو جھکائے اور اپنی عبدیت اور بندگی کا اقرار کرے، قلب انسانی اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتا جب تک اس میں ایک ایسی ہستی کا تصور جلوہ گر نہ ہو جسے وہ نہ صرف اپنی ذات بلکہ کل کائنات سے بالاتر سمجھتا ہو، جب تک انسان اپنی فطرت پر قائم ہے اس وقت تک نہ ہی "معبود" (اللہ) کا عقیدہ اس کے دل سے نکل سکتا ہے اور نہ ہی عبدیت وبندگی کا میلان اس کے دل سے دور ہو سکتا ہے۔

خلافت ونیابت الٰہی | اللہ کا بندہ اور اس کا عبد ہونے کے ساتھ ساتھ انسان اس دنیا میں اس کا خلیفہ اور نائب

بھی ہے۔ یعنی اللہ کے احکامات کو اس زمین میں نافذ کرنیوالا اور اس کے قوانین کے مطابق زمین کی اشیاء کو استعمال کرنیوالا ہے، اپنا خلیفہ اور نائب ہونے کی حیثیت سے اللہ نے اس کو کچھ قوتیں عطا کی ہیں اور کائنات میں اس کو محدود ذمہ داریں بھی دی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ وہ ان کو اوامر الٰہیہ کی بجا آوری میں خرچ کرے۔

وَاِذْقَالَ رَبُّكَ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (البقرۃ: ۳۰) "اور یاد کرو، جبکہ تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانیوالا ہوں۔"

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ - (الاعراف: ۱۰) "ہم نے تمہیں زمین میں اختیارات کے ساتھ بسایا اور اس میں تمہارے معاش کے ذرائع فراہم کئے۔"

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ - (الحج: ۶۵) "کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جوکچھ بھی زمین میں ہے وہ سب کا سب تمہارے لئے مسخر کردیا"

خلافت کے لغوی معنیٰ "جانشین" کے ہیں اور خلیفہ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جو کسی کی ملک میں اس کے سونپے ہوئے اختیارات کو بحیثیت نائب استعمال کرے۔ خلافت میں اختیارات تفویض کردہ (Delegatede Powers) ہوتے ہیں خلیفہ بذات خود اس ملک کا مالک نہیں ہوتا بلکہ مالک حقیقی کا نائب (viCEgETEUT) ہوتا ہے اس وجہ سے اس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے بلکہ عطا کردہ ہوتے ہیں اور وہ اپنی منشاء اور مرضی کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا بلکہ اس کا مقصد مالک کی منشاء اور مرضی کو سامنے رکھکر ان اختیارات کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔

قرآن کریم صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ اس کائنات کا مالک حقیقی اللہ ہے وہی اس کائنات اور انس وجن کا خالق

ہے:-

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ (الانعام: ۷۳) "اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے مطابق پیدا کیا"

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ (البقرۃ: ۲۹) "وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب چیزیں پیدا کیں جو زمین میں ہیں"

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً (النساء: ۱) "اے انسانو! ڈرو اپنے اس رب سے جس نے تمکو ایک نفس سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا وجود میں لایا اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مرد وعورت دنیا میں) پھیلائے"

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَیْرُ اللّٰهِ یَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ - (فاطر: ۳) "کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور خالق ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔"

قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ (الرعد: ۱۶) "کہو اللہ ہی سب چیزوں کا خالق ہے اور وہی یکتا سب کو مغلوب کرکے رکھنے والا ہے۔"

مالک حقیقی کے تفویض کردہ اختیارات کو غلط استعمال کرنا اس سے بغاوت کے مترادف ہے، دراصل نظریۂ خلافت کا نقطۂ آغاز اور سنگِ بنیاد عقیدۂ توحید اور میلانِ عبدیت ہے، حقیقی مقتدر اعلیٰ کو چھوڑ کر کسی ذہنی مقتدر اعلیٰ کے آگے سر اطاعت خم کرنا ایک بہت بڑا ظلم ہے، دینی حکومت اور سیاست شرعیہ کا یہی وہ اصول ہے جس کی دعوت حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانہ میں دینے سے بھی گریز نہیں کیا،

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ "اے جیل خانہ کے میرے ساتھی! (تم خود ہی اس پر غور کرو کہ) کیا بہت

اَلْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (یوسف: ۳۹-۴۰)

سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ تم اس کو چھوڑ کر جن کی عبادت کر رہے ہو وہ صرف چند نام ہیں جنکو تمہارے آباواجداد نے رکھ لیا ہے، اللہ نے ان کیلئے کوئی سند نہیں نازل کی۔

فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے علاوہ کسی کے لئے نہیں۔

نیابتی حکومت

اللہ کی وحدانیت کا اقرار کرنے کے بعد اور انسان کو اس کا عبد اور خلیفہ تسلیم کرنے کے بعد فلسفۂ سیاست براہ راست متاثر ہوتا ہے۔ ایسے سیاسی نظام میں جس میں اللہ کو الٰہ قرار دیا گیا ہو، حاکمیت (Sovereignty) اور فرمانروائی صرف اللہ کی ہی تسلیم کی جائے گی، اس کے علاوہ کوئی انسانی یا غیر انسانی طاقت بطور خود حکم دینے اور فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں ہے یہ ضرور ہے کہ انسانی زندگی کے اختیاری حصے میں وہ اپنی اس حاکمیت اور فرمانروائی کو بزور مسلط نہیں کرتا ہے، بلکہ بذریعہ وحی اپنے منتخب بندوں — انبیاء و رسل — کے ذریعہ آتی رہی۔ اس سلسلہ کی سب سے آخری دعوت قرآن کریم کی شکل میں اس کے آخری نبی اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دی گئی ہے۔

اس طرح اسلام میں حکومت ایک نیابتی حق ہے جو خلافت الٰہیہ کی شکل میں اللہ اپنے بندوں کے سپرد کرتا ہے، قرآن میں حکومت کی اس حقیقت کو خلافت سے تعبیر کیا ہے، اور علماء اسلام نے اسی حکومت کو ریاست عامہ کا نام دیا ہے۔

بقیہ:- اسلامی حکومت کے گورنر کا گوشوارہ

جب الفاظ کے جسم سے معانی کی روح نہیں نکلتی تھی جب ہر لفظ اپنے حقیقی مفہوم میں بولا جاتا تھا، اس وقت ایک عمرؓ جیسے مرد حق کا کسی کو خصوصیت کے ساتھ بھائی کہ دینا ایسی وسعتوں اور گہرائیوں کا حامل تھا کہ آج ہمارے عہد نیثاق اور مدح و ثنا کے دفتر بھی اس کی برابری نہیں کر سکتے۔

بقیہ:- اعجاز القرآن (صفحہ ۱۷ سے آگے)

کہ ۱۴ سو برس پہلے ریگستان عرب میں ایک امی کو علم کے ہر گوشے پر اتنی وسیع نظر حاصل تھی اور اس نے ہر بنیادی مسئلے پر غور وخوض کر کے اس کا ایک صاف اور قطعی جواب سوچ لیا تھا؟

اعجاز قرآن کے اگرچہ اور بھی متعدد وجوہ ہیں لیکن صرف ان چند وجوہ ہی پر اگر آدمی غور کرے تو معلوم ہو جائے گا کہ قرآن کا معجزہ ہونا جتنا نزول قرآن کے زمانے میں واضح تھا اس سے بدرجہا زیادہ آج واضح ہے اور انشاء اللہ قیامت تک یہ واضح تر ہوتا چلا جائے گا۔

اسلامی حکومت کے گورنر کا گوشوارہ

مولانا مطیع اللہ شمنا

مدائن کے خوبصورت علاقے میں معززین شہر اپنے نئے حاکم کا خیر مقدم کرنے کے لئے جمع ہو رہے تھے، احترام وعقیدت کے پُرشوق عالم میں انہیں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا انتظار تھا جو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کیطرف سے گورنری کا پروانہ لئے اس آبادی میں داخل ہونیوالے تھے، اقتدار اور مقبولیت عام کی طاقت سے مسلح حذیفہؓ اس آبادی سے کیا کچھ نہ وصول کر سکتے تھے، شاندار استقبال، عیش وعشرت کے سامان، زر وجواہر وہ سب کچھ جو آج کے حکام شب وروز حاصل کر رہے ہیں، لیکن انہوں نے ان مطیع وفرمانبردار انسانوں سے جو چیز مانگی وہ ان سب سے مختلف تھی، حضرت عمرؓ کا فرمان سنانے کے بعد جب وہ مجمع کیطرف دیکھ رہے تھے تو کتنی ہی زبانوں پر یہ الفاظ تھے۔

"آپ کو جس چیز کی خواہش ہو حاضر کی جائے گی"

حضرت حذیفہؓ نے برملا جواب دیا، صرف اتنی روٹی جس سے پیٹ بھر سکے اور اتنا چارہ جس سے میری سواری کا جانور زندہ رہ سکے، یہ تھا وہ خراج جو ایک گورنر نے اپنی رعایا سے طلب کیا ذرا دیکھو اقتدار وسطوت کا غرور کس طرح درویشی کے قدموں پر دم توڑ رہا ہے، کس طرح شاہی طمطراق صبر وقناعت کی پہنائیوں میں گم ہے، کس طرح دولت وشوکت کی چمک دمک خوف آخرت کے نور میں محو ہو کر رہ گئی ہے، ایک انسان زر، زمین، اقتدار، زندگی، خواہشات ہر شے سے دور بہت آگے اس آخری عدالت کے تصور میں ڈوبا ہوا ہے جہاں بے کم وکاست محاسبہ ہوگا، جہاں نعمت ولذت کے بارہ میں دلیل جواز کی سخت ذمہ داری ادا کرنی ہوگی اور جو ادا نہ کر سکا اس کی بدنصیبی کا کیا ٹھکانہ ——— یہی وہ تصور تھا جس نے حضرت حذیفہؓ کے جسم وروح کی عفت کو لذت پرستی کی کثافت سے آلودہ نہ ہونے دیا، وہ اقتدار وحکومت کے ہمہ گیر مسائل کے درمیان بھی اسی طرح درویش کے درویش ہی رہے جس کا سارا اثاثہ چند سادہ کپڑوں اور روٹی کے چند ٹکڑوں کے سوا کچھ نہ تھا پھر جب مدائن کی مسند اقتدار سے اٹھکر وہ مدینے واپس آئے تو ان کی آمد کی خبر سنکر امیر المؤمنین حضرت عمرؓ راستے میں چھپ کر کھڑے ہو گئے، مسلم حکومت کا حاکم اعلیٰ یہ جائزہ لینے کے لئے بیتاب تھا کہ اس کا فرستادہ جاہ وجلال سے اور عیش وعشرت کی امتحان گاہ سے کس حال میں واپس آیا ہے، اس نے دیکھا حذیفہؓ جو کچھ لے گئے تھے اس سے زیادہ کچھ ساتھ نہیں لائے، وہی درویشانہ سادگی، وہی عجز وانکسار وہی شان زہد وورع ——— محبت اور قدر دانی کے جذبے نے حضرت عمرؓ کو پگھلا دیا، وہ آگے بڑھے اور حذیفہؓ کو بے اختیار سینے سے لگا لیا اور بولے حذیفہؓ تم میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں۔

کتنے سادہ اور مختصر الفاظ تھے لیکن یہ وہ زمانہ ہے

(باقی صفحہ ۷۲ پر)
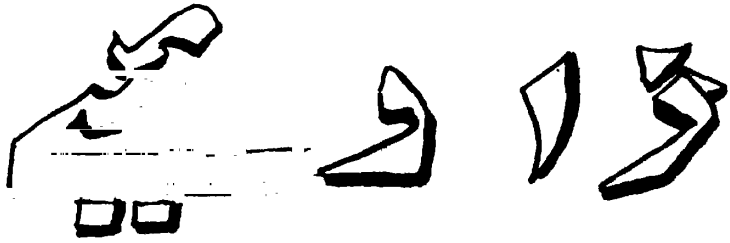
بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مومن تکیئے کے درویش یا غاروں
ِکھوہوں میں بیٹھے رہنے والے لوگ ہوتے ہیں جنہیں معاملاَ
ںدگی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا حالانکہ یہ بڑا مفروضہ ہے
ربالکل غلط ہے ،

اگرچہ بعض مذاہب میں ہفتہ کے سات دنوں میں سے
یک دن کو عبادت کیلئے مخصوص کر لیا گیا ہے ، لیکن اسلام
ہی کسی تخصیص کا قائل نہیں ، جمعہ کا دن بھی جسکو بہ لحاظ
مبادت اسلام میں خاص اہمیت حاصل ہے ، سارا کا سارا
مبادت کیلئے وقف نہیں کیا گیا بلکہ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد
لکم ہے :-

فَانْتَشِرُوا فِی الْاَرْضِ ۔ زمین میں پھیل جاؤ
وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ ۔ اور اللہ کا فضل تلاش کرو

پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی زمین کو آباد اور خوشحال
دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ پسند نہیں کرتے کہ لوگ گیان دھیان
ین کچھ اس طرح مستغرق ہو جائیں کہ انہیں دنیا و ما فیہا
سے کوئی واسطہ نہ رہے اور ہاتھ توڑ کر بیٹھ رہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ کچھ
لوگ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد مسجد کے ایک کونے میں سر
چھپائے بیٹھے ہیں ، آپ نے پوچھا تم کون ہو ؟

انہوں نے جواب دیا ۔ ہم اللہ پر توکل کرنے والے
لوگ ، حضرت عمرؓ نے اپنے مشہور درہ کو حرکت دی ۔ اور
انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا۔

خبردار اگر تم میں سے کسی نے طلب رزق سے کنارہ
کشی اختیار کی اور اللہ سے دعا کرنے لگا کہ یا اللہ
مجھے بیٹھے بٹھائے ہی رزق دیدے ، حالانکہ وہ جانتا ہے
کہ آسمان سے سونے اور چاندی کی بارش نہیں ہوا کرتی ، کیا
تمہیں اللہ کا یہ حکم یاد نہیں کہ جب نماز سے فارغ ہو جاؤ
تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

عبادت کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی سعی و عمل اور جدوجہد سے
دست کش ہو جائے ۔

تعطّل توکل نہیں ہے

بعض لوگ توکل کا مطلب ترکِ اسباب لیتے ہیں جو کسی طرح
بھی درست نہیں۔ توکل کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنی سی
پوری کوشش کرے اور ممکن حد تک ذرائع و وسائل کو استعمال
کرنے کے بعد نتائج کیلئے اللہ تعالیٰ پر انحصار کرے اور یہ نہ سمجھے
کہ میری کوشش ہی مطلوبہ نتائج کی ضامن ہے۔

جبکہ اعرابی والے واقعہ سے سمجھ میں آتا ہے کہ اس نے
مسجد کے دروازے پر اپنا اونٹ کھلا چھوڑ دیا اور گمان کیا کہ
یہ توکل ہے ، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-
اعقلہا وتوکل اسے رسی سے باندھو پھر اللہ پر توکل کر۔

بعض لوگ اس حدیث سے ترکِ اسباب کا نتیجہ اخذ کرتے ہیں

کہ "اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا کہ توکل کا حق ہے تو اللہ تمہیں بھی اس طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے، وہ صبح دم خالی پیٹ اپنے آشیانوں سے نکل جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں"

لیکن اگر معمولی غور و فکر سے کام لیا جائے تو صورتِ حال اس کے برعکس نظر آتی ہے — پرندے آشیانوں سے نکلتے ہیں تو پھر ان کی شکم سیری کا بندوبست ہوتا ہے، آشیانوں میں بیٹھے بیٹھے تو ان کے پیٹ نہیں بھر جاتے۔

ترکِ اسباب کا ثبوت اس حدیث سے اس صورت میں ہو سکتا تھا، اگر رسول پاکؐ یہ فرماتے کہ پرندے صبح دم خالی پیٹ اپنے آشیانوں میں ہی بیٹھے رہتے ہیں اور سیر ہو جاتے ہیں۔

○

کوئی ایسا شخص جو قرآن و حدیث کو جانتا ہے اس بات سے ناواقف نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام سے لے کر سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیاء بھی بھیجے ہیں اپنا دین قائم کرنے کے لئے بھیجے ہیں، کوئی ایک نبی بھی لوگوں کو یہ سکھانے کے لئے نہیں بھیجا کہ وہ غیر اللہ کا دین قائم کرنے والوں کے ماتحت بن کر رہیں، سورۃ شوریٰ دیکھئے اس میں حضورؐ سمیت تمام انبیاء کا فرض یہ بیان کیا گیا ہے کہ

اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ ۔ اس دین کو قائم کرو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ

سورۃ توبہ، سورہ فتح اور سورۃ صف میں دیکھئے تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ بیان کیا گیا ہے کہ:-

ھُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ پورے دین پر اسے غالب کر دے۔

اب کون یہ کہنے کی جسارت کر سکتا ہے کہ امتِ مسلمہ کا مقصدِ وجود نبی برحق کے مقصدِ بعثت سے مختلف بھی کچھ ہو سکتا ہے۔

○

اللہ اور اس کے رسولؐ نے جس چیز کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے ہمیں بہر حال اس کو قائم کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم جس ملک میں کام کر رہے ہوں اس کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے ہم اس مقصد کیلئے سعی و جہد کے ایک طریقہ کو موزوں پا کر اختیار کر لیں اور دوسرے طریقہ کو ناموزوں سمجھ کر ترک کر دیں۔

اسی طرح جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ مٹانا چاہتے ہیں ان کو مٹانا ہی ہماری کوششوں کا ہمیشہ مقصود رہے گا، یہ اور بات ہے کہ ہم اپنی استطاعت، ملک کے حالات اور عوام کی مزاجی کیفیات کو دیکھ کر یہ طے کریں کہ کن چیزوں کی مٹانے کی کوشش مقدم اور کن کو مٹانے کی مؤخر رکھنی چاہیے، نیز یہ کہ اس غرض کیلئے ہم کونسی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں اور کن تدابیر کے اختیار کرنا غیر ممکن، غیر مفید یا غیر مناسب ہے۔

حاکمیت قابلِ تقسیم چیز نہیں ہے کہ اسکا کچھ حصہ کسی کے لئے ہو اور کچھ کسی اور کے لئے۔

طلبائے دارالعلوم دیوبند سے خطاب
جمادی الاخری ۱۳۹۰ھ

میری طالب علمی

مولانا محمد منظور نعمانی
مدیر الفرقان لکھنؤ

میرے عزیز بھائیو! میں اس وقت آپ کو اپنی طالب علمی کے سلسلے کے کچھ واقعات اور تجربات سنانا چاہتا ہوں، مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ وہ آپ کے لئے کارآمد اور نفع مند ہوں گے، میری طالب علمی کی سرگذشت بعض پہلوؤں سے بڑی سبق آموز ہے۔

آپ میں سے کچھ بھائیوں کو معلوم بھی ہوگا کہ میرا اصل وطن ہمارے اسی صوبہ یوپی کے ضلع مرادآباد کا مشہور اور قدیم قصبہ سنبھل ہے، میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ — کو اللہ تعالیٰ نے دنیوی دولت و ثروت اور وجاہت بھی دی تھی، اسی کیساتھ وہ اپنے خاص رنگ میں گہرے دیندار بلکہ بڑے ذاکر شاغل تھے اور ایک زمانہ میں انہوں نے بہت سخت صوفیانہ ریاضتیں بھی کی تھیں، اس لئے وہ "صوفی جی" کے نام ہی سے معروف تھے، بہت سے لوگ ان کا اصل نام جانتے بھی نہیں تھے — وہ عالم نہیں تھے علماء حق سے ان کا تعلق بھی نہیں رہا تھا، بلکہ کچھ ایسے غلط صوفیوں کی صحبت سے متاثر ہوئے تھے جو غالباً تھے تو مخلص اور نیک نیت لیکن ان کے بعض عقیدے بڑے گمراہانہ تھے، میرے والد صاحب کا بھی اس دور میں یہی حال تھا، مگر جیسا کہ میں نے عرض کیا، وہ اپنی عملی زندگی میں بڑے پکے دیندار، شریعت کے نہایت پابند، ذاکر شاغل اور شب بیدار تھے، دنیا کا کام بھی خوب کرتے تھے اور اس میں بھی بہت کامیاب تھے، لیکن دین اور آخرت کی فکر دنیا کی فکر پر غالب تھی اسی لئے وہ اپنی اولاد کو صرف دینی تعلیم دلانا چاہتے تھے اور پوری وسعت اور استطاعت کے باوجود اپنے کسی بچہ کو خالص دنیاوی تعلیم یعنی انگریزی تعلیم دلانے کے بالکل روادار نہیں تھے، اسی واسطے انہوں نے مجھے بھی ناظرہ قرآن شریف اور تھوڑی سی اردو تعلیم کے بعد فارسی اور پھر عربی پر لگادیا لیکن میں کچھ تو اس وجہ سے کہ میری عمر بہت کم تھی اور ابھی میں صرف ونحو سمجھنے اور پڑھنے کے لائق نہیں ہوا تھا اور خاص کر میزان منشعب اور پنج گنج اور نحو میر جیسی کتابوں کے ذریعہ تو صرف ونحو سمجھنے اور پڑھنے کے قابل بالکل ہی نہیں تھا، اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ میرے اندر اس تعلیم کا کوئی شوق اور داعیہ نہیں تھا، میں نہایت بے دلی سے پڑھتا رہا بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بس پٹائی کے ڈر سے جو کچھ پڑھایا جاتا تھا وقتی طور پر یاد کرکے سنا دیا کرتا، سمجھتا کچھ نہیں تھا، مجھے یاد ہے کہ کئی سال تک میرا یہی حال رہا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر سال میری میزان نئے سرے سے شروع ہوتی تھی، ہمارے سنبھل میں اس وقت تین عربی مدرسے تھے، ہوتا یہ تھا کہ ایک سال تک میں ایک مدرسے میں پڑھتا رہا، سال ختم ہونے تک میزان منشعب ختم ہو کر کبھی کبھی پنج گنج اور نحو میر بھی شروع ہو جاتی، لیکن والد ماجد اور گھر

والے محسوس کرتے کہ میری پڑھائی ٹھیک نہیں ہو رہی ہے تو دوسرے سال مجھے دوسرے مدرسہ میں بھیج دیا جاتا۔ وہاں کے استاد جب میرا یہ حال دیکھتے کہ مجھے کچھ بھی نہیں آیا ہے تو وہ پھر سے وہی میزان شروع کرا دیتے اور پھر میں سال بھر میں میزان منشعب ختم کر کے پنج گنج اور نحو میر تک یا کچھ اور آگے تک پہونچ جاتا، لیکن مجھے آتا کچھ نہیں تھا اس لئے اگلے سال پھر میں تیسرے مدرسہ میں بھیج دیا جاتا وہاں کے استاد بھی میری خیر خواہی میں یہی طے کرتے کہ مجھے پھر میزان سے پڑھایا جائے اور پھر میری میزان شروع ہو جاتی، مجھے یاد ہے کہ یہ چکر برسوں تک اسی طرح چلتا رہا اور ہر سال میری تعلیم بدأن السعد ث واللّٰہ فی الدارین سے شروع ہوتی رہی۔

اسی زمانہ میں جبکہ میرے غالباً دو تین سال اسی طرح برباد ہو چکے تھے اور میری عمر قریباً ۱۲ سال کی ہو چکی تھی، ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ہمارے ضلع مرادآباد کے اس وقت کے انگریز کلکٹر نے جو کسی خوش گمانی کی بنا پر میرے والد ماجدؒ کا بہت قدر شناس تھا، ایک ملاقات میں والد صاحب سے ان کی اولاد کے بارے میں پوچھا، والد ماجد نے بتایا کہ خدا کے دیئے ہوئے میرے ۵ لڑکے ہیں اس نے تعلیم کے بارے میں دریافت کیا تو اسے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی انگریزی تعلیم حاصل نہیں کی ہے اور نہ کوئی اب انگریزی پڑھ رہا ہے ـــــ اس وقت میری عمر اور تعلیم کی منزل ایسی تھی کہ میرے ہی بارے میں اس طرح کا فیصلہ کیا جا سکتا تھا، کلکٹر نے اصرار سے کہا کہ کل ہی اس بچہ کو مقامی ہائی اسکول میں بھیج دیا جائے اور ساتھ ہی کہا کہ میں ہیڈ ماسٹر سے کہہ دوں گا کہ وہ پانچ سال میں انٹرنس کرا دے اور والد صاحب سے کہا کہ پھر میں اس کو نائب تحصیلداری دیدوں گا ـــــ اس زمانہ میں نائب تحصیلداری بڑی چیز تھی، پھر یہی ترقی کر کے آدمی تحصیلدار ہو جاتا تھا اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر ہو جاتا تھا، بس یہی ہندوستانیوں کی معراج تھی اس سے آگے کلکٹر اور کمشنر تو صرف انگریز ہوتے تھے ـــــ تو کلکٹر نے والد صاحب کو بہت اصرار کے ساتھ یہ مشورہ دیا کہ انہوں نے اس بات کی ماننے کا فیصلہ نہیں کیا۔ لیکن ان کے بعض ملنے والوں کی اور گھر کے بھی بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے اور مجھے اسکول میں ضرور داخل کر دیا جائے، چنانچہ بعض لوگوں نے والد صاحب کو اس کے لئے راضی کرنے کی کوشش کی ـــــ لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے، ان کا آخری جواب یہ تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے پوری امید ہے کہ اپنی زندگی میں اپنی اولاد سے مجھے کچھ لینے کی ضرورت نہ ہوگی، انشاء اللہ ہمیشہ ان کو کھلاتا اور دیتا رہوں گا، ہاں مرنے کے بعد قبر میں مجھے ضرورت ہوگی، اس لئے میں تو ان کو وہی تعلیم دلانے کی کوشش کروں گا جس سے مجھے قبر میں اور اس کے بعد کچھ ملتا رہے۔ الغرض انہوں نے کسی کی ایک نہ سنی۔

مجھے یاد ہے کہ اس وقت والد صاحب کے اس فیصلہ کا مجھے بڑا رنج اور صدمہ ہوا تھا جس کی ایک وجہ تو یہی تھی کہ میں سوچتا تھا کہ اگر مجھے اسکول میں داخل کر دیا گیا تو تھوڑے دنوں کے بعد نائب تحصیلدار اور پھر تحصیلدار اور اس کے بعد ڈپٹی کلکٹر بن جاؤں گا اور دوسری اس سے بھی بڑی وجہ یہ تھی کہ مجھے کرکٹ کھیلنے کا بیحد شوق تھا، حالانکہ قریباً روزانہ پٹائی ہوتی تھی لیکن کھیل نہیں چھوٹتا تھا مجھے امید تھی کہ اسکول میں داخلہ کے بعد مجھے اس کی بھی آزادی مل جائے گی ـــــ لیکن والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے قطعی فیصلہ سنا دیا کہ وہ مجھے انگریزی پڑھنے کے لئے اسکول میں داخل نہیں کریں گے۔

اس واقعہ کے بعد بھی غالباً کئی سال تک میرا وہی چکر چلتا رہا کہ پڑھنے کے ارادہ کے بغیر پڑھتا رہا، مدرسہ جاتا آتا رہا اور ہر سال مدرسہ کی تبدیلی ہوتی رہی اور نئے سرے سے میری میزان شروع ہوتی رہی۔

پھر ۳۶ء کی بات ہے جس کو اب باون سال گزر چکے ہیں اس وقت میری عمر پندرہ سال کی ہو چکی تھی، والد صاحب کو معلوم ہوا کہ فلاں مدرسہ میں ایک نئے پنجابی استاد آئے ہیں اور وہ بہت توجہ سے پڑھاتے ہیں، والد صاحب نے مجھے ان کے پاس بھیجنے کا فیصلہ فرما لیا میں ایک حکیم صاحب کا تعارفی خط لے کر ان کے پاس بھیج دیا گیا، یہ مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی تھے (جو اب مغربی پاکستان میں ہیں اور میرے خاص محسن استادوں میں ہیں) انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ میں کب سے پڑھ رہا ہوں میں نے بتایا کہ میں اتنے دنوں سے اس طرح پڑھ رہا ہوں، اب میں کچھ سمجھدار ہو چکا تھا، انہوں نے مجھ سے باتیں کیں تو اندازہ کیا کہ میں غبی اور کند ذہن بھی نہیں ہوں، اس سے انہوں نے سمجھ لیا کہ میرا اتنا وقت صرف اس لئے برباد ہوا اور ہو رہا ہے کہ میں نے خود پڑھنے کا ارادہ نہیں کیا ہے بلکہ صرف جبراً پڑھ رہا ہوں، انہوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتا دیا کہ واقعہ بالکل یہی ہے، اللہ تعالیٰ ان کو بہتر سے بہتر جزا عطا فرمائے اور ان کے درجے بلند فرمائے، انہوں نے بڑی شفقت اور بے تکلفی سے فرمایا کہ بھئی اب تم خود ہی اپنے بارے میں فیصلہ کرو! اگر اب بھی تمہارا ارادہ پڑھنے کا نہ ہو تو ہمیں صاف بتا دو ہم خود تمہارے والد صاحب سے مل کر انہیں سمجھائیں گے کہ وہ تمہارا وقت برباد نہ کریں کسی اور لائن میں لگائیں۔ اور تمہارا ارادہ پڑھنے کا ہو تو پھر ہم تمہیں پڑھائیں گے اور ان شاء اللہ تم بہت جلدی پڑھ لوگے اس وقت اللہ نے میرے دل میں ڈالا اور میں نے ان سے کہا کہ اچھا ان شاء اللہ اب میں پڑھوں گا، انہوں نے مجھے اس طرح پڑھانا شروع کیا کہ میزان کے چند صفحات مقرر کر کے فرمایا کہ ان کو غور سے دیکھ لو اور ان کا مضمون یاد کر لو جو بات سمجھ میں نہ آئے مجھ سے پوچھ لو، دوسرے اسباق سے فارغ ہو کر میں تمہاری جانچ کروں گا اس طرح انہوں نے ۸-۱۰ دن میں میری میزان منشعب ختم کرا دی اور میں نے اب سمجھا کہ میزان منشعب میں کیا ہے، پھر اسی طرح مہینے دو مہینے میں پنج گنج اور نحو میر ختم کرا دی میں درمیان سال میں ان کے پاس گیا تھا اور شعبان تک انہوں نے علم الصیغہ اور ہدایۃ النحو تک پہنچا دیا، اب میں جی لگا کر اور اپنے ارادہ سے پڑھنے لگا۔ لیکن اس کے بعد مولانا مفتی محمد نعیم صاحب سنبھل تشریف نہیں لائے اور مجھے پڑھنے کیلئے سنبھل سے باہر بھیجدیا گیا اس کے بعد چار سال میں میں نے تمام متوسطات پوری کر لیں، اس وقت ہمارے مدرسوں میں منطق و فلسفہ کا بہت زور تھا اس لئے میں نے سب سے زیادہ کتابیں منطق و فلسفہ کی پڑھیں اور اب اس کے اظہار میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اللہ کے فضل و کرم سے میں اپنے ساتھیوں میں ممتاز رہتا تھا،

یہاں تک میں نے جن اساتذہ سے پڑھا تھا، وہ سب اسی دار العلوم دیوبند کے تعلیم یافتہ اور فیض یافتہ تھے اس لئے میرا ذہن بالکل دیوبندی تھا اور آگے کی تعلیم میں دار العلوم ہی میں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا،

میں نے اپنے والد صاحب کے بارے میں ابھی بتایا تھا کہ ان کے عقائد کچھ دوسری طرح کے تھے، ان کو ہمارے اکابر دیوبند سے بہت بُعد تھا، لیکن نہ معلوم کس طرح ان کے دل میں یہ بات اللہ نے بٹھا دی تھی کہ حدیث دیوبند والے

ہی ابھی پڑھاتے تھے اس لئے جب میں نے ان سے یہ عرض کیا کہ میں اب حدیث شریف پڑھنے کے لئے دارالعلوم دیوبند جانا چاہتا ہوں تو انہوں نے مجھے اجازت دیدی — جب یہ بات عام طور سے مشہور ہوئی کہ میں پڑھنے کے لئے دیوبند جاؤں گا تو والد صاحب کے گیارہویں شریف بارہویں شریف اور عرسوں کی محفلوں والے یاران طریقت نے ان سے کہا کہ صوفی جی کیا غضب ہے! سنا ہے آپ کا لڑکا دیوبند پڑھنے جائے گا؟ تو وہ صرف یہ فرما دیتے کہ مجھے یقین ہے کہ وہ میرے ہی راستہ پر رہے گا، الغرض انہوں نے اپنی رائے نہیں بدلی اور میں شوال [illegible]ھ میں دارالعلوم آکر داخل ہو گیا میں یہاں صرف دو سال باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے رہا، پہلے سال مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ اخیرین وغیرہ چند کتابیں پڑھیں اور اگلے سال دورہ!

میں یہاں کے زمانۂ قیام کا اس وقت کا صرف ایک واقعہ آپ کو سنانا چاہتا ہوں جس کا تعلق میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ سے ہے — یہ مکان جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا قیام تھا اور اب حضرتؒ کے گھر کے لوگوں کا قیام ہے، ہمارے زمانۂ طالب علمی میں اس میں مطبع قاسمی اور کتب خانہ قاسمی تھا جن بیچارے طالب علموں کو مدرسہ میں حجرہ نہیں مل سکتا تھا، ان کو اس کے ایک خستہ سے کمرے میں رہنے کی اجازت دیدی جاتی تھی، میں انہی بیچارے کسمپرس طالب علموں میں سے ایک تھا، دونوں سال میرا قیام اسی میں رہا، پہلے سال ربیع الاول کا مہینہ تھا اور خوب یاد ہے چودھویں تاریخ تھی اور اتفاق سے جمعہ کا دن تھا، عشا کی جماعت کا وقت قریب تھا میں اسی مطبع قاسمی میں بیٹھا وضو کر رہا تھا کہ اچانک والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ مطبع قاسمی کا پتہ پوچھتے ہوئے تشریف لے آئے، پہلے سے کوئی اطلاع نہ تھی بلکہ وہم و گمان بھی نہ تھا، لیکن میرا ذہن منتقل ہوا کہ یہ ربیع الاول کا مہینہ ہے ان ہی تاریخوں میں پیران کلیر کا عرس ہوتا ہے، یہ وہاں عرس میں تشریف لائے ہوں گے، ان کی پیران کلیر میں عرس میں حاضری کبھی قضا نہیں ہوتی تھی چنانچہ دریافت کرنے پر یہی بتایا کہ میں کلیر شریف عرس میں آیا ہوا تھا، خیال ہوا کہ دیوبند قریب ہی ہے اس لئے وہاں سے فارغ ہو کر آگیا ہوں، میں نے عرض کیا کہ عشاء کی جماعت کا وقت ہو چکا ہے وہ باوضو تھے ہم لوگوں کے ساتھ فوراً ہی مسجد تشریف لے آئے — اس زمانہ میں حوض وہاں تھا جہاں اس وقت مسجد کے فرش کا آخری حصہ ہے، اور چونکہ مسجد میں تنگی ہوتی تھی اس لئے حوض کو لکڑی کے تختوں سے پاٹ دیا گیا تھا اس پر بھی کئی صفیں ہوتی تھیں، ہم لوگ ایسے وقت مسجد میں داخل ہوئے کہ نماز شروع ہو چکی تھی، ہمیں آخری صفوں میں حوض پر جگہ ملی، چودھویں رات کی چاندنی کھلی ہوئی تھی اور جمعہ کا دن ہونے کی وجہ سے عام طور سے تمام طلبہ صاف سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے جب رکوع یا سجدہ کا وقت ہوتا تو ہم لوگوں کو جو حوض کے اوپر بلندی پر کھڑے تھے، ایسا معلوم ہوتا جیسے آسمان سے اترے ہوئے فرشتوں کی صفیں ہیں، مجھے خوب یاد ہے بڑا ہی نورانی منظر تھا، میں والد صاحب کے بالکل برابر میں کھڑا تھا میں نے محسوس کیا کہ والد صاحب پر اس منظر کا کچھ خاص اثر پڑ رہا ہے، نماز سے فارغ ہو کر ہم لوگ اپنی قیام گاہ یعنی مطبع قاسمی میں آگئے، والد صاحب کی باتوں سے میرے اس احساس کی تصدیق ہو گئی کہ وہ دارالعلوم کی نماز کے اس منظر سے بہت متاثر ہوئے ہیں،

صبح کو فجر کی نماز کے بعد حضرت مولانا محمد ادریس صاحب

کاندھلوی کا اسی مسجد میں قرآن مجید کا درس ہوتا تھا وہ اگرچہ دارالعلوم کے ... اساتذہ میں سے نہیں تھے، عمر بھی کم تھی، لیکن اپنی صلاحیت اور قابلیت کی وجہ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے اور طلبہ میں مقبول اور محبوب تھے، اس زمانہ میں ترجمۂ قرآن دارالعلوم کے نصاب میں داخل نہیں تھا مولانا کا یہ درس گویا پرائیوٹ اور ان کے ذاتی ذوق شوق کا نتیجہ تھا بڑی وسیع نظر تھی اور خوب بولتے تھے، واقعہ یہ ہے کہ درس قرآن کا حق ادا فرماتے تھے، طلبہ کی بہت بڑی تعداد پابندی سے شرکت کرتی تھی بڑا علمی نفع ہوتا تھا، میں نے موقع نکال کر مولانا کے کان میں اس دن عرض کر دیا کہ میرے والد صاحب تشریف لائے ہوئے ہیں، وہ عرس اور قوالی کے دلدادگان میں سے ہیں، ان کے عقائد اور خیالات اس طرح کے ہیں، ہمارے بزرگوں کے بارے میں انہیں سخت بدگمانیاں ہیں اور ناواقفی کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان دیوبند والوں کو تصوف اور بزرگان دین سے کوئی تعلق نہیں، میرا مقصد یہ تھا کہ آج کے درس میں اس کا لحاظ فرما لیا جائے ——

حسنِ اتفاق سے اس دن سورہ یوسف کا وہ مقام زیر درس تھا، جہاں یہ ذکر آتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے (غلہ بعزہ لانے کے لئے) جب اپنے صاحبزادوں کو مصر کیلئے رخصت کیا اور چھوٹے صاحبزادے حضرت یوسف کے حقیقی بھائی بن یامین کو بھی ان کے ساتھ جانے کی اجازت دیدی تو اس وقت یہ ہدایت بھی فرمائی کہ تم سب مصر میں ایک دروازے سے داخل نہ ہونا — (یَا بَنِیَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَّادْخُلُوا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ) جس کا مقصد اکثر مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر نہ لگے تو آخر میں یہ بھی فرمایا تھا، وَمَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ مولانا کاندھلوی نے ان آیات پر تقریر کرتے ہوئے توکل کی حقیقت اور توکل اور اسباب کے تعلق پر بھی خوب روشنی ڈالی اور اس دن عارف رومی کے اشعار بھی اس سلسلے میں سنائے —— اس کے علاوہ بھی کئی مضامین تصوف (بزرگان) ہی سے متعلق مولانا نے اس دن کے درس میں (اتفاقیہ) بیان فرمائے جو والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بہت ہی حسب حال تھے، اس درس سے بھی والد صاحب بہت متاثر ہوئے - رات کی نماز میں انہوں نے جو منظر دیکھا تھا اور جو نورانی کیفیات اس مجمع میں انہوں نے محسوس کیں اور پھر صبح کے درس میں جو کچھ سنا اس سے ان کا ذہن ہمارے اکابر اور جماعت کے بارے میں بہت کچھ بدل گیا،

درس سے فارغ ہو کر جب ہم لوگ اٹھے تو والد صاحب نے فرمایا کہ میں یہاں کے بزرگوں کے مزارات پر جانا چاہتا ہوں ہم لوگ ان کو قبرستان لے گئے، وہ پہلے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مراقب ہو کر بیٹھے اور دیر تک بیٹھے رہے، اس کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مراقب ہو کر بیٹھے اور بہت دیر تک بیٹھے اور ان کے چہرے کے رنگ سے ہم محسوس کرتے رہے کہ ان پر کوئی خاص اثر پڑ رہا ہے، وہاں سے واپسی پر فرمایا کہ " ان حضرات کا مقام بہت ہی بلند ہے " اس کے بعد ہم لوگوں سے فرمایا کہ یہاں کے استادوں میں جو اللہ والے ہیں مجھے ان کے پاس لے چلو، ہم سب سے پہلے حضرت میاں صاحب یعنی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پہونچے، حضرت میاں صاحب کی زیارت و ملاقات سے بھی والد صاحب بہت متاثر ہوئے، اس کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کی، ان حضرات کی زیارت
سے بھی بہت متاثر ہوئے اور ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہر
وقت ذکر میں مشغول اور صاحب نسبت ہیں ـــ الغرض
ہمارے اکابر اور ہماری جماعت کے بارہ میں ان کو جو بدگمانیاں
ہمیشہ سے تھیں وہ غالباً اسی دن ختم ہوگئیں اور اس کے
بعد تو ان پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی بڑا فضل ہوا ـــ لیکن
اس وقت میرا مقصد اپنی طالب علمی کے کچھ واقعات سنانا
ہے اپنے والد صاحب کی سوانح عمری بیان کرنا مقصود
نہیں ہے۔ مگر جب ان کا ذکر آگیا ہے تو ان کی ایک بات
اور سنا دینا مناسب سمجھتا ہوں، انشاء اللہ آپ بھائیوں
کو اس سے بھی نفع ہوگا۔

غالباً ۴۵ء میں یعنی اب سے ۳۵-۳۶ سال پہلے
میرے والد صاحب کو حج نصیب ہوا، واپسی پر باہر سے
تنہائی میں فرمایا کہ میں تیرے لئے کوئی چیز نہیں لایا، میں نے
ایک دعا تیرے واسطے کی ہے اور وہ یہ کہ تیرے پاس کبھی
دولت نہ ہو اور تجھے کبھی تنگی اور تکلیف نہ ہو،، مجھے
امید ہے کہ انشاء اللہ یہ قبول ہوگی، اس بات کو ۳۵/۳۶
سال ہوگئے ہیں، میں آپ کے سامنے اس بات کا اظہار
بہتر سمجھتا ہوں کہ اب تک اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ
بالکل یہی ہے میرے پاس دولت کبھی نہیں ہوئی اور الحمد للہ
زندگی کی ان تکلیفوں سے مجھے کبھی واسطہ نہیں پڑا، جو
افلاس اور تنگی کی وجہ سے اللہ کے بندوں کو ہوتی ہیں، مالک
کے فضل و کرم سے میری زندگی بڑی راحت اور عافیت
کے ساتھ گزری ہے، مجھے یقین ہے کہ اگر بالفرض میں ڈپٹی کلکٹر
ہوتا اور میری تنخواہ ہزار یا اس سے بھی اوپر ہوتی تو زندگی کی
وہ راحتیں مجھے نصیب نہ ہوتیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم
سے مجھے نصیب ہیں،

میرے عزیز بھائیو! خدا گواہ ہے کہ میرے پاس کوئی
ہنر اور کمال نہیں ہے بس وہی ہے جو اسی دارالعلوم سے اور
یہاں کے اپنے اساتذہ سے نصیب ہوا ہے،

میں نے ابھی ذکر کیا تھا کہ جب میری عربی تعلیم شروع ہوئی
تو میرے اندر اس کا کوئی داعیہ اور شوق نہیں تھا اور بعد میں
جب ارادہ کے ساتھ اور جی لگا کر پڑھنا شروع کیا، واقعہ
یہ ہے کہ اس وقت بھی خدا طلبی اور آخرت کی کامیابی کا واضح
تصور مجھے نصیب نہیں تھا۔ لیکن الحمد للہ جب دارالعلوم میں
حاضری ہوئی تو یہ نعمت بھی کسی درجہ میں یہاں کی برکت سے
نصیب ہوگئی تھی۔ مگر جیسا کہ میں نے بتایا تھا میرے والد
ماجد نے مجھے صرف اسی نیت سے دینی تعلیم کے راستہ پر لگایا
تھا کہ ان کو قبر میں اور اس کے بعد آخرت کی منزلوں میں اس
سے فائدہ پہونچے، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے والد
ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے اس عمل کو ضرور قبول فرمائے گا
یہ ان کی ایک قربانی تھی اور انہوں نے گویا مجھے اللہ کی نذر کیا
تھا اور دین کیلئے وقف کیا تھا۔

میں یاد کرتا ہوں ایک دن وہ تھا جب والد
صاحب نے کلکٹر کے کہنے کے باوجود مجھے انگریزی پڑھانے
سے انکار کر دیا تھا اور مجھے اپنی نادانی سے بڑا رنج اور صدمہ
ہوا تھا اور میں سمجھتا تھا کہ میرا مستقبل تاریک ہوگیا؛
اور اب میرا حال یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ وہی دن
میرے لئے سب سے زیادہ مبارک دن تھا،،

جب والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فیصلہ فرمایا
تھا کہ وہ اپنی آخرت بنانے کے لئے مجھے صرف دینی
تعلیم دلائیں گے[1] مجھے جب قرآن شریف کی تلاوت
نصیب ہوتی ہے اور جب حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرتا

[1] حاشیہ اگلے صفحہ ۳۶ پر ملاحظہ فرمائیں

ہوں اور کچھ سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کیا ارشاد فرما رہے ہیں اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں کیا ہدایت فرمائی، تو میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ اس دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے جو کسی بندہ کو حاصل ہو سکتی ہے اور زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اسکے برابر قیمتی نہیں۔ اور والد ماجدؒ کے اس فیصلہ کے صدقہ میں یہ مجھے نصیب ہوئی ہے تو میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے والد ماجد نے سب سے بڑا احسان مجھ پر یہی فرمایا۔ انہوں نے میرے لئے مکان بھی چھوڑا جو آج بڑی قیمت کا ہے اور اس کے علاوہ خاصی جائداد بھی چھوڑی جس میں سے بہت کچھ فروخت کر چکا ہوں اور اب بھی کچھ باقی ہے۔ لیکن اس سب سے بڑا احسان ان کا مجھ پر یہ ہے کہ انہوں نے مجھے وہ دینی تعلیم دلائی جو دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیمتی میراث ہے ــــ اللہ تعالیٰ ان کے اس عمل اور اس احسان کا صلہ قبر میں اور آخرت میں ان کو اپنی شان عالی کے مطابق عطا فرمائے۔

میرے عزیز بھائیو! آپ میں سے بہت سے وہ ہونگے جن کے والدین نے میرے والد کی طرح اپنی اور ان کی آخرت بنانے کیلئے سوچ سمجھ کے دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ کیا ہوگا لیکن خود ان کا ذہن اس بارہ میں صاف نہ ہوگا جیسا کہ ایک عرصہ تک خود میرا حال تھا۔ اور کچھ آپ میں وہ ہوں گے جنہوں نے خاندانی رواج کے طور پر یا حالات کے تقاضے سے یا دنیوی تعلیم حاصل نہ کر سکنے کی مجبوری سے دینی تعلیم کا یہ راستہ اختیار کر لیا ہوگا، لیکن میں آپ کا مخلص بھائی ہوں، آپ سے عرض کرتا ہوں کہ آپ اس علم دین کی قدر و قیمت کو اور اپنے مقام اور اپنی حقیقت کو سمجھئے ــــ آپ جو چیز حاصل کرنے کیلئے یہاں آئے ہیں، وہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ترکہ اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ورثہ ہے، اگر اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب فرمائے اور نیت اور عمل [illegible] ہو تو آپ سے اور ہم سے بڑا دولتمند اور خوش نصیب کوئی نہیں، آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] کے علمبردار اور حضور کے سپاہی اور لشکری ہیں ــ اگر آپ اس حقیقت کو اور اپنے مقام کو سمجھ لیں تو پھر آپ [illegible] دنیاوی اعزاز اور عہدہ کی طمع نہ ہوگی اور اہل دنیا [illegible] دولتمندوں کی شاندار کوٹھیاں اور موٹریں دیکھ کے آپ کو [illegible] اور موٹر نہ ہونے کی حسرت نہ ہوگی، پھر آپ کا احساس اور اذعان یہ ہوگا کہ قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی سورت بلکہ ایک ایک آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث جس کا آپ کو علم ہے وہ ان کوٹھیوں اور موٹروں سے ہزاروں درجہ زیادہ قیمتی ہے ــــ ہمیں اپنے قصوروں اور کوتاہیوں اور گناہوں کے لحاظ سے تو اپنے کو سب سے کمتر سمجھنا چاہئے لیکن علم نبوی اور وراثت نبوی کی نسبت سے برتر اور بالاتر سمجھنا چاہئے اور اس نعمت پر خدا کا بے حد شکر ادا کرنا چاہئے۔

حاشیہ نمبر ۳ کا حاشیہ لے ہے۔ میں اللہ کے ایسے بہت سے بندوں سے واقف ہوں جنہوں نے صرف انگریزی تعلیم حاصل کی اور ایک دن بھی ہمارے کسی دارالعلوم میں طالب علم بن کے نہیں رہے لیکن ان پر کسی اور راستہ سے اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور ان کی دینی حالت خود میرے لئے باعث رشک ہے اور میں ان کو اللہ کے مقبول بندوں میں سے سمجھتا ہوں، لیکن اپنے بارہ میں میرا اندازہ یہی ہے کہ اگر مجھے انگریزی تعلیم دلائی جاتی تو شاید میرا تعلق دین سے اور اللہ و رسول سے برائے نام ہی ہوتا۔

بخدا میں کچھ نہیں ہوں، نہایت گنہگار بندہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ چیز محض اپنے فضل سے کسی درجہ میں نصیب فرما دی ہے کہ جو تھوڑا سا علم اس دارالعلوم کے صدقہ میں اور اس کے فیض یافتہ اپنے اساتذہ کے صدقہ میں حاصل ہو گیا ہے اس کو اس دنیا کی سب سے بڑی دولت سمجھتا ہوں،

میرے بھائیو! یہی ہمارے بزرگوں کا خاص فکر اور ورثہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب کو نصیب فرمائے اور مجھ سے زیادہ نصیب فرمائے! ــــ اس کے لئے میں آپ کو تین باتوں کی نصیحت کرتا ہوں،

اول یہ کہ اپنے مقام اور مقصد کو سمجھئے اور اگر اب تک نیت اور مقصد کے بارہ میں ذہن صاف نہیں تھا تو اب اپنے دل کے رُخ کو صحیح کر لیجئے، تنہائیوں میں بیٹھ بیٹھ کے سوچا کیجئے کہ آپ یہاں کیوں آئے ہیں اور آپ کون ہیں اور جو علم آپ حاصل کر رہے ہیں وہ کتنی عظیم دولت اور نعمت ہے ــــ یہ آپ کیلئے بہترین مراقبہ ہے،

دوسری بات یہ کہ دل لگا کر اور پوری توجہ سے پڑھئے یہ علم دین کی قدر اور عظمت کا حق ہے اس کے بغیر کسی کو نہ کچھ آیا ہے نہ آئے گا، نہ ملا ہے، نہ ملے گا،

تیسری اور آخری بات یہ ہے کہ جو علم آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں اپنی زندگی اور اپنا عمل بھی اس کے مطابق بنایئے، تقویٰ اختیار کیجئے، تقوے کے ساتھ علم نور ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا میراث نبوت ہے اور تقوے کے بغیر علم ظلمت ہے اور سراسر وبال ہے،

میرے عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ نے علم کی اور دین کی جو دولت ہمارے اکابر حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ حضرت شیخ الہندؒ حضرت تھانویؒ، حضرت کشمیریؒ اور حضرت مولانا مدنیؒ کو عطا فرمائی تھی وہ اس کے خزانہ میں اب بھی بھرپور موجود ہے، یہ دارالعلوم اس کا دروازہ ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دروازہ تک پہنچا دیا ہے، اگر آپ اخلاص نیت اور محنت اور تقوے کی شرطوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تو میں اللہ تعالیٰ کی کریمی پر یقین کر کے قسم کھا کے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو آپ کی استعداد اور استحقاق کے مطابق اللہ تعالیٰ وہی دولت ضرور عطا فرمائے گا ــــ اور قبر اور آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی آپ کو اس کا ذائقہ حاصل ہو گا ــــ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بقیہ: مولانا مفتی فضیل الرحمٰن صاحب

رہا لیف ہے۔

الغرض حضرت الحاج مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی بانی و مہتمم مدرسہ تعمیر سیرت خوش دل، پاکباز جفاکش، سنجیدہ مزاج اور پر وقار شخصیت ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور مسلمان ان کے نصیحت آمیز بیانات، تصانیف اور حق و صداقت پر مبنی فتاویٰ سے مستفید ہوتے رہیں، آمین ثم آمین۔

O

سب سے بڑا فریضہ یہ عائد ہوتا ہے کہ تبلیغ دین میں اس وقت قدم رکھے جب دین کو علمائے دین سے اچھی طرح سمجھ لے ورنہ حقیقت میں یہ تبلیغ دین تخریب دین ہو گی۔

(تنبیہات صفحہ ۲۸ - مصنف مولانا سید حسین مدنیؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند - مطبوعہ ادارہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند ۱۳۶۵ھ)

بانیٔ مدرسہ تعمیر سیرت

مفتی فضیل الرحمٰن صاحب

○ جناب عبد الوحید صاحب (بی اے)

"حضرت فضیل الرحمٰن صاحب ایک ایسے خانوادۂ علمی کے چشم و چراغ ہیں جو علم و ہنر دانش و فن، ادب و انشا و تحریر و تقریر، شرافت و نجابت کی امتیازی خصوصیات اور اعلیٰ روایات کے حامل و مالک ہیں۔"

یہ الفاظ آج سے کافی مدت قبل شیخ التفسیر دارالعلوم حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری نے اس شخصیت کے بارے میں کہے تھے جس کا تذکرہ راقم الحروف اس مختصر مضمون میں کرنا چاہتا ہے،

یہ وہی شخصیت ہے جو آج کل پورے پنجاب کے مفتیٔ اعظم ہیں۔ مالیر کوٹلہ میں ہی نہیں بلکہ علاقۂ پنجاب میں ایک ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی جو تشنگانِ علم کی پیاس جامِ علم سے بجھا دے، تقریر دل کے شوقین لوگوں کو دلپذیر انداز میں عش عش کرا اٹھنے پر مجبور کر دے۔ مطالعہ سے دلچسپی لینے والوں کے لئے ایسی تصنیفات لکھ کر دلا دیتا اور پرکشش ہوں تاکہ قاری بار بار پڑھنے پر مجبور ہوں،

آپ کی آمد سے قبل حضرت مولانا مفتی حمید حسن صاحبؒ دارالافتاء مالیر کوٹلہ میں بحیثیت مفتیٔ اعظم فائز تھے، لیکن جب وہ گورنمنٹ کی جانب سے ریٹائر ہو گئے اور کچھ عرصہ کیلئے شہر مالیر کوٹلہ ایک کنت ویراں کی شکل اختیار کر گیا، یہاں کی کشتی کا کوئی ناخدا نہ رہا۔ ایسا لگتا تھا جیسے سکتہ کی حالت میں مریض دم بخود ہو جاتا ہے، لیکن اللہ رب العزت علیم و خبیر ہے، اچانک اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اس خشک علاقہ کی سیرابی کیلئے مالیر کوٹلہ کا رُخ ہوا، اس شخص کو جو ۱۱ر جنوری ۱۹۵۳ء سے قبل دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس طلباء کے دماغوں اور دلوں کی اصلاح میں لگا ہوا تھا، ان کے قلوب کو علم کی روشنی سے منوّر کر رہا تھا، اور ان کو تاریکی سے اجالے میں لانے کے لئے سرگرداں و کوشاں تھا، اس کو ۱۲ر جنوری ۱۹۵۳ء کو مالیر کوٹلہ میں بھیجدیا۔

لیکن یہ کیا؟ اس شخص کی عجب کیفیت تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی نے اڑتی چڑیا کو پنجرے میں بند کر لیا ہو یا جیسے کوئی اجالے سے اندھیرے میں آ گیا ہو ان کیلئے ایک عجیب ماحول تھا، مالیر کوٹلہ کا ماحول یہاں کے عوام، در و دیوار، آب و ہوا سب ان کیلئے اجنبی تھی

دیوبند ایک علمی مرکز، علماء کا شہر، بزرگانِ دین کی سرزمین، مگر شہر مالیر کوٹلہ کی حالت اس سے بالکل برعکس نظر آتی تھی، دونوں شہروں کے ماحول میں چرخ

و فرش کا فرق۔ ایسے ماحول میں آکر گھبرا جانا عجب بات نہیں ہے، آپ گھبرائے نہیں ہمت سے کمر باندھی، تاریکی کو اجالے میں تبدیل کرنے کا پختہ عزم کر لیا، حق و صداقت کا پرچم بلند کرنے کی تمنا دل میں مضبوط تر ہو گئی۔ ایک دانشور حکیم وہ ہے جو مرض کی جڑ کا پتہ لگائے، مولانا موصوف نے اس جہالت، بدعات اور لادینیت کے خاتمہ کا جو شاندار نسخہ تجویز کیا وہ مدرسہ تعمیر سیرت کی شکل میں رونما ہوا، اس مدرسہ کا مقصد عظیم یہی ہے کہ معصوم بچوں کو تعلیم دین سے روشناس کرایا جائے تاکہ آئندہ نسل خود بخود ان بیماریوں سے محفوظ رہ سکے، الحمد للہ یہ اسکیم صد فیصد کامیاب ہوئی اور خدا کی ذات مقدس سے امید قوی ہے کہ مستقبل قریب میں بھی انشاء اللہ کامیاب رہے گی۔

مفتی فضیل الرحمٰن صاحب نے مدرسہ تعمیر سیرت کی بنیاد رکھکر اور اس کو قائم فرما کر عالم اسلام پر عموماً اور اہل پنجاب پر خصوصاً احسان عظیم کیا ہے۔ ۱۹۷۲ء سے لے کر ۸۸ء تک کے مختصر عرصہ میں اس مدرسہ نے غیر معمولی ترقی پائی ہے، بچوں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے، گذشتہ دنوں جناب مولانا نور الحسن صاحب، مفتی کفیل الرحمٰن صاحب عثمانی اور اخلاق احمد صاحب مدرسہ تعمیر سیرت (جامع مسجد) مالیر کوٹلہ میں بغرض معائنہ تشریف لائے، معائنہ کے بعد انہوں نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کئے:۔

" اس تھوڑی سی مدت میں بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کو دیکھ کر بڑی طبیعت خوش ہوئی، مجھے امید ہے کہ یہ آگے چل کر ایک بڑی درسگاہ بن جائے گی، خصوصاً مکرمی جناب مولانا مفتی فضیل الرحمٰن صاحب عثمانی فاضل دیوبند کی علمی قابلیت یقیناً اپنے جوہر دکھائے گی" انشاء اللہ

مولانا موصوف کی دوسری نیک خواہش ماہنامہ " تعمیر سیرت " میں ظہور پذیر ہوئی، ان کا یہ خواب بہت جلد شرمندۂ تعبیر ہوا، جب اپریل ۱۹۸۲ء سے یہ دینی و علمی ماہنامہ مالیر کوٹلہ سے جاری کیا گیا، اللہ جل جلالہٗ نے اس رسالہ کو امید سے بھی زیادہ کامیابی دی، یہ جریدہ عوام و خواص میں بہت مقبول ہوا اور ہر کس و ناکس اس میں دلچسپی لینے لگا، خدائے عز و جل سے دعا ہے کہ یہ چراغ علم اپنی شعاعیں تمام دنیا میں پھیلائے تاکہ مدرسہ تعمیر سیرت کی علمی خوشبو اس گلستان کے چہار سو پھیلے اور ہر گوشہ معطر ہو جائے"

مولانا موصوف حق شناس، صاف گو، راست باز دیانت دار، ایماندار، دانشور اور ماہر تعلیم ہیں۔ مولانا نے صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ اس مقدس سر زمین پر رہ کر بھی علم حاصل کیا، جس سر زمین کی زیارت کیلئے لوگ اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں، انہوں نے عرب میں جا کر مدینہ یونیورسٹی میں بھی تعلیم پائی

استاذم مولانا مفتی صاحب مدظلہٗ العالی بہت محنتی ہیں " آرام ہے حرام " غالباً ان کی زندگی کا یہی نصب العین ہے، ہمہ وقت اپنے کام میں مشغول و معروف رہتے ہیں، دماغی ہو یا جسمانی، تقریری ہو یا تحریری، جب بھی کبھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو بیکار بیٹھے ہوئے نظر نہیں آئے آپ کے علم و فن و معروفیت کی تعریف کرتے ہوئے دار العلوم دیوبند کے حضرت مولانا ظفیر الدین صاحب نے فرمایا ہے۔

" مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی (سابق) مدرس دار العلوم دیوبند ان نوجوان علماء میں ہیں جو دنیا کے ہنگاموں سے الگ رہ کر علم و فن کی خدمت میں ہمہ تن معروف ہیں اور جن کی زندگی کا مشغلہ تعلیم و تدریس و تصنیف

(باقی ص پر)

ہمارے معاونین

اکتوبر، نومبر، دسمبر ۱۹۷۷ اور جنوری ۷۸ء میں موصول ہونے والی رقوم

نمبر رسید	اسمائے گرامی چندہ دہندگان	بمد	رقم	رسید نمبر	اسمائے گرامی چندہ دہندگان	بمد	رقم
	ماہ اکتوبر ۱۹۷۷ء			۲۵/۲۲۷۲	ماسٹر محمد شریف ہیڈ ماسٹر	امداد	۲/-
۴۲/۱۱۸۴	محمد ابراہیم محلہ کمانگراں	امداد	۲/-	۲۲۷۳	حسن ٹیلر موتی بازار	″	۵/-
۴۲/۱۱۸۵	محمد انوار صاحب محلہ بخشی بدرالدین	″	۵/-	۲۲۷۴	بابو قلفی گر ″ ″	″	۲/-
۴۲/۱۱۸۶	چوہدری عبداللہ صاحب بھٹنڈہ	فطرہ	۱-۵/-	۲۲۷۵	جناب کالو صاحب سرہندی گیٹ	″	۲/-
۴۲/۱۱۸۷	″ ″ ″	امداد	۵/-	۲۲۷۶	محمد بشیر حلوائی ″ ″	″	۲/-
۳۹/۲۸۱۱	محمد سلیم صاحب محلہ بھسی	″	۳۰/-	۲۲۷۷	محمد سلیم بوٹ ہاؤس ″	″	۲/-
۳۹/۲۸۱۲	محمد رفیق صاحب سول ہسپتال	″	۲/-	۲۲۷۸	محمد بشیر مالک پنجاب ٹی سٹال سرہندی گیٹ	″	۲/-
۳۹/۲۸۱۳	خوشی محمد ″ ہتھن	″	۱۰/-	۲۲۷۹	بشیر صاحب کپڑے والے ″	″	۲/-
۳۹/۲۸۱۴	نرسی سنگھ ″	″	۱۰/-	۲۲۸۰	محمد سلیم ″	″	۲/-
	ماہ نومبر ۱۹۷۷ء			۲۲۸۱	عبدالمجید برتن فروش موتی بازار ″	″	۵/-
۴۵/۲۲۶۱	محمد حنیف انصاری چھینٹی گلی ملیر	″	۲/-	۲۲۸۲	عبدالوحید چوہان بی اے فاضل دینیات امداد	″	۲/-
۲۲۶۲	محمد شریف ″ ″	″	۲/-	۳۹/۲۸۱۵	ماسٹر محمد رمضان محلہ ڈھیکاں والا	″	۱۰/-
۲۲۶۳	محمد شکیل ″ ″	″	۲/-	۲۸۱۶	علی محمد صاحب موضع ہتھن	″	۵/-
۲۲۶۴	محمد حمید انصاری ″	″	۲/-	۴۵/۲۲۸۳	صادق چوہان چھینٹی گلی ملیر	″	۵/-
۲۲۶۵	عبدالرشید انصاری ″	″	۲/-	۲۲۸۴	محترمہ حسن فاطمہ ملیر تیلیاں والا	″	۵/-
۲۲۶۶	تاج محمد ″ ″	″	۲/-	۲۲۸۵	شبیر احمد ہیڈ ماسٹر دیوان خانہ روڈ	″	۱/-
۲۲۶۷	ڈاکٹر محمد نذیر عیدگاہ روڈ	″	۵/-	۲۲۸۶	سیف الرحمن معمار محلہ راجاں	″	۲/-
۲۲۶۸	ڈاکٹر ″ ″ ″	″	۵/-	۴۵/۲۲۸۷	محمد اسلم قریشی چھینٹی گلی ملیر	″	۲/-
۲۲۶۹	ماسٹر افضال ملک فاضل دینیات امداد	″	۱/-	۲۲۸۸	شکوراں زوجہ عبدالغفور صاحب ملیر تیلیاں	″	۵/-
۲۲۷۰	عبدالشکور اینڈ سنز موتی بازار	″	۱/-	۳۹/۲۸۱۷	محمد رفیق سول ہسپتال مالیرکوٹلہ	″	۲/-
۲۲۷۱	فضل محمد بلو اسٹار ″	″	۲/-	۴۵/۲۲۸۹	عبدالغفور ہیڈ ماسٹر نزد جامع مسجد مالیرکوٹلہ	″	۵/-

رسید نمبر	اسمائے گرامی چندہ دہندگان	مد	رقم	رسید نمبر	اسمائے گرامی چندہ دہندگان	مد	رقم
۲۵/۲/۲۲۹۰	صدیق معرفت عبدالغفور جامع مسجد	امداد	۴/-	۲۹/۲/۲۸۳۳	محمد جمیل صاحب دہلی	امداد	۹/-
۲۲۹۱	ولی محمد ڈرائی کلینرز نزد پوسٹ آفس مالیر کوٹلہ	؍؍	۲/-	۲۸۳۳	شیر محمد صاحب بیج میکر	؍؍	۳/۵۰
۲۲۹۲	ڈاکٹر سعید صاحب سنلا گیٹ	؍؍	۹/-	۱۱/۱۲۱۷	دین محمد صاحب محلہ بالوکا	؍؍	۴/۰
۲۲۹۳	ماسٹر عبدالعزیز ہیڈ ماسٹر سرہندی گیٹ	؍؍	۵/-	۱۲۲۰	محمد اسمٰعیل شیر دانی گیٹ	قربانی	۱۰/-
۲۹/۲/۲۸۱۸	صوفی محمد رفیق سرہندی گیٹ	قربانی	۱۷/-	۱۲۲۸	حاجی عبدالغفور شیردانی کوٹ روڈ	؍؍	۲۰/
۲۸۱۹	تتو صاحب نائی محلہ کمانگراں	؍؍	۱۲/-	۱۲۳۰	رحم دین محلہ بالوکا	؍؍	۱۰/
۲۸۲۰	بشیر صاحب ولد رحم دین سرہندی گیٹ	؍؍	۱۲/۵۰	۱۲۳۱	محمد صدیق صاحب شیر دانی گیٹ	؍؍	۱۰/۰
۲۸۲۱	محمد شفیق رینٹ کلکٹر سرہندی گیٹ	؍؍	۱۲/۵۰	۱۲۳۲	عبدالعزیز پسر علی محمد محلہ بالوکا ؍؍	؍؍	۲۰/۰
۲۸۲۳	سلامت صاحبہ والدہ محمد سلیم صاحب سرہندی گیٹ	؍؍	۲۰/-	۱۲۳۳	سلامت علی صاحب مالیر کوٹلہ	زکوٰۃ	۵/-
۲۸۲۴	محترمہ زبیدہ صاحبہ	؍؍	۲/-	۱۲۳۴	محمد خلیل پان فروش شیر دانی گیٹ	؍؍	۱۰/-
	ماہ دسمبر ۱۹۷۸ء			۱۲۳۵	عبدالعزیز صاحب محلہ بالوکا	امداد	۲/-
	حافظ محمد حنیف صاحب سے گندم کے حساب			۱۲۳۶	محمد بشیر ؍؍	زکوٰۃ	۲۰/۰
	میں دوسری قسط وصول	امداد	۲۵/-	۱۲۳۷	محمد بشیر محلہ نیائیں	فطرہ	۷/۰
۲۳/۲/۲۲۶۶	محمد شریف صاحب محلہ بختی بدرالدین	؍؍	۲/-		کوپن جلد ۱۳ رسید ۱۳۱۰	امداد	۱/
۲۲۶۷	عبدالجبار ؍؍ عظیم پورہ	؍؍	۴/-	۲۵/۲/۲۲۹۴	محمد رحیم انصاری چھتی گلی ملیر	؍؍	۱/۰
۲۲۶۸	عبدالغفار خان ؍؍	؍؍	۲/-	۲۲۹۵	رحم دین انصاری ؍؍ ؍؍	؍؍	۱/-
۲۲۶۹	محمد شریف شاہ بختی بدرالدین	؍؍	۲/-	۲۲۹۶	ماسٹر محمد اشرف ہیڈ ماسٹر صدر بازار	قربانی	۱۵/-
۲۲۷۰	عبدالجبار خان عظیم پورہ	؍؍	۴/-	۲۲۹۷	عبدالوحید محلہ رنگ سازاں	امداد	۲/۰
۲۲۷۱	عبداللطیف صاحب بیج میکر نزد کمل سینما	؍؍	۵۱/-	۲۲۹۸	کالو صاحب دوکاندار سرہندی گیٹ	؍؍	۲/-
۲۲۷۲	عبدالغفار خان عظیم پورہ	زکوٰۃ	۲/۵۰	۲۲۹۹	بشیر حلوائی ؍؍	؍؍	۲/-
۲۹/۲/۲۸۲۶	مظفر حسین صاحب پرنسپل سکندر آباد	امداد	۵/-	۲۵۰۰	انور عرف حبیب دوکاندار ؍؍	؍؍	۲/۰
۲۸۲۷	مصلیان جامع مسجد سہارنپور بذریعہ			۲۹/۲/۲۸۴۴	ماسٹر حمید حسن برانچ ۵ اسلامیہ سکول	؍؍	۵/۰
	ظل الرحمٰن صاحب قاسمی	؍؍	۸۶/۲۵	۵/۲/۲۹۹۴	ماسٹر افضال ملک برانچ ۱ مدرسہ ہذا	؍؍	۱/-
۲۸۳۰	محمد رفیق صاحب سول ہسپتال	؍؍	۲/-	۲۹/۲/۲۸۴۵	صوفی محمد رفیق صاحب	زکوٰۃ	[illegible]
۲۸۳۱	نواز علی خان ؍؍ چودماراں	؍؍	۱۱/-	۵/۲/۲۹۵۵	سلیم صاحب نقشہ نویس صدر بازار	امداد	۱۰/-

رسید نمبر	اسمائے گرامی چندہ دہندگان	مد	رقم
۴۹۵۶/۵۷	محمد جمیل صاحب چوہان ہیڈ ماسٹر صدر بازار	امداد	۲/-
۴۹۵۷	سعید صاحب چوہان 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۵۸	محمد 〃 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۵۹	نصیر 〃 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۶۰	عارف چوہان 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۶۱	کبریا چوہان 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۶۲	غلام صابر چوہان 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۶۳	یعقوب صاحب 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۶۴	جمیل صاحب 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۶۵	رام چند سنگم ٹیلرز 〃	〃	۲/-
۴۹۶۶	حسین صاحب 〃 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۶۷	یلیش 〃 〃 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۶۸	عبدالشکور موتی بازار	〃	۲/-
۴۹۶۹	ماسٹر محمد شریف موتی بازار	〃	۲/-
۴۹۷۰	حسن ٹیلرز 〃	〃	۵/-
۴۹/۷۱	محمد فاروق صاحب چھینی گلی ملیر	〃	۵/-
۴۹۷۲	بی بی حجن فاطمہ 〃	〃	۵/-
۴۹۷۳	بی بی شکوراں 〃	〃	۵/-
۴۹۷۴	فضل محمد ٹیلر ماسٹر موتی بازار	〃	۲/-
۴۹۷۵	عبدالمجید برتن فروش 〃	〃	۵/-
۴۹۷۶	محمد بابو قلعی گر 〃	〃	۲/-
۴۹۷۷	ڈاکٹر محمد نذیر 〃	〃	۵/-
۴۹۷۸	محمد بشیر پنجاب ٹی سٹال سرہندی گیٹ	〃	۲/
۴۹۸۰	محمد سلیم سائیکل سٹور 〃	〃	۲/-
۴۹۷۹	محمد اسلم بوٹ ہاؤس 〃	〃	۲/-

رسید نمبر	اسمائے گرامی چندہ دہندگان	مد	رقم
۴۹۸۱/۵۰	محمد بشیر کپڑے والے سرہندی گیٹ	امداد	۲/-
۴۹۸۲	عزیز ٹیلرز 〃	〃	۵/-
۴۹۸۳	ڈاکٹر سعید سنائی گیٹ	〃	۵/-
۴۹۸۴	محمود صاحب محلہ الیاس خان	〃	۱۰/
۴۹۸۵	محمد صدیق محلہ نیائیں	〃	۱/-
۴۹۸۶	[illegible]ندر مالک جیولائٹ ڈرائی کلینرز	〃	۴/-
۲۹/۴۸۲۲	[illegible] نذیر سبزی فروش دہلی گیٹ	〃	۳/-
۴۹۸۷/۵۰	افضال ملک مدرس مدرسہ ہذا	〃	۱/-
۴۹۸۸	نذیر ٹیلر ماسٹر عزت اشرف ٹیلرز	〃	۲/-
۴۹۸۹	سرور خان ٹیلر ماسٹر 〃	〃	۴/-
۴۹۹۰	عبدالرشید 〃 〃	〃	۲/-
۴۹۹۱	محمد طفیل 〃 〃	〃	۱/-
۴۹۹۲	محمد اشرف مالک اشرف ٹیلرز موتی بازار	〃	۱/-
۴۹۹۳	عبدالستار عبدالغفار چوڑی فروش	〃	۲/-
۴۹۹۴	محمد حنیف سفیر مدرسہ ہذا	〃	۲/-
۴۹۹۵	محمد شریف انصاری چھینی گلی ملیر	〃	۱/-
۴۹۹۶	محمد شفیق 〃 〃 〃	〃	۱/-
۴۹۹۷	عبدالرشید 〃 〃 〃 〃	〃	۱/-
۴۹۹۸	عبدالحمید 〃 〃 〃 〃	〃	۱/-
۴۹۹۹	تاج محمود 〃 〃 〃 〃	〃	۱/-
۵۰۰۰	رحم دین 〃 〃 〃	〃	۱/-

ماہ جنوری ۱۹۷۸ء

رسید نمبر	اسمائے گرامی چندہ دہندگان	مد	رقم
	گندم کے محمد حنیف سفیر مدرسہ سے وصول	〃	[illegible]
۱۲۲۸/۱۷	عبدالحمید ولد عبدالکریم محلہ جھوڑہ	〃	۱/-
۱۲۲۹	ماسٹر عبدالغفور ٹیلر ماسٹر جامع مسجد	〃	۴/-

رسید نمبر	اسمائے گرامی چندہ دہندگان	مد	رقم
۱۷/۱۶۴۰	ماسٹر محمد صدیق ٹیلر ماسٹر جامع مسجد	امداد	۲/۰
۱۶۴۲	محمد اسرائیل " " پرانا لوٹیا بازار	"	۲/-
۱۶۴۳	سردار جوگندر سنگھ " "	"	۱/۰
۱۶۴۴	تاج محمد صاحب " "	"	۱/۰
۲۳/۱۶۴۵	عبد الغفار خان صاحب عظیم پورہ	"	۲/-
۱۶/۱۶۴۶	ماسٹر حمید صاحب برانچ اسلامیہ سکول	"	۵/-
۱۶۴۷	کالو صاحب دکاندار سرہندی گیٹ	"	۲/-
۱۶۴۸	انور صاحب دکاندار " "	"	۲/-
۱۶۴۹	محمد بشیر " "	"	۲/۰
۱۶۵۰	مولانا اسمٰعیل عزیز دیوبند (یوپی)	"	۲/-
۱۶۵۱	سیف الرحمٰن معمار محلہ راجاں	"	۲/-
۱۶۵۲	محمد بشیر دکاندار سرہندی گیٹ	"	۲/۰
۱۶۵۳	عبد العزیز ٹیلر ماسٹر " "	"	۵/-
۱۶۵۴	محمد بشیر پنجابی سٹال " "	"	۲/-
۱۶۵۵	محمد اسلم بوٹ ہاؤس " "	"	۲/-
۱۶۵۶	محمد سلیم سائیکل ورکس " "	"	۲/-
۱۶۵۷	میسرز حسن ٹیلرز موتی بازار	"	۵/-
۱۶۵۸	محمد شریف ٹیلر ماسٹر " "	"	۲/-
۱۶۵۹	فضل " " "	"	۲/۰
۱۶۶۰	عبد الشکور اینڈ سنز "	"	۲/-
۱۶۶۱	عبد المجید برتن فروش "	"	۵/۰
۱۶۶۲	بابو صاحب قلعی گر "	"	۲/-
۱۶۶۳	محمد صادق الرضا، چھتی گلی ٹیلر	"	۵/-
۱۶۶۴	ڈاکٹر محمد نذیر مالیرکوٹلہ	"	۵/-
۱۶۶۵	عبد الوحید چوہان سرہندی گیٹ	"	۲/-
۱۶/۱۶۶۶	محترمہ بی بی حجن فاطمہ مالیر شیلیاں	امداد	۵/-
۱۶۶۷	بی بی شکوراں زوجہ عبد الغفور	"	۵/۰
۱۶۶۸	میسرز عبد الحمید ولد عبد الکریم جٹ پورہ	"	۱/-
۱۶۶۹	حاجی محمد شفیع کمال کے رومش	"	۵/-
۱۶۷۰	ڈاکٹر محمد سعید سنار گیٹ	"	۵/-
۱۶۷۲	محمد شفیع بیج میکر سرہندی گیٹ	"	۱۵/-
۱۶۷۳	مفتی ہلال عثمانی دار الافتاء مالیرکوٹلہ	"	۲/۰
۱۶۷۴	محمد جمیل معرفت سنگم ٹیلرز صدر بازار	"	۲/-
۱۶۷۵	محمد طفیل " " "	"	۲/-
۱۶۷۶	رام چند " " "	"	۲/-
۱۶۷۷	محمد یٰسین " " "	"	۲/-
۱۶۷۸	ولی محمد ڈرائی کلینرز "	"	۲/۰
۱۶۷۹	محمد شبیر ٹیلر ماسٹر دیوان خانہ روڈ	"	۱/۰
۱۶۸۰	م۔ افضال ملک مدرس مدرسہ ہٰذا	"	۱/-
۱۶۸۱	محمود علی بیج میکر محلہ الیاس خان	"	۱۰/-
۱۶۸۲	شبیر محمد بیج میکر نزد کمل سنیما	"	۲/۰
۱۶۸۳	محمد شکیل چوہان معرفت تاراچند اینڈ سنز	"	۲/۰
۱۶۸۴	محمد سعید چوہان " "	"	۲/-
۱۶۸۵	اختر محمد " " "	"	۲/۰
۱۶۸۶	محمد حنیف چھتی گلی ٹیلر	"	۲/-
۱۶۸۷	محمد زکریا معرفت تاراچند اینڈ سنز	"	۲/۰
۱۶۸۸	محمد صابر علی " "	"	۲/-
۱۶۸۹	محمد شریف چھتی گلی ٹیلر	"	۱/۰
۱۶۹۰	محمد شکیل " "	"	۱/-
۱۶۹۱	عبد الحمید " "	"	۱/۰

رسید نمبر	اسمائے گرامی چندہ دہندگان	مد	رقم	رسید نمبر	اسمائے گرامی چندہ دہندگان	مد	رقم
۱۷/۱۶۹۲	عبدالرشید جیجی گلی ملیر	امداد	۲/-	۲۹/۳۸۱۳	محمد علی چکی والے محلہ ساتیان	قربانی	۲۲/-
۱۶۹۳	تاج محمود " "	"	۱/-	۳۸۲۹	محمد رفیق صاحب سول ہسپتال مالیرکوٹلہ	امداد	۲/-
۱۶۹۴	مولانا حافظ قاری محمد سیم اختر صاحب جلال	"	۲/-	۲۹/۳۸۱۴	عبدالغفور ٹیلر ماسٹر پرانا لوٹیا بازار	"	۲/-
۱۶۹۵	محمد اشرف ٹیلر ماسٹر	"	۲/-	۳۸۱۵	محمد صدیق پرانا لوٹیا بازار	"	۲/-
۱۶۹۶	فیروز صاحب " "	"	۲/-	۳۸۱۶	حافظ مشتاق احمد کاتب پورنیہ (بہار)	"	۲/-
۱۶۹۷	محمد سرور " " "	"	۱/-	۳۸۱۷	اسرائیل ٹیلر ماسٹر پرانا لوٹیا بازار	"	۲/-
۱۶۹۸	عبدالرحمٰن " "	"	۱/-	۳۸۲۰	محمد اسرائیل " " صدر بازار	"	۵/-
۱۶۹۹	محمد سلیم نقشہ نویس صدر بازار	"	۵/-	۳۸۲۱	محمد اسلم معرفت اشرف ٹیلرز	"	۲/-
۱۷۰۰	عبدالستار عبدالغفار جیوری فروش	"	۲/-		رقم چرم قربانی حاجی محمد شفیع سے وصول پائی	قربانی	۱۲۷/-
۲۹/۳۸۲۷	ماسٹر حمید حسن موضع بھینی کمبوہاں	قربانی	۱۰۰/-		چندہ ماہانہ از برانچ مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ	امداد	۱۱۹/۵۰

حساب آمد و خرچ مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

اکتوبر ۱۹۷۷ء

بقایا سابقہ بتاریخ ۱/۱۰/۷۷	10758 — 93
آمدنی بمد امداد	144 — ۰
" رسالہ و کتب	10 — ۰
" زکوٰۃ و فطرہ	105 — ۰
کل آمدنی	11017 — 93
مصارف تنخواہ وغیرہ	1895 — 55
بقایا بتاریخ 31/10/77	9122 — 38

نومبر ۱۹۷۷ء

بقایا بتاریخ 1/11/77	9122 — 38
آمدنی بمد امداد	151 — ۰
" کتب و رسالہ	10 — ۰
" چندہ طلبہ	133 — ۰
" چرم قربانی	85 — 50
کل آمدنی	9501 — 88
مصارف تنخواہ وغیرہ	2182 — 75
بقایا بتاریخ 30/11/77	7319 — 13

دسمبر ۱۹۷۷ء		جنوری ۱۹۷۸ء	
بقایاجات بقیہ بتاریخ یکم دسمبر ۷۷ء	7319 — 13	بقایا بتاریخ 3/12/77	5525 — 63
آمدنی بمد امداد	424 — 75	آمدنی بمد امداد	225 — 0
آمدنی بمد رسالہ وکتب	30 — 0	" رسالہ وکتب	219 — 95
آمدنی بمد فطرہ وزکوٰۃ	184 — 0	" چندہ طلبہ	259 — 50
" چرم قربانی	85 — 0	" چرم قربانی	1593 — 0
کل آمدنی	8042 — 88	کل آمدنی	7823 — 08
مصارف تنخواہ وغیرہ	2517 — 25	اخراجات بماہ جنوری ۷۸ء	3002 — 67
بقایا بتاریخ 31/12/77	5525 — 63	بقایا بتاریخ 3/1/78	4820 — 41

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

- مدرسہ تعمیر سیرت کا کل حساب ماہ بماہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جاتا ہے۔ الحمد للہ اس کے متعلق کسی مخالف سے مخالف شخص کو بھی اعتراض کا موقعہ نہیں مل سکا ہے۔
- حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ کی سرپرستی میں ان کے خلوص اور عزم و ہمت کی برکت سے بتائید وفضل ایزدی ہزاروں مخالفتوں کے باوجود دین کا یہ کام جاری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس چشمہ فیض کو ہمیشہ جاری رکھے۔
- خیر و شر کی آویزشیں اس دنیا میں ہمیشہ رہی ہیں اور رہیں گی

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز   چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

ہمارے نیک دل مسلمان بھائی جہاں اس دین کے مدرسہ کی امداد میں دل وجان سے حصہ لیتے ہیں وہاں ایسے سیاہ بخت بندۂ شیطان بھی ہیں جو مدرسہ کی امداد سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں طرح طرح کے وسوسے اور شبہات پیدا کرتے ہیں۔

یہ اسلام کے دشمن منافق اور عیار و مکار ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہوشیار و خبردار رہنا چاہیئے اور کسی کی سننے کے بجائے اپنے دل سے فتویٰ لینا چاہیئے۔

- مدرسہ کی امداد ہم پر یا حضرت مفتی صاحب پر کوئی احسان نہیں ہے، یہ امداد اللہ کے لئے ہے اور خود اپنے واسطے ہے، اپنی قوم کے بچوں کے واسطے ہے۔

4820/- ہیں اور 2500/-

فقط محمد سلیمان خزانچی مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

بزم اردو کا تعارف

از م۔ افضال ملک مالیر کوٹلہ

اتوار ۲۸ اگست ۱۹۷۷ء کو شہر کے نوجوان ادبی حلقہ کی طرف سے مقام حویلی حمید خاں چھتی گلی مالیر مالیر کوٹلہ میں ایک میٹنگ ہوئی، اس موقع پر ایک ادبی انجمن "بزم اردو" کا قیام عمل میں آیا۔
بذریعہ ووٹنگ عہدیداران کا انتخاب ہوا، مورخہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء جمعرات کو "بزم اردو" کے ایک اجلاس میں نتیجۂ انتخابات کا اعلان کر کے حسب ذیل حساب کے مطابق "بزم اردو" کی ذمہ داریاں سونپی گئیں :-

(۱) صدر جناب محمود الحق حقی صاحب
(۲) نائب صدر جناب مشیت اللہ خاں صاحب
(۳) جنرل سکریٹری جناب ضمیر علی صاحب
(۴) جائنٹ سکریٹری م۔ افضال ملک
(۵) خزانچی م۔ افضال ملک

"بزم اردو" ایک غیر سیاسی انجمن ہے جس کے اغراض و مقاصد یہ ہیں (۱) اردو ادب کی ترقی ادباء سے تعاون کرنا (۲) شہر میں اہل ادب کو بہتر سے بہتر ادبی خدمات کے مواقع فراہم کرنا (۳) شہر کے ادبا کے درمیان ادبی مفاہمت پیدا کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

ہر وہ ادب نواز جو "اردو" سے حسن تعلق اور بزم اردو کے اغراض و مقاصد سے اتفاق رکھتا ہو بزم اردو کے تئیں اپنی ادبی خدمات پیش کرتے ہوئے بزم کا رکن بننے کی درخواست دے سکتا ہے

خدا کرے اہل بزم کو تمام تر کامیابیاں نصیب ہوویں۔ آمین

ایک مخلص ساتھی کا خط
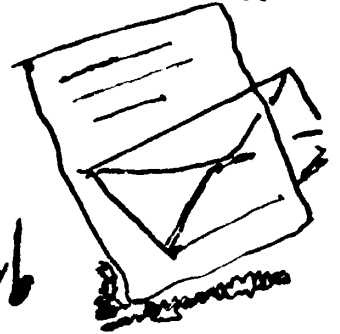
معظمی ایڈیٹر صاحب

ماہنامہ "تعمیر سیرت"

ملا، خدا کرے کہ یہ شمارہ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرے، مضامین نصیحت آمیز اور مذہبی معلومات کے نقطۂ نظر سے بلند پایہ ہیں۔

مدرسہ تعمیر سیرت کی بنیاد مالیر کوٹلہ جیسی جگہ میں ایک موجودہ دور کی اہم کامیابی ہے، مسلمان بچوں میں دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کا رجحان پیدا کرنا ایک سچے مسلمان کا مذہبی فریضہ ہے، اور اس "دہریت" کے دور میں اگر ہم اپنے بچوں کو زندگی کی صحیح شاہراہ پر گامزن کر سکے تو اس سے زیادہ خدمت اور کیا ہوگی۔

مدرسہ کی اعانت کے طور پر حقیر رقم ارسال ہے مدرسہ کی خدمت کیلئے یہ ناچیز ہر وقت دامے درمے قدمے حاضر ہے، ہر نیک کام کے راستے میں رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں لیکن "ہمت" سے آگے قدم بڑھاتے رہنے میں ہی کامیابی ہے، مظفر حسین، پرنسپل کیندریہ ودیالیہ عزیز ملگیری سکندرآباد

(ادارہ)

احکام و مسائل

- مفتی صاحب مالیرکوٹلہ کے فتوے پر دارالعلوم دیوبند کی تصدیق۔
- ایک گواہی کے مسئلہ پر دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ۔
- حضرت مفتی صاحب مالیرکوٹلہ باقاعدہ مفتی ہیں دارالعلوم دیوبند کی تصدیق۔

مفتی صاحب مالیرکوٹلہ کے فتوے پر دارالعلوم دیوبند کی تصدیق

نمبر اندراج ۲۰۰۰ (الف)

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ منکہ بابو پسر عبدا قوم کمبوہ محلہ بھسی کی اپنے بھائی بیری پسر عبدا کے ساتھ ایسے ہی باتوں باتوں میں جھگڑا ہو گیا۔ میرے والد صاحب وہاں موجود تھے والد صاحب عبدا نے مجھے فرمایا کہ میں نے تمہیں زمین لیکر دی اور بمبا لگا کر دیا اور تمہاری شادی کی میں اس وقت بہت غصہ میں تھا میں نے کہا کہ میں نے چھوڑی چھوڑی چھوڑی۔ اس پر والد صاحب نے فرمایا کہ اس عورت کو بھی۔ میں نے اس پر بھی کہا کہ ہاں چھوڑی چھوڑی۔ کیا آپ اس کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ ۱۸ اپریل ۸۳ء

العبد انگوٹھا بابو پسر عبدا قوم محلہ بھسی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب :- چھوڑنے کا لفظ اردو میں صریح اور صاف طلاق کے لئے استعمال نہیں ہوتا یہ لفظ طلاق کے کنائے اور اس کی طرف اشارہ کے طور پر آتا ہے ایسے الفاظ جو طلاق کی طرف اشارہ کرتے ہوں انکا حکم یہ ہے کہ اگر غصے یا رضا کی حالت میں کہے جائیں تو شوہر کی نیت اور طلاق کے ارادہ کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی۔

جیسا کہ فتاویٰ عالمگیریہ کتاب الطلاق جلد دوم میں صفحہ نمبر ۲۳۶ پر ہے کہ

> اگر عورت سے کہا کہ بہشتم ترا یعنی میں نے تجھے چھوڑا اور یہ نہ کہا کہ جورو ہونے سے پس اگر حالتِ غضب و مذاکرۂ طلاق میں ہو تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی اور اگر ایک طلاق بائن یا تین طلاق کی نیت کی ہو تو نیت کے موافق ہوگی اور امام محمدؒ کا قول اسمیں امام ابو یوسف کے قول کے

موافق ہے یہ محیط میں ہے -

پس مذکورہ سوال کی صورت میں جو لفظ چھوڑی استعمال کیا گیا ہے یہ صریح اور صاف طلاق کے لئے نہیں ہے اور چونکہ حالت مذاکرۂ طلاق کی نہیں ہے یعنی اس وقت طلاق کا کوئی ذکر نہیں تھا اس لئے اگر شوہر کی نیت طلاق کی نہیں تھی تو طلاق واقع نہیں ہوئی -

واللہ اعلم بالصواب

فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی (مفتی مالیرکوٹلہ)

۱۹ر اپریل ۱۹۷۳ء

مذکورہ سوال وجواب کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے - حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس سرہٗ نے "فتاویٰ دارالعلوم دیوبند" جلد نہم میں متعدد جگہ چھوڑنے کو کنایہ کے لئے لکھا ہے بلکہ ایک فتوے میں تو بنگال کے عُرف کا بھی اعتبار نہیں کیا ہے - آخر یَتَیَسَّرَا وَ لَا تُعَسِّرَا کے بھی کچھ تقاضے ہیں -

فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

مفتی مالیرکوٹلہ مورخہ ۳۰ر نومبر ۱۹۷۷ء

الجواب

اندراج نمبر ۱۵۴۷ ص

"چھوڑنا" کنایات میں سے ہے ، اس لفظ سے بشرطِ نیت یا دلالتِ حال طلاقِ بائنہ ہی واقع ہوگی -

یہ درست ہے کہ حضرت مفتیِ اوّل دارالعلوم دیوبند نے اِس لفظ کو اپنے فتاویٰ میں بکرات ومرّات کنایہ ہی قرار دیا ہے - ایک جواب کے الفاظ یہ ہیں :

"اگر بہ نیتِ طلاق اس نے یہ کہا تھا کہ میں نے بیوی کو چھوڑ دیا تو ایک طلاق بائنہ اس کی زوجہ پر واقع ہوگئی -"

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مدلل ومکمل ص ۳۹۶ / ج ۹)

ہر جگہ اپنے فتاویٰ میں مفتی علّام نے چھوڑنا کو کنایہ قرار دیا ہے ، اور اسے مدلل طور پر ثابت کیا ہے ، اور خاکسار کے نزدیک یہی صحیح ہے -

البتہ شامی نے یہ لکھا ہے کہ فارس میں "رہا کردم" کا جملہ طلاق کے معنیٰ میں عُرفِ عام بن گیا ہے ، اسے سامنے رکھکر کچھ علماء نے اسے صریح قرار دیا ہے ، اور اس لفظ سے طلاقِ رجعی واقع ہونا لکھا ہے ، لیکن خاکسار کے نزدیک ماحصل یہ ہے کہ اگر کہیں یہ لفظ کسی علاقہ میں صِرف طلاق کے معنیٰ میں بولا جاتا ہے تو وہاں بے شک صریح ہوگا اور جہاں ایسا نہیں ہے وہاں کنایہ ہی رہے گا اس لئے کہ صریح کی فقہاء نے تعریف یہ لکھی ہے

الصریح مالم یستعمل اِلَّا فی الطلاق من اَیِّ لغتٍ کانت - (ردالمحتار ص ۶۳۸ / ج ۲)

صریح اسے کہتے ہیں جس کا استعمال صرف طلاق کے معنیٰ میں ہوتا ہے -

اگر ایسا نہیں ہے تو وہ صریح نہیں ہوگا ، کنایہ ہی باقی رہے گا -

اس لئے جو لوگ اسے اَب بھی کنایہ مانتے ہیں اپنے حالات وعرف کے اعتبار سے درست ہے ، کم ایسے علاقے ہوں گے جہاں چھوڑنا صرف طلاق کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہوگا -

اگر آپ کے علاقہ میں یہ لفظ چھوڑنا صِرف طلاق کے معنیٰ میں استعمال نہیں ہوتا ہے تو بلاشبہ وہاں کنایہ ہی رہے گا اور بشرطِ نیت اور دلالتِ حال

اس سے طلاق بائنہ واقع ہوگی۔

اس لئے آپ کا جواب بھی اپنی جگہ درست ہی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب ،

(دستخط حضرت مولانا مفتی) محمد ظفیر الدین غفرلہٗ

دار العلوم دیوبند

ایک گواہی کے مسئلہ پر دار العلوم دیوبند کا فتویٰ

اندراج نمبر ۲۰۰۹ الف

کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائلِ ذیل کے بارے میں :۔

(۱) ایک مفتی نے اپنے دائرۂ اختیار کے مطابق ایک ایسی لڑکی کا نکاح فسخ کیا جو کہ آٹھ نو سال سے اپنے گھر بیٹھی تھی اور اصولِ شرع کے مطابق اس مظلوم کو نجات دلادی ، دار العلوم دیوبند جیسے مستند ادارہ نے اس کے مقدمہ کی فائل دیکھنے کے بعد فیصلہ کی تصدیق وتصویب کی اور نکاحِ ثانی کی اجازت دے دی تو اسکا نکاح پڑھا دیا گیا ۔

فریق مخالف نے شرع کے اس فیصلہ کو عدالت میں چیلنج کر دیا ، اگر مفتی نے یہ دیکھتے ہوتے کہ عام طور پر آج کل کی عدالتیں شرع کے مطابق فیصلے نہیں کرتیں اور یہ لحاظ رکھتے ہوتے کہ شرعی فیصلہ کی عدالت میں بے آبروئی ہوگی اور مظلوم لڑکی کو قیدِ سخت کی سزا ہوسکتی ہے تو اس مظلوم یتیم و اسیر لڑکی کو بچانے اور شرعی فیصلہ کے تحفظ کے لیئے عدالت میں غلط بیانی سے کام لیا ہو تو کیا اس صورت میں اس مفتی کو جھوٹی گواہی کا ملزم قرار دیا جائے گا ؟

شرعی فیصلہ کو عدالت دنیوی میں غیر مسلم حاکم کے سامنے پیش کرنا اور اس سے فیصلہ لینا کیسا ہے ؟

(۲) شرعی ثبوت کے بغیر کسی مفتی یا امام پر حکم لگانا اور اس کے خلاف فتوے شائع کرکے عوام کو بدگمان کرنے اور ان کو بھڑکانے کی کوشش کرنا کیسا ہے ؟

بینوا و توجروا   مورخہ ۳۰ر نومبر ۷۷ء

الجواب

اندراج نمبر ۲۵۴ ص

علماء اور محدثین نے لکھا ہے کہ جھوٹ اپنی اصل کے اعتبار سے حرام ہے لیکن بعض صورتوں میں کچھ شرطوں کے ساتھ اس کی اجازت ہے ، ہر اچھا مقصد جسکا حاصل کرنا جھوٹ کے بغیر ممکن ہے اس میں جھوٹ بولنا حرام ہے ، لیکن اگر اس نیک مقصد کا حاصل کرنا بغیر جھوٹ ممکن نہ ہو تو اس صورت میں جھوٹ جائز ہے

اب اگر وہ نیک مقصد مباح ہوگا تو اس میں جھوٹ مباح ہوگا ــــ اور اگر وہ واجب ہے تو جھوٹ کا استعمال واجب ہوگا ۔

ایک مسلمان اس خوف سے چھپ گیا کہ ظالم اسکے قتل کا ارادہ رکھتے ہیں یا اس کا مال چھین لینے کا ، کسی مسلمان نے اسے پناہ دے دی اور ظالم اسکی تلاش میں آیا تو اس موقع سے جھوٹ واجب ہوگا ۔

اسی طرح کسی کے پاس امانت ہو اور کوئی ظالم اس کو لینا چاہے تو اس کو چھپانے اور بچانے کے لئے جھوٹ بولنا واجب ہوگا ، اسی طرح لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کے لئے ، جہاد میں کامیابی کے لیئے ۔

پس جب ایک مسلمان لڑکی جسکا شرعاً نکاح فسخ ہوکر دوسرے لڑکے سے شرع کے مطابق شادی ہو چکی تھی اور اس کے خلاف جب فریق مخالف نے ایک غیر شرعی عدالت کے ذریعہ یہ چاہا کہ شریعت کے مطابق جو فیصلہ ہوا ہے اُسے منسوخ کرکے نا جائز طور پر اس لڑکی پر قبضہ کرے اور قبضہ کے بعد حرام کاری کا بھی ارتکاب ہو،

ایسی صورت میں اگر ایک مفتی نے غلط بیانی سے کام لے کر احکام شریعت کا تحفظ کیا اور ایک مسلمان باعصمت لڑکی کو ایک ظالم کے قبضہ میں جانے اور حرام کاری سے بچایا، تو یہ اس کے لئے قطعاً جائز تھا اور اس کو یہی کرنا چاہیئے تھا ورنہ وہ گنہ گار ہوتا۔

علامہ نوویؒ لکھتے ہیں :-

فکل محمود یمکن تحصیلہ بغیر الکذب یحرم فیہ الکذب وإن لم یمکن تحصیلہ إلّا بالکذب جاز الکذب، ثم ان کان تحصیل ذلک المقصود مباحا کان الکذب مباحاً، وإن کان واجبًا کان الکذب واجبًا الخ

(ریاض الصالحین ص۳۸۳ بیان ما یجوز من الکذب)

درمختار اور شامی میں اس پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے :-

الکذب مباح لاحیاء حقہ ودفع الظلم عن نفسہ (درمختار)

ان کل مقصود محمود یمکن التوصل الیہ بالصدق والکذب جمیعًا فالکذب فیہ حرام وان امکن التوصل الیہ بالکذب وحدہ فمباح وان ابیح تحصیل ذلک المقصود وواجب ان وجب تحصیلہ، کما لو رأی معصوما اختفی من ظالم یرید قتلہ أو إیذائہ فالکذب ھنا واجب الخ

(رد المحتار ص۳۷۷/۵۲)

دونوں کتابوں میں مزید تفصیل درج ہے۔

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوگیا کہ مفتی کو ایک شرعی فیصلہ کی حمایت کے جرم میں جھوٹی گواہی کا ملزم قرار دینا اور اس کا غلط پروپیگنڈہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

اسی طرح شرعی فیصلہ کو توڑنے کے لئے دنیاوی غیرمسلم عدالت میں سعی و کوشش کرنا اور مقدمہ لیجانا قطعاً درست نہیں ہے۔

(۲) بغیر شرعی ثبوت کسی مسلمان چہ جائیکہ کسی امام مسجد یا مفتی پر الزام دینا، پوسٹر بازی کرنا، عوام کو بھڑکانا اور بدگمانی کرنا حرام اور ناجائز ہے، ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ایسے کام سے بچے اور پرہیز کرے، اور بجائے متحد ہونے کے پھوٹ ڈالنے کے گناہ سے اجتناب کرے۔ واللہ اعلم

(دستخط حضرت مولانا مفتی) محمد ظفیر الدین غفرلہٗ
دارالافتاء دارالعلوم دیوبند
۱۹/۱۲/۹۷ء

الجواب صحیح

(دستخط حضرت مولانا مفتی) سید احمد علی سعید
دارالعلوم دیوبند
۱۹/۱۲/۹۷ء

مہر
دارالافتاء
دارالعلوم
دیوبند

حضرت مفتی صاحب مالیرکوٹلہ باقاعدہ مفتی ہیں

○ دارالعلوم دیوبند کی تصدیق ○

انتظامیہ کمیٹی جامع مسجد مالیرکوٹلہ کے سکریٹری محمد علی راامیر جماعت تبلیغ مالیرکوٹلہ کی تحریر

اور

اس پر مسلمانوں کے سب سے بڑے مرکز رھنما ادارہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی صاحب کا جواب

○ ۷۸۶ ○

بخدمت شریف جناب محترم المقام حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند

بعد سلام مسنون کے گذارش ہے ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ مفتی کی سند حاصل کرنے کے لئے دارالافتاء میں کتنے عرصہ فتوی نویسی کا کام سیکھنا پڑتا ہے یا پھر مولویت کی ڈگری یعنی سند حاصل کرنے کے بعد ہی مفتی بن جاتا ہے۔ کیا ۱۳۷۶ھ یا اس سے پہلے مفتی کی پڑھائی کا کوئی الگ انتظام تھا یا نہیں اور آج کل کیا انتظام ہے۔ فقط والسلام

محمد علی

ڈھابی گیٹ مالیرکوٹلہ

24 1/78

دارالافتاء سے جواب کا مسودہ اور تفصیلی رپوٹ آنی چاہیئے۔

نصیر احمد

(نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند)

۱۵ ۲/۹۸ ھ

الجواب وباللہ التوفیق

سلام مسنون

پہلے تو فاضل دارالعلوم ہونے کی سند و ڈگری ہی مفتی بننے کے لئے کافی ہوتی تھی۔ جیسے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے پہلے مفتی تھے جن کے فتاوی "فتاوی دارالعلوم" کے نام سے نو جلدوں میں شائع ہوکر عالم میں مقبول ہوچکے ہیں، اور بقیہ جلدوں کی ترتیب ابھی جاری ہے۔ اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ مفتی اعظم ہند۔ اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان۔ اور حضرت مفتی حمید حسن صاحب مفتی ریاست مالیرکوٹلہ وغیرہ وغیرہ یہ سب اسی دور وقبیل کے ہیں۔

پھر دارالعلوم نے تمرین افتاء کی ضرورت محسوس کرکے اس کا کچھ سلسلہ شروع کیا، مگر ابھی باقاعدہ اس کا نظم نہیں کیا تھا، بلکہ اس سے مناسبت رکھنے والے اور شوقین طلبہ کو زمانہ تعلیم ہی میں گھنٹہ دو گھنٹہ اونکے فارغ اوقات میں دارالافتاء میں آکر مشق افتاء کرنے کی اجازت دے دی گئی اور اس کا سلسلہ شروع ہوا۔ جیسے مفتی محمد یحیی بہاری مفتی عزیز الرحمن بجنوری وغیرہ وغیرہ اسی قبیل سے ہیں اور کامیاب مفتی ہیں۔

پھر ۱۳۷۶ھ سے تمرین افتاء کا باقاعدہ نظم دارالعلوم میں شروع ہوا، اور دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد اوس کی تعلیم اور پڑھائی کا مستقل انتظام کیا گیا، اوس وقت سے بہت سے ہونہار طلبہ جن کو فن افتاء اور فتوی کا شوق اور اس سے

مناسبت تھی دار الافتاء سے تمرینِ فتاویٰ کرکے ملک میں پھیلے، مثلاً مفتی عبد الرحمٰن مفتی مدرسہ امینیہ دہلی، مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی مفتی ریاست مالیرکوٹلہ، مفتی ظہیر الدین پورنوی (پونہ)، مفتی عبد المجید صاحب نوگاؤں (آسام) وغیرہ وغیرہ اسی دور کی پود ہیں۔ اور آج تک نظم و ترتیب کے ساتھ وہی انتظام اور منظم ہوکر باقی و جاری ہے فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی [illegible]ھ میں باقاعدہ دار الافتاء میں داخل ہوئے اُس کے بعد فتویٰ نویسی کے کام پر لگا دیے گئے، پھر ۶۹ھ میں اُن کو مدرسہ نے شعبۂ تعلیمات میں لے لیا، مگر چونکہ اُون کو فن افتاء اور فتویٰ نویسی سے شغف و مناسبت کافی تھی اسلئے اپنے شوق و محنت سے مشقِ افتاء باقی رکھا اور آج آپ ریاست مالیرکوٹلہ کے مفتی ہیں۔

موصوف نے کبھی کبھی اپنے لکھے ہوئے جوابات و فیصلے تصدیق کے لئے دار الافتاء دار العلوم میں بھیجا بھی ہے، اسلئے احقر کو اُون کے تحریر کردہ جوابات و فیصلۂ مقدمات اور اُون کی مسلیں دیکھنے اور معائنہ کرنے کا بھی اتفاق ہوا ہے۔ الحمد للہ وماشاء اللہ موصوف میں فتوے دینے کی اور منصبِ افتاء و قضا سنبھالنے کی بہترین صلاحیت اور اُس کا بہترین سلیقہ موجود ہے اور امید ہے کہ آئندہ اور کامیاب مفتی و قاضی ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(دستخط حضرت مولانا مفتی) نظام الدین

مفتی دار العلوم دیوبند ۱/۳/۹۸ھ

(مہر: دار الافتاء دار العلوم دیوبند)

صدر شعبہ شیعہ دینیات

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

مولانا علی نقی النقوی

کے دار الافتاء مالیرکوٹلہ کے متعلق گراں قدر تاثرات

> مولانا موصوف عالمی شہرت کے عالم دین ہیں، ایک جلسہ میں شرکت کے لئے مالیرکوٹلہ تشریف لانا ہوا تو غایت تعلق کے ساتھ حضرت مفتی صاحب مالیرکوٹلہ سے ملاقات کے لئے دفتر دار الافتاء میں تشریف لائے اور ان الفاظ میں اپنے تاثرات کا اظہار رجسٹر معائنہ میں فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مجھے مالیرکوٹلہ میں دار الافتاء کی بناء اور اُس کی کارکردگی کے متعلق معلومات حاصل کرکے بہت مسرت ہوئی۔ میرے خیال میں اگر اس مالیرکوٹلہ کے دار الافتاء کی مثال سے جو قائم ہے دوسرے مقامات کے مسلمان بھی فائدہ اٹھائیں تو نہایت مناسب اور اصلح ہوگا۔

جناب مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی سے ملاقات کرکے بھی بہت خوشی ہوئی اور امید ہے کہ آپ اس دار الافتاء کو زیادہ سے زیادہ مفید بنانے میں اپنی سعی جمیل کامیاب طریقہ پر جاری رکھیں گے۔ والسلام

ولینصرنّ اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز

علی نقی النقوی　۲۴/۲/۱۳۹۵ھ

(مالیرکوٹلہ)

احوال و کوائف

مولانا ابوالحسن علی ندوی پنجاب و ہریانہ کے دورہ پر

حضرت مفتی صاحب مالیرکوٹلہ کے نام خط سے معلوم ہوا کہ عالم اسلام کے مشہور مفکر اور معروف و مقبول عالمِ دین حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ پہلی مارچ سے ۱۰ر مارچ پنجاب و ہریانہ کا دورہ فرمائیں گے، اس سلسلہ میں مولانا موصوف مالیرکوٹلہ بھی تشریف لائیں گے۔

حضرت مفتی صاحب نے مولانا علی میاں کے نام ایک خط میں ان کی تشریف آوری پر اظہارِ خوشی کیا ہے۔

خیال ہے کہ مدرسہ تعمیر سیرت کی جانب سے مولانا علی میاں کے استقبال کے سلسلہ میں معززینِ شہر کی ایک مجلسِ استقبالیہ تشکیل دی جائے گی۔

عید میلاد النبیؐ کے سلسلہ میں مفتی صاحب کی ریڈیو تقریر

جالندھر ۲۰ر فروری ۸۰ء۔ عید میلاد النبیؐ کے سلسلہ میں ریڈیو جالندھر نے حضرت مفتی صاحب مالیرکوٹلہ کی تقریر نشر کرنے کا اہتمام کیا جو رات کو دس بجکر ۲۰ منٹ پر سنی گئی۔

اخبارات کے اعلانات میں وقت آٹھ بجے دیا گیا تھا، وقت کی اس اچانک تبدیلی کی وجہ سے بہت سے لوگ اس تقریر کے سننے سے محروم رہ گئے۔

جلسہ میلاد النبیؐ میں مفتی صاحب کا خطاب

محلہ نیائیں سنالی گیٹ مالیرکوٹلہ میں ۲۰ر فروری کو جلسہ میلاد النبیؐ منعقد کیا گیا جس میں حضرت مفتی صاحب مالیرکوٹلہ نے سیرت نبویؐ پر مختصر مگر جامع اور دل نشیں تقریر فرمائی۔

بزمِ سیرت کے ہفتہ واری پروگرام

مدرسہ تعمیر سیرت کے طلبہ کی انجمن "بزمِ سیرت" کے ہفتہ واری پروگراموں کا سلسلہ جاری ہے۔

۱۶ر فروری کا پروگرام حضرت مفتی صاحب کی صدارت میں ہوا، جس میں ڈاکٹر نجم الحسن صاحب زیدی نے مہمان خصوصی کے طور پر شرکت کی۔ اور
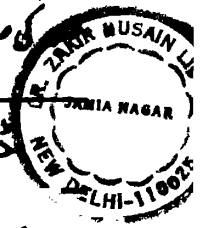
کی صلاحیتوں پر خوشی کا اظہار کیا -

ڈاکٹر نظام الدین کا عطیہ

ڈاکٹر نظام الدین صاحب کٹھالے والے ہڈیوں کے جوڑنے کے مشہور ڈاکٹر ہیں -
ڈاکٹر صاحب موصوف نے مبلغ ایک سو روپے مدرسہ تعمیر سیرت کے لئے عطیہ دے کر اپنے تعلیمی تعلق کا اظہار فرمایا - اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے -

مُلّا یونس صاحب کا انتقال پُر ملال

مالیرکوٹلہ کے نہایت صالح اور دیانت دار تاجر ملا یونس صاحب گذشتہ دنوں انتقال فرما گئے۔ بارش کے باوجود سیکڑوں لوگ جنازہ میں شریک تھے ، حضرت مفتی صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ دے - حدیث میں ہے کہ ایماندار تاجر صدیقین وشہداء کے ساتھ ہوں گے ،
مرحوم ملاجی صاحب حضرت مفتی صاحب سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے -

بے سہارا خواتین کے لئے ٹریننگ سینٹر

پنجاب سرکار نے بے سہارا خواتین کو دستکاریوں کی ٹریننگ دے کر باروزگار بنانے کے لئے ایک اسکیم شروع کی ہے -
جناب حاجی انوار احمد خاں صاحب کی کوشش سے اس کا سینٹر مالیرکوٹلہ بنایا گیا ہے ، جناب حاجی انوار احمد خاں صاحب ایم ایل اے کی اہلیہ "بیگم صاحبہ" اس کی چیرمین ہیں -
اس وقت صرف چالیس سیٹیں ہیں - پہلی مارچ کو انٹرویو ہوں گے -
ضرورت مند مسلم خواتین کو بھی اس اسکیم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیئے -
مکمل تفصیلات سینٹر کی چیرمین ایم ایل اے کی بیگم سے معلوم ہو سکیں گی -

معذرت

ماہنامہ تعمیر سیرت کی اشاعت میں غیر معمولی تاخیر قارئین اور شائقین کے ساتھ خود ہمارے لئے بھی تکلیف کا باعث ہے -
تاخیر کا سبب یہ ہوکہ ہمارے دونوں کاتب حافظ محمد مشتاق صاحب اور مولوی محمد سلیمان صاحب (فاضل دیوبند) جو کہ بہار کے رہنے والے ہیں بقرعید سے قبل اپنے وطن چلے گئے ، اور کتابت کا انتظام نہ ہوسکا -
خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ قارئین تعمیر سیرت کا بے چینی سے انتظار کرتے ہیں رسالہ کی یہ مقبولیت اور پسندیدگی لائق شکر ہے۔

(ادارہ)

کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ
سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں

مؤلفہ

حافظ عبدالرحمٰن امرتسری

کتب خانہ محمودیہ ۔ دیوبند یو۔پی

تعانیف مولانا فضیل الرحمن هلال عثمانی مفتی اعظم مالیر کوٹلہ پنجاب

	قیمت
ادی الصرف	۱ - ۵۰
مبادی الصرف	- ۳۰
علم الصرف اول	۳ - ۷۵
علم الصرف دوم	۱ - ۵۰
طالعۃ العزیزہ	- ۳۰
هنمائے عربی	- ۹۰
در فارسی	- ۶۰
نمائے فارسی	- ۹۰

	فی جز قیمت
اردو ترجمہ مشکوۃ شریف	۴ - ۵۰
تذکرہ امام مسلم	- ۷۰
انسانیت کے تقاضے	۲ - ۰۰
تاریخی حقائق	- ۲۵
دربار رسالت اور همارى مجلس	- ۳۰
عورت اور مرد اسلام کی نظر میں	- ۲۵
الجامعۃ الاسلامیہ	- ۵۰
تفہیم المسلم ۳ جز فی جز	۵ - ۰۰
معلم الصرف	۱ - ۲۰
تبویب الصرف	۱ - ۸۰
میزان الصرف اردو حاشیہ	۱ - ۵۰

جملہ کتابیں ملنے کا پتہ کتب خانہ محمودیہ
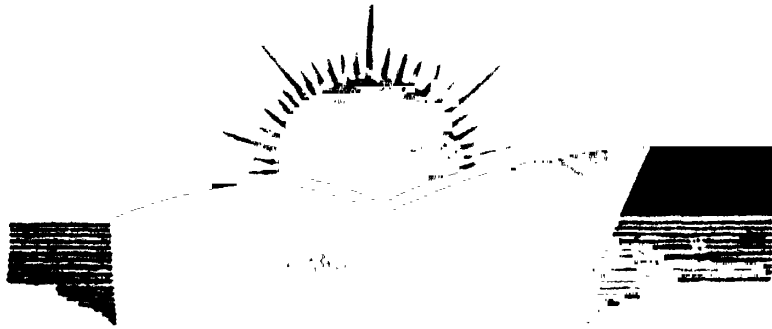
دیو بند یوپی

مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کا
علمی و دینی ترجمان

مالیرکوٹلہ ۱۴۸۰۲۳

تقدیر کیا ہے؟

ملنے کا پتہ
کتب خانہ محمودیہ دیوبند یوپی

مؤلفہ
حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

REG. D No. P/PT 19/81.

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کا علمی و دینی ترجمان

جلد نمبر ۲
شمارہ نمبر ۱۲

ربیع الاول ۱۳۹۸ھ
مطابق
مارچ ۱۹۷۸ء
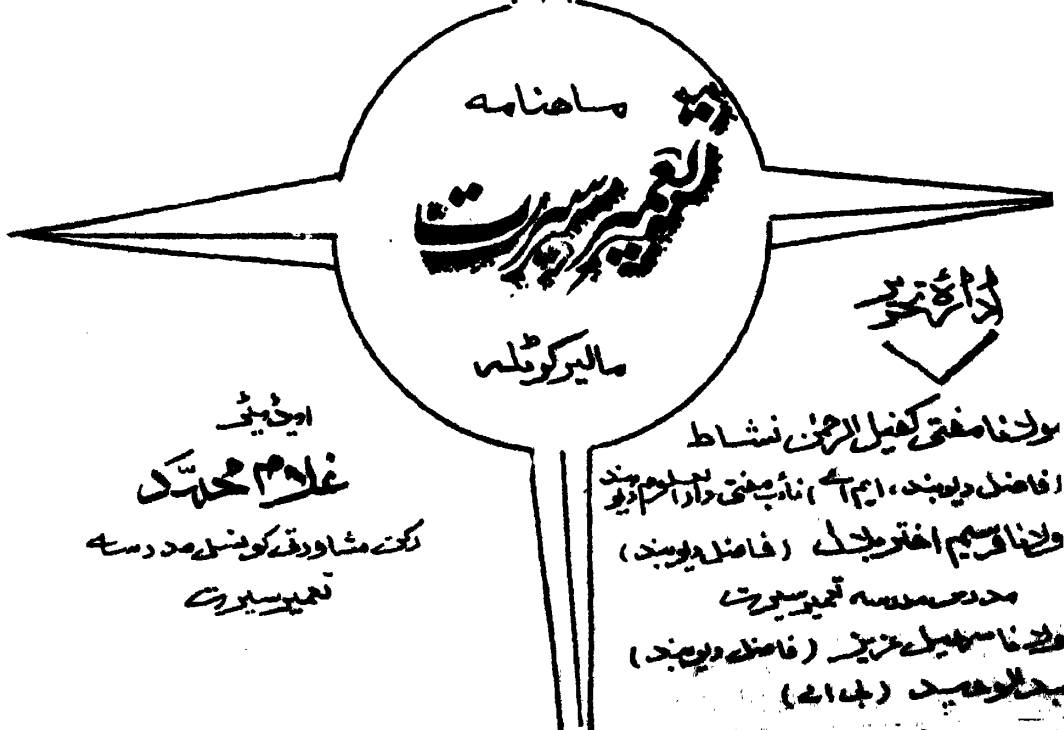
ماہنامہ

تعمیر سیرت

مالیر کوٹلہ

ایڈیٹر
غلام محمد
رکن مشاورتی کونسل مدرسہ تعمیر سیرت

ادارۂ تحریر
مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط
(فاضل دیوبند، ایم اے، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند)
مولانا قسیم اختر جلال (فاضل دیوبند)
مدرس مدرسہ تعمیر سیرت
مولانا سہیل عزیز (فاضل دیوبند)
عبدالوحید (بی اے)

سیادت: مفتی اعظم پنجاب حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی بانی و مہتمم مدرسہ

سالانہ ‎-/10‎
فی شمارہ ‎-/1‎

[illegible]

تاریخ اشاعت [illegible]

فہرست مضامین مارچ ۱۹۷۸ء

فارم نمبر ۴ تحت ضابطہ نمبر ۸

گوشوارہ بابت ماہنامہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ

مقام اشاعت :- مالیر کوٹلہ

وقفہ اشاعت :- ماہانہ

پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر کا نام و پتہ } غلام محمد دہلی گیٹ ، مالیر کوٹلہ

قومیت :- ہندوستانی

ملکیت :- مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ

میں غلام محمد اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم کے مطابق درست ہیں -

دستخط غلام محمد

یکم مارچ ۱۹۷۸ء

اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کے زر تعاون کی رقم پوری ہو چکی ہے - آپ یقیناً پسند کریں گے کہ ماہنامہ تعمیر سیرت کے ساتھ آپ کا تعلق باقی رہے اس مہنگائی کے دور میں رسالہ ایسا کچھ مہنگا بھی نہیں ہے ، پھر اس کی خریداری ایک دینی مدرسہ کے ساتھ آپ کا تعاون بھی تو ہے -

اس لیے آپ سالانہ زر تعاون صرف مبلغ دس روپے منی آرڈر سے بھیجدیجئے - مقامی خریدار دستی دے سکتے ہیں - آپ کی خاموشی کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ آپ وی پی سے منگانا چاہتے ہیں جسمیں تین روپے ڈاک خرچ آئے گا اور ۱۳/ کی وی پی ہوگی -

خریداروں سے گزارش

ہر مہینے ممکنہ حد تک دیکھ بھال کر کے رسالہ روانہ کیا جاتا ہے ، بھول چوک ہم سے بھی ہو سکتی ہے - اور ڈاک کی گڑ بڑ بھی ہو جاتی ہے -

رسالہ آپ کو نہ ملے تو آپ ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجدیا جائے -

○ مارچ کے اس شمارہ پر دوسرا سال پورا ہو رہا ہے بہت سے خریداروں کی طرف جن میں مقامی حضرات زیادہ ہیں سالانہ چندہ کی رقمیں باقی ہیں -

ایسے حضرات سے گزارش ہے کہ وہ جلد از جلد رقم جمع فرمادیں - ○ سہولت کیلئے خریداری نمبر کا حوالہ دیجئے

○ تعمیر سیرت کی توسیع اشاعت میں کوشش فرمائیں

ادارہ ایڈیٹر

ایک چیز جو عمل میں کوتاہیوں کے باوجود ہم میں موجود رہی ہے اور اسپر ہم فخر کرتے رہے ہیں وہ ہے دین کا اور دین کے عالموں کا احترام ان کی عظمت اور اکرام۔

انگریزوں کی حکومت کے دور میں جب انگریزی کی تعلیم پھیلی تو اس کے اثرات سے دین پر اعتماد کم ہونا شروع ہوا، اسلامی عقیدوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوئے اور نئے تعلیم یافتہ طبقہ نے مولویوں کے مذاق اڑانے کو بطور فیشن اختیار کیا، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کے عام طبقہ میں علماء دین کا احترام ہمیشہ باقی رہا۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:-

وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے علمِ دین رکھنے والوں کی قدر نہ پہچانے۔

(ترغیب عن حاکم وغیرہما)

جماعتِ تبلیغ کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات میں ہے کہ:-

ہمارے طریقۂ تبلیغ میں عزتِ مسلم اور احترامِ علماء بنیادی چیز ہے۔

(چھ باتیں صفحہ ۵۲)

مولانا موصوف کے حالات میں ملتا ہے:-

مولانا عوام کو علماء کی مرتبہ شناسی، قدر دانی اور ان سے استفادہ کی طرف توجہ دلاتے رہتے تھے ان کو

بتاکید اصول کے مطابق علماء کی خدمت میں حاضر
ہونے کی فہمائش کرتے تھے ان کی ملاقات اور زیارت
کا ثواب بیان فرماتے تھے

(صفحہ ۱۴۶ مولانا محمد الیاس اور انکی دینی دعوت)

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے سابق شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مدظلہٗ نے فضائل تبلیغ
میں حدیث نقل فرمائی ہے کہ :-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے اپنی امت پر
سب چیزوں سے زیادہ تین چیزوں کا خوف ہے
ان میں سے تیسری بات آپ نے یہ فرمائی کہ
علماء کی حق تلفی کی جائے اور ان کے ساتھ لا پروائی کا
معاملہ کیا جائے۔ (ترغیب بحوالہ طبرانی)

امت کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خوف سامنے آرہا ہے۔
کون نہیں جانتا کہ دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں اپنی طرز کا واحد
مدرسہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا تعلیمی مرکز ہے وہاں کے مفتی کو "مفتی اعظم ہند" کا رتبہ حاصل ہے۔
دارالعلوم دیوبند کے سربراہ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم
دیوبند ہندوستان کے ہی نہیں عالم اسلام کے بڑے عالموں میں شمار ہوتے ہیں۔
مالیرکوٹلہ پنجاب میں بھی مفتی کا منصب ہمیشہ لائق اکرام رہا ہے۔

ان حضرات کے ناموں کو بد تہذیبی کے ساتھ پوسٹروں میں اچھالنا، جانبداری اور خویش
پروری کے الزامات لگا کر ان کو مجروح کرنا کتنا نازیبا ہے، خصوصاً جبکہ ——
—— ان لوگوں کی تائید بھی اس میں شامل ہو جو نمازوں کی حد تک تو اپنا تعلق دین سے
جوڑتے ہی ہوں۔

غیر مسلموں پر اس کا کیا اثر پڑے گا کم سے کم یہی سوچ لینا چاہیئے چند تنکوں کو جلانے
کے لئے پورا آشیانہ بجلیوں کی زد پر رکھدینا کہاں کی عقلمندی ہے ؟

تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

آپ کا وہاں ہونا گویا میرا اور دارالعلوم کا وہاں ہونا ہے

عزیز محترم ہلال میاں سلمہٗ اللہ تعالیٰ

سلام مسنون دعاء مقرون - محبت نامہ مؤرخہ ۷ر فروری ۶۳ء باعث مسرۃ ہوا- آپ کے مالیرکوٹلہ جانے کی اطلاع مجھے بمبئی سے واپسی پر دیوبند میں ہوئی - جہانتک آپ کے وہاں جانے یا تقرر وغیرہ کا تعلق ہے اُوس سے کسی گرانی کے بجائے خوشی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ کا وہاں ہونا گویا میرا اور دارالعلوم کا وہاں ہونا ہے -

گرانی اس سے پیش آئی کہ نواب صاحب نے مجھے تحریر فرمایا کہ اس عہدہ کے لئے کسی کا انتخاب کردیا جائے اور میں اُوسکی سفارش کروں گا جو تیری طرف سے تجویز یا سفارش آئے گی اس پر میں نے چند حضرات سے گفتگو کی مراسلت کی اور وہ راضی ہوگئے انتخاب نواب صاحب پر چھوڑ دیا - اس کارروائی کے ساتھ علم ہوا کہ ممدوح نے آپ کا تقرر کردیا تو مجھے اُون صاحبوں کے سامنے خفیف ہونا پڑا - اگر وہ مجھے یہ اطلاع دیدیتے کہ ہم فلاں کا تقرر کر رہے ہیں تو میں یہ مراسلت وغیرہ نہ کرتا بلکہ یہ ممکن تھا کہ آپ کی تائید کرتا -

صرف یہ صورت گرانی کی ہوئی باقی آپ وہاں رہیں تو یہ اپنے لئے مسرۃ کی بات ہے- آپکی

رخصت کا مسئلہ آج تعلیمی کمیٹی میں پیش ہوگا۔ اُوس پر مناسب کارروائی مجلس کرے گی جو بہی چیز ہوگی۔

میری طرف سے مولانا حمید حسن صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ میں کچھ عرصہ تک علیل رہ کر اب بحمد اللہ اچھا ہوں۔ امید ہے کہ آپ بعافیت ہوں گے۔ والسلام

(دستخط حضرت مولانا قاری) محمد طیب از دیوبند

۱/۱۱/۹۳ھ

دوسرا خط جمال الدین صاحب مالیرکوٹلہ کے نام

اُون کی استعداد سے بہرحال یہ توقع ہے کہ وہ اِفتاء کا کام کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں

حوالہ نمبر ۶۷۵۴

محترم المقام زید مجدکم السامی

سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ تعجب ہے کہ لوگ اختلاف کرنے اور جھگڑے ڈالنے کے لئے تیار رہتے ہیں اور خیالات وشبہات پر جھگڑے اُوٹھا کر مسلمانوں کی قوۃ کو کمزور کرنے سے نہیں چوکتے۔

صورتِ واقعہ یہ ہے کہ عالی جناب نواب صاحب مالیرکوٹلہ نے مجھے تحریر فرمایا کہ مالیرکوٹلہ کیلئے کوئی مفتی تجویز کر کے بھیجا جائے۔

مولوی فضیل صاحب کے بارہ میں وہاں بھیجنے کا کوئی تخیّل اس لیے نہیں تھا کہ وہ دارالعلوم میں بسلسلۂ ملازمت کام کر رہے تھے۔

اس لیئے باہر سے دو افراد کو تیار کیا، اور وہ حضرات مقررہ وقت پر دیوبند پہونچ گئے تاکہ میری تحریر لے کر مالیرکوٹلہ پہونچیں، اُون میں سے میں نے ایک کو منتخب کر دیا تھا۔

عین اسی دوران میں نواب صاحب کے بارہ میں علم ہوا کہ اُونہوں نے مولوی فضیل صاحب کا تقرر بحیثیت مفتی مالیرکوٹلہ منظور فرمالیا ہے جس کی پہلے سے مجھے کوئی اطلاع نہیں تھی، اس لیئے مجھے اس منتخب شدہ فرد کے سامنے ندامت اور شرمندگی ہوئی اور میں نے عالی جناب نواب صاحب کو لکھا کہ اگر بالا بالا تقرر فرمانا تھا تو مجھے نہ لکھا جاتا اس میں مجھے کافی شرمندگی اُوٹھانی پڑی اور دیوبند آنے والے کو بے وجہ مصارف کا بار برداشت کرنا پڑا۔ اس لیے یہ انتخاب دارالعلوم کی طرف منسوب نہ ہونا چاہیئے

اس تحریر میں مولوی فضیل الرحمن صاحب سے متعلق قابلیت یا ناقابلیت کی کوئی تفصیل نہ تھی صرف، دارالعلوم کی طرف سے انتخاب و انتساب کا مسئلہ تھا - ان دونوں مسئلوں کو غلط ملط کرکے جو علیحدہ علیحدہ تھے لوگوں نے اختلاف کا ذریعہ بنا لیا جس کا افسوس ہے -

جہاں تک مولوی فضیل الرحمن صاحب کا تعلق ہے وہ دارالعلوم کے فاضل ہیں ، دارالعلوم کی تصدیق سے "جامعہ مدینہ" مدینہ منورہ میں رہ چکے ہیں - اُون کی استعداد سے بہرحال یہ توقع ہے کہ وہ افتاء کا کام کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں -

اگر وہ رسمی طور پر دارالعلوم کی طرف سے نہیں بھیجے گئے تو نہ اسلیئے کہ اُونمیں خدانخواستہ کوئی علمی صلاحیت نہ تھی بلکہ محض اس لیے کہ وہ از خود چلے گئے اور اُون کا تقرر منظور ہو گیا اور دارالعلوم کو اُوس کی کوئی اطلاع نہ ملی -

اگر میرے پاس عالی جناب نواب صاحب کی کوئی تحریر پہلے ہی پہونچ جاتی کہ ہم اُون کا تقرر کرنا چاہتے ہیں آپ کسی اور کا انتخاب نہ کریں تو پھر میں یقیناً مولوی فضیل الرحمن صاحب کی تائید ہی میں تحریر لکھتا اور مجھے وہ شرمندگی نہ ہوتی جو اوپر مذکور ہوئی -

اس لیئے مولوی صاحب موصوف کا دارالعلوم کی طرف سے نہ بھیجا جانا اُون کی کسی ناقابلیت کی دلیل نہیں ہو سکتی - ہزاروں فضلاء دیوبند ہیں جو اپنی مساعی سے مختلف مدارس اور اداروں میں پہونچ کر بصورت ملازمت کام کر رہے ہیں جسکی دارالعلوم کو اطلاع نہیں ہوتی لیکن اس ذاتی سعی کی وجہ سے وہ فاضلِ دارالعلوم ہونے سے نہیں نکل جاتے کہ اُون کی صلاحیتوں میں کوئی فرق پڑتا ہے -

بہرحال میری ناگواری مولوی فضیل صاحب کے تقرر کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اپنی پشیمانی اور طلبیدہ حضرات کی تکلیف کی وجہ سے تھی - اس لیئے یہ دو مسئلے الگ الگ ہیں اُونہیں غلط ملط کرکے ہرگز کوئی اختلاف نہ کیا جائے اس ملک میں یہ دور مسلمانوں کے لیئے باہمی اتحاد کا ہونا چاہیئے نہ کہ اختلافات پیدا کرلے کا جس سے ساری ملت کی بے آبروئی ہوتی ہے -

اگر مولوی فضیل صاحب نے کوئی مدرسہ قائم کیا ہے تو بلاشبہ اُونہوں نے ایک کارِ خیر کی بنا ڈالی ہے آج مسلمانوں کے باہمی نزاعات اور نت نئے فتنے جہالت کا کرشمہ ہیں جہالت ختم ہو کر علم کی روشنی جتنی بھی پھیلے گی نزاعات ختم یا کم ہوتے رہیں گے -

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا - والسلام

(دستخط حضرت مولانا قاری) محمد طیب

مدیر دارالعلوم دیوبند

۵ ر اکتوبر ۱۹۷۷ء ۱۹ ذی‌الحجہ ۹۷ھ

نماز اور تلاوت کا تعلق زندگی کے ساتھ

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ

(اے نبی) تلاوت کرو اس کتاب کی جو تمہاری طرف وحی کے ذریعہ سے بھیجی گئی ہے اور نماز قائم کرو، یقیناً نماز فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر اس سے بھی بڑی چیز ہے۔

خطاب بظاہر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، مگر دراصل مخاطب تمام اہلِ ایمان ہیں۔ ان پر جو ظلم وستم اس وقت توڑے جا رہے تھے اور ایمان پر قائم رہنے میں جن شدید حوصلہ شکن مشکلات سے ان کو سابقہ پیش آ رہا تھا۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پچھلے چار رکوعوں میں صبر و ثبات اور توکل علی اللہ کی مسلسل تلقین کرنے کے بعد اب انہیں عملی تدبیر یہ بتائی جا رہی ہے کہ قرآن کی تلاوت کریں اور نماز قائم کریں، کیونکہ یہی دو چیزیں ایسی ہیں جو ایک مومن میں وہ مضبوط سیرت اور وہ زبردست صلاحیت پیدا کرتی ہیں جن سے وہ باطل کی بڑی سے بڑی طغیانیوں اور بدی کے سخت سے سخت طوفانوں کے مقابلہ میں نہ صرف کھڑا رہ سکتا ہے بلکہ ان کا منہ پھیر سکتا ہے لیکن تلاوتِ قرآن اور نماز سے یہ طاقت انسان کو اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جبکہ وہ قرآن کے محض الفاظ کی تلاوت پر اکتفا نہ کرے بلکہ اس کی تعلیم کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اپنی روح میں جذب کرتا چلا جائے اور اس کی نماز حرکاتِ بدن تک محدود نہ رہے بلکہ اس کے قلب کا وظیفہ اور اس کے اخلاق و کردار کی قوتِ محرکہ بن جائے نماز کے وصف مطلوب کو تو آگے کے فقرے میں قرآن خود بیان کر رہا ہے۔ رہی تلاوت تو اس کے متعلق یہ جان لینا چاہیے کہ جو تلاوت آدمی کے حلق سے تجاوز کر کے اس کے دل تک نہیں پہنچتی وہ اسے کفر کی طغیانیوں کے مقابلہ کی طاقت تو درکنار، خود ایمان پر قائم رہنے کی طاقت بھی نہیں بخش سکتی، جیسا کہ حدیث میں ایک گروہ کے متعلق آیا ہے کہ یقرءون القرآن ولا یجاوز حناجرھم، یمرقون من الدین مروق السھم من الرمیة "وہ قرآن پڑھیں گے مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جسم سے پار ہو جاتا ہے" (بخاری، مسلم، موطا) درحقیقت جس تلاوت کے بعد آدمی کے ذہن و فکر اور اخلاق و کردار میں کوئی تبدیلی نہ ہو بلکہ قرآن پڑھ کر بھی وہ سب کچھ کرتا رہے

جس سے قرآن منع کرتا ہے وہ ایک مومن کی تلاوت ہے ہی نہیں۔ اس کے متعلق تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صاف فرماتے ہیں کہ ما امن بالقرآن من استحل محارمہ۔ "وہ قرآن پر ایمان نہیں لایا وہ شخص جس نے اس کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر لیا" (ترمذی بروایت صہیب رومی رضی اللہ عنہ) ایسی تلاوت آدمی کے نفس کی اصلاح کرنے اور اس کی روح کو تقویت دینے کے بجائے اس کو اپنے خدا کے مقابلہ میں اور زیادہ ڈھیٹ اور اپنے ضمیر کے آگے اور زیادہ بے حیا بنا دیتی ہے اور اس کے اندر کیرکٹر نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہنے دیتی، کیونکہ جو شخص قرآن کو خدا کی کتاب ماننے اور اسے پڑھ کر یہ معلوم بھی کرتا رہے کہ اس کے خدا نے اسے کیا ہدایات دی ہیں اور پھر اس کی ہدایات کی خلاف ورزی بھی کرتا چلا جائے اس کا معاملہ تو اس مجرم کا سا ہے جو قانون سے ناواقفیت کی بنا پر نہیں بلکہ قانون سے خوب واقف ہونے کے بعد جرم کا ارتکاب کرتا ہے اس پوزیشن کو سرکار رسالت مآب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر سے فقرے میں بہترین طریقے پر یوں واضح فرمایا ہے کہ القرآن حجۃ لک او علیک۔ قرآن حجت ہے تیرے حق میں یا تیرے خلاف" (مسلم) یعنی اگر قرآن کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتا ہے تو وہ تیرے حق میں حجت ہے۔ دنیا سے آخرت تک جہاں بھی تجھ سے بازپرس ہو تو اپنی صفائی میں قرآن کو پیش کر سکتا ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کتاب کے مطابق کیا ہے اگر تیرا عمل واقعی اس کے مطابق ہوا تو نہ دنیا میں کوئی قاضی اسلام تجھے سزا دے سکیگا اور نہ آخرت میں کہیں اس پر تیری پکڑ ہوگی۔ لیکن اگر یہ کتاب تجھے پہنچ چکی ہو، اور تو نے یہ پڑھ کر معلوم کر لیا ہو کہ تیرا رب تجھ سے کیا چاہتا ہے، کس چیز کا تجھے حکم دیتا ہے اور کس چیز سے تجھے منع کرتا ہے اور پھر تو اس کے خلاف رویہ اختیار کرے تو یہ کتاب تیرے خلاف حجت ہے۔ یہ تیرے خدا کی عدالت میں تیرے خلاف فوجداری کا مقدمہ اور زیادہ مضبوط کر دیگی۔ اس کے بعد ناواقفیت کا عذر پیش کر کے بچ جانا یا ہلکی سزا پانا تیرے لیئے ممکن نہ رہے گا۔

یہ نماز کے بہت سے اوصاف میں سے ایک اہم وصف ہے جسے موقع و محل کی مناسبت سے یہاں نمایاں کر کے پیش کیا گیا۔ مکّہ کے اس ماحول میں جن شدید مزاحمتوں سے مسلمانوں کو سابقہ درپیش تھا ان کا مقابلہ کرنے کے لیئے انھیں مادی طاقت سے بڑھ کر اخلاقی طاقت درکار تھی اس اخلاقی طاقت کی پیدائش اور اس کے نشوونما کیلئے پہلے دو تدبیروں کی نشاندہی کی گئی۔ ایک تلاوت قرآن دوسرے اقامت صلوٰۃ۔ اس کے بعد اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اقامت صلوٰۃ وہ ذریعہ ہے جس سے تم لوگ ان برائیوں سے پاک ہو سکتے ہو جن میں اسلام قبول کرنے سے پہلے تم خود مبتلا تھے اور جن میں تمہارے گرد و پیش اہل عرب کی اور عرب سے باہر کی جاہلی سوسائٹی اسوقت مبتلا ہے۔

غور کیا جائے تو یہ بات بآسانی سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس موقع پر نماز کے اس خاص فائدے کا ذکر کیوں کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ اخلاقی برائیوں سے پاک ہونا اپنے اندر صرف اتنا ہی فائدہ نہیں رکھتا کہ یہ بجائے خود ان لوگوں کے لیئے دنیا و آخرت میں نافع ہے جنہیں یہ پاکیزگی حاصل ہو، بلکہ اس کا لازمی فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے ان کو ان سب لوگوں پر زبردست برتری حاصل ہو جاتی

ہے جو طرح طرح کی اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہوں اور جاہلیت کے اس ناپاک نظام کو جو ان برائیوں کی پرورش کرتا ہے، برقرار رکھنے کے لئے ان پاکیزہ انسانوں کے مقابلہ میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہوں۔ فحشاء اور منکر کا اطلاق جن برائیوں پر ہوتا ہے انکو بالعموم انسان کی فطرت برا جانتی ہے۔ اور ہمیشہ سے ہر قوم اور ہر معاشرے کے لوگ خواہ وہ عملاً کیسے ہی بگڑے ہوئے ہوں، اصولاً ان کو برا ہی سمجھتے رہے ہیں نزول قرآن کے وقت عرب کا معاشرہ بھی اس عام کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھا۔ اس معاشرے کے لوگ بھی اخلاق کی معروف خوبیوں اور برائیوں سے واقف تھے، بدی کے مقابلے میں نیکی کی قدر پہچانتے تھے، اور شاید ہی ان کے اندر کوئی ایسا شخص ہو جو برائی کو بھلائی سمجھتا ہو یا بھلائی کو بری نگاہ سے دیکھتا ہو۔ اس حالت میں اس بگڑے ہوئے معاشرے کے اندر کسی ایسی تحریک کا اٹھنا جس سے وابستہ ہوتے ہی خود اسی معاشرے کے افراد اخلاقی طور پر بدل جائیں اور اپنی سیرت و کردار میں اپنے معاصروں سے نمایاں طور پر بلند ہو جائیں، لامحالہ اپنا اثر کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا ممکن نہ تھا کہ عرب کے عام لوگ برائیوں کے مٹانے والی اور نیک اور پاکیزہ انسان بنانے والی اس تحریک کا اخلاقی وزن محسوس نہ کرتے اور اس کے مقابلے میں محض جاہلی تعصبات کے کھوکھلے نعروں کی بنا پر ان لوگوں کا ساتھ دیئے چلے جاتے جو خود اخلاقی برائیوں میں مبتلا تھے اور جاہلیت کے اس نظام کو قائم رکھنے کے لئے لڑ رہے تھے جو ان برائیوں کو صدیوں سے پرورش

کر رہا تھا یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اس موقع پر مسلمانوں کو مادی وسائل اور طاقتیں فراہم کرنے کے بجائے نماز قائم کرنے کی تلقین کی تاکہ یہ مٹھی بھر انسان اخلاق کی وہ طاقت اپنے اندر پیدا کرلیں جو لوگوں کے دل جیت لے اور تیر و تفنگ کے بغیر دشمنوں کو شکست دیدے۔

نماز کی یہ خوبی جو اس آیت میں بیان کی گئی ہے، اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک اسکا وصف لازم ہے، یعنی یہ کہ اس کا پڑھنے والا واقعی فحشاء اور منکر سے رک جائے۔ جہاں تک روکنے کا تعلق ہے، نماز لازماً یہ کام کرتی ہے، جو شخص بھی نماز کی نوعیت پر ذرا سا غور کرے گا وہ تسلیم کرے گا کہ انسان کو برائیوں سے روکنے کے لئے جتنے بریک بھی لگانے ممکن ہیں ان میں سب سے زیادہ کارگر بریک نماز ہی ہو سکتی ہے۔ آخر اس سے بڑھ کر موثر مانع اور کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی کو ہر روز دن میں پانچ وقت خدا کی یاد کے لئے بلایا جائے اور اس کے ذہن میں یہ بات تازہ کی جائے کہ تو اس دنیا میں آزاد و خود مختار نہیں ہے بلکہ ایک خدا کا بندہ ہے اور تیرا خدا وہ ہے جو تیرے کھلے اور چھپے تمام اعمال سے حتیٰ کہ تیرے دل کے ارادوں اور نیتوں تک سے واقف ہے اور ایک وقت ضرور ایسا آنا ہے جب تجھے اس خدا کے سامنے پیش ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہوگی، پھر اس یاد دہانی پر بھی اکتفا نہ کی جائے بلکہ آدمی کو عملاً ہر نماز کے وقت اس بات کی مشق کرائی جاتی رہے کہ وہ چھپ کر بھی اپنے خدا کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے۔ نماز کے لئے اٹھنے کے وقت

سے لے کر نماز ختم کرنے تک مسلسل آدمی کو وہ کام کرنے
پڑتے ہیں جن میں اس کے اور خدا کے سوا کوئی تیسری
ہستی یہ جاننے والی نہیں ہوتی کہ اس شخص نے خدا
کے قانون کی پابندی کی ہے یا نہیں یا اسے توڑ دیا
ہے۔ مثلاً اگر آدمی کا وضو ساقط ہو چکا ہو اور وہ
نماز پڑھنے کھڑا ہو جائے تو اس کے اور خدا کے سوا
آخر کسے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ وضو سے نہیں ہے
اگر آدمی نماز کی نیت ہی نہ کرے اور بظاہر رکوع
وسجود اور قیام وقعود کرتے ہوئے اذکار نماز پڑھنے
کے بجائے خاموشی کے ساتھ غزلیں پڑھتا رہے
تو اس کے اور خدا کے سوا کس پر یہ راز فاش ہو
سکتا ہے کہ اس نے دراصل نماز نہیں پڑھی ہے
اس کے باوجود جب آدمی جسم اور لباس کی طہارت
سے لے کر نماز کے ارکان اور اذکار تک قانون
خداوندی کی تمام شرائط کے مطابق ہر روز
پانچ وقت نماز ادا کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں
کہ اس نماز کے ذریعہ سے روزانہ کئی کئی بار
اس کے ضمیر میں زندگی پیدا کی جا رہی ہے، اس میں
ذمہ داری کا احساس پیدا کیا جا رہا ہے، اسے فرض
شناس بنایا جا رہا ہے، اور اس کو عملاً اس بات
کی مشق کرائی جا رہی ہے کہ وہ خود اپنے جذبۂ اطاعت
کے زیر اثر خفیہ اور علانیہ ہر حال میں اس قانون
کی پابندی کرے جس پر وہ ایمان لایا ہے، خواہ
خارج میں اس سے پابندی کرانے والی کوئی طاقت
موجود ہو یا نہ ہو اور خواہ دنیا کے لوگوں کو اس
کے عمل کا حال معلوم ہو یا نہ ہو۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ ماننے کے
سوا چارہ نہیں ہے کہ نماز صرف یہی نہیں کہ آدمی کو فحشاء
و منکر سے روکتی ہے بلکہ درحقیقت دنیا میں کوئی دوسرا
طریق تربیت ایسا نہیں ہے جو انسان کو برائیوں سے
روکنے کے معاملہ میں اس درجہ موثر ہو۔ اب رہا یہ
سوال کہ آدمی نماز کی پابندی اختیار کرنے کے بعد
عملاً بھی برائیوں سے رکتا ہے یا نہیں، تو اس کا انحصار
خود اس آدمی پر ہے جو اصلاح نفس کی یہ تربیت لے
رہا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھانے کی نیت رکھتا ہو
اور اس کی کوشش کرے تو نماز کی اصلاحی اثرات
اس پر مترتب ہوں گے ورنہ ظاہر ہے کہ دنیا کی کوئی
تدبیر اصلاح بھی اس شخص پر کارگر نہیں ہو سکتی جو اس
کا اثر قبول کرنے کے لیئے تیار ہی نہ ہو یا جان بوجھ
کر اس کی تاثیر کو دفع کرتا رہے۔ اس کی مثال ایسی
ہے جیسے غذا کی لازمی خاصیت بدن کا تغذیہ اور
نشوونما ہے، لیکن یہ فائدہ اسی صورت میں حاصل
ہو سکتا ہے جبکہ آدمی اسے جزو بدن بننے دے
اگر کوئی شخص ہر کھانے کے بعد فوراً ہی قے کر کے
ساری غذا باہر نکالتا چلا جائے تو اس طرح کا کھانا
اس کے لیئے کچھ بھی نافع نہیں ہو سکتا۔ جس طرح ایسے
شخص کی نظیر سامنے لاکر آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ غذا
موجب تغذیہ بدن نہیں ہے کیونکہ فلاں شخص کھانا
کھانے کے باوجود سوکھتا چلا جا رہا ہے، اسی طرح
بدعمل نمازی کی مثال پیش کر کے آپ یہ نہیں کہہ سکتے
کہ نماز برائیوں سے روکنے والی نہیں ہے کیونکہ فلاں
شخص نماز پڑھنے کے باوجود بدعمل ہے۔ ایسے نمازی
کے متعلق تو یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ وہ درحقیقت
نماز نہیں پڑھتا جیسے کھانا کھا کر قے کر دینے والے

کے متعلق یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ وہ درحقیقت کھانا نہیں کھاتے۔

ٹھیک یہی بات ہے جو متعدد احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بعض اکابر صحابہ و تابعین سے مروی ہوئی ہے۔ عمران بن حصین کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا من لم تنھہ صلاتہ من الفحشآء والمنکر فلا صلاۃ لہ" جسے اس کی نماز نے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کی نماز نماز نہیں ہے ابن ابی حاتم، ابن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں من لم تنھہ صلوتہ عن الفحشآء والمنکر لم یزدد بھا من اللہ الا بعدا۔ جس کی نماز نے اسے فحش اور برے کاموں سے نہ روکا اس کو اس کی نماز نے اللہ سے اور زیادہ دور کر دیا۔ ابن ابی حاتم طبرانی یہی مضمون جناب حسن بصریؒ نے بھی حضورؐ سے مرسلاً روایت کیا ہے (ابن جریر بیہقی۔ ابن مسعودؓ سے حضورؐ کا یہ ارشاد مروی ہے لاصلوٰۃ لمن لم یطع الصلوٰۃ وطاعۃ الصلوٰۃ ان تنھٰی عن الفحشآء والمنکر" اس شخص کی کوئی نماز نہیں ہے جس نے نماز کی اطاعت نہ کی اور نماز کی طاعت یہ ہے کہ آدمی فحشاء و منکر سے رک جائے" ابن جریر ابن ابی حاتم اسی مضمون کے متعدد اقوال حضرات عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، حسن بصری، قتادہ اور اعمش وغیرھم سے منقول ہیں۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں، جو شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ اس کی نماز قبول ہوئی یا نہیں اسے دیکھنا چاہیے کہ اس کی نماز نے اسے فحشاء اور منکر سے کہاں تک باز رکھا اگر نماز کے روکنے سے وہ برائیاں کرنے سے رک گیا تو اس کی نماز قبول ہوئی ہے (روح المعانی) ○○

ہمارا پیغام

ہم اپنے پیغام کو ہر پارٹی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے، کیونکہ ہمارا کام ہوگیا تو انسانیت کا مہکتا ہوا گلدستہ بنے گا، آج کانٹے پیدا ہو رہے ہیں، آج انسانیت کے درخت سے کانٹے اور کڑوے کسیلے پھل پیدا ہو رہے ہیں، آپ انسانیت کے میٹھے پھل پیدا کیجئے، انسانیت کی بہار لائیے، انسانیت کو نکھاریئے، ہم اس بگڑی ہوئی دنیا کے خلاف خلش پیدا کرنے آئے ہیں، کاش یہ چمن پیدا ہو، یہ پیغمبروں کا کام اور ان کا پیغام ہے، ہم اسے یاد دلانے آئے ہیں، کوئی دماغ تک رہ جاتا ہے، کوئی پیٹ تک پہنچ جاتا ہے، کوئی کپڑوں اور مکان میں اٹک کر رہ جاتا ہے۔ لیکن مذہب خدا کے یقین اور محبت کے ساتھ دل میں اتر جاتا ہے، وہ آنکھوں کی کھٹک اور جلن دور کرتا ہے، آنکھوں کی سوئیاں نکالنا پیغمبروں ہی کا کام ہے، انہیں کی محنتوں سے دل کی پھانسیں نکلیں اور قلوب کو اطمینان ملا۔

ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم نے پیغمبروں کے کام اور پیغام کی بڑی ناقدری کی، تم مجرم ہو۔ تم یہاں داعی کی حیثیت سے آئے تھے، تم نے داعیانہ حیثیت اور اپنے آنے کا مقصد کھو دیا، تم دعوت و محبت کے پیام کے ساتھ جیتے تو عزت سے جیتے اور کامیاب و بامراد جیتے رہتے۔

اب تمہاری فلاح اسی میں ہے کہ تم اپنی کھوئی ہوئی حیثیت اختیار کرو۔

کل ہند حلقہ پیام انسانیت
پوسٹ بکس ۹۳۔ لکھنؤ

تصوّرِ دین

کون بے عقل ہے جو اس زرّیں نصیحت پر معترض ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے اعمال درست کرنے چاہئیں۔ مگر اعمال سے کیا مراد ہے؟ یہی سوال ہے جس کے حقیقت پسندانہ جواب پر زیر بحث مسئلہ کی عقدہ کشائی صحیح طور پر ہو سکتی ہے۔ امتداد زمانہ اور گوناگوں عوامل نے اہلِ اسلام میں ایک بہت بڑا طبقہ ایسا پیدا کر دیا ہے جس کے ذہن میں اسلام کا ایک بہت محدود تصور جاگزیں ہو گیا ہو گیا ہے۔ اتنا محدود کہ اسے قرآن وسنت والے اسلام کی وسعتوں اور رہنمائیوں سے کوئی مناسبت نہیں۔ اس طبقے میں بے شمار علماء بھی ہیں مشائخ بھی اور کتنے ہی نام نہاد مفکرین بھی۔ ان کا خیال ہے کہ اسلام صرف چند مصطلحہ عبادات اور مارا رائج معتقدات کا مجموعہ ہے جن کا تمام تر تعلق افراد کی ذاتی اور نجی زندگی سے ہے۔ اسلام کے نام پر جو لوگ سیاسی یا معاشی یا قومی دائروں میں دخیل ہوتے ہیں وہ ان کی دانست میں دنیادار ہیں۔ غیر صالح ہیں۔ ابن الوقت ہیں۔ اس طبقے میں ابھی تک یہ جرأت تو کم افراد میں ہوئی ہے کہ کھل کر دین اور سیاست کی دوئی کا دعویٰ کریں لیکن دین کے رخ پر ان کا مجموعی رویہ بلا کسی ابہام کے یہ ظاہر کرتا ہے کہ دین اور سیاست ان کے نزدیک ایسے دو دائرے ہیں جن کے درمیان اونچی دیوار کھڑی ہے۔ اسی نقطۂ نظر کے تحت وہ اعمال صالحہ سے مراد صرف وہ اعمال لیتے ہیں جنھیں سیاست کی اصطلاح میں "امور مذہبی" کہا جاتا ہے۔ یعنی مصطلحہ عبادتیں جن کا تعلق سیاست اور نظم مملکت اور امور جہاں بانی سے کچھ بھی نہ ہو بلکہ وہ افراد کے نجی کردار سے تعلق رکھتی ہوں۔

لیکن دین کے بارے میں یہ محدود تصور قرآن وسنت کے دیئے ہوئے ہمہ گیر اور وسیع تر تصور کے سراسر خلاف ہے اور اعمال صالحہ کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے اتنا وسیع کہ سیاست، امور جہاں بانی اور زندگی کے تمام ہی شعبے اسمیں سمائے ہوتے ہیں۔ یہ بات نہ ہوتی تو انبیاء علیہم السلام خصوصاً خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں ہجوم واقدام، حرب وضرب، عدالت وقضا، امارت و حاکمیت اور حدود وتعزیرات کے مناظر کبھی دیکھنے میں نہ آتے۔ امت مسلمہ جس طرح مصطلحہ عبادات کی پابند ہے اسی طرح اس کی بھی پابند ہے کہ سیاست واجتماع کے دوائر میں جد وجہد، حسن تدبیر اور مفید سرگرمیوں کا مظاہرہ کرتی رہے۔ معاشرے کی اصلاح سے غافل نہ ہو۔ سیاست کا رخ فلاح وصلاح کی طرف موڑنے کی تدابیر سے آنکھیں بند نہ کرلے اب مثلاً ہمیں شکایت ہے کہ ہمارے حقوق پامال کئے جا رہے ہیں نشانۂ ظلم بنائے جا رہا ہے تو ظاہر ہے یہ مسئلہ انفرادی نہیں اجتماعی ہے اس کا تعلق سیاست اور نظام مملکت

...سے ہے اگر ہم اس خوش فہمی میں مبتلا رہیں گے کہ مصطلحہ
...دتوں کی پابندی کرنے اور رو رو کر دعائیں مانگنے سے
...اری شکایات کے ازالہ کی نوبت آجائے گی تو یہ ایسی
...مادہ لوحی ہوگی جس کی مضرت کسی دلیل کی محتاج نہیں
...للہ تعالےٰ بے شک ذرائع پیدا کرتا ہے لیکن ان ذرائع
...ظاہری سرچشمہ ہمارا اپنا ہی کردار اور ہماری اپنی ہی
...تا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اللہ کے آخری رسولؐ صرف
...دعاؤں پر بس نہیں کرتے بلکہ بدر و احد کے میدانوں میں
...لوار اور سپاہی لے کر جاتے ہیں۔ تب اللہ تعالےٰ فتح و
...ظفر سے ہمکنار کرتا ہے۔ اسی طرح ہمیں جن اجتماعی و
سیاسی نوع کی شکایتوں سے واسطہ ہے ان کے ازالے
کی کوشش انہی میدانوں میں اتر کر اپنی جیسی جدوجہد
اور تدبیر کے ذریعے کرنی ہوگی تب کہیں یہ ممکن ہے کہ
اللہ تعالےٰ ہماری کمزوریوں کے اوجود کامیابی کی
صورتیں پیدا فرما دے۔

آپ اپنے بیٹے کو انجنیر بنانا چاہتے ہیں۔ کیا یہ کسی بھی
طرح ممکن ہے کہ متعلقہ اسکولوں اور کالجوں میں داخل کئے
بغیر اور متعلقہ کوششوں کے بدون یہ بیٹا محض اس طرح انجنیر
بن جائے کہ آپ ورد وظیفہ تہجد اور اشراق پڑھ پڑھ کر
دعائیں مانگا کریں؟ ظاہر ہے کہ نہیں اور تبھی نہیں آپ
کا فرض ہوگا کہ متعلقہ کوششیں کریں اور پھر یہ توقع رکھیں
کہ اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمادے۔ عین ممکن ہے کہ آپ
کا بیٹا غبی ہو مگر کوشش کے صلے میں اللہ تعالیٰ اس کی
کامیابی کے ذرائع پیدا فرمادے۔ یہ ایسا ہی ہوگا جیسے
بدر کے میدان میں وسائل ظاہری کی حد تک اہل حق
کی فتح اور باطل کی شکست کے امکانات نہ ہونے کے
برابر تھے۔ لیکن اہل حق نے جب اپنی جیسی کوشش اور
تدبیر کی ذمہ داری پوری کردی تو اللہ نے کامیابی
کے حیرت ناک ذرائع پیدا کردیئے۔ گویا جس میدان
میں کچھ پانے کی تمنا ہے اسی میدان میں جدوجہد کا
حق تو ادا کردو تبھی خدا کی مدد کی توقع کرنے میں حق
بجانب ہوگے یہ نہیں کہ میدان میں تو اترو نہیں اور
نمازیں پڑھ پڑھ کر دعائیں مانگے جاؤ۔

خلاصہ یہ ہے کہ سیاست اور اجتماع کے میدان میں
تدبیر اور کوشش کرتے رہنا بھی اسی طرح اعمال
صالحہ کا جزو لازم ہے جس طرح انفرادی زندگی کے
نوک پلک سنوارنا یہ کبھی نہیں ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی
ہوگا کہ ہم سیاسی اجتماعی جدوجہد سے کٹ کر خالی
مصطلحہ عبادتوں میں لگ جائیں اور توقع رکھیں
کہ اس کے نتیجے میں ہم پر اللہ تعالےٰ ان انعامات و
ثمرات کی بارش کرے گا جو سیاست و اجتماع کے
دائروں میں مطلوب ہیں —٥٥

مسلمان اور الیکشن

از:- مولانا عامر عثمانیؒ (فاضل دیوبند)

جہاں تک اصول اور فتوے کا تعلق ہے یہ فیصلہ دینا غلط ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لیئے ووٹ دینا جائز نہیں۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ کسی بھی الیکشن میں مسلمانوں کو اس وقت حصہ لینا چاہیئے جب ان کے ارباب حل و عقد یہ طے کر دیں کہ ملی سیاست اور حکمت و مصلحت کی رو سے اس وقت الیکشن میں۔ مسلمانوں کی شرکت مفید رہے گی اور ووٹ کا حق استعمال نہ کرنا نقصان دہ ثابت ہوگا۔

حکومت بے شک غیر اسلامی ہے لیکن اس حقیقت سے تو کوئی صاحب عقل مسلمان انکار نہیں کر سکتا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو غیر اسلامی حکومت پسند نہیں ہو سکتی بلکہ پسند اگر کوئی حکومت ہو سکتی ہے تو وہی ہو سکتی ہے جو اسلامی ہو اور اس میں دین خداوندی کے مطابق فیصلے کئے جائیں اب اگر ووٹ دینے والے کو ناجائز قرار دینے والے اللہ اور رسولؐ پر ایمان کے مدعی ہیں تو وہ اس سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ مسلمان کو وہی چیز پسند ہونی چاہیئے جو اللہ اور رسولؐ کو پسند ہے جب غیر اسلامی حکومت ناپسندیدہ ٹھہری تو آپ سے آپ یہ طے ہو گیا کہ غیر اسلامی حکومت کو اسلامی حکومت میں بدلنے کی سعی و جہد کرنا اہل اسلام کا محبوب مشغلہ ہونا چاہیئے۔

مذکورہ حضرات اگر یہ کہتے ہیں کہ ہمارے موجودہ حالات میں غیر اسلامی حکومت کے استیصال اور اسلامی حکومت کے قیام کا کوئی امکان ہی موجود نہیں ہے تو ہم ان سے عرض کریں گے کہ جس چیز کا امکان ہے کم سے کم اس کے لیئے تو جد وجہد کیجیے۔ انتخابی جمہوریت میں ووٹ کے ذریعے ایک بے کردار، غیر منصف اور خود غرض آدمی کو شکست دے کر اس سے بہتر آدمی کو ایوان حکومت میں۔ پہنچایا جائے جس سے توقع کی جا سکے کہ اس کی سرگرمیاں انصاف اور جمہوریت کی قدروں کے حق میں مفید ثابت ہوں گی یا کم سے کم اتنی مضر ثابت نہ ہوں گی جتنی اول الذکر کی ہو سکتی ہیں۔

اسلامی حکومت بہت دور کی منزل ہے اس تک پہنچنے کا کوئی امکان نہ ہو تو یہ فریضہ بہر حال امتِ مسلمہ کے ذمہ ڈالا گیا ہے کہ اس کے حلقہ بگوش برائیوں کے خلاف جنگ کرتے رہیں اور جن مواقع پر دو برائیوں میں سے کسی ایک کو قبول کرنا ناگزیر ہو وہ چھوٹی برائی قبول کریں اور اس برائی کے خلاف سینہ سپر ہوں جو نسبتاً بڑی اور مہیب ہے غیر اسلامی حکومت کا عذر رکھ کر اگر ہم ووٹ کو اپنے لیئے حرام کر لیں گے تو اس کا

مطلب یہ ہوگا کہ اپنے ملک، اپنے اہل وطن، اپنی ملت کے بارے میں ہم کوئی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اور ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ اقتدار ایسے برے لوگوں کے ہاتھ میں رہتا ہے جو عدل و انسانیت سے عاری ہیں یا ایسے لوگوں کے ہاتھ میں جاتا ہے جو ملک و قوم کے حق میں نسبتاً بہتر ہیں۔ ہمارا یہ طرزِ عمل نہ صرف یہ کہ اس کامل مایوسی کا مظہر ہوگا جسے قرآن نے بمنزلہ کفر قرار دیا ہے۔ بلکہ اسے بے حسی، جمود اور تعطل کا نام بھی دیا جا سکے گا۔ جس نظام حکومت میں تغیر و تبدل کا واحد ذریعہ ووٹ ہو اس کے تحت زندگی گذارنے والی کوئی بھی ملت اگر ووٹ کو اصولاً حرام قرار دیتی ہے تو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہوگا یا تو وہ آئینی طریقوں کے بجائے سازش، غدر اور غیر آئینی طریقوں میں یقین رکھتی ہے یا اس نے اپنی تقدیر کو حالات کے حوالے کر دیا ہے اور اس کی حیثیت ایک ایسے گروہ کی ہو گئی ہے جسے زندگی کے میدان میں اپنا کوئی پارٹ ادا نہیں کرنا ہے بلکہ حالات کا دھارا اسے جہاں بھی اور جدھر بھی بہا کر لے جائے اس پر وہ قانع رہنا چاہتا ہے۔

یہ دونوں ہی صورتیں ملتِ اسلامیہ کے مقصدِ وجود سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں اسلام نہ تو غدر و سازش اور فتنہ و فساد کا درس دیتا ہے نہ یہ سکھلاتا ہے کہ برائی کے خلاف جدّ و جہد کرنے اور بھلائی کی حمایت میں سرگرمی دکھانے کے عوض ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہو اور ممکنہ تدابیر سے دستکش ہو کر محض دعاؤں پر تکیہ کر لو۔ اسلام ہر حال میں جہد و عمل کی تعلیم دیتا ہے اور جن حالات میں کسی اونچے مقصد کی طرف براہ راست قدم زنی کا امکان نہ ہو یہ فریضہ بہر حال وہ اپنے ماننے والوں پر عائد کرتا ہے کہ جس دائرے میں اور جس پیمانے پر ممکن ہو ظالم کو انصاف سے، برے کو بھلے سے اور بڑی برائی کو چھوٹی برائی سے بدلنے کی سعی کریں۔ ووٹ دینا دراصل اسی فریضے کا ایک عملی مظہر ہے بشرطیکہ اس کے پیچھے شعور، تدبر اسلام کی شورائی اسپرٹ کارفرما ہو۔

الیکشن اور اقامتِ دین

از :- جناب ابوسلیم محمد عبدالحی

عبادت کسی نہ کسی شکل میں ہر مذہب کی جان ہے، اسی طرح خدمتِ خلق، انسانوں کے ساتھ مواسات، ہمدردی اور کتنے ہی پسندیدہ کام ایسے ہیں جن کی تلقین ہر مذہب کرتا ہے لیکن کیا آپ اس بات سے انکار کریں گے کہ ان تمام کاموں کے پیچھے جو فلسفہ کام کر رہا ہوتا ہے اسی کی بنیاد پر ہم ان کاموں کے حق اور باطل ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اسلام کے بارے میں تو یہی بات صحیح ہے مثلاً عبادت یا دوسرے نیک کاموں میں اسلامی فلسفہ یہ ہے کہ ہر کام کی غایت اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ہر کام کے کرنے کا ڈھنگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگر ایسا ہے تو اسلام کی نظر میں یہ سارے کام دینی ہیں اور ان کا اجر اللہ تعالیٰ سے ضرور ملے گا لیکن اگر ان کاموں کے پیچھے رضائے الٰہی کا مقصود اور ان کاموں کے کرنے کے ڈھنگ میں ہدایت الٰہی کی پابندی باقی نہ رہے تو پھر اسلام انھیں خیر کا کام نہیں سمجھتا۔

یہ ایک بہت واضح بات ہے۔ اسلام کا تعارف رکھنے والا ہر شخص اس کو جانتا ہے اور ہم میں سے کوئی بھی نہ عبادت کی کوئی ایسی شکل تجویز کر سکتا ہے جو اوپر بیان کی گئی دو بنیادوں سے ہٹ کر بنائی گئی ہو اور نہ کسی خیر کے کام کو اسلامی کام سمجھ کر اختیار کر سکتا ہے اگر ان کاموں کے پیچھے رضائے الٰہی اور اتباع شریعت کی شرائط موجود نہ ہوں۔

اسلام نے جو مذہب کا تصور پیش کیا ہے وہ بعض دوسرے مذاہب کی طرح سیاست کو خارج از بحث نہیں ٹھہراتا، اسلام دین اور سیاست کو جدا نہیں کرتا اور اس سیاست کو دنیا کے حق میں ایک ظالمانہ روش قرار دیتا ہے، جو دین کی گرفت سے آزاد ہو، اور اس دین کو غیر مستند اور ناقص قرار دیتا ہے۔ جو سیاست سے قطعاً بے تعلقی اختیار کر لے، لیکن جس طرح عبادت ایک اسلامی فکر اور فلسفے کے بغیر اسلامی عبادت نہیں بن پاتی۔ اسی طرح کوئی سیاست اسلامی نظریۂ سیاسی کو بنیاد بنائے بغیر اسلامی سیاست نہیں بن سکتی کوئی مسلمان اسلامی نظریہ سیاسی سے صرف نظر کر کے صرف اس بنیاد پر سیاست کو قبول نہیں کر سکتا اور اپنے اس عمل کیلئے یہ وجہ جواز پیش نہیں کر سکتا کہ چونکہ اسلام نے دین اور سیاست کو یکجا کیا ہے، لہٰذا میں اپنے دین کے ساتھ اس سیاست کو جوڑ نا صحیح سمجھتا

ہوں اسلام کے ساتھ اسی سیاست کا جوڑ لگ سکتا
ہے جس کی بنیاد اسلام کے نظریہ سیاسی پر رکھی گئی
ہو اس کے بغیر سیاست محض گمراہی ہے اور کسی
مسلمان کا کام نہیں کہ وہ ایسی سیاست سے وابستگی
کی راہیں پیدا کرے اس اعتبار سے اسلام کے نظریۂ
سیاسی کو ہر وقت ہمارے ذہنوں میں تازہ رہنا
چاہیے، اس کے بغیر اس بات کا اندیشہ ہے کہ محض
سیاست کے شوق میں ہمارا کوئی قدم ہماری اپنی
منزل کے خلاف راہ پر نہ اٹھ جائے اور ہمیں اس کا
شعور بھی نہ ہو۔

یہ تو آپ مانتے ہیں کہ اسلام ایک باضابطہ نظام اور
اس کی بنیاد چند مضبوط اصولوں پر رکھی گئی ہے اس کے
بڑے بڑے ارکان سے چھوٹے چھوٹے جزئیات تک
ہر چیز اس کے بنیادی اصولوں کے ساتھ ایک منطقی ربط
رکھتی ہے اس لئے صرف سیاست ہی نہیں بلکہ زندگی
کے ہر شعبے کو سمجھنے کے لئے ناگزیر ہے کہ آپ اس کے
بنیادی اصولوں کا ٹھیک ٹھیک علم رکھتے ہوں۔

اسلام کے اہم ترین بنیادی اصولوں میں سے
سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ اس دنیا کا ایک خالق
ہے اور وہی اس کا رب اور الٰہ ہے رب اور الٰہ
کے وسیع مفہوم سے آپ واقف ہیں، الٰہ کے معنی ہیں
معبود کے، اور معبود اسے کہتے ہیں جس کی عبادت
کی جائے۔ عبادت کے معنی محض پوجا کے نہیں ہیں۔
بلکہ غلامی اور بندگی سب اس میں داخل ہے، اسی طرح
رب کا مفہوم پرورش کرنے والا، چونکہ پرورش کرنے
والے ہی کی اطاعت اور فرماں برداری کی جاتی ہے
اس لیے رب کے معنی مالک اور آقا کے بھی ہیں، اسی طرح
دیکھا جائے تو اگر کوئی کام اس بنیادی اصول سے
ٹکراتا ہے تو چاہے دنیا اسے کتنا ہی بھلا کام سمجھتی ہو
اسلام کی نظر میں وہ پسندیدہ کام نہیں ہو سکتا۔ انسان
کی سب سے بڑی گمراہی ہمیشہ یہی رہی ہے کہ اس نے
یا تو خالق کائنات کا انکار کیا یا اسے مان تو لیا لیکن
اسے واحد الٰہ اور واحد رب ماننے کے لیے وہ تیار نہ
ہو سکا۔ یہی تمام فساد کی جڑ ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا
چاہیے کہ اس وقت جو سیاست ہمارے سامنے ہے
اس کا بنیادی اصولوں سے کیا تعلق ہے

آپ کو معلوم ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے۔
انسانی زندگی کے لیے جو نظام مرتب کیا اس کا مرکز
و محور اور اس کی روح یہی عقیدہ تھی کہ اس کائنات
کا ایک خالق ہے وہی اس کا مالک ہے اور اس کے
سوا کوئی دوسرا نہ الٰہ ہے نہ رب۔ اسلام کے نظریۂ
سیاسی کی بنیاد اسی پر قائم ہے۔ اسلامی سیاست کا
پہلا اصول یہ ہے کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے۔
اختیارات نہ کسی ایک شخص کو حاصل ہیں نہ کسی ایک
گروہ کو اور نہ اجتماعی طور پر تمام انسانوں کو اسلام کا
بنیادی نظریہ کسی شخص کا حق تسلیم نہیں کرتا کہ وہ
حکم دے اور دوسرے اس کی اطاعت کریں۔ وہ قانون
بنائے اور دوسرا اس کی پابندی کریں یہ اختیار
صرف اللہ کو ہے۔ اس دعوے کی صراحت اور ثبوت
کے لیے قرآن کی آیات کا مطالعہ آپ کرتے رہتے ہیں
اسلامی نظریہ سیاسی کے مطابق حاکمیت صرف خدا کی
ہے۔ قانون ساز صرف خدا ہے کوئی انسان چاہے
وہ نبی ہی کیوں نہ ہو بذات خود حکم دینے اور منع کرنے

کا حقدار نہیں، یہ ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے کہ اس کے زیادہ شرح و بیان کی ضرورت نہیں، کم از کم ہر مسلمان اسے جانتا ہے اور اسے صحیح مانتا ہے

اب ذرا موجودہ سیاست کے ڈھانچے اور اس کے نظریے پر غور کر لیجیے اب وہ دور ختم ہو چکا ہے جب کوئی ایک شخص بادشاہ یا شہنشاہ کی شکل میں انسانوں کا مطلق العنان مالک بن بیٹھتا تھا اور اب اس کی گنجائش بھی شاذ ہی رہ گئی ہے کہ کوئی خاندان یا کوئی گروہ حاکمیت کا دعویدار بن بیٹھے۔ اب تو جمہوریت کا دور ہے۔ اس نظریے کے مطابق ملک کے عام باشندوں کو حاکمیت حاصل ہے۔ انہی کی رائے سے قوانین بنتے اور بدلتے ہیں۔ ملک کا ہر شہری حاکمیت میں شریک ہے لیکن چونکہ یہ سب لوگ اپنا حقِ حاکمیت عملاً استعمال نہیں کر سکتے اس لیے ہر شہری کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے حقِ حاکمیت سے اپنے کسی نمائندے کے حق میں دست بردار ہو جائے۔ انتخابات کے وقت ہر شہری اپنا حقِ رائے دہی استعمال کر کے یا یوں کہئے کہ اپنا ووٹ ڈال کر اپنے اس حق کو کسی نمائندے کے حق میں منتقل کر دیتا ہے۔ اسی طرح حاکمیت ان نمائندوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور یہ اسے اپنی مرضی کے مطابق اپنے ہی وضع کردہ کچھ اصولوں کے تحت استعمال کرتے ہیں اور حکومت کا نظم چلاتے ہیں۔

اب اسلامی نظریہ سیاسی پر پھر ایک نظر ڈالئے وہاں اصل حاکم اللہ تعالیٰ کو مانا گیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ دنیا کا انتظام حکومت تو انسانوں ہی کے ہاتھوں چلے گا اسلامی نظریہ سیاسی میں اس کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا کا نظامِ حکومت وہ لوگ چلائیں جو حقیقی حاکم کے نائب ہوں اس لیے اسلام کی نظر میں یہ حاکم نہیں بلکہ خلیفہ ہیں۔ خلیفہ یا نائب اسے کہتے ہیں جو کسی تسلیم شدہ مالک کی طرف سے مالک کی جائیداد میں مالک کے بخشے ہوئے اختیارات اور مالک کی دی ہوئی ہدایات کے تحت عمل درآمد کرے۔ اسلام کی نظر میں یوں تو ہر انسان خدا کا خلیفہ ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرتے وقت ہی فرما دیا تھا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں لیکن ان خلفا میں جائز خلیفہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو مالک کے مالک ہونے کو تسلیم کرتا ہو اور جو مالک کی مرضی کے مطابق اس کی جائیداد میں اس کی دی ہوئی ——— ہدایات کے تحت عمل درآمد کرنے کا عہد کرے۔ ایسے سب لوگ خلافت میں برابر کے شریک ہیں اور ان کے درمیان کسی قسم کے پیدائشی، طبقاتی یا معاشرتی امتیازات قائم نہیں کیے جا سکتے۔ ان سب کی حیثیت اور مرتبہ برابر کا ہوگا۔ فضیلت جو کچھ بھی ہوگی شخصی قابلیت اور سیرت کے اعتبار سے ہوگی۔

اسلام کے نظریۂ سیاسی کی جو تشریح اوپر کی گئی اس کی تائید میں متعدد قرآنی آیات پیش کی جا سکتی ہیں اور ہمیں خیال نہیں کہ کسی عالم نے علمی بنیاد پر اس سیاسی نظریے کو خلافِ اسلام کہا ہو۔ تمام دنیا کے علماء اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور انسانوں کی نیابت کو تسلیم کرتے ہیں اور اسی کو اسلامی سیاست کا سنگِ بنیاد قرار دیتے ہیں۔

لیکن اب ذرا واقعات کی دنیا میں آیئے اور چند باتوں پر غور کیجئے۔

ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں جہاں اکثریت اس نظریہ پر ایمان نہیں رکھتی جسے تمام عالم کے مسلمان اسلام کا سیاسی نظریہ تسلیم کرتے ہیں۔ یہاں اجتماعی معاملات کے لیے ایک جمہوری نظام قائم ہے، اس نظام کے اہم اجزائے ترکیبی یہ ہیں کہ ملک کے باشندے ہر پانچ سال کے بعد الیکشن کے ذریعہ اپنے نمائندے منتخب کرتے ہیں اور یہی نمائندے مل کر حکومت کے قانون بناتے ہیں اور حکومت چلاتے ہیں۔ ملک کی قسمت ایک مقررہ وقت کے لیے انھیں نمائندوں کے فیصلوں سے بندھ جاتی ہے۔ یہاں سیاست کا بنیادی نظریہ حاکمیت عوام پر قائم ہے، ووٹ دینے کے قابل ہر شہری حاکمیت میں شریک ہے اور وہ اپنا حق حاکمیت اپنے ووٹ کے ذریعہ اپنے کسی نمائندے کے حق میں منتقل کرتا ہے۔ اب اگر یہ نمائندے اچھے اور خیر پسند ہوں تو حالات درست رہ سکتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو حالات بگڑ سکتے ہیں۔ ظلم، لوٹ کھسوٹ اور بے ایمانی عام ہو سکتی ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ جمہور کے یہی نمائندے جمہوریت کی اقدار کو پامال کر کے ڈکٹیٹر بھی بن سکتے ہیں اس صورت حال کے تحت خیر پسند طاقتوں کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ حالات پر اثر انداز ہوں اور انھیں غلط رخ پر نہ جانے دیں۔ یہ ضرورت اسی طرح پوری ہو سکتی ہے کہ جہاں تک ہو سکے خیر پسند طاقتیں الیکشنی نظام کو اپنے لیے سازگار بنائیں اور اس سے کام لیکر ایسے نمائندوں کو برسر اقتدار لائیں جن سے اچھی توقعات ہوں۔

ایک اور اہم پہلو بھی سامنے لایا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امتِ مسلمہ پر نائب رسول ہونے کی حیثیت سے ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ وہ دین کو قائم کریں۔ صرف دین کی دعوت دینا کافی نہیں ہے، دین کے قائم کرنے کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ اقتدار اعلیٰ مومنین صالحین کے ہاتھ میں منتقل ہو جائے اور پھر وہ نظام خلافت قائم ہو جو اسلامی نظریہ سیاست کی بنیاد ہے۔ انقلابات عام طور پر طاقت کے بل بوتے پر لائے جاتے ہیں لیکن اگر موجودہ حالات میں صرف پُرامن ذرائع سے انقلاب لانے کا فیصلہ کر لیا گیا اور حالات کے تحت ایسا ہی فیصلہ کرنا صحیح بھی ہے تو پھر الیکشنی نظام میں حصہ لینے کے علاوہ اور کس طرح یہ ممکن ہے کہ کوئی پُرامن انقلاب لایا جا سکے، اس لیے اگر اقامت دین کا مقصد عزیز ہے تو مسلمانوں کو اس غرض کے لیے الیکشن میں حصہ لینا چاہیے اور ایسے نمائندے منتخب کرنا چاہئیں جن سے یہ توقع ہو کہ وہ جمہور کے ایوان ہائے حکومت میں جا کر اللہ تعالیٰ کی صداقت منوا سکیں گے اور رفتہ رفتہ وہ منزل آ جائے گی کہ جب انہی جمہوری نمائندوں کے ذریعہ خلافت کا نظام قائم ہو سکے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چونکہ ابھی منتخب نمائندوں کے ذریعہ مطلوبہ انقلاب لانے کی بات بہت دور کی بات ہے۔ اس لیے مسلمان اصلاً تو ایک دینی جماعت کے ہی انداز پر کام کرتے رہیں لیکن اپنے ووٹوں کی طاقت کو اس طرح منظم کر لیں کہ اس کے بل پر وہ ملکی سیاست پر اثر انداز ہو سکیں اور سیاسی میدان میں اترنے والی دوسری طاقتوں سے معاہدہ کریں، ایسے معاہدے جن سے دعوت اسلامی کے فروغ اور مسلمانوں

کے مسائل حل کرنے میں مدد مل سکے اس طرح
انتخابی سیاست میں حصہ لینا گویا ایک طرح دین
ہی کا تقاضا قرار پاتا ہے۔

ایک بات اور بھی کہی جاتی ہے کہ خود ملت کے
بقاء اور اقامت دین کی جدوجہد کو باقی رکھنے کے
لیئے ضروری ہے کہ ملک میں کوئی ایسی طاقت برسرِ
اقتدار نہ آسکے جو آمرانہ مزاج رکھتی ہو یا جو مذہب
کو شخصی زندگی میں برداشت کرلے تو کرلے لیکن اجتماعی
معاملات سے مذہب کو بے دخل کرنا ہی صحیح سمجھتی ہو
جمہوریت کے علمبرداروں کا یہ کہنا ہے کہ وہ عقیدے
اور خیال، تحریر و تقریر اور جماعتیں بنانے اور
تحریکیں چلانے کی آزادی دیتے ہیں اس لیئے —
مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ جمہوریت کے علمبرداروں
کی حمایت کریں اور اپنے ووٹوں کی طاقت سے
اس طرز کے لوگوں کو برسراقتدار لانے کی کوشش
میں دریغ نہ کریں کیونکہ اس کے بغیر ملت کا وجود
اور خود دین ہی کو خطرہ درپیش ہو سکتا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ عام طور پر با اصول
اور باکردار لوگ مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں
چونکہ یہ لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں اور ان میں
جواب دہی اور ذمہ داری کا احساس بڑی حد
تک پایا جاتا ہے ایسے باکردار لوگ اگر الیکشن کے
کے ہنگاموں سے بالکل الگ تھلگ رہیں گے تو اچھے
لوگ حکومت کی صفوں میں نہ آسکیں گے اس لیئے
پنچایت سے لے کر پارلیمنٹ تک ہر جگہ بہتر سے بہتر
آدمیوں کو بھیجنے کے لیئے مسلمانوں کو انتخابی سیاست
میں حصہ لینا چاہیئے۔ ان کا خیال یہ بھی ہے کہ ایسے
لوگوں کے مقابلہ میں آنے سے ان کی پیش کی گئی دعوت اور
ان کے پسند کردہ اصولوں کا تعارف بھی آسانی کے ساتھ
ہو سکے گا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب اسلام ہمیں فرد کی ارتقاء،
معاشرے کی تعمیر اور ریاست کی تشکیل کا ذمہ دار قرار دیتا
ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اسلام کے کسی ایک جزو
کو لے کر بیٹھ رہیں اور پورے اسلام کے مکمل تقاضے پورے
کرنے کی راہیں نہ نکالیں۔ ریاست کی تشکیل کے لیئے موجودہ
دور میں واحد پرامن طریقہ الیکشنی نظام میں حصہ لینے کے
سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

کچھ لوگوں کو یہ بھی ڈر ہے اگر مسلمانوں کو عملی سیاست
سے الگ رکھا گیا تو وہ اجتماعی زندگی سے بے تعلق ہوکر
تصوف اور خانقاہیت کا شکار ہو جائیں گے اور نوجوان
جو فطری طور پر جوش و خروش اور حرکت ہی کو زندگی
سمجھتے ہیں ناکارہ ہو جائیں گے اور ٹھٹھر کر رہ جائیں گے
اور دنیا یہ سمجھنے پر مجبور ہو گی کہ اسلام بھی کوئی ایسا ہی
مذہب ہے جسے سیاست سے کوئی سروکار نہیں۔

زیر بحث مسئلے کے جو دو پہلو آپ کے سامنے آئے
ایک اسلامی نظریہ سیاست کے رُخ سے اور دوسرا موجودہ
دور میں عملی سیاست سے تعلق رہنے کے رُخ سے،
اسلامی نقطۂ نظر کا تقاضا ہے کہ ایک مومن بشرط اسلامی
ایمان و اسلام محض اپنے عقیدے کے تقاضے کے طور پر
ہر غیر اسلامی سیاست سے الگ رہے اور کوئی ایسا رُخ
اختیار نہ کرے جو براہ راست اس کے عقیدے اور ایمان
سے ٹکراتا ہو۔

دوسرا رُخ مقامی ہے کہ ہم اپنے حالات اور معاصرین

کو سامنے رکھیں اور خود دین ہی کی بقا کے لیے نئی سیاست میں بھرپور حصّہ لیں اور سیاست کے رُخ کو اس طرح موڑیں کہ نتائج اسلام اور اہلِ اسلام کے حق میں اچھے سے اچھے نکل سکیں۔

ان دونوں پہلوؤں میں کون سا صحیح ہے اور کونسا غلط اور ایک مردِ مومن کو عملاً کون سا پہلو اختیار کرنا چاہیے۔ اس پر اب ہمیں غور کرنا ہے۔

اقامت دین کی پُرامن جدوجہد کے لیے الکشنی سیاست میں حصّہ لینا جن لوگوں نے مفید اور ضروری سمجھا ہے ان کے اندازِ فکر میں چند پہلوؤں سے اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ گویا انقلابِ امامت کو سب سے مقدم سمجھ لیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کی تاریخ ہمارے سامنے ہے اور وہی اس کارِ عظیم کے لیے بہترین اسوہ ہے اس میں ہمیں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ کسی نبی نے اپنی دعوت کی ابتداء اس بات سے کی ہو کہ اوّل سب سے پہلے فساق و فجار کو حکومت کو بے دخل کرو اور اقتدار مومنین صالحین کے ہاتھوں میں دے دو۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی ابتداء ہمیشہ توحید اور مواساتِ بنی آدم سے ہوئی اور نبی کو حکم دیا گیا کہ اللہ کے بندوں کو الٰہِ واحد کا بندہ بننے کی تلقین کریں اور انھیں اس بات پر ابھاریں کہ وہ دوسرے انسانوں کے ساتھ ہمدردی اور مواسات کا طرزِ عمل اختیار کریں اور اگر اس کام میں زحمتیں اور مزاحمتیں درپیش ہوں تو انھیں صبر کے ساتھ اس وقت تک برداشت کریں جب تک اللہ تعالیٰ کی مدد سے حالات نہ بدل لیں اور دین کے لیے راہیں ہموار نہ ہونے لگیں۔

آپ تو خیال ہوگا کہ دین کے انقلابی تصور کو لے کر جن لوگوں نے ہمارے ملک میں اجتماعی جدوجہد کا آغاز کیا، انہوں نے پہلے اپنے مدّعا اور مقصود کے اظہار کے لیے حکومتِ الٰہیہ کا لفظ اختیار کیا، کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے یہی لفظ اس تصور کا بہترین ترجمانی کرتا تھا کہ حاکمیت جو فی الاصل اللہ تعالیٰ کا حق ہے اسی کے لیے خاص کر دیا جائے اور دوسرے تمام مدعیانِ حاکمیت کی نفی کی جائے لیکن جب اس لفظ سے اس غلط فہمی کا اندیشہ سامنے آیا کہ گویا سب سے پہلا مقصود انقلابِ امامت ہے اور جدوجہد کا نشانہ اصلاً سیاسی انقلاب ہے تو اس لفظ کو چھوڑ کر اقامت دین کا لفظ اختیار کیا گیا جو ایک قرآنی اصطلاح ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے مفہوم میں زیادہ واضح تھا اور اس لفظ کی تشریح اور تفصیل کرتے وقت بار بار یہ سمجھا دیا گیا کہ اقامت دین کا سب سے پہلا نشانہ خود داعی کی اپنی ذات ہے، پھر اس کا قریبی ماحول ہے اور پھر وہ معاشرہ ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ ان سب مراحل کا حق ٹھیک ٹھیک ادا ہو جائے تو پھر کہیں ایوان ہائے حکومت میں اقامت دین کا نمبر آسکتا ہے بہت بڑی غلطی پر ہیں وہ لوگ جو اپنی ذات، قریبی ماحول اور معاشرے میں اقامت دین کے "بے مزہ اور پھیکے" کام کے بجائے سب سے پہلے حکومت کے ایوانوں میں اقامتِ دین کے لیے گرما گرم نعروں میں دلچسپی لینا چاہتے ہیں بڑا مضحکہ خیز ہے یہ تصور کہ اگر کوئی نمائندہ کسی ایوانِ حکومت میں اللہ کی حاکمیت بات کہہ دے تو بس وہ حق ادا ہو گیا جو انبیاء علیہم السّلام کی جانشینی کا تقاضا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ یہ ایک بہت طویل کام ہے، اس کام کے لیے عمریں درکار ہیں، بلاشبہ یہ ایک طویل کام ہے لیکن یہ ہوگا اسی طرح۔ اس کے لیے ایک فطری تدریج درکار ہے اور یہ صرف ان لوگوں کے کرنے کا ہے جو کسی مخصوص منزل کو اپنی کامیابی کا معیار نہ سمجھیں بلکہ جن کی نظر میں اس راہ میں قدم اٹھ جانا ہی کامیابی ہو۔ یہی تو وجہ ہے کہ اقامت دین کی آخری منزل تک پہنچ جانے تک کی ذمہ داری ہم پر کسی نے نہیں ڈالی ہے بلکہ اس کے لیے صحیح طریقے پر جدّ و جہد کرتے رہنا ہماری ذمہ داری ہے، کسی نے ہم پر یہ لازم نہیں کیا ہے کہ ہم سب حدود کو پھاند کر اور سارے کام ادھورے چھوڑ کر بس الیکشن کی راہ سے حکومت پر قبضہ کرنے کی راہیں تلاش کرنے لگیں۔

کہا جاتا ہے کہ شہادتِ اُمتِ مُسلمہ کا ایک تسلیم شدہ فریضہ ہے اور اس کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک پورے دین کو اپنی اصل ہیئت میں دنیا کے سامنے پیش نہ کر دیا جائے اور چونکہ سیاست بھی دین کا ایک جزو ہے اس لیے شہادت حق کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے دین کے سیاسی نظام کو پیش کرنا بے حد ضروری ہے، بلاشبہ یہ بات صحیح ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کا طریقہ ہمیں یہی نظر آتا ہے کہ وہ پہلے زندگی کے دوسرے شعبوں میں شہادت حق کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور پھر جب اللہ تعالیٰ کی نصرت سے حکومت واقتدار کی منزلوں تک پہنچ جاتے ہیں تو اس میدان میں بھی شہادت حق کی ذمہ داری پوری کر کے دکھاتے ہیں

اب شہادت حق کی ذمہ داری ادا کرنا چاہئے ہیں۔ زندگی کے بے شمار شعبے آپ کے سامنے ہیں۔ آپ تجارت کرتے ہیں کیا اس میدان میں آپ نے شہادت حق کا فریضہ انجام دے دیا؟ کیا آپ کا طرزِ عمل دوسرے انسانوں کے ساتھ ایسا ہے کہ وہ اسے دیکھ کر جان سکتے ہیں کہ اسلام میں تجارت کے سلسلہ میں کن اصولوں کو تلقین فرمائی ہے۔ یہی حال زراعت، ملازمت صنعت وحرفت اور بے شمار دوسرے زندگی کے ان میدانوں کا ہے جن میں آپ برابر لگے ہوئے ہیں، کیا شہادت حق کی ذمہ داری ان میدانوں میں ادا نہیں ہو سکتی؟ ہمارا تو خیال یہ ہے کہ دین کی مکمل شہادت ادا کرنے کا حق جب ہی آئے گا جب زندگی کے ان تمام میدانوں میں اپنی دینی تعلیمات کا صحیح نمونہ پیش کر دیں گے۔ ان میدانوں میں کام کئے بغیر صرف سیاست اور وہ بھی الیکشنی سیاست کے میدان میں شہادتِ حق کا فرائض انجام دینے کا تصوّر یا تو محض خام خیالی ہے یا پھر زندگی کے دوسرے میدانوں میں شہادت حق کا صبر آزما کام نہ کرنے کے لیے فرار کی راہ۔

اقامت دین یا شہادتِ حق کا نام لینے والے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک بہت بڑے نظریاتی انقلاب کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں ایسا کوئی انقلاب کبھی الیکشن کی راہ سے نہیں آتا نظریاتی انقلاب پہلے عوام کے ذہنوں میں اپنی جڑیں مضبوط کرتا ہے اور جب کام ہو جاتا ہے تو پھر انتخابات کی کسوٹی پر پتہ لگایا جاتا ہے کہ کسی نظریاتی انقلاب کے لیے عوام میں جو کام کیا گیا تھا اس کی جڑیں کس حد تک مضبوط

ہوسکیں۔

اقامتِ دین کا مقصد حاصل کرنے کے لیے سب سے بڑی اہمیت ابلاغِ دین کی ہے۔ یعنی دین کا صحیح تصور دوسروں تک منتقل کرنا۔ تمام انسانوں کے سلسلے میں امتِ مسلمہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ خدا کا پیغام خدا کے بندوں تک پوری طرح پہنچادے اور اس طرح پہنچادے کہ آخرت میں یہ کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ ہم کو حقیقت کا علم ہی نہیں تھا۔ یہی وہ ذمہ داری تھی جس کے لیے رسولوں کو مبعوث کیا گیا اور اب یہی ذمہ داری اُمتِ محمدی پر ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس پیغام کو اگلی نسلوں تک پہنچاتی رہے۔ یہ صحیح ہے کہ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کو ایک بہتر دنیوی نظام کی حیثیت بھی پیش کیا جاسکتا ہے مگر اسے کسی طرح دعوت اسلامی کا اصل اور حقیقی انداز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ مخاطب کے ذہن میں اگر اسلام کی یہ تصویر آپ بٹھا دیں کہ اگر دنیوی مسائل حل کرنے کے لیے جہاں اور بہت سے راستے اختیار کیے گئے ہیں وہاں ایک راستہ اسلام کا بتایا ہوا بھی ہے۔ اور وہ سب سے بہتر ہے تو گویا آپ اپنے مخاطب کو یہ یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اگر معاشی اور سیاسی عذاب سے نجات چاہتے ہو تو دوسرے تمام نظاموں کو چھوڑ دو اسلامی نظام کی طرف آؤ یہاں تمہیں یہ مقصود مل جائے گا۔ حالانکہ ہمارا ایمان ہے کہ انبیاء علیہم السلام لوگوں کو اس عذاب سے نجات دلانے کے لیے مبعوث نہیں کیے جاتے تھے بلکہ ان کی بعثت کا واحد مقصد لوگوں کو آخرت کے عذاب سے نجات دلانا تھا۔ قرآن کی کتنی ہی آیتیں اس بات پر گواہ ہیں کہ ان میں فلاح وکامیابی کا تصور یہی دیا گیا ہے کہ لوگوں کو آخرت کے عذاب سے نجات ملے اور وہ ابدی زندگی کی وہ دائمی کامیابی حاصل کرلیں جن کا نام جنت یا رضائے الٰہی ہے کیا کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ الیکشنی ہنگاموں سے یہ مقصد کسی درجے میں بھی حاصل ہوگا۔ بہت ٹھہر کر اس پہلو پر غور کرنا چاہیئے یہ ایک بہت اہم سوال ہے بلاشبہ اقامتِ دین کے لیے جس پُرامن انقلاب کی ضرورت ہے اور جس کی دعوت ہمیں دینا چاہیئے وہ ایک طویل عمل میں ثابت قدمی اسی کو نصیب ہوگی جس کی نظریں محض اللہ تعالےٰ کے اجر وثواب پر ہوں اس سے آگے بڑھ کر کسی قسم کے اقتدار، اختیار، قومی حقوق اور دوسرے مفادات کا کوئی شائبہ اس کے ذہن میں نہ ہو۔ ایسا سوچنا صحیح نہیں ہے کہ چونکہ یہ ایک طویل جدوجہد ہے اس لیے جلدی سے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرلیا جائے کہ حکومت کے ایوانوں سے طاغوت کو نکال کر وہاں تخت خلافت جلد سے جلد بچھا دیا جائے۔

برسراقتدار آنے والی طاقتوں سے معاہدات کو بنیاد بنا کر اپنے ووٹوں کی قیمت وصول کرنے والی بات بڑی دلکش معلوم ہوتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ اگر کسی اور کام کے لیے نہیں تو کم از کم اس مقصد کے لیے مسلمان اپنے ووٹوں کی طاقت کو منظم کرہی لیں تو اچھا ہے، لیکن یہ بات صرف اسی ذہن میں آسکتی ہے جس نے اگر شعوری طور پر نہیں تو غیر شعوری طور اپنی توجہات کا مرکز صرف مسلمانوں کو بنا لیا ہو معاہداتی سیاست میں آپ جن حقوق کا تحفظ کرنا

کرنا چاہیں گے وہ ان کے سوا اور کیا ہوں گے کہ آپ مسلمانوں کے لیے معاشی تحفظات کے لیے مطالبے سامنے رکھیں یا ان کی معاشرتی خصوصیات کو برقرار رکھنے کے لیے کچھ حدود و شرائط منوائیں یا پھر مسلمانوں کے مذہب، اسلام کی دعوت و فروغ کے راہیں ہموار کرنے کی بات سامنے لائیں، لیکن یہ بات کہ آپ تمام بندگانِ خدا کو بندگی کی طرف دعوت دیں۔ ان کے ذہنوں میں اس انجام کی فکر پیدا کر دیں جو ہمارے عقیدے کے مطابق ہر متنفس کو پیش آنا ہے۔ اس بات کا کوئی تعلق معاہداتی سیاست سے نہیں جوڑا جا سکتا۔ اس قسم کے معاہدے ہمیں ایک قومی بھی خواہ گروہ ہونے کا سرٹیفکیٹ تو دلا سکتے ہیں۔ انسانی فلاح و نجات کا غم رکھنے والے انبیائی مشن کے علمبرداروں میں شمار نہیں کرا سکتے۔

جمہور کے ذہنوں میں آج یہ بات بہت اچھی طرح بٹھا دی گئی ہے کہ وہ آپ اپنے حاکم ہیں وہ اپنی کثرت رائے سے ہر اچھی چیز کو برا اور بری چیز کو اچھا قرار دے سکتے ہیں اور ان کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنے حق استعمال کے لیے اپنے نمائندے چنیں اور ان نمائندوں کو سیاہ و سفید کے تمام اختیارات حاصل رہیں۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا۔ یہ تصور اسلام کے نظریہ سیاست سے براہ راست ٹکراتا ہے۔ اب اگر ہمیں اپنے نظریے پر ایمان ہے اور ہم اسے ہی حقیقت کے مطابق اور انسانی فلاح کا ضامن سمجھتے ہیں تو ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ اسی جمہور کو یہ بات سمجھائیں کہ اس دنیا میں ان کی اصل حیثیت کیا ہے، وہ مخلوق ہیں، انہیں خالق کا تابع ہونا ہی چاہیے وہ بندے ہیں، بندگی ان کا شیوہ ہونا ہی چاہیے۔ اگر یہ بات ہم دلائل کے ساتھ اپنی پوری حکمت اور تدبر کو کام میں لاتے ہوئے جمہور کو سمجھا سکیں تو پھر وہ وقت آ سکتا ہے کہ یہی جمہور اپنے اس حقِ حاکمیت سے اپنے رب کے حق میں دستبردار ہو جائیں جسے انھوں نے غلطی سے اپنا حق سمجھ رکھا تھا۔ یہی ایک فطری طریقہ ہے۔ اس پر امن اور فطری طریقے کے علاوہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے والا کوئی طریقہ نہ مفید ہو سکتا ہے۔ نہ کارگر میدانِ عمل میں اترتے ہی لوگوں کو اپنے فیصلے کی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔

الیکشنی سیاست جن لوگوں کا اوڑھنا بچھونا ہے، ان کے حالات، ان کے ارادوں اور ان کے پروگراموں میں سے کون واقف نہیں، لوگ خالص دُنیوی مفادات، عزّ و جاہ یا لوٹ کھسوٹ کی خاطر، یا قومی مفادات وغیرہ کو بنیاد بنا کر الیکشن میں حصّہ لیتے ہیں، ان میں سے اکثر لوگوں کو اقتدار اور اختیارات کی چاٹ لگ جاتی ہے اور وہی ان کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد بن جاتا ہے بلا شبہ ایسے لوگوں کو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ اسلامی نقطہ نظر سے کیا چیز جائز ہے اور کیا ناجائز۔ اسلام کی حدود کا لحاظ رکھتے ہوئے وہ کہاں تک جا سکتے ہیں لیکن افسوس ہے ان لوگوں پر جو دین کے نام پر اٹھیں یا ہوں پھر دوڑ نا پسند کریں اور جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی بحثوں

سے صرفِ نظر کرلیں ہو ویسے جو بات غلط ہے وہ سبھی کے لیئے غلط ہے لیکن پھر بھی ایک فرق ہے فرض کر لیجئے کچھ لوگ ایک ایسا ایوانِ تجارت تعمیر کرنا چاہیں جہاں ہر قسم کی تجارت کرنا پیشِ نظر ہو وہ اگر اس عمارت کی تعمیر میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی بحثوں سے صرفِ نظر کرکے ہر طرح کا مال لگا دینے کا فیصلہ کرلیں تو اگرچہ ان کا عمل غلط ہی کہا جائے گا لیکن ان کا مقام وہ نہیں ہوگا جو ان لوگوں کا ہو سکتا ہے جو مسجد بنانے کا دعویٰ لے کر اٹھیں اور اس کے باوجود حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی بحثوں کو ایک طرف رکھ کر جو جی میں آئے کر ڈالنے کا فیصلہ کرلیں۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ جس ملک میں رہتے ہیں اس میں پیش آنے والے حالات اور سیاسی تغیرات سے آپ بے تعلق نہیں رہ سکتے، ایسا ہو سکتا ہے بلکہ ابھی ماضی قریب میں ہو چکا ہے کہ جمہوری قدریں ملک میں پامال ہونے لگیں اور شخصی حقوق اور آزادیوں پر پابندیاں لگ گئیں اور حالات تقریباً ویسے ہی ہوگئے جیسے کوئی شدید ڈکٹیٹر شپ کے تحت کسی ملک میں ہو سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں اچانک الیکشن کا مسئلہ سامنے آگیا۔ وقت کا تقاضا تھا کہ ایسے تمام لوگ جنہیں جمہوری قدریں عزیز تھیں اور جو عدل مساوات کو پسند کرتے تھے ایک تماشائی بن کر نہ بیٹھیں اور وہ ووٹوں کی فیصلہ کن طاقت ڈکٹیٹر شپ کی کیفیت دور کرنے کے لیئے استعمال کریں۔ ایسا کرنا صحیح تھا۔ کسی بڑے مقصد کی خاطر اس طرح کے قدم اٹھا لینے کی گنجائش رہنا ہی چاہیئے لیکن ایسی صورت حال پیش آنے پر اصل کرنے کا کام یہ ہوگا کہ آپ جس احساس کے تحت اور جس مقصد کی خاطر سیاسی جدوجہد میں حصہ لینا صحیح سمجھیں اس احساس کو لوگوں میں عام کریں ان میں یہ شعور پیدا کریں کہ وقت کا تقاضا کیا ہے اور انھیں اپنی طاقت کا استعمال کس طرح کرنا چاہیئے اس کام کے لیئے تمام معروف ذرائع سے کام لیا جا سکتا ہے عدل و انصاف اور آزادی کی بحالی کے قدر دان صرف آپ ہی نہیں آپ کے علاوہ بے شمار لوگ جن میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں۔ ایسے موجود ہیں جو اس مقصد میں آپ سے اتفاق رائے کر سکتے ہیں اور آپ کے دیئے ہوئے خطوط پر جدوجہد کر سکتے ہیں۔ عملی سیاست میں حصہ لیئے بغیر اس طرح کا اخلاقی تعاون اور دباؤ بہت زیادہ موثر ثابت ہوتا ہے اور کسی نظریہ کے پابند گروہ کو ہرگز اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ وہ ایسے مواقع پر بلا ضرورت اسلامی نظریۂ سیاست کے تقاضوں کو پامال کرکے سیاسی میدان میں کوئی جگہ تلاش کرے اس طرح کے مواقع کبھی کبھی آتے ہیں اور موقع و محل کی مناسبت کو سامنے رکھ کر جیسے حالات سے نمٹا جا سکتا ہے۔ ایسے مواقع پر جب آپ کسی گروہ کی بھرپور اخلاقی تائید کرنے کے باوجود خود اسلامی نظریۂ سیاست کے تقاضوں کے تحت الیکشنی سیاست میں عملاً حصہ لینے سے گریز کریں گے تو ایک بڑا موقع ہوگا اس بات کا کہ آپ اپنی اصولی موقف کا تعارف کرا سکیں اور انھیں حاکمیت جمہور اور حاکمیت الٰہ کے فرق کو سمجھا سکیں۔ ضرورت اور استثنا کے موقعوں پر با اصول لوگ اپنے اصولوں سے دستبردار نہیں ہو جایا کرتے بلکہ اصولی طور پر دی ہوئی گنجائشوں سے کام

لے کر پیش آمدہ حالات سے عہدہ برآ ہونے کی راہیں نکال لیتے ہیں ۔

کچھ لوگوں کے لیے یہ تصور بھی بڑا خوش آئند ہے کہ حکومت کے ایوانوں، ریاست کی اسمبلیوں یہاں تک کہ میونسپل بورڈوں اور پنچایتوں میں اگر کچھ بااخلاق اور باکردار لوگ پہنچ جائیں تو حالات آسانی سے برداشت ہو جائیں گے اور اس غرض کے لیے وہ ضروری سمجھتے ہیں کہ معیاری لوگ الیکشن کے میدان میں آئیں اور ان جگہوں میں داخل ہوں۔ ان کا خیال ہے کہ ایسے لوگوں کے داخل ہونے سے بھلائیاں غالب آجائیں گی اور برائیوں کو پنپنے کا موقع نہیں ملے گا اس طرح سوچنے والے نہ تو اس خطرے کو محسوس کرتے ہیں کہ نمک کی کان میں جو کچھ داخل ہو جائے وہ بالآخر نمک ہی ہو جاتا ہے اور نہ انہیں یہ احساس ہے کہ حالات سدھارنے کے لیے اصل مؤثر طاقت وہ فضا ہوتی ہے جو پارلیمنٹ کے باہر تیار کی جاتی ہے ۔ اگر کسی مسئلہ میں رائے عامہ کی تربیت کسی مناسب رُخ سے ہو گئی ہے تو اس کا اثر لازماً پارلیمنٹ میں پڑتا ہے ۔لیکن صرف پارلیمنٹ کے اندر قوانین بنا لینے سے بیرونی فضا میں خاطر خواہ تغیرات نہیں آیا کرتے ۔ اگر آج کچھ شر پسند لوگ جن میں بلاشبہ مسلم اور غیر مسلم سب شریک ہوں گے ملک میں ایسی انجمنوں اور سوسائٹیوں کا ایک جال بچھا دیں، جو بے ایمانی، بد دیانتی اور حق و انصاف کی پامالی کے خلاف ایک فضا تیار کر دیں اور اخلاق و کردار کی قدر و قیمت لوگوں کے ذہنوں میں اچھی طرح بٹھا دیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے اثرات قانون ساز اداروں میں محسوس نہ ہوں ۔ پارلیمنٹ نے کب ایسے قوانین نہیں بنائے جو کرپشن کو ختم کرنے اور اخلاق و کردار کی برائیوں کو مٹانے والے تھے لیکن محض قوانین کے مسودے تیار کر لینے اور انھیں پاس کر لینے سے اگر حالات بدل سکتے تو کبھی کے بدل گئے ہوتے اصل طاقت عوام کے ذہنوں کی تبدیلی سے ہو سکتی ہے اور یہ کام حکومتی ایوانوں سے باہر کیا جا سکتا ہے ۔ پھر اگر ہمیں واقعی حالات کی اصلاح مطلوب ہے تو باہر جو کام ہو سکتے ہیں انھیں کیوں نہیں کیا جاتا ۔ پارلیمنٹ میں اگر آپ کوئی بہتر سے بہتر آدمی بھیج بھی دیں تو یہ امید نہ رکھئے کہ ایک چنا بھاڑ پھوڑ دے گا ۔ البتہ اگر بیرونی ماحول سازگار ہو تو اسی وقت حالات بدل سکتے ہیں اور بیرونی حالات کو سازگار بنانے کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہے سوائے اس کے خیر پسند طاقتیں ایک مصمم عزم کے ساتھ متحد ہو کر اٹھیں اور ہر طرح کی مادی منفعت کی لاگ کے بغیر اپنی صلاحتیں اس مقصد کے لیے لگانے پر آمادہ ہو جائیں ہمیں یقین ہے کہ یہ کام وہ افراد بہت بہتر طریقے پر کر سکتے ہیں جن کا منتہائے نظر صرف رضائے الٰہی ہو اور کسی قسم کی مادی منفعت سے اُن کا ذہن آلودہ نہ ہو پھر یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہنا چاہئے کہ یہی وہ میدان ہے جس میں وہ خیر پسند مسلم اور غیر مسلم سب مل کر اپنی طاقتیں لگا سکتے ہیں اور یہی وہ جگہ ہے جس میں غیر مسلموں سے آپ کے وہ روابط قائم ہو سکتے ہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی کی راہ پر لے چلنے کے لیے شرطِ اول کی حیثیت رکھتے ہیں ۔

اوپر جس متحد جدّ و جہد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اگر آپ اس میں دلچسپی لینے لگیں تو آپ لوگوں کو اس اعتراض کا جواب بھی عملی شکل میں دے دیں گے جو یہ کہتے ہیں کہ عملی سیاست سے علیحدگی گویا اجتماعی زندگی

سے بے تعلقی کے مترادف ہے اور اس سے گوشہ نشینی اور خانقاہیت کی فضا کو تقویت ملے گی عملی زندگی کے لیئے بے شمار کام سیاست سے باہر رہ کر کرنے کے ہیں جن لوگوں کی نظر میں سیاست میں حصہ لینا ہی بس عملی کام ہے وہ عملی کاموں کا بہت ہی محدود اور ناقص تصور رکھتے ہیں ہم نے تو صرف ایک پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے ورنہ خدمتِ خلق اور اصلاح و تعمیر کے بے شمار کام محض کارکنوں کے لیئے منتظر ہیں۔ یہ میدان سیاسی میدان سے ہزار ہا گنا زیادہ وسیع بھی ہے اور موثر بھی۔

اوپر جن پہلوؤں وضاحت کی گئی ہے ان پر اگر آپ کھلے ذہن سے غور کریں گے تو خود اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ مسلمانوں کو اور بالخصوص ان مسلمانوں کو جو دین کی بقا اور فروغ کے لیئے کچھ کرنا چاہتے ہوں عملی سیاست سے بالکل الگ رہنا چاہیئے۔ خاص طور پر اس سیاست سے جس کی بنیاد مسلمانوں کے قومی حقوق اور مفادات اور ان کے معاشی تحفظات وغیرہ کے مطالبوں پر ہو۔ اس سیاست کے نتیجے میں جس قسم کی کشمکش پیدا ہوتی ہے اس سے مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان خلیج وسیع ہوتی چلی جاتی ہے۔ اللہ کے بندوں تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیئے ایک ایسی فضا کی بے حد ضرورت ہے جس میں غیر مسلموں کو یہ یقین ہو جائے کہ مسلمان بالخصوص وہ مسلمان جو دین کا نام لیتے ہیں۔ ان کے سیاسی حریف نہیں ہیں ان کی نظر میں ان لوگوں کا تعارف انسانیت کے بہی خواہ اور خادم کی حیثیت سے ہونا چاہیئے ان کے بارے میں رائے مستحکم ہونا چاہیئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کے ساتھ جوڑنا چاہتے ہیں ان کے سامنے لوگوں کی اخروی نجات سے زیادہ اور کوئی چیز عزیز نہیں ہے ان کو دا پنے مادی مفادات مطلوب ہیں اور نہ کسی قوم کے مادی مفادات کی وکالت کے لیئے اٹھے ہیں یہ دنیا کے تمام مسائل کو آخرت کی کامیابی کے زاویے سے دیکھتے ہیں۔ یہ حکومت اور اقتدار میں شرکت کے طالب نہیں۔ یہ اقتدار اور حکومت کو چاہے وہ کسی کے ہاتھوں میں ہو چند رہنما اصولوں کا تابع بنانا چاہتے ہیں۔

یہ ہے شہادت حق کا وہ حقیقی رخ جس کی تکمیل کا ہمیں مکلف کیا گیا ہے اور جسے ہم نے شعوری حیثیت سے اپنا مقصود بنایا ہے سوچنے کا انداز اور کام کرنے کا یہ ڈھنگ اگر سنجیدگی کے ساتھ اختیار کیا جائے اور صبر و استقلال کے ساتھ اس کے تقاضے پورے کیئے جائیں تو مناسب وقت گذرنے کے بعد ہی یہ بات لوگوں کی سمجھ میں آسکے گی اسوقت اس انداز فکر کی مخالفت بھی ہوگی اور اس طریقۂ کار کی مزاحمت بھی کی جائے گی اس وقت صبر و استقلال کے ساتھ اپنے موقف پر جمے رہنا وہ سعادت ہے جس کے تصوّر سے اہل ایمان کے دل وجد کرنے لگتے ہیں۔ اسی کے نتیجہ میں ہجرت کے مرحلے بھی آتے ہیں اور بدر و حنین کی لذتیں بھی میسّر آتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ابھی تو ہم نے کچھ کیا ہی نہیں اگر اللہ کی توفیق سے یہ وقت آئے تو پھر اسوقت اس خوشخبری کا مفہوم بھی سمجھ میں آسکے گا کہ نصر من اللہ و فتح قریب۔

جدوجہد کے جس رخ کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے اسکی تفصیلات بہت ہیں وہ اتنی مجمل اور مختصر بات نہیں ہے لیکن ان تفصیلات کا علم اسیوقت نافع ہوگا جب کچھ لوگ اس راہ پر قدم بڑھانے کا فیصلہ کریں اس وقت ہر منزل اپنے تقاضے خود سامنے رکھے گی اور قرآن و سنت کی روشنی میں اہل ایمان کو بصیرت اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم رہنمائی کے لیئے کافی ہوگا۔

٭٭

-(اداریہ)-

عالم کا ہدیہ لینا جائز ہے ٥

٥ دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ

مالیرکوٹلہ والے جانتے ہیں کہ ۲۴ ر فروری ۷۸ء کو مالیرکوٹلہ کی دیواروں پر " اراکین مجلس انتظامیہ جامع مسجد مالیرکوٹلہ " کی طرف سے شائع شدہ گلابی رنگ کا ایک پوسٹر چسپاں دیکھا گیا جس کا عنوان تھا " خوشامدی مداحوں کے چہروں پر خاک ڈال دو " اس " مقدس پوسٹر " میں چار حدیثیں اخبار نئی دنیا ۶ ر فروری ۱۹۷۸ء کے حوالے سے نقل کی گئیں ، ان میں ایک حدیث یہ نقل کی گئی کہ

" اگر عالم ہدیہ لے تو بدمعاشی ہے اور قاضی کا رشوت لینا کفر ہے ۔ "

اس حدیث کے متعلق دارالعلوم دیوبند کے مفتی صاحب کا فتویٰ اِن کالموں میں دیا جارہا ہے جس سے ثابت ہے کہ اول تو یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں ، دوسرے مسئلہ بھی اس طرح نہیں ہے انتظامیہ کمیٹی جامع مسجد مالیرکوٹلہ کے معزز و محترم و مکرم و معظم اراکین نے جو اپنے علم کی بلندی کے اعتبار سے ہمالیہ کی چوٹی ایورسٹ سے بھی کچھ اوپر ہی ہوں گے ابھی بقرعید کے موقعہ پر " احکام عیدالاضحیٰ " کے نام سے ایک پوسٹر چھاپا تھا اس میں نوٹ درج تھا کہ :-

مذکورہ فضائل و مسائل حسب ذیل کتب سے ماخوذ ہیں

ترمذی ، ابن ماجہ ، مشکوٰۃ ، شرح تنویر شرح ہدایہ ، خطبات ماثورہ ، بحرالرائق درمختار ، ہدایہ ، نورالایضاح ، فتاویٰ ہندیہ ، ردالمحتار ، عالمگیری ، امداد الفتاویٰ وغیر ذالک

جب ماشاءاللہ چشم بد دور ہمارے اراکین محترم حدیث اور فقہ کی ان بلند پایہ کتابوں تک رسائی رکھتے ہیں اور ان سے مسائل اخذ کر سکتے ہیں تو نہ جانے اس مذکورہ خوشامدی خصتی پوسٹر میں اخبار نئی دنیا پر کیوں اتر آئے جس میں حدیث کا حوالہ بھی درج نہیں ہے ۔

ہاں یہ بات بھی

معزز اراکین نے احکام عیدالاضحیٰ والے پوسٹر کے

اس مذکورہ نوٹ میں فتاویٰ ہندیہ کے بعد رد المحتار پھر عالمگیری لکھاہے۔

ہمارے مالیر کوٹلہ والے یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے کمیٹی والے "علماء" اس سے ناواقف ہوں گے کہ فتاویٰ ہندیہ اور عالمگیری ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں۔ غالباً یہ تو وہی معاملہ ہے جو کسی شاعر نے کچھ اس طرح کہا تھا کہ لیے زلف خم شدہ ہاتھ میں مجھے سانپ کہکے ڈرادیا۔ یا پھر کوئی اور بات ہو "رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند"۔

یہ سطور ہم لکھ ہی رہے تھے کہ ذہن کے دریچہ پر فارسی کے ایک شعر نے دستک دی

اسپ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں
طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خرمی بینم

کمیٹی والے "علماء" کے لیے تو ترجمہ ورجمہ کی حاجت ہی نہیں، عام پڑھنے والوں کیلئے شعر کا مفہوم عرض کرتے ہیں کہ عربی گھوڑا تو بوجھ سے لدا ہوا پالان کے نیچے زخمی ہورہاہے اور سنہری پٹہ ہر گدھے کی گردن میں پڑاہواہے۔

مفتی صاحب دار العلوم دیوبند کا فتویٰ نقل کرنے سے پہلے ہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کا معاملہ بڑا نازک ہے اس وادی میں سنبھل کر قدم رکھنا چاہیئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جو شخص جان بوجھکر میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنالے (مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّداً فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)۔

اب آپ فتویٰ ملاحظہ فرمائیں:-

بسم اللہ الرحمن الرحیم (مندرجہ علانہ الف)

بخدمت جناب حضرت مفتی صاحب دار العلوم دیوبند (یوپی)

استفتاء:- اخبار نئی دنیا مورخہ ۱۶ر فروری ۱۹۷۸ء میں ارشادات نبویؐ کے عنوان کے تحت کچھ حدیثوں کا ترجمہ بلاحوالہ کتاب نقل کیا گیاہے ان میں ایک حدیث یہ درج کی گئی ہے کہ

"اگر عالم ہدیہ لے تو یہ بدمعاشی ہے اور قاضی کا رشوت لینا کفرہے"

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا یہ حدیث ہے اور ان ہی الفاظ کے ساتھ ہے؟ اگر حدیث ہے تو اسکا حوالہ تحریر فرمائیں۔ ہمیں یقین نہیں آتا کہ یہ حدیث ہوسکتی ہے اور حدیث میں ایسے الفاظ "بدمعاشی" وغیرہ کے ہوسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں بہشتی زیور حصہ چہارم میں عام مسلمانوں کے حقوق نمبر ۱۱ اور ۱۲ میں ہے "اس کی دعوت قبول کرے اسکا تحفہ قبول کرے" اور شامی جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۳ پر ہے

وبما في الخانية من أنه يجوز للامام والمفتي قبول الهدية واجابة الدعوة الخاصة

اس سے معلوم ہوتاہے کہ عالم کا ہدیہ لینا جائز ہے مدلل اور مفصل جواب دیکر شکریہ کا موقع دیں۔

احقر عبدالوحید مالیر کوٹلہ 26-2-1978

(انمبر ۷ رجسٹر ۵ ص ۸۹)

الجواب وباللّٰہ التوفیق

حدیث شریف میں تو اس طرح نہیں جس طرح سوال میں درج ہے حوالہ تو اوسی سے طلب کرنا اور پوچھنا چاہیئے جسنے اسکو حدیث کہکر نقل کیاہے۔ باقی مسئلہ اوسی طرح ہے جس طرح آپنے بہشتی زیور اور شامی سے نقل کیاہے

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (دستخط حضرت مفتی) [illegible]

دار العلوم دیوبند ۱۲ ۳ ۷۸

(مہر دار الافتاء دار العلوم دیوبند)

ہمارے معاون

بقلم محمد سلیم صاحب

جن کے عطیات مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کے لئے ماہ فروری ۷۵ء میں موصول ہوئے۔ دینی تعلیم کے پھیلانے میں اللہ تعالیٰ ان بھائیوں کا تعاون قبول فرمائے (آمین)

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
39/3840	جناب محمد قاسم الدین صاحب امام مسجد چھکانی	زکوٰۃ	25/-
25/2442	جناب شیر خان صاحب انصاری کھتری	امداد	5/-
”/2443	جناب حافظ شمشاد علی صاحب سہارنپور	”	10/-
”/2444	جناب محمد اصغر صاحب ”	”	2/-
”/2445	جناب نصیر احمد صاحب سرساوہ	زکوٰۃ	2/-
”/2446	جناب حاجی محمود حسن صاحب سرو ور	امداد	1/-
”/2447	جناب حاجی امیر السلام صاحب کاسیدو	زکوٰۃ	2/-
”/2448	جناب منشی محمد یوسف صاحب سہارنپور	”	8/-
”/2449	جناب بی بی کوثر صاحبہ ملیرگوجراں	”	20/-
”/2450	جناب عبد الغفور صاحب ”	”	10/-
”/2451	جناب سلام ملک صاحب ”	”	4/-
39/3841	جناب ڈاکٹر نظام الدین صاحب سرہند شریف	امداد	100/-
49/4822	جناب عبد الشکور صاحب موتی بازار	”	2/-
”/4823	جناب محمد شریف صاحب ”	”	2/-
”/4824	جناب حسن محمد صاحب شیر گڑھ ”	”	2/-
”/4825	جناب عبد المجید صاحب برتن فروش ”	”	5/-
”/4826	جناب محمد بابو صاحب تقی گڑھ ”	”	2/-
”/4827	جناب ڈاکٹر محمد نذیر صاحب عیدگاہ روڈ	”	5/-
”/4828	جناب محمد صادق صاحب چھتی گلی	”	5/-
”/4829	[illegible]	”	5/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
49/4830	محترمہ بی بی شکورن صاحبہ میر تحلیات	امداد	5/-
”/4831	جناب محمد بشیر صاحب پنجاب ٹی ہسپتال سرہند شریف	”	2/-
”/4832	جناب محمد سلیم صاحب بوٹ ہاؤس ”	”	2/-
”/4833	جناب محمد سلیم صاحب سائیکل ہاؤس ”	”	2/-
”/4834	جناب عبد العزیز صاحب شیر گڑھ ”	”	5/-
”/4835	جناب محمد بشیر صاحب کپڑے والے ”	”	2/-
”/4836	جناب محمد کالو صاحب دکاندار ”	”	2/-
”/4837	جناب محمد بشیر صاحب حلوائی ”	”	2/-
”/4838	مسز عبد الحمید جٹ پورہ	”	1/-
”/4839	جناب عبد الوحید صاحب باڑہ سرہند شریف	”	2/-
”/4840	جناب حاجی محمد شفیع صاحب ”	”	5/-
”/4841	جناب محمد شفیق صاحب بیجا بھیر ”	”	5/-
”/4842	جناب ماسٹر اشفاق ملک صاحب [illegible]	”	1/-
”/4846	جناب مفتی فضیل الرحمن صاحب دہلی گیٹ	”	2/-
”/4847	جناب ڈاکٹر محمد سعید صاحب سنور گیٹ	”	5/-
39/3842	ایک صاحب بذریعہ عبد الغفور صاحب شیر گڑھ	”	4/-
39/3843	جناب شیخ محمد اعظم صاحب [illegible]	”	10/-
	امداد پنجاب وقف بورڈ از ماہ ستمبر ۷۴ء تا ماہ جنوری ۷۵ء		2500/-

تم جو بھی بھلائی کرو گے اس کا اجر خدا کے پاس پاؤ گے

حساب آمد و خرچ مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

بابت ماہ فروری ۱۹۷۸ء

بقایا بتاریخ ۱/۲/۷۸	4820 — 41
آمدنی بمد امداد	2703 — 00
آمدنی بمد رسالہ و کتب	25 — 00
آمدنی بمد زکوٰۃ	71 — 00
کل آمدنی	7619 — 41
مصارف تنخواہ وغیرہ	2378 — 83
بقایا بتاریخ ۲۸/۲/۷۸	5240 — 58

ادارہ

احوال و آثار

مدرسہ تعمیر سیرت کے سالانہ امتحان

مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ اور اس کی برانچ نمبر ایک میں تمام جماعتوں کے طلباء کے سالانہ امتحان ۸؍مارچ سے ۲۳؍مارچ تک ہو رہے ہیں۔

سالانہ امتحان بیرونی حضرات لے رہے ہیں

۲؍اپریل ۷۸ء بروز اتوار انشاءاللہ نتیجوں کا اعلان ہو جائے گا،

امید ہے کہ اعلان نتائج و تقسیم انعامات کے سلسلہ میں اہم تقریب منعقد کی جائے گی۔

اعلانِ نتائج کے فوراً بعد نئے تعلیمی سال کے لئے داخلے شروع ہو جائیں گے۔

نئے تعلیمی سال سے صرف قرآن مجید ناظرہ و حفظ کے لئے "تعلیم قرآن" کا ایک الگ درجہ قائم کیا جا رہا ہے

مدرسہ تعمیر سیرت اور وسائل آمدنی

مدرسہ تعمیر سیرت کو قائم ہوئے چار سال ہو گئے ہیں اپریل سے اس کا پانچواں تعلیمی سال شروع ہو رہا ہے نیکی کے کاموں میں رکاوٹیں اور دشواریاں کچھ زیادہ ہی آتی ہیں آخر شیطان کو بھی تو غل غپاڑہ مچانا ہی ہے۔

مدرسہ تعمیر سیرت کے وسائل آمدنی کیا ہیں —؟

مالیرکوٹلہ کے مسلمان بھائیوں کی امداد اور اعانت۔ مدرسہ کی اپنی کوئی جائیداد نہیں، کوئی مستقل ذریعہ آمدنی نہیں۔

اللہ تعالیٰ پنجاب وقف بورڈ کے ارکان کو جزائے خیر دے ستمبر ۷۷ء سے پانچ سو روپے ماہانہ کی امداد انھوں نے مقرر کر دی ہے چلیے کچھ تو سہارا لگا، لیکن جب خرچ ڈھائی ہزار روپے ماہانہ ہو تو باقی دو ہزار کے لئے پھر بھاگ دوڑ کرنی ہوگی۔

پچھلے دنوں انتظامیہ کمیٹی جامع مسجد مالیرکوٹلہ کے نام پر چند لوگوں نے جو جو حرکتیں کیں اس کا اثر پورے شہر کی فضا پر رہا۔ تعمیری کاموں کے لئے پرسکون فضا کی ضرورت ہے مدرسہ تعمیر سیرت کے وسائل آمدنی پر اسکا ناگوار اثر پڑنا تھا سو پڑا

وقت آپ کے اور ہمارے جذبۂ خیر کا امتحان لے رہا ہے آگے بڑھیے اور ان طاقتوں کو شکست دیجئے جو دین کے اس چراغ کو بجھانا چاہتے ہیں۔

مالیر کوٹلہ ۱۴۸۰۲۳

REGD NO. P. PTA/81.

ماہنامہ

تعمیرِ سیرت

مالیرکوٹلہ

اپریل، مئی، جون ۱۹۷۸ء

ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب ۱۳۹۸ھ

جلد ۳ شمارہ ۱ و ۲ و ۳

مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کا علمی و دینی ترجمان

زیر سیادت

مفتیٔ اعظم پنجاب حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

بانی و سرپرست مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

ایڈیٹر

غلام محمد

رکن مشاورتی کونسل مدرسہ تعمیر سیرت

ادارۂ تحریر

مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط (فاضل دیوبند) ایم اے

نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

مولانا وسیم اختر ہلال (فاضل دیوبند)

مدرس مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

مولانا سہیل عزیز (فاضل دیوبند)

عبدالوحید (بی اے)

سابق مدرس مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

اس شمارے میں

اس دائرہ میں سرخ نشان ختم خریداری کی علامت ہے، سالانہ چندہ منی آرڈر سے بھیجئے، وی پی میں تین روپے زائد خرچ ہوتے ہیں۔

مکمل پتہ

ماہنامہ تعمیر سیرت ۔ ۲۷۴ دہلی گیٹ

مالیرکوٹلہ ۱۴۸۰۲۳ پنجاب

TAMIR-E-SIRAT Monthly

274, Delhi Gate

MALER KOTLA 148023

قیمت فی شمارہ ایک روپیہ

سالانہ دس روپے

پرنٹر پبلشر غلام محمد نے مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کے لئے محبوب ... پریس میں چھپوا کر شائع کیا ۔ مالک مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ

تین اقتباس

(ادارۂ تحریر)

ادارہ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند نے "ردِ مودودیت" کے سلسلہ میں ایک کتاب شائع کی ہے، اس کتاب کا نام ہے "تنبیہات" اور اس کے مصنف ہیں مولانا سید حسن صاحبؒ مدرس دارالعلوم دیوبند۔ پہلا اور دوسرا اقتباس اس کتاب کے ۱۳۷۴ھ کے ایڈیشن کے بالترتیب صفحہ ۵ اور صفحہ ۲۸ سے ہے۔

① اس جماعت (جماعت اسلامی) کے نصب العین کا عنوان نہایت پاکیزہ ہے یعنی "حکومتِ الٰہیہ کا قیام اور آخرت میں رضائے الٰہی کا حصول" ظاہر ہے کہ اس مبارک مقصد سے کسی ادنیٰ درجہ کے مسلمان کو بھی اختلاف کا موقعہ نہیں اور ہم حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم سب کو یہ سعادت نصیب فرمائے۔ (تنبیہات صفحہ ۵)

جن لوگوں نے دارالعلوم کی تحریک کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے ان پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ خود دارالعلوم دیوبند کا قیام اسی مقصد کے حصول کرنے کی علمی شکل تھی۔ ماضی قریب میں دارالعلوم دیوبند کا جماعت اسلامی کے ساتھ اختلاف "مقصدی اختلاف" ہرگز نہیں ہے اس کے اسباب کچھ اور ہیں۔

② سب سے بڑا فریضہ یہ عائد ہوتا ہے کہ تبلیغ دین میں اس وقت قدم رکھے جب دین کو علمائے دین سے اچھی طرح سمجھ لے ورنہ حقیقت میں یہ تبلیغ دین تخریب دین ہوگی۔ (ص ۲۸)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ نے فتح الملہم شرح مسلم میں جلد اول صفحہ ۲۲۶ پر وضاحت فرمائی ہے کہ امر بالمعروف ہاتھ سے حاکم کی ذمہ داری ہے اور زبان سے علماء کا کام ہے اور عوام کا فرض قلب سے کراہت ہے۔ دینی رہنمائی کا منصب علماء کا ہے عوام کا نہیں ہے۔

③ مولانا ارشاد احمد صاحب مبلغ دارالعلوم دیوبند کے قلم سے:-

انسان نے قوم، وطن اور رنگ و نسل اور زبان وغیرہ کے جو بہت سے بت تراش لیے ہیں وہ انسانیت کو گمراہی، بدامنی اور تباہی کے راستے پر لیے جا رہے ہیں اسلام بنی نوع انسان کو صرف خدا کے قانون کا پیرو بنا کر انسانیت کے وقار اور شرف کو بحال کر کے خدا کے بتائے ہوئے راستے پر چلانا چاہتا ہے۔

(مکتوبات نبوی - تعارف صفحہ ۲۹ - ایڈیشن ۱۹۷۶ء)

"صرف خدا کے قانون کی پیروی" کی عملی شکل نظام اقتدار اور قوت و شوکت کے بغیر ناممکن ہے؟ تدبیر کچھ بھی ہو تمناؤں میں حقیقت کا رنگ خون جگر سے ہی بھرا جا سکتا ہے۔
"فطرت لہو ترنگ ہے غافل نہ جل ترنگ"

اداریہ

ایڈیٹر
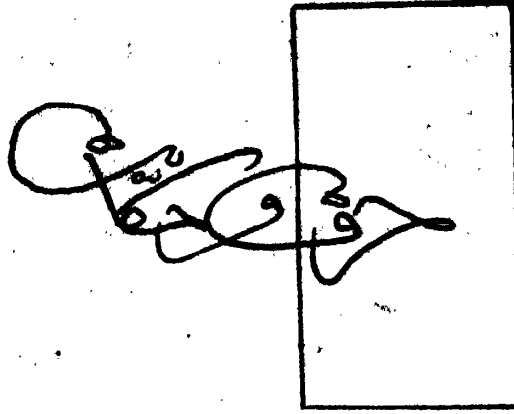
وقت گذر تے دیر کیا لگتی ہے — مدرسہ تعمیر سیرت کو قائم ہوئے چار سال بیت گئے اور اپریل [illegible] سے اس کا پانچواں تعلیمی سال شروع ہو گیا ہے ،

ماہنامہ تعمیر سیرت اپریل [illegible] میں شروع ہوا تھا دو سال پورے ہو کر اپریل [illegible] سے اس کے تیسرے سال کا آغاز ہو رہا ہے ، ،

مدرسہ اور رسالہ کے ابتدائی دنوں پر نگاہ ڈالتے ہیں تو موجودہ ترقی پر بے ساختہ " اللہ کا شکر " زبان سے نکلتا ہے — مدرسہ تعمیر سیرت ایک خواب کی طرح ذہن کی سطح پر ابھرا تھا — " دین کی تعلیم " اس علاقہ کی سب سے بڑی ضرورت ہے اس احساس نے ایک مردِ خدا کو شرسار کر دیا تھا اور وہ اپنا سب کچھ داؤ پر لگا کر اس " خدمت " کے لئے کھڑا ہو گیا دن کا چین اور رات کی نیند اس نے اپنے اوپر حرام کر لی — اس کی یہ لگن دیکھ کر شیطانی قوتیں لرز گئیں اعداء کی آنکھوں کی نیندیں اڑ گئیں — مشورے ہونے لگے منصوبے بننے لگے — ہر وہ سر جس میں یہ شیطانی خیال تھا اپنے جیسے خیال والے سے جڑتا گیا — ذرا تصور کیجئے

یہ مکہ کا دار الندوہ (مشورہ گھر) ہے — بوڑھے اور جوان سر جوڑے بیٹھے ہیں یہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں مگر اس بات پر سب متفق ہیں کہ جس طرح بھی ہو اسلام کے اجالے کو پھیلنے سے روکا جائے شمع رسالت کو بجھا یا جائے ۔!

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا ۔
اجالے کو کس نے روکا ہے ۔ وہ پھیلنے کیلئے آتا ہے پھیلتا رہا ہے پھیلتا رہے گا ۔

پھر غزوۂ احزاب آگیا ۔ سب جماعتوں نے اکٹھے ہوکر مدینہ پر دھاوا بول دیا۔ "وہ شمع کیا بجھے گی جسے روشن خدا کرے"
ساری جماعتیں آندھی میں اڑ گئیں ۔

عنوان بدلتے رہے، کردار بدلتے رہے مگر حق و باطل کی کش مکش کا انداز ایک ہی رہا ہے۔ ایک ہی رہے گا، حق کے پاس ٹھوس دلیل، ناقابلِ تردید ثبوت، صبر اور استقامت، سکون و طمانیت، انکساری و خاکساری، بے غرضی اور تعمیر
باطل کے پاس الزامات، گراوٹ، دھاندلی، تشدد، بوکھلاہٹ، متضاد دعوے، غرور و تکبر، خود غرضی اور تخریب۔
سمندر میں کشتی ڈالی ہی جاتی ہے موجوں سے کھیلنے کے لئے۔ تلاطم سمندر کی فطرت ہے تو کشتی کی فطرت تھپیڑے کھا کھاکر سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے بڑھتے رہنا ہے ۔

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موجِ حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے

ہم بہر حال اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید پر شکر ادا کرتے ہیں جو ہوا وہ اس کے کرم سے ہوا اور جو ہوگا وہ اسی کے کرم سے ہوگا۔

اس پر افسوس کئے جایئے کہ آزادی کے تیس سال گذرنے پر بھی حکومت ہند اقلیتوں اور خاص طور پر مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں فراخ دلی کا مظاہرہ نہیں کرسکی اس لئے آئندہ بھی اس کی توقع کیا کی جاسکتی ہے؟ اگر دست نگہی اور گہرائی سے دیکھا جائے تو اقلیتوں کا اطمینان جمہوریت کی کامیابی کی کسوٹی ہے، نظم مملکت وہی کامیاب ہے جس میں اقلیتیں اپنے مسائل کی طرف سے مطمئن ہوکر ملک کی ترقی میں شریک ہوں۔

اردو زبان کو ہی لے لیجئے مسلمانوں کا لاکھ شور وشیون حکومت کے رویہ کو بدل نہیں سکا، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کے سلسلہ میں اقلیتی کمیشن کی رپورٹ پر اظہار ناپسندیدگی کرکے حکومت نے پھر یقین دلادیا ہے کہ عملاً مسلمان اس ملک میں دوسرے درجہ کے شہری ہیں ورنہ آئین کی دفعہ ۳۰ - (۱) اس کے سلسلہ میں بالکل واضح ہے ۔ مگر اس کاغذی پیرہن کو کیا کیا جائے، مسلم یونیورسٹی ترمیمی بل جس پر پارلیمنٹ مانسون کے اجلاس میں بحث ہونے والی ہے، ایسی تلافی ہے جس سے کوئی تلافی نہیں ہوئی۔

بات تو ایک ہی سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان ہر طرف سے یکسو ہوکر اپنی دلیرانہ حیثیت کو ابھاریں اور لینے والے کے بجائے دینے والی پوزیشن میں آنے کی کوشش کریں، قومی خود اعتمادی کے ساتھ آگے بڑھیں اور اپنی سائلانہ حیثیت کو بھول جائیں، ہم اس کشت ویران سے مایوس نہیں ہیں البتہ اسکو نم کرنے کی ضرورت ہے اور پھر کر یہ ذمہ داری علماء اور رہنماؤں پر آتی ہے ۔ ان کی موت اگر ایک عالم کی موت ہے تو ان کی زندگی بھی ایک عالم کی زندگی ہے، اس میں شک نہیں کہ بہت سے علماء اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرتے ہیں لیکن بڑا طبقہ وہ بھی ہے جو بس اپنی مذہبی دوکان چمکانے کی کوشش میں ہے اور ان کا فائدہ اسی میں ہے کہ مسلمان آپس میں کسی نہ کسی مسئلہ پر برسرپیکار رہیں، اپنے مفادات کے تحفظ کے احساس نے ایسے علماء سے جرأتِ حق چھین لی ہے، ایک بڑا فتنہ جس کو ہم جیسے بے بضاعت

ںوس کر رہے ہیں تو علماء حق کیوں نہ محسوس کرتے ہوں گے، یہ ابھر رہا ہے کہ مذہبیت کے نام پر "اسلام کا محدود عبادتی صورہ" بڑے زور و شور سے پھیلایا جا رہا ہے اور اس طرح اسلام کے جامع اور ہمہ گیر تصور کی جگہ اس نام نہاد مذہبیت ردی جا رہی ہے جو اسلام کو پوری زندگی کا دین کے بجائے محض پوجا پاٹ والا مذہب بنا کر رکھ دے بھولے بھالے سلمان جو دین کا جذبہ تو ضرور رکھتے ہیں مگر اس کا گہرا شعور ان کو نہیں ہے اس دام ہم رنگ زمین میں بنام دین بآسانی پھنس جاتے ہیں پھر آہستہ آہستہ یہ زہر شہد میں ملا کر ان کو پلایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا وعدہ زور فرمایا ہے اور بلاشبہ یہ سچا وعدہ ہے ان اللہ لا یخلف المیعاد مگر حفاظتِ دین کے لئے کون اٹھتا ہے اور ںں کو یہ سعادت حاصل ہوتی ہے یہ دیکھنا ہے ۔

الحمدللہ مدرسہ تعمیر سیرت کے کاموں کا پھیلاؤ اب اس مرحلے پر پہنچ چکا ہے کہ اس کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ ںا بطگی پیدا کی جائے، بانی و مہتمم مدرسہ حضرت مفتی صاحب نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کچھ بنیادی اصول ضوابط ترتیب دیئے ہیں اور ان ضوابط کے تحت نئی مشاورتی کونسل تشکیل پا چکی ہے ۔

مدرسہ کے ضوابط میں دفعہ ۲ کے تحت مدرسہ کے بنیادی مسلک کی وضاحت کی گئی ہے جو اس طرح ہے -

> مدرسہ تعمیر سیرت کا بنیادی مسلک اہل سنت والجماعت حنفی مذہب اور اکابر دارالعلوم دیوبند
> مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی
> حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب عثمانی، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی
> (رحمہم اللہ تعالیٰ) وغیرہم کے مشرب کے موافق ہوگا -

ضوابط کی یہ دفعہ بہت اہم ہے اور اس سے مستقبل کے خطرات کی حفاظت پوری طرح کر دی گئی ہے

مشاورتی کونسل کے اراکین کے انتخاب میں ان کی تعلیمی دلچسپی، نیکی اور انصاف پسندی کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ انشاءاللہ ان اصول و ضوابط اور نئی مشاورتی کونسل کے ذریعہ مدرسہ تعمیر سیرت ترقی کی منزلیں طے کرے گا ۔

نئی مشاورتی کونسل کے ۲۱ مئی ۱۹۷۸ء کے اجلاس میں طے پایا ہے کہ ۲۲ جولائی ۷۸ء سے تعمیر سیرت کا ہفتہ ملیا بائے اور اس کا آغاز ایک بڑے جلسہ سے کیا جائے جس میں سرکردہ بیرونی علماء کو دعوت دی جائے ۔

اس شمارہ پر بغرض ترتیب تین ماہ اپریل مئی جون ۷۸ء لکھے ہوئے ہیں، لیکن خریداروں کے لئے یہ ایک ہی شمارہ سمجھا جائے گا، مدرسہ اور رسالہ کو اس چند ماہ کی مدت میں جن حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات کا سامنا ہا ہے ان کو دیکھتے ہوئے مدرسہ اور رسالہ کا زندہ رہنا ہی معجزہ کے سوا کیا کہا جائے اور اس کو تائیدِ غیبی ور نصرت الٰہی کے سوا کیا عنوان دیا جائے، سمندر کے طوفان میں ایک نو تعمیر مکان کی زندگی حیرت انگیز ہی کہلائے گی۔

ہمیں یقین ہے کہ انشاءاللہ آئندہ شمارہ سے اشاعتوں میں باقاعدگی پیدا ہو جائے گی اور اس تاخیر کی بھی ملافی کسی صورت میں ظاہری نہ سہی معنوی تلافی ضرور ہو جائے گی ۔

یہ سچ کہ حالات جان گسل ہیں مگر ارادوں میں زندگی ہے۔

مدرسہ تعمیر سیرت اور اس کی برانچ ۱ کے سالانہ امتحانات پروگرام کے مطابق ۱۸ مارچ ۱۹۷۸ء سے ۲۳ مارچ ۱۹۷۸ء تک ہوئے۔ تمام بیرونی ممتحنین نے پوری دلچسپی اور لگن کے ساتھ تعاون کیا اور اجر آخرت کی امید پر اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ امتحان لینے کے ساتھ ان حضرات نے مدرسہ کی آئندہ ترقی کے لئے قیمتی مشوروں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

مدرسہ اور برانچ میں اعلان نتائج کی تقریبات کامیاب طریقہ پر انجام پائیں، مدرسہ کے اعلان نتائج کی تقریب کی صدارت پنجاب وقف بورڈ کے سکریٹری جناب غضنفر علی خاں صاحب (پی اے ایل ایل بی) نے فرمائی موصوف کی اس موقعہ پر کی گئی تقریر ٹیپ کی گئی، اس کا متن اس شمارے میں پیش کیا جا رہا ہے، غضنفر علی خاں صاحب کو مدرسہ تعمیر سیرت سے جو خاص تعلق ہے اس کا اظہار مختلف موقعوں پر ہوتا رہا ہے، موصوف نے مدرسہ کے کام اور مقصد کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے درجہ عالمیت کے طلبہ کے لئے وقف بورڈ کی جانب سے خصوصی وظیفہ دینا تجویز فرمایا ہے، ان کی یہ تجویز طلباء کے لئے حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔

مدرسہ تعمیر سیرت میں درجہ عالمیت کے سال دوم کی تعلیم بھی شروع ہو گئی ہے۔ ادھر برانچ ۱ میں ایک جماعت کا اضافہ ہو گیا ہے اور اب وہاں چوتھی جماعت تک تعلیم ہے، طلبہ کے سرپرستوں کی طرف سے اعلان نتائج کے موقعہ پر حضرت مہتمم صاحب سے ایک جماعت اور بڑھانے کی درخواست کی گئی تھی جس کو موصوف نے منظور فرما لیا ہے اللہ تعالیٰ مزید ترقی دے۔ آمین۔

افسوس ہے پچھلے دنوں مشہور اسلام پسند ادیب و صحافی مولانا ماہر القادری جدہ میں انتقال فرما گئے وہ جدہ کے ایک مشاعرہ میں شرکت کیلئے گئے تھے، دو دوستوں کی وفات میں کیسی عجیب یکسانیت ہے، مولانا عامر عثمانی مرحوم کا انتقال بھی ایک مشاعرہ کے دوران ہوا تھا، تحریک اسلامی کے سلسلہ میں مولانا ماہر کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

اسی ماہ ایک دوسرا حادثہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا ابرار الحسن کی وفات کا پیش آگیا، موصوف دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین مولانا فخر الحسن صاحب کے صاحبزادے تھے، اور ایک عرصے دارالعلوم میں درس و تدریس میں مشغول تھے، کسی سفر پر گئے تھے کہ وقت موعود آگیا اور دل کی حرکت بند ہونے سے انتقال فرما گئے۔

مولانا فخر الحسن صاحب کے ضعف پیری میں جوان العمر بیٹے کی موت بڑا المناک حادثہ ہے اور ہم دارالعلوم اور متعلقین دارالعلوم کے ساتھ مولانا کے اس غم میں شریک ہیں۔

حق و باطل کی کشمکش

مورخہ ۲ر اپریل ۷۶ء مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ کے سالانہ جلسہ کے موقع پر جناب غضنفر علیخاں صاحب (بی اے ایل ایل بی) سکریٹری پنجاب وقف بورڈ کی تقریر۔ اس تقریر کے شدید تاثر نے حاضرین کو پرنم کر دیا تھا۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

ـت مفتی صاحب کا مجھے اینا رمیں حکم پہنچا کہ اس جلسہ میں شرکت
ـہے۔ چنانچہ حاضر ہو گیا ہوں مجھے آج یہاں پر آکر بے انتہا خوشی
ـکہ جس مدرسہ کو آج سے چار سال پہلے ایک چھوٹے
ـپودے کو لگایا گیا تھا وہ پودا پھل پھول رہا ہے دین کی
ـت کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا اس میں نہایت کامیابی
ـہے، آپ نے دیکھا کہ یہ چھوٹے چھوٹے بچے کس قدر
ـقہ کے ساتھ انہوں نے کلام پاک پڑھا، انگریزی عربی
ـی اور پنجابی کے اندر مقالے پڑھے یہ چیز دیکھ کے
ـت خوشی ہوئی، میں نے اس اسکول میں دینی اور دنیوی
ـایک حسین سنگم پایا، دنیوی تعلیم دنیوی ترقی کے لئے نہایت
ـری ہے دینی تعلیم روحانیت کی ترقی کے لئے ضروری
ـاور عقبیٰ کے لئے ضروری ہے سب یہاں اور اسکول
ـہیں لیکن یہ امتیازی شان ہم نے یہیں دیکھی کہ دین
ـعمدہ رہا ہے اور دنیا بھی سنور رہی ہے میں اس کیلئے
ـیہ مفتی صاحب انتظامیہ کمیٹی اور اہل شہر کو مبارکباد
ـہوں، ایک چیز جو میں نے محسوس کی مفتی صاحب نے تو
ـبتائی لیکن میں نے محسوس کیا کہ انتظامیہ کمیٹی اور
ـصاحب کچھ پژمردہ سے رہتے ہیں کچھ اسکول کی

تھوڑی سی سیٹ بیک یا ناکامی ہے لیکن میں عرض کر دوں کہ دین کے کام میں نکلا ہے اس کے راستے میں رکاوٹیں بھی آئی ہیں اور دقتیں بھی آئی ہیں لوگوں نے پریشان بھی کیا۔ لیکن تاریخ اسلام گواہ ہے کہ جو بھی دین کے راستہ میں نکلا ہے وہ ہمیشہ کامیاب ہوا ہے سرخرو ہوا ہے اور باطل کی شکست ہوئی ہے، اگر آپ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تبلیغ کی اس میں کچھ لوگ اسلام لے آئے اور کچھ مخالف ہوئے طوفان نوح آیا جو اسلام لے آئے تھے جو سچائی پر تھے انہیں سفینۂ نوح میں جگہ ملی اور جو باغی ہو گئے تھے انہیں طوفان نوح نے غرق کر دیا۔ نمرود خلیل اللہ علیہ السلام سے ٹکرایا تباہ ہوا فرعون کلیم اللہؑ سے ٹکرایا وہ تباہ ہوا ابوجہل نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹکرایا پاش پاش ہوا ابولہب ٹکرایا وہ تباہ ہوا جو لوگ دین کا راستہ چھوڑ گئے تھے جو برائی پر آگئے تھے نبی جب تنگ آکر ان کے لئے بددعا کی قوموں کی قومیں تباہ ہو گئیں۔ کسی کو آندھیوں نے اٹھا کر سمندروں میں

پھینک دیا کسی پہ پتھروں کی بارش ہوئی کسی کا تختۂ آتش دیا گیا

غرض کہ جو لوگ نیکی کے ساتھ رہے جو اسلام کے ساتھ رہے کامیاب رہے اور جو دوسرے لوگ تھے جو مخالفین تھے انہیں اللہ تعالیٰ نے تباہ کر دیا جب نبی کریم کا زمانہ آیا نبی کریم نے کسی کے لئے بد دعا نہیں کی آپ نے فرمایا الٰہی میری امت کو ہدایت دے ہو سکتا ہے یہ لوگ اسلام نہ قبول کریں ان کی قوم قبول کرے چنانچہ آپ نے دیکھا کہ حج الوداع کے موقع پر ڈیڑھ لاکھ لوگ فدائیان اسلام تھے اگر وہ ان کے لئے بد دعا کرتے تو ایک منٹ میں تباہ ہو جاتے لیکن برے کو تباہ کر دینا احسان نہیں ہے بلکہ اس کو سنوار دینا احسان ہے، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مشکلات آتی ہیں، دقتیں آتی ہیں، رکاوٹیں آتی ہیں، لیکن اگر آپ نیکی کے ساتھ خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو لے کر چلیں گے انشاء اللہ تعالیٰ یہ اسکول بے انتہا ترقی کرے گا اور میں پنجاب وقف بورڈ کے ایک نمائندے کی حیثیت سے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم لوگ آپ کے ساتھ شانہ بشانہ چلیں گے اس اسکول کو جیسی بھی ضرورت ہوگی کسی کام کی ضرورت ہوگی وقف بورڈ اس سے پیچھے نہیں ہٹے گا کیوں کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ دین کی اشاعت کے لئے ہے اسلام کے فروغ کے لئے ہے اس مالیرکوٹلہ کیلئے ان کے بچوں کی پڑھائی کیلئے ہے، اس بنجر زمین پر اسلام کے نعرۂ تکبیر بلند ہو رہے ہیں، وقف بورڈ اس میں پوری مدد کرے گا، پوری امداد کرے گا میں کوئی زیادہ لمبی چوڑی تقریر تو نہیں کرنے آیا حضرت مفتی صاحب ــــ کا میں ممنون ہوں مشکور ہوں کہ انہوں نے اس موقع پر ہمیں یاد کیا۔

شکریہ

○

اسلامی نظام کا اجراء، حکومت الٰہیہ کا قیام اپنی جگہ پر نہایت صحیح اور ضروری مقاصد ہیں جن میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، مسلمان اہلِ فکر اور اہلِ قلم کا فرض ہے کہ اپنی تمام توانائیاں اور پوری صلاحیتیں اس عظیم مقصد کے حصول میں لگا دیں۔

○ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
(منصب نبوت صفحہ ۸)

○

جس میں جرأت ہے اس میں دوسرے محاسن بھی ضرور ہوں گے۔

(چرچل)

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
کا
مالیر کوٹلہ میں خطاب

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض الخ

میرے دوستوں اور بزرگوں!۔
قرآن کے ان الفاظ کا مصداق چودہ سو سال پیشتر بھی تھا اور آج بھی ہے آئندہ بھی رہے گا۔

دعوت اسلام کے ابتدائی حالات میں جو شخص صادق و امین سے پکارا جاتا تھا صرف دعوت دینے پر ساحر و کاہن کہلایا جانے لگا۔ ان کے ساتھیوں پر خود اپنی زمین تنگ ہونے لگی اور ایک وقت ایسا آیا کہ جان اور ایمان کا سوال سامنے آ گیا۔ جس کا جواب صاحب عقیدہ و صاحب ضمیر کی حیثیت سے سمجھ لیا گیا کہ دنیاوی لذتوں کو ترجیح دینا بڑی محرومی اور بے عقلی کی بات ہوگی۔ اس لئے ترک وطن کو سوچا لیکن ظلم بالائے ظلم کہا جاتا ہے کہ کمائی ہمارے شہر میں کی اور اب وطن چھوڑ رہے ہو جو کچھ کمایا ہے وہ دیتے جاؤ۔

مسلمانوں نے پیسہ کو چھوڑا۔ حتیٰ کہ رشتہ دار اور بیویاں چھوڑنے کو تیار ہو گئے۔

حضرت ابو سلمیٰ جن کے گود میں بچہ بھی تھا ان کے ساتھ ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہا گیا تم جاؤ اور کوئی نہیں جائیگا مگر صلح جیسے شریف لوگوں نے اس وقت کچھ تعاون کیا۔

خود اللہ کے رسول کے ساتھ صرف ایک ساتھی ابوبکرؓ تھے۔ حتیٰ کہ غار میں ایک موقع پر وہ بھی گھبرا گئے آپؐ نے ہی ان کو بھی تسلی دی اور فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا (مت ڈرو اللہ ہمارے ساتھ ہے) غار سے نکل کر چلنے میں تو عجیب عاشقانہ کیفیت طاری ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ کبھی آگے آگے چلتے ہیں کبھی آپؐ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں اسی طرز پر اس نئے شہر نئی جگہ پہونچتے ہیں جس کے حالات بالکل معلوم نہیں۔

جب کہ اس وقت دنیا کا نقشہ یہ تھا کہ رومن ایمپائر شمالی مغربی حصہ پر قابض تھا دوسرے بازنطین مشرقی حصہ بلوچستان سندھ وغیرہ پر حکمراں تھا۔

یہ طاقتیں آج کی روس و امریکہ کی طرح تھیں اور ان کو جوع الارض (دنیا کی بھوک) کا مرض لگا ہوا تھا میری نظر میں یہ سب سے خطرناک بھوک ہے اس کے سامنے ہزار جوع البقرات ہیں۔

یہ طاقتیں اپنی بھوک مٹانے کے لئے جان لینا اور دینا جانتے تھے مگر یہ طاقتیں بھی عرب کا بلب

التفات نہیں کرتی تھیں کیونکہ سیاسی اقتدار کے اعتبار سے اس وقت عرب کا کوئی وزن نہیں تھا عرب بےحس و بنجر زمین تھی۔ کشت بے دولت۔ گویا بچی ہوئی چیز یا صرف باد صرصر کے جھونکے یہ ردی کی ٹوکری کا کوڑا کرکٹ تھا ان کو حقارت سے دیکھا جاتا ان کے خیمیں تھیں ان کے کھجوروں کے کھانے کا مزاق اڑایا جاتا گویا انتہائی پس ماندہ قوم سمجھی جاتی اقتصادی اعتبار سے بھی عرب کے سونے اور پیٹرول کی کسی کو خبر نہیں تھی اس سیاسی اور اقتصادی نقشہ کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے :۔ واذکروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس الخ اور یاد کرو اس وقت کو جب تم لوگ ڈرا کرتے تھے کہ کوئی تمھیں اغوا کر کے نہ لے جائے بالکل اس طرح جیسے آدمی کے ہاتھ میں گوشت ہو اور وہ چیل کوے یا بندر سے خوف کھاتا ہو خود حضرت عبداللہ صحابی فرماتے ہیں کہ ہماری ایسی حالت تھی جیسے بھٹکی ہوئی بھیڑ بکری پہاڑوں میں وہ بچتے پھرتے ہیں

حیرت اور تعجب کا مقام ہے کہ ایسے حالات او ماحول میں اس خیموں میں رہنے والے پس ماندہ طبقہ کو اور ایک نہایت کمزور قوم کو قرآن اپنے مخصوص انداز میں بہت اونچائی سے آواز دے رہے ہیں اور ان کو مخاطب کرتا ہے کہ تم ایک بہترین معاشرہ بنا دو منظم اور مستحکم جماعت بنا لو غور کیا جائے کہ کیا تناسب ہے اس للکار کی اونچائی کا اور مخاطب کی پستی اور کمزوری کا دیکھئے اس بلندی سے کیا پیغام دیا جارہا ہے کہ اے مسلمانوں ساری کائنات کا بقاء تم ہی سے ہے ۔ یعنی اگر تم نے ایثار قربانی کی روح بیدار نہیں کی تو دنیا میں فتنہ و فساد ہی ہوگا یہ خطاب تھا اس

قوم کو جو رومی ایرانی اور دوسرے دشمنوں سے گھری ہوئی تھی گویا بتیس دانتوں کے بیچ میں جیسے ایک زبان ہوتی ہے یا جس طرح آپ کا علاقہ مالیرکوٹلہ ہے بلکہ اس سے بھی بدتر حالت کیونکہ یہاں مسلمان محفوظ تو ہیں اہل مدینہ کو تو اپنوں سے بھی خطرہ تھا۔ لیکن اس کا مقام ہمالیہ سے اونچا بتایا گیا کیونکہ اس کی وجہ سے ابھی انسانیت کی آس باقی ہے یعنی انسان ابھی کامل طور زندہ نہیں ہے گا بلکہ تم سے کچھ امید ہے ؟

اس لئے کہ ساری دنیا میں صرف مسلمان ہی اس بات کے لئے تیار تھے کہ وہ مظلوم کا ساتھ دیں انصاف کریں سچ کے لئے سب کچھ مٹا دیں اس مٹھی بھر جماعت سے کچھ یہ ذرا آس باقی تھی اس کے علاوہ تمام تہذیبیں چاہے وہ رومی ہو یا یونانی ہوں۔ ہندوستانی ہوں سب سلطنت بڑھانے میں لگے ہوئے تھے شاعر و ادیب لوگوں کا دل بہلا رہے تھے سلا رہے تھے جگانے والا کوئی نہیں تھا۔

طوفان سے لڑنے والا کوئی نہیں تھا مگر قرآن نے پہلے ہی بتا دیا۔ یہ واقعات کے مطالعہ سے ہرگز نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ اس انسان کے اوپر ساری ذمہ داری ڈالی گئی ہے

میری درخواست ہے کہ اہل پنجاب ایک نئی زندگی کا آغاز کریں پنجاب کے حالات پہلے کثرت والے تھے مگر اب اقلیت والے ہیں آپ میں بلند ہمتی عالی ظرفی مزاج کا استقلال ہو۔ آپ دریا ہوں سب کو سیراب کریں آپ روشنی ہوں تاریکی دور کریں اور خود بھی تاریکی سے نہ گھبرائیں آپ کا مقام صرف کھانے اور کمانے کا نہیں ہے

آج تاریخ نے بہت جلد موڑ دیا ہے اگر اس خطرہ کا بروقت احساس نہیں ہوا تو یہ دنیا تباہ ہو جائیگی

اور ہمارا ملک تباہ و برباد ہو جائے گا بلکہ ہمارا ملک تو کوہ آتش فشاں کے دہانے پر رکھا ہوا ہے آج صحیح فقدان کی وجہ سے کوئی خدا پرستی کی بات کہنے والا نہیں۔ میرے دوستو ہمارا ملک تباہی پر ہے یہ جانوروں کا ایک جنگل ہو جائیگا درندگی پھیل جائے گی سیاسی پارٹیاں رہ جائیں گی

آپ سے ملاقات کر کے جیسا کہ میرے عزیز ساتھی نے کہا ہے واقعی مجھے بھی بڑی خوشی حاصل ہوئی کہ یہاں کے لوگوں میں نرمی ہے سیدھا پن ہے ترقی یافتہ شہروں کی طرح نہیں ہیں کہ انسان دوسرے انسان سے خار کھائے روکھا روکھا ہوا رہے یہ سرزمین شاداب ہے یہاں کے لوگ جفاکش ہیں انرجی Energy بھی ہے دماغ بھی نرم۔ اب ہم اخلاق کا بیڑا اٹھائیں افسوس ہے کہ ہمیں اسکا احساس نہیں ہمارا ملک کدھر جا رہا ہے ہمارا اور سب کا فرض ہے کہ اس ملک کو بچائیں اب صرف دولت اور فرقہ وارانہ نفرت باقی رہ گئی ہے الفت مر گئی ہے اگر اس ملک کو نہ بچایا تو یہ لاقانونیت بدامنی رشوت خوری اور دیگر برائیوں کا شکار ہو جائیگا آج کسی دفتر میں معزز شہری جاتا ہے تو ایک آفیسر سے لیکر کلرک تک بھوکی بلی کی طرح اس کو گھسوٹتا ہے کیا یہی حب الوطنی ہے کیا یہی شرافت ہے معزز شہری کا تو چند قدم آگے بڑھ کر خیر مقدم کرنا چاہئے تھا۔

خاص طور سے میری مسلمان بھائیوں سے درخواست ہے میں صرف ان کو نماز روزہ زکوٰۃ یا چند رسمی عبادات کے متعلق نہیں کہوں گا آپ کا کام صرف اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن کہتا ہے کہ یا ایھا الذین آمنوا کونوا قوامین الخ۔ تم خدا کے لئے خدا کا جھنڈا لیکر کھڑے ہو جاؤ ہمارا دین ہم کو صرف نماز روزہ نہیں سکھاتا کہ ہمارا ایمان درست ہے بلکہ اخلاقی قیادت کو بھی کہتا ہے بقول اقبال بزبان ابلیس۔ اقبال بتاتے ہیں کہ شیطانوں کی کانفرنس ہوئی ہر شیطان نے اپنے دانست میں خطرہ بتلایا کسی نے کہا کہ کمیونزم بڑا خطرہ ہے کسی نے سرمایہ داری کسی نے فاسشزم Fascism مگر بڑے ابلیس نے کہا:-

ہر نفس ڈرتا ہوں امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کی مدام احتساب کائنات

ہماری بیداری ہمارا احتساب ہے آج احتساب نفس ہی نہیں احتساب عالم احتساب کائنات ہمیں کرنا ہوگا اور دیکھنا ہوگا کہ آج کا یہ سمندر فساد کا سمندر رہے یا اصلاح کا اگر سوچا جائے اور پھر سے بیدار رہا جائے تو آج آپ کو اخلاقی قیادت ملے گی اور سب آپ کے ساتھ ہو جائیں گے آپ اس اخلاقی قیادت پر سارا ملک ہی نہیں پوری دنیا آپ کی شکر گزار ہو گی۔

اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں پہلی اخلاقی اعتبار سے مضبوط بننے کو کہا ہے ورنہ پھر فتنہ و فساد ہوگا آج ہر مظلوم کے حامی ہر ظالم کا مقابلہ کریں پھر یہ ملک بھی بچ جائیگا اس کی تعلیم گاہوں اور خانقاہوں کو بھی عافیت ملے گی جس کے نتیجے میں اسکا وقار اونچا ہوگا اس خطرے کے احساس نے مجھے باہر نکال دیا ورنہ میں تو گوشہ نشین انسان ہوں میرا تو نہیں لیکن ہمارے ساتھیوں کی باتیں آپ حضرات کو بار بار سننے کو میسر ہوں اس لئے ہماری قدر کیجئے ہر جگہ تعلیم کے

اس جذبے کے تحت باہر نکل آئے اور اب پنجاب ہریانہ کا دورہ کر رہے ہیں مجھے یاد پڑتا ہے آج سے بیس سال پہلے یہاں مالیر کوٹلہ میں محمد احمد کاظمی صاحب کی قیادت میں ایک جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں میری بھی اسی جامع مسجد میں حاضری ہوئی تھی۔

اس وقت ہماری تنظیم میں سب ملا کر بیس پچیس افراد میں ہیں چونکہ تھکا ہوا ہوں۔ پیغام انسانیت کی دیگر تفصیل میرے ساتھی بتلائیں گے مجھ کو اجازت دیجیے۔

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ کی

مشاورتی کونسل

کے منتخب اراکین

مدرسہ تعمیر سیرت کے نئے اصول وضوابط کی دفعہ ۵ و ۶ کے مطابق مشاورتی کونسل تشکیل پا چکی ہے اور مندرجہ حضرات کو دفعہ ۶ کے مطابق دو سال کے لئے مشاورتی کونسل کا رکن منتخب کیا گیا ہے۔

(۱) ماسٹر احسان الرحمٰن صاحب
(بی اے بی ایڈ)
(۲) جناب حاجی رحیم بخش صاحب
(۳) جناب ماسٹر رمضان سعید صاحب
(۴) جناب بابو محمد سلیمان صاحب
ریٹائرڈ اکاؤنٹنٹ میونسپل کمیٹی
(۵) جناب غلام محمد صاحب
خطیب مسجد دہلی گیٹ
(۶) جناب ماسٹر نعیم احمد خاں صاحب
(ایم اے)
(۷) جناب ماسٹر نثار احمد صاحب
(ایم ایس سی)
(۸) جناب ڈاکٹر محمد یوسف صاحب

ضوابط کی دفعہ ۸ کے مطابق مفتی صاحب اپنے عہدہ کے اعتبار سے مشاورتی کونسل کے ناظم بھی ہیں۔

سیرت رسول اخلاق کے آئینہ میں

مولانا مفتی کفیل الرحمٰن نشاط
نائب مفتی دارالعلوم دیوبند

ابوسفیان اور عبداللہ بن امیہ پر نوازش

۸ھ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر جو معاہدہ کیا تھا اس کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ دس برس تک جنگ نہ ہوگی اور شرط کے مطابق جو قبائل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جانا اور ان کے حلیف بننا چاہیں وہ ان سے مل سکتے ہیں اور جو قریش کی طرف آنا چاہیں وہ ادھر آجائیں۔ اس شرط کے مطابق بنوخزاعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بنوبکر قریش کے حلیف بن گئے لیکن معاہدہ کے خلاف بنوبکر نے موقعہ پاکر بنوخزاعہ سے پرانی دشمنی نکالی اور ان پر حملہ آور ہوکر انھیں بے دریغ قتل کیا۔ اس قتل اور غارتگری میں قریش نے پوری طرح مدد کی اور سرداران قریش عکرمہ بن ابی جہل، سہیل بن عمرو اور صفیان بن امیہ بھی نقاب ڈال کر لڑے تاکہ پہچانے نہ جاسکے۔

بنوخزاعہ کے باقی ماندہ افراد میں سے بعض مدینہ منورہ پہونچے اور اپنی مظلومیت کی کیفیت بتاکر مدد طلب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امداد کا وعدہ فرمایا اور دس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ مکرمہ کی جانب سفر کا آغاز فرمایا۔

ابھی دو منزلیں ہی طے کی تھیں کہ راستہ میں ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن ابی امیہ سے ملاقات ہوئی۔

یہ لوگ وہ تھے جن کے ہاتھوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیفیں پہونچی تھیں اسلام اور بانیٔ اسلام کو مٹانے میں سر دھڑ کی بازی لگا دی تھی اور پورا زور صرف کر دیا تھا نفرت اور عداوت کا عالم یہ کہ عبداللہ بن ابو امیہ نے ایک موقعہ پر کہا تھا کہ خواہ آپ میرے سامنے آسمان پر زینہ لگا کر چڑھ جائیں اور میرے سامنے اتریں اور آپ کے ہمراہ چار فرشتے بھی ہوں اور وہ گواہی دیں تب بھی آپ پر ایمان نہیں لاؤں گا

خدا کی قدرت آج یہی دشمنان اسلام بہ حالات کے تحت عاجزانہ چلے آرہے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھ کر رخ مبارک پھیر لیا۔ انہوں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو سفارشی بنایا حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ابوسفیان آپ کا حقیقی چچازاد بھائی اور عبداللہ حقیقی پھوپھی زاد بھائی ہے اتنے قریبی عزیز چشم لطف و کرم سے محروم نہ رہنا چاہئیں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ تم لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح خدمت اقدس میں پہونچکر وہی لفظ استعمال کرو۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عفو وکرم سے کامیابی کی پوری امید ہے۔

چنانچہ ان لوگوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر یہ آیت تلاوت کی۔ تاللہ لقد اٰثرک اللہ علینا وان کنا لخاطئین۔ خدا کی قسم شک نہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت عطا فرمائی اور بے شک ہم (اس میں) خطا وار تھے، یہ سنکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دریائے لطف وکرم و اخلاق جوش میں آگیا۔ ان دونوں کے ہاتھوں ماضی میں پہونچی ہوئی ساری تکلیفوں اور روحانی اذیتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے جواب میں اس طرح سند معافی اور سند لطف وکرم و اخلاق عطا فرمائی۔

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین۔ (تم پر آج کوئی الزام نہیں اللہ تعالیٰ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔

فضالہ بن عمیر پر بارش اخلاق وکرم

فتح مکہ مکرمہ کے دوسرے دن رسول اکرم صلی صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ کا طواف فرمارہے تھے۔ فضالہ بن عمیر کی ذات اقدس سے دشمنی کی آگ اب بھی سرد نہیں ہوئی تھی اور وہ اس فکر میں تھا کہ موقعہ پاکر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گزند پہونچانے یا شہید ہی کردے اس نے اس موقعہ غنیمت سمجھتے ہوئے اپنے خیال پر عمل کا مکمل ارادہ کرلیا اسی قصد سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہونچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا فضالہ آرہا ہے؟

فضالہ بولا۔ جی ہاں میں فضالہ ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے ابھی اپنے دل میں کس بات کا ارادہ کیا تھا۔

فضالہ بولا کوئی ارادہ نہیں میں تو اللہ اللہ کررہا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر کے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے اللہ سے اس خیال وارادہ پر معافی مانگو یہ کہکر دست مبارک فضالہ کے سینہ پر رکھدیا۔

آپ کے اخلاق وکرم اور دست شفقت سینہ پر رکھنے کا اثر خود فضالہ پر یہ ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھکر اب کوئی محبوب اس کی نظر میں نہ رہا۔ سچ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے اخلاق وکرم اور اوصاف عالیہ نے دشمنوں کے دل جیتے تھے۔ بزور شمشیر آپ نے دلوں پر حکمرانی نہیں فرمائی۔

اے کہ بر تختِ سیادت زازل جا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(سرداری کے تخت پر ہمیشہ سے رونق افروز ذاتِ اقدس،
جو خوبیاں اوروں میں الگ ہیں وہ آپ کی ذاتِ مبارکہ میں یکجا ہیں۔)

چند علماءِ حق کے واقعات

منیبہ خاتون قاضیہ (ایم اے)

علم کا اصلی مقصد یہ ہے کہ آدمی اس پر عمل کرے عالم بے عمل خود تو محروم ہی رہتا ہے دوسروں کے لئے بھی گمراہی کا سبب بن جاتا ہے۔ کیوں کہ دوسرے دیکھنے والے اس کی ہر بات کو نمونہ سمجھتے ہیں اس کی تقلید کرتے ہیں اور وہ بھی گمراہ ہوتے ہیں اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "علم بغیر عمل کے وبال ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی کا سبب ہے۔" اب چند علماءِ حق کے واقعات سنئے جن کا علم صرف ان کے دماغ کی زینت نہیں تھا بلکہ پہلے اس نے ان کے سینہ کو روشن کیا پھر دنیا کو سچائی اور حق پرستی کے راستہ کی رہنمائی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اتنا بت تقویٰ اور خدمت خلق کے ایسے سانچوں میں ڈھالا تھا کہ لوگ ان کے چہرے دیکھ کر اسلام قبول کرتے تھے

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اکابر دیوبند میں ہوتا ہے وہ حضرت شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے بلاواسطہ شاگرد تھے اور حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کے ہم سبق تھے وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک بوڑھا آدمی ملا جو بوجھ لیے جا رہا تھا اور بمشکل قدم اٹھا رہا تھا حضرت مولانا مظفر حسین نے جب یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہ پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے ان سے پوچھا! اجی تم کہاں رہتے ہو۔ انہوں نے کہا بھائی! میں کاندھلہ رہتا ہوں، اس نے کہا وہ مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں" اور ان کی بڑی تعریفیں کیں، مگر مولانا نے فرمایا "اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے ہاں نماز پڑھتے ہیں۔" اس نے کہا کہ واہ میاں تم ایسے بزرگ ایسا کہو ہو؟" مولانا نے فرمایا میں ٹھیک کہتا ہوں۔ وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا اتنے میں ایک اور شخص آیا جو مولانا سے واقف تھا اس نے بوڑھے سے کہا "بھلے مانس مولوی حسین تو یہی ہیں۔ اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔

ان مولانا مظفر حسین کی عادت تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام

رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے جن کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا اس سے پوچھ کر لادیتے اور طرہ یہ کہ اس زمانہ میں لوگوں کے پاس پیسے کم ہوتے تھے عموماً چیزیں غلہ کے عوض خریدی جاتیں چنانچہ آپ گھروں سے غلہ باندھ کر لے جاتے اور اس سے اشیاء ضرورت خرید کر لاتے۔

حضرت مولانا اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحب کے لقب سے مشہور تھے دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے استاد تھے ان سے ابوداؤد پڑھنے والے اب بھی برصغیر میں ہزاروں ہوں گے۔ علوم قرآن وسنت کے بڑے ماہر اور جملہ علوم وفنون کے کامل محقق مگر بہت کم گو حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں۔

ان ہی کا ایک واقعہ ہے کہ آپ کا زنانہ مکان اور نشست گاہ کچی مٹی کی بنی ہوئی تھی ہر برسات کے موقع پر اس کی لپائی پتائی ضروری تھی جس میں کافی پیسہ اور وقت خرچ ہوتا تھا ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت میاں صاحب سے کہا کہ حضرت جتنا روپیہ سالانہ لپائی پتائی پر خرچ کرتے ہیں اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کرلیں تو دو تین سالوں میں یہ خرچ برابر ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے اس محنت سے نجات ہو۔" یہ سن کر پہلے تو فرمایا۔ ماشاء اللہ بات تو بہت عقلمندی کی کہی ہم بوڑھے ہوگئے ادھر دھیان ہی نہ دیا پھر کچھ توقف کے بعد جو حقیقت حال تھی وہ بتائی فرمایا کہ میرے پڑوس کے سب غریبوں کے کچے مکان ہیں اگر میں اپنا مکان پکا بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں ہے کہ سب کا مکان پکا بنواؤں۔" اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہوسکتی چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اپنا مکان پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان پختہ نہیں بن گئے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اصلاح خلق کی توفیق خاص اور اس کا انتہائی حکیمانہ اسلوب مرحمت فرمایا تھا۔ اردو کے مشہور شاعر جگر مرادآبادی مرحوم کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں حضرت خواجہ عزیزالحسن صاحب مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی سے ذکر کیا کہ جگر مرادآبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تھانہ بھون آکر زیارت کرنے کو بہت جی چاہتا ہے، مگر میں اس مصیبت میں مبتلا ہوں کہ شراب نہیں چھوڑ سکتا۔ اس لئے مجبور ہوں کہ کیا منہ لیکر وہاں جاؤں؟ - حضرت نے خواجہ صاحب سے مخاطب ہوکر پوچھا! پھر آپ نے کیا جواب دیا؟ خواجہ صاحب نے عرض کیا میں نے کہدیا" ہاں! یہ تو صحیح ہے ایسی حالات میں بزرگوں کے پاس کیسے مناسب ہو سکتا ہے"؟ حضرت نے فرمایا:. واہ خواجہ صاحب ہم تو سمجھتے تھے کہ اب آپ طریقت کو سمجھ گئے ہیں، مگر معلوم ہوا کہ ہمارا خیال غلط تھا۔" خواجہ صاحب کے تعجب پر حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ

آپ کہدیتے کہ جس حال میں بھی ہو ابھی میں چلے جاؤ ممکن ہے یہ ملاقات ہی اس بلا سے نجات کا ذریعہ بن جائے

چنانچہ خواجہ صاحب یہاں سے واپس گئے تو پھر اتفاقاً جگر صاحب سے ملاقات ہو گئی اور یہ سارا واقعہ جگر صاحب کو سنا دیا انہوں نے حضرت کے یہ کلمات سنکر زار زار رونا شروع کر دیا اور بالآخر یہ عہد کر لیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے قریب بھی نہ جاؤں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا شراب چھوڑنے سے بیمار ہو گئے حالت نازک ہو گئی اس وقت لوگوں نے کہا کہ آپ کو اس حالت میں بقدر ضرورت پینے کی تو شریعت بھی اجازت دے گی۔ لیکن یہ جگر صاحب کا جگر تھا کہ اس کے باوجود انہوں نے اس ام الخبائث کو ہاتھ نہ لگایا

اللہ تعالیٰ اہل عزم وہمت کی مدد فرماتے ہیں۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے چند روز ہی میں شفائے کامل حاصل ہوئی۔ اس کے بعد وہ تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت نے ان کی بڑی قدر و عزت فرمائی

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا نام ابھی لوگوں نے بھولا نہ ہوگا مرحوم اس پایہ کے عالم تھے کہ برسہا برس آپ نے حرم شریف مدینہ میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا تھا مگر آپ کی بے نفسی اور تواضع کی یہ حالت تھی کہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے خاص طور پر مہمانوں کے لئے فرش راہ ہو جاتے تھے ایک واقعہ سنئے کسی دیندار آدمی کا نہیں مشہور کمیونسٹ محمد اشرف کا وہ کہتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء میں کمیونسٹ پارٹی نے مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں

ایک رپورٹ پیش کرنے کے لئے مجھے دیوبند بھیجا اور میں حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا مہمان بنا۔ حضرت نے میرے آرام کے لئے ایک الگ کمرہ کا انتظام فرمایا۔ کیونکہ حضرت کی قیام گاہ ساری رات ذکر اللہ کے شور سے گونجتی رہتی تھی اور میں لمبی تان کر سونے کا عادی تھا۔ ایک رات میں لمپ گل کرنے کے بعد میٹھی نیند سو رہا تھا کہ مجھے اپنی ٹانگوں پر کسی کے ہاتھوں کی حرکت محسوس ہوئی میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت والا میری ٹانگیں دبا رہے ہیں میں بے انتہا شرمندہ ہوا اور میں نے فوراً پاؤں سکوڑے اور بڑے ادب سے حضرت کو روکا۔ مگر حضرت نے فرمایا کہ آپ مجھ اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں کیا میں اس قابل نہیں ہوں کہ اپنے مہمان کی معمولی خدمت کر سکوں مجھ پر حضرت کے اس ارشاد سے جو کیفیت گزری اس کا اظہار ممکن نہیں

علماء حق کے یہ چند واقعات نمونہ کے طور پر درج کر دیئے گئے ہیں ایسے ہی بزرگوں کے نفوس قدسیہ سے دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلی ہے

روشن چراغ

جناب پروفیسر اخلاق احمد چودھری
مالیر کوٹلہ
ایم اے اردو، فارسی، پنجابی

اس نے ایک چراغ روشن کر کے سرِراہ گذر پر لاکر رکھدیا جس کی روشنی سے نادانوں و نافہموں کی آنکھیں چندھیا گئیں جس کی وجہ سے ان ناآشناؤں نے اپنی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر چلانا شروع کر دیا" چراغ گل کردو" "چراغ گل کردو" ہم اس کی روشنی برداشت نہیں کر سکتے ہم اندھے ہو جائیں گے چاروں طرف مفسدین و بدخواہوں اور تماش بینوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس نیک دل پر طعن و تشنیع دشنام و اتہام کے تیروں کی بارش شروع کر دی اور وہ مونس انسانیت ان کی نادانی و نافہمی پر کھڑا مسکراتا رہا اس کے چہرے پر یقین کا نور جھلک رہا تھا اور لبوں پر ..... حکیمانہ الفاظ تھے۔

اے نادانو! تم اس روشنی کی اہمیت سے کبھی آشنا ہو نسل آدم اور خاص طور، پر تمہارے علاقہ کو اس وقت اس کی اشد ضرورت ہے تاریکی نے تمہاری دوراندیشانہ صلاحیتیں سلب کر رکھی ہیں تمہارے اندر بہترین قسم کا انسان سویا ہوا ہے اور تم اس کو اس تاریکی کی وجہ سے پہچان نہیں سکتے وہ بہت خود دار ہے بہت خوبصورت و خوب سیرت جسکو خداوند قدوس نے قرآن حکیم میں اشرف المخلوق ٹھہرایا ہے، جسکی عظمت فرشتوں تک سے کرائی گئی۔ اس لاعلمی کے اندھیر نے دانستہ طور پر اس کو تمہاری آنکھوں سے چھپا رکھا ہے یہ روشنی تمہیں لازماً اس سے متعارف کرائیگی اور خدائے لم یزل کے قریب لے جائے گی بہت ہی قریب اور پھر تم یقیناً اس کی رضا کے دائرہ میں داخل ہو جاؤ گے ذرا ہوش سے کام لو اور اپنی غفلت شعاری چھوڑ دو۔

مگر وہ اس پر حقیقت و پر حکمت باتوں پر یقین نہ کرتے اور چلاتے ....

نہیں نہیں تم غلط کہتے ہو کیا ہمارے باپ دادا پاگل تھے جو اس سے دور رہے یا وہ بدتہذیب تھے جنہوں نے اس سے اپنا دامن بچایا بجھادو.. بجھادو اسے ورنہ ہم خود آگے بڑھ کر خود ہی اس کی بتی کاٹ ڈالیں گے

اور اس نے کامل یقین کے ساتھ اپنے متحمل فہمانہ

انداز سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ارے نادانو! یہ روشنی تمہارے اور تمہاری نئی نسل کے لئے زحمت نہیں بلکہ رحمت ہے۔ وہ لوگ اس کی اہمیت سے اپنی لاعلمی کی وجہ سے ناواقف تھے اب خداوند تعالیٰ نے تمہیں اس سے مستفید ہونے کا موقع مرحمت فرما دیا ہے آؤ آگے بڑھ کر اس نور سے اپنے سینوں کو منور کر لو اور پھر دیکھنا تمہیں اپنی منزل آسمانوں میں نظر آئے گی اور جوانوں میں خوابیدہ عقابی روح بیدار ہوگی۔ جب یہ روح بیدار ہو جاتی ہے تو انسانوں کے دلوں میں ذوق یقین پیدا ہوتا ہے جس سے کردار میں عمل پیہم کا جذبہ ابھرتا ہے۔ اس کے بعد اس کے راستہ میں بڑی سے بڑی رکاوٹیں بھی آتے ہوئے تھراتی ہیں۔ اور وہ مرد آزاد ہر وادی وصحرا سے بے خوف مست الست گذر جاتا ہے دنیا کی ہر شی اس کی قدرت میں کر دی جاتی ہے اور وہ خود اپنے خدائے واحد کی قدرت میں چلا جاتا ہے قدر حیرت سے سبھی یک زبان ہو کر بول اٹھے۔

ہیں! کیا یہ سب ممکن ہے

اب اس کی آنکھوں میں امید کی جھلک پیدا ہوئی اور اس نے یقین دلاتے کہا "کیوں نہیں" ایسا بالکل ممکن ہے۔ خداوند قدوس کی قسم یہ سب ممکن ہے اور یہ کرشمہ اس روشنی میں پوشیدہ ہے یہی نہیں بلکہ یہ روشنی تمہارے دلوں میں شیطانی وسوسوں کو جلا کر خاکستر کر دیگی ذہنی پراگندگیوں کو دور کر دے گی اس مقدس روشنی سے ذہن پاک وصاف ہو جائیں گے ذات برادری چھوٹے بڑے اونچ نیچ شہری۔ صوبائی۔ ملکی نسلی و رنگ کا تعصب اور بھید بھاؤ مٹ جائے گا دنیا چار دانگ بیگانگی کی بجائے قدم قدم پر یگانگت ہی پاؤ گے۔

وسوسے نے پھر اپنا کوڑا ان کے دل پر مارا جس کے تاثر سے ان کی زبان سے نکلا "یقین نہیں آتا۔ ان مسحور کن الفاظ کا"

اس وضاحتی الفاظ کا سہارا لیکر یوں گویا ہوا

" ارے قریب تو آؤ یہ وہی چراغ ہے جو دیوبند میں دار العلوم کی شکل میں روشن ہے لکھنؤ میں دار الندوہ مصر میں اظہر العلوم مدینہ منورہ میں جامعہ مدینہ منورہ" کے نام سے ضیا باری کر رہا ہے

جب اس نے ان کے چہرے یقین جلوہ گر ہوتے دیکھا تو ہمت افزائی حوصلہ مندی سے یوں گویا ہوا

" اس کا مستقبل انتہائی شاندار و تابناک ہے اس روشنی سے انسانی نسلوں کی دین و دنیا سنور جائے گی مساجد آباد ہونگی۔ بارونق نمازیوں سے کتاب خواں کی بجائے صاحب کتاب پیدا ہونگے قرآن حکیم طاقوں سے اتر کر سینوں میں جلوہ گر ہوگا گلے کے تعویذوں کی بجائے عملی کردار ادا کرے گا اس روشنی کے فیض سے ہماری آنے والی نسلیں قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ کے معنی سے آشنا ہوں گی پھر دیکھنا وہ اپنے حلم وعلم خداوند تعالیٰ کے ساتھ کسقدر ذوق وشوق سے راز و نیاز کی باتیں کریں گے اور کدورت دنیاوی خوف و ہراس دم دبا کر بھاگ جائیں گے۔ اس وقت غالب آئیگی ان پر مرد مومن کی روح اور پھر پیدا ہوں گے تمہاری اور تمہاری نسلوں کے بخشش کے سامان کیونکہ نیک اولادیں نجات کا ذریعہ ہوا کرتی ہیں۔

اسی طرح جب انھیں اپنی امیدیں بر آتی نظر آئیں تو مزید دلی تسلی کے نظریہ سے پوچھتے ہیں۔

ارے سچ کہتے ہو نا؟

اپنی سعی کو کامرانی کی شکل اختیار پاکر اس کا مسرت سے جھوم جھوم اٹھا اور مزید یقین دہانی کراتے ہوئے وہ مرد مجاہد یوں گویا ہوا۔

ہاں ہاں بھائی اسی چراغ کی روشنی سے تمہاری آئندہ نسلوں کی مسرت کی تعمیر قرآن حکیم و سنت اقدسہ کے مطابق ہوگی۔ واقعی اور ان شاء اللہ تعالیٰ یقیناً۔ چراغ درسگاہ تعمیر سیرت ہے اس کی فیض رسانی کی بدولت اسلامی کردار کتاب دنیا سے نکل کر ماضی کے پردے چاک کرکے آپ کی آنکھوں کے سامنے چلتے پھرتے نظر آئیں گے اس وقت اس کی اہمیت کا راز تم پر منکشف ہوگا اور اس وقت ... ہاں اسی وقت آپ مجھے یاد کریں گے اور اس چراغ پر فخر کیا کروگے۔

جب وسوسوں سے بھرا دل مرد قلندر کی باتوں سے نور یقین کے ساتھ بھر گیا تو سبھی تشکرانہ آواز میں پکارے۔

اچھا حضرت۔ خدا تمہیں جزا دے آپ نے ہماری بند آنکھیں کھول دیں ہم ان شاء اللہ اس سے ضرور استفادہ کریں گے خدا یا لاکھ لاکھ شکر ہے تو اس مرد قلندر کے ذریعہ ہماری عاقبت کا سامان پیدا کر دیا ہماری نسلوں کی جہالت سے نکلنے کا ذریعہ اس کے ذریعہ بنا دیا ہے ہمیں معاف کرنا اور اس مرد نیک کو جزا دے۔

اس قسم کے رضامندانہ اظہار کے الفاظ سن کر صاحب چراغ کی آنکھوں کامرانی کی چمک پیدا ہوئی۔ جو کہ ایک فاتح کی آنکھوں میں کسی مہم سر کرنے کے بعد قدرتاً پیدا ہو جاتی ہے وہ شکرانہ کے طور پر اپنے خداوند تعالیٰ واحد و لاشریک ذوالجلال و سرچشمہ علم و دانش اور رحمت و بخشش کے حضور سر بسجود ہوگیا اور گڑ گڑاتے ہوئے یوں دعا گو ہوا۔

وائے خدائے لم یزل میری محنت و خدمت قبول فرما کر اس کو امت محمدیہ کے لئے مستفید فرما ان کے دلوں میں سے باقی ماندہ وسوسے و شکوک بھی دور فرما۔ ان کو علم و یقین کی دولت سے نواز کیونکہ یہ ابھی اس کی اہمیت کو اچھی طرح نہیں سمجھ پائے اور مسلمین کے لئے میری اس ناچیز خدمت (اور مدرسہ تعمیر سیرت) کو اسم بامسمیٰ بنا۔ آمین

بقیہ۔ عملی بے تعصبی

ہندوستان کی کئی سابقہ ریاستوں میں شرنارتھیوں اور مہاجروں کا فراخدلی سے خیر مقدم کرنے کے باوجود انھیں اس امر کی اجازت نہیں دی گئی کہ ان کے ساتھ جو زیادتیاں بیرون ریاست ہوئی ہیں ان کا انتقام وہ مقامی آبادی سے لیں، مثلاً جے پور، ٹونک اور مالیر کوٹلہ کی ریاستیں

جس دن ہمارے رہنماؤں کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ ایک شمہ عمل من بھر تلقین سے بہتر ہوتا ہے ہمارے بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے

عملی بے تعصبی

○ جناب گوپال متل صاحب مالیرکوٹلوی

یہ میں کئی بار لکھ چکا ہوں کہ کسی شخص یا جماعت کے بارے میں صحیح رائے قائم کرنے کیلئے اس کے عقائد پر نظریاتی بحث کرنے کی بجائے اس کے اعمال کا جائزہ لینا چاہیئے اپنی اس رائے کے جواز میں جماعت اسلامی کے سرکاری ترجمان " دعوت " کی ۲۴ ستمبر کی اشاعت سے اخبار کے ایڈیٹر محمد مسلم کی اس تحریر کا ایک پارہ نقل کر رہا ہوں جو انہوں نے نیپال کا دورہ کرنے کے بعد سپرد قلم کیا ہے۔

" نیپال کی ترائی میں جو مسلمان جاکر آباد ہوئے ہیں۔ بعض کا قیام سو ڈیڑھ سو سال پرانا ہے اور بعض ایسے بھی ہیں جو ۱۹۴۷ء کے حالات سے گھبرا کر امن کی خاطر وہاں جاکر بس گئے تھے بھارتی ہندوستان کے مقابلے میں شاہی نیپال کے طرز حکومت کا یہ فرق عجیب وغریب ہے کہ ہندو اور مسلمان دونوں علاقوں میں رہتے تھے۔ ایک ہی بولی بولتے تھے ایک طرح کے اخبارات پڑھتے تھے اور عقائد اور روایات بھی یکساں تھیں لیکن سرحد کے اس پار بھی یکساں تھیں۔ لیکن سرحد کے اس پاس زیادتی ہو رہی تھی اور دوسری طرف کسی کی نکسیر تک نہیں بھوتی۔

ایک بار مظفر نگر کے کچھ شرارت پسند لوگ سوتہٹ کے ضلع میں جا پہنچے اور گائے کا مسئلہ کھڑا کرکے ہنگامہ برپا کر دیا کئی گھروں کو آگ بھی لگا دی اور لوٹ مار بھی کی لیکن کاٹھمنڈو اس کی اطلاع پہنچتے ہی موجودہ فرمانروا جو اس وقت ولی عہد تھے، وہاں پہنچ گئے ایک ایک مظلوم کے گھر جاکر اس کی تسلی کی، ظالموں سے ان کا معاوضہ دلوایا، سرکاری سٹاف کو اور خطا کاروں کو سخت سزائیں دیں اور وہاں کی تاریخ میں یہ پہلا اور آخری فرقہ وارانہ ہنگامہ تھا جو برپا ہوا اور آئندہ کے لیے اچھے اثرات قائم کر گیا۔ نیپال دستوری لحاظ سے ہندو ریاست ہے اور اس میں کسی دوسرے مذہب کی تبلیغ یا ترمیم قانوناً جرم ہے لیکن اس کے باوجود نیپالی ہندو عوام آزادی کے ساتھ دوسرے مذاہب کا مطالعہ کرتے ہیں۔"

یہ تحریر ایک ایسی ریاست کے بارے میں ہے جس کا حکمران سیکولرزم کا مدعی نہیں اور اپنی ریاست کے ہندو ریاست ہونے کا برملا اعتراف کرتے ہے اس کے باوجود وہاں عملاً بے تعصبی کا مظاہرہ ہوتا ہے اور اقلیتوں کے ساتھ زیادتی بھی نہیں ہوتی اس امر کا اعتراف بھی ایک ایسے شخص نے کیا ہے جو ایک ایسی دینی جماعت کا فرد ہے جو ایمرجنسی کے دوران فرقہ پرستی کے الزام میں معتوب بھی اور وہ خود جیل میں رہا۔ باقی صفحہ ۲۴ پر

جب آگ لگی ہو

○ جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی مدیر برہان

فرض کیجئے آپ ایک نہایت عالیشان اور پر شکوہ بلڈنگ کے مالک ہیں اور اس میں اچانک ایسی آگ لگ گئی ہے جس کے شعلے چاروں طرف بلند ہو رہے اور تیز ہواؤں نے انھیں اور زیادہ مشتعل اور خطرناک بنا دیا ہے، بلڈنگ کی چھت کی کڑیاں تڑاق تڑاق کرکے ٹوٹنے لگی ہیں اور در دیوار جلنے لگے ہیں آپ آگ بجھانے کی ہزار کوشش کر رہے ہیں مگر آگ قابو نہیں آتی اس وقت اگر کچھ لوگ آپ کی ہمدردی میں آگ بجھانے کیلئے آجائیں تو کیا آپ ان سے یہ کہیں گے کہ آپ کا مشرب اور مسلک کیا ہے؟ پہلے آپ یہ بتائیے کہ آپ میرے ہم خیال اور ہم عقیدہ ہیں یا نہیں؟ اگر آپ میرے ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں ہیں تو میں آپ کو آگ بجھانے کی کوششوں میں شرکت کی اجازت نہیں دوں گا۔ آپ یہاں سے چلے جائیں فرمائیے کہ کیا کوئی معقول انسان جس کو اس بلڈنگ سے محبت ہو بقائمی صحت ہوش و حواس یہ رویہ اختیار کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں!!

آج یہی حال اسلام کا ہے، وہ چاروں طرف سے نرغہ میں پھنسا ہوا ہے، ہر سمت سے اس پر یورش ہو رہی ہے، اپنے اور بیگانے سب اس پر ظلم کر رہے پورے عالم اسلام پر نگاہ ڈالیئے، کہیں افراط زر اور سیاسی خود مختاری و آزادی نے قرآن مجید کے ارشاد " اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ " تم کو بہتات نے خدا اور یوم آخرت سے غافل بنا دیا ہے" کے مطابق فرزندان توحید کو راہ سے بے راہ کر دیا ہے کہیں غربت و افلاس نے اور کہیں جہالت نے انھیں حق سے بیگانہ اور دین قیم کے واجبات اور مطالبات کی طرف سے بے حس اور بے خبر بنا دیا ہے، پھر مغربی تہذیب، مغربی افکار و آرا، اور مادہ پرستی پر مبنی تحریکات و رجحانات نے ایک طوفان بنکر وہ ستم ڈھایا ہے کہ اسلام کی کشتی ڈگمگانے لگی ہے، اس بنا پر آج اسلام کی حفاظت کے لئے ایک نہیں سینکڑوں محاذ ہیں۔ تعلیم کا بھی ہے اور تعلیم بھی قدیم اور جدید دونوں، تصنیف و تالیف کا بھی ہے اور سیاست کا بھی، تبلیغ و اشاعت کا بھی ہے اور وعظ و ارشاد کا بھی، روحانی تصفیہ و تزکیۂ باطن کا بھی ہے اور اقتصادی و معاشی پروگراموں کو ترقی دینے کا بھی اور سماجی فلاح و بہبود کے میدان میں کام کرنیکا بھی، یہ سب محاذ اپنی ایک

مستقل اہمیت وضرورت رکھتے ہیں، نیت میں خلوص
اور عمل میں للہیت اور ایک اعلیٰ مقصد حیات کے
ساتھ وابستگی شرط ہے، اگر نیت وارادہ میں للہیت
اور خلوص ہے تو بڑے سے بڑا وہ کام جسے ہم اپنی —
اصطلاح میں "دنیوی" کہتے ہیں وہ بھی عبادت اور
رضائے رب کے حصول کا ذریعہ ہے اور اگر ایسا
نہیں ہے تو بڑی سے بڑی عبادت، تبلیغ اور وعظ
وارشاد، اور مجاہدہ و ریاضت ایک دھوکا اور فریب ہے

اسلام میں آج سے نہیں شروع سے مختلف فرقے
اور مختلف مذاہب ومسالک ہیں اور اسلام میں جو جامعیت
وہمہ گیری کے ساتھ جو قانونی لچک ہے اس کے پیش
نظر ایسا ہونا ناگزیر تھا لیکن جب تک مسلمانوں کو —
اسلام سب سے زیادہ عزیز رہا اور وہ اپنے
ہر ذاتی اور جماعتی مفاد کو اسلام کے مفاد اور
اس کی مصلحت پر قربان کردینے کے جذبہ سے
سرشار رہے یہ اختلافات جو کلامی اور فقہی مسائل
میں پیدا ہوئے تھے اور جن کے باعث مسلمانوں میں
گروہ بندی پیدا ہوئی تھی اسلامی اخوت ومحبت
اور مسلمانوں کے ملی اتحاد میں مانع نہیں ہوتے
لیکن اس کے برعکس جب کبھی مسلمانوں نے ان
اختلافات کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اسلامی مفاد
مجروح ہو گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ان
کی اجتماعیت برباد ہو گئی اور ملی اتحاد واتفاق کا شیرازہ منتشر ہو گیا
جس سے اسلام کے دشمنوں نے فائدہ اٹھایا اور پھر نہ یہ ہے
اور نہ وہ مسلمان بحیثیت ایک ملت کے سب ہی حریفانہ
کوششوں اور تدبیروں کا شکار ہو گئے۔

ماھر القادری مرحوم

غزل —
اور گیت بھی

کیسی موجیں کیسا منجدھار
اب کے کشتی آر کہ پار
جتنے دیکھے دنیا دار
تن چنگا اور من بیمار
عشق کہاں تک روکے گا
حسن کے اونچے اونچے وار
امیدوں کے تاج محل
ارمانوں کے شالا مار
ایک نہیں دو چار نہیں
لاکھوں نظریں ان پہ ادھار
دنیا کی امیدیں کیا؟
کاغذ کے پھولوں کے ہار
یہ بھی زمانہ دیکھ لیا
چور بنے ہیں چوکیدار
اُجلا ہے من کا درپن
پھر بھی اس کو اور نکھار
مورکھ ہے وہ پاپی ہے
فن کو جو سمجھے بیوپار

سے آئینہ

از:- مولانا وسیم اختر بلال (فاضل دیوبند) مدرس مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ

عربی زبان ہماری مذہبی سرکاری زبان ہے اسلام اور احکام خداوندی کو براہ راست سمجھنے کے لیئے اس زبان کی جتنی اہمیت ہے وہ محتاج بیان نہیں اس کے ساتھ عصر حاضر میں اس زبان کی سیاسی اہمیت بھی بہت زیادہ بڑھ گئی ہے اس وقت کوئی مخصوص طبقہ نہیں بلکہ تمام انسان عربی زبان کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں جدید علوم وفنون بہت تیزی سے عربی زبان میں منتقل ہو رہے ہیں عربی زبان کو دنیا کی عظیم ترقی یافتہ زبان بھی تسلیم کر لیا گیا اس زبان کی خصوصیت ہے کہ ہمیشہ ایک زندہ زبان کی حیثیت سے اپنا تعارف کراتی رہی۔

ان مذہبی اور سیاسی اہمیتوں کے پیش نظر اس زبان کے سیکھنے پر جتنا بھی وقت صرف کیا جائے وہ سعادت بھی ہے اور ایک ضرورت کی تکمیل بھی ہے۔

ماہنامہ تعمیر سیرت کے ذریعہ عربی زبان کے اسباق آسان طریقہ سے پیش کئے جائیں گے۔

مزید سہولت کے لیئے انگریزی زبان کو بھی مددگار بنایا گیا ہے عربی زبان بھی مستقل زبان کی طرح اپنا مخصوص اسلوب اور مخصوص رسم الخط Script رکھتی ہے

عربی سے شغف رکھنے والے ہر شخص کیلئے اس کے اسلوب اور رسم الخط پر بھی خصوصی توجہ دینی چاہئے یہاں اسباق میں زیادہ تر خط نسخ (Modern Script) سے مدد لی جائیگی

سبق نمبر ۱

عربی زبان میں انتیس حروف ہیں جو اکثر مندرجہ ذیل طرز سے لکھے جاتے ہیں بعض حرف لائن کے اوپر بعض لائن کے نیچے اور بعض حروف کا کچھ حصہ نیچے آتا ہے۔

ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز

س ش ص ض ط ظ ع غ

ف ق ک ل م ن و ہ ھ ء

ی ے۔

مندرجہ بالا حرف مل کر بامعنی ہوں گے جسے اصطلاح میں کلمہ کہتے ہیں

جیسے ا اور ب مل کر اَبٌّ (گھاس) ہو گیا۔

کلمہ کا ایک روپ اسم ہے یعنی وہ نام جس میں زمانہ نہ ہو۔

اسم کے دو نام ہیں اسم معرفہ
(Proper noune)
اسم نکرہ (common Noune)

اسم نکرہ common Noune	اسم معرفہ Proper Noune
(۱) حضارۃ (تمدن)	الحضارۃ (خاص تمدن)
culture	The Culture
(۲) شیوعیۃ (کمیونزم)	الشیوعیۃ (خاص کمیونزم)
Communism	The Communism
(۳) مؤتمر (کانفرنس)	المؤتمر (خاص کانفرنس)
conference	The Conference
(۴) جریدۃ (اخبار)	الجریدۃ (خاص اخبار)
Newspaper	The newspaper
(۵) مجلۃ (میگزین)	المجلۃ (خاص میگزین)
Magazine	The Magazine
(۶) فسحۃ (انٹرول)	الفسحۃ (خاص انٹرول)
Interval	The Interval
(۷) کشافۃ (اسکاوٹ)	الکشافۃ (خاص اسکاوٹ)
Scout	The Scout
(۸) طارئۃ (ایمرجنسی)	الطارئۃ (خاص ایمرجنسی)
Emergency	The Emergency
(۹) اصدار (برآمد)	الاصدار (خاص برآمد)
Export	The Export
(۱۰) استیراد (درآمد)	الاستیراد (خاص درآمد)
Import	The Import
(۱۱) مہرب (اسمگلر)	المہرب (خاص اسمگلر)
Smuggler	The Smuggler
(۱۲) کتلۃ (بلاک)	الکتلۃ (خاص بلاک)
Block	The Block
(۱۳) اسعاف (ایمبولنس)	الاسعاف (خاص ایمبولنس)
Ambulance	The Ambulance
(۱۴) ندوۃ (اکیڈمی)	الندوۃ (خاص اکیڈمی)
Academy	The Academy

مندرجہ بالا مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسم معرفہ والے خانہ میں جس طرح انگریزی میں (The) بڑھا ہوا ہے اسی طرح عربی میں بھی (ال) یہ شکل بڑھی ہوئی ہے۔

اس شکل کا نام **الف لام تعریف کا** الف لام تعریف کا ہے

اس کا کام بھی وہی ہے جو انگریزی میں (The) کا ہے یعنی کسی اسم کو خاص بنانا

املاء کے سبق میں ان مفرد حروف کو جوڑ کر مرکب کیا جائے گا۔

یہ کیسی منزل یہ کیسی راہیں کہ تھک گئے پاؤں چلتے چلتے

مگر وہی فاصلہ ہے قائم جو فاصلہ تھا سفر سے پہلے

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

○ جناب ڈاکٹر ادریس احمد صاحب

اسلامی نقطۂ نظر سے دسویں گیارہویں صدی ہجری کا زمانہ ہندوستان کی فکری و دینی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ مسلمانوں کے لیے یہ دور بڑا پرفتن اور پرآشوب تھا ناخواندہ ہندو دین اسلام کی ابدی حقیقتوں سے بے خبر، اسلامی تعلیمات سے نابلد مگر ذہین اور ہوشیار اکبر نے محض سلطنت کے استحکام کی خاطر اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ تمام مذاہب کے لوگوں کو خوش کرنے کے لیے ان کی تعلیمات و رشعائر کو یکجا کر کے دین الٰہی کے نام سے نئے دین کی بنیاد رکھی جس کا مقصد تمام مذاہب کی جگہ اس نئے مذہب کو قائم رکھنا تھا۔ اس دین کا حامی بنانے کے لیے کہیں ترغیب و تحریص سے کام لیا کہیں زور تندی کا مظاہرہ کیا گیا شیخ مبارک ناگوری اور ان کے بیٹے ابوالفضل و فیضی اور مولوی تاج الدین جیسے علماء ایک محضر پر علماء کا دستخط حاصل کر کے بادشاہ کو سجدہ کرنے کا جواز پیدا کر چکے تھے جس نے اختلاف کیا وہ لائق گردن زدنی قرار پایا یا پھر قید و بند کے سزاوار ہوا۔

بادشاہ وقت اور حکمرانوں کے منشا و مقصد کی مخالفت کی ہمت اور حق کی تائید و حمایت کی سعادت چند لوگوں کے ہی حصے میں آتی ہے چنانچہ تمام مذاہب کی شکل مسخ کرنے اور ان کی تعلیمات میں رد و بدل کرنے کی جو منظم کوشش کی گئی اس کے مخالفین میں قطب الدین محمد خاں اور شہباز خاں شہید جیسے سردار کی نجابہ بھی تھے اور راجہ مان سنگھ اور راجہ بھگوان داس جیسے راسخ العقیدہ ہندو امیر بھی جب نئے مذہب کا اعلان کرنے کے لیے ایک میٹنگ ہوئی تو راجہ بھگوان داس نے اس کے خلاف بحث کی اکبر نے موقع کی نزاکت دیکھ کر اس پر مزید زور نہیں دیا راجہ مان سنگھ کو جب اس نئے مذہب کو قبول کرنے کی دعوت دی گئی تو اس نے اکبر کے روبرو کہہ دیا جہاں تک عقیدہ کا تعلق ہے میں ہندو ہوں آپ حکم دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں۔ اس کے علاوہ کسی اور دین کو میں نہیں جانتا۔ اکبر کے انتقال کے بعد اگرچہ دین الٰہی کا فتنہ کمزور پڑ گیا مگر جہانگیر کے دور تک اس کے اثرات باقی رہے۔

اسی پرفتن دور میں خانوادہ فاروقی کا ایک

پاک باطن ژرف نگاہ جید عالم سرہند کے ایک گوشہ میں ان تمام حالات کا بنظر عمیق مطالعہ و مشاہدہ کر رہا تھا اور قلم حق نگار کی تیغ براں کو ان بدعات، تحریفات، رسومات قبیحہ کی جڑوں جڑوں پر کاری ضرب لگانے کے لیئے تیز کر رہا تھا اسلامی توحید کو قرآن حکیم کی آیات اور احادیث نبویہ سے مدلل بیان کرتا، تمام بدعات، الحاد اور لا دینیت کے خلاف جہاد کیلئے نہایت بلیغ اور دل نشیں انداز میں اپنے مکاتیب کے ذریعہ گم گشتگان راہ حقیقت کو اسلام کی ٹھوس اور جامع تعلیمات کی دعوت دیتا اسی مرد حق آگاہ نے بادشاہ وقت کے سامنے سجدۂ تعظیمی بجالانے سے صاف انکار کر دیا قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور آخر کار بادشاہ وقت (جہانگیر) شریعت محمدیہ کے صحیح راستہ کو اختیار کرنے پر مجبور ہو گیا وہ ذات گرامی عالم ربانی، شیخ طریقت رہنمائے جادہ شریعت حضرت شیخ احمد سرہندی معروف بہ امام ربانی مجدد الف ثانی ہیں جنہوں نے دین کو اس طرح نکھار کر اصل شکل میں پیش کیا کہ ہندوستان میں پہلے سے کہیں زیادہ اسلامی تعلیمات پر عمل ہونے لگا۔

مجددیہ نقشبندیہ طریقہ امام ربانی

مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ مرید خاص و خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۵۶۴ء کو سرہند میں ہوئی والد ماجد حضرت شیخ عبد الاحد ایک جید عالم، صوفی اور حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے مرید خاص تھے آپ کا سلسلہ نسب پندرہ واسطوں سے شیخ شہاب الدین معروف بہ فرخ شاہ کابلی سے ملتا ہے اور ۲۷ واسطوں سے امیر المومنین سیدنا عمر فاروقؓ سے متصل ہوتا ہے ابتداً اپنے والد ماجد سے علم کی تحصیل کی بعدہٗ دیگر علماء معروف مولانا کمال کشمیری شیخ یعقوب صرفی رحمہ اللہ سے تحصیل تکمیل کی۔ اس کے بعد آپ مسند ہدایت پر متمکن ہوئے رات دن درس و تدریس آپ کا مشغلہ تھا اول آپ اپنے والد کے مرید ہوئے ۱۰۰۷ھ میں والد ماجد کے انتقال کے بعد ۱۰۰۸ھ میں حج کے ارادے سے روانہ ہوئے جب دہلی پہنچے تو حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھیں کے پاس رہ گئے خواجہ صاحب آپ کو بہت زیادہ محبوب رکھتے تھے اور باوجود مرید ہونے کے اس قدر احترام فرماتے کہ ایک مرتبہ کابلی دروازہ تک آکر آپ کا استقبال کیا۔

حضرت مجددؒ مسلمانوں کی زبوں حالی بدعت رسوم قبیحہ تحفظ شریعت اور احیائے سنت کے لیئے مضطرب رہتے حضرت مجددؒ نے اپنے مکتوبات کے ذریعہ اصلاح کا بیڑہ اٹھایا لوگوں کو متوجہ کیا اور بہت ہی مختصر مدت میں ہزارہا آدمی ان سے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے بد اندیشوں نے حضرت مجددؒ کے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا علماء حکومت نے آپ کے خلاف فتوے تیار کرانے اور مذہبی رنگ میں مخالفت شروع

کردی ان دونوں گروہوں نے سازش کرکے حضرت کے خلاف مکروہ پروپیگنڈا شروع کردیا اور بادشاہ وقت جہانگیر کو ورغلایا کہ شیخ احمدؒ اپنے آپ کو سیدنا ابوبکر صدیق سے افضل سمجھتے ہیں جہانگیر نے آپ کو طلب فرمایا لیکن آپ کے مدلل اور بلیغ تردیدی جواب سے مطمئن ہو گیا، تب ان شر پسندوں نے جہانگیر کو باور کرانے کی کوشش کی کہ شیخ احمد سرہندی نہایت خطرناک اور سرکش انسان ہیں اور حکومت کے باغی ہیں اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ سجدۂ تعظیمی کو حرام قرار دیتے جہانگیر نے دوبارہ آپ کو طلب کیا اور سجدہ کا طالب ہوا آپ نے اپنے قول و فعل سے ثابت کردیا کہ سجدہ بجز خدائے قدوس کے کسی کو روا نہیں ۔ جہانگیر نے سزا کے طور پر آپ کو ۱۰۲۸ھ میں گوالیار کے قلعہ میں قید کردیا لیکن جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور اس نے آپ کو ۱۰۲۹ھ میں رہا کردیا اور آپ سے لشکر کے ساتھ رہنے کی درخواست کی جسے آپ نے قبول فرما لیا اور چار سال تک لشکر کے ساتھ رہ کر بادشاہ اور لشکریوں کی اصلاح اور روحانی تربیت میں مشغول رہے ۱۰۳۳ء میں واپس سرہند تشریف لائے اور ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ہدایت و بصیرت کی جو شمع حضرت مجدد نے روشن کی تھی اس کو ان کے فرزندان جلیل القدر نے اسی تابانی کے ساتھ روشن رکھا حضرت کے صاحبزادگان میں خواجہ محمد سعیدؒ ۱۰۴۹ - ۱۰۷۰ھ خواجہ محمد معصومؒ (۱۰۰۷ - ۱۰۷۹ھ) خواجہ سیف الدین فرزند خواجہ معصومؒ (۱۰۴۹ - ۱۰۹۶ھ) کی خدمات جلیلہ اور ناقابل فراموش کارناموں کی بدولت بدعات و رسوم قبیحہ کی بیخ کنی ہوئی ان حضرات بادشاہان وقت یعنی شاہجہاں اور اورنگ زیب کی بھی روحانی تربیت اور رہنمائی فرمائی۔

نیک صالح اولاد کے علاوہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی دوسری اہم یادگار اور ان کے علوم و کمالات ان کے مکتوبات ہیں ۔ حضرت مجدد کی زندہ یادگار اور ان کے علوم و کمالات کا آئینہ ان کے مکتوبات کے وہ نادر مجموعے ہیں جو نہ صرف اس زمانہ کی تصنیفات میں بلند معارف و حقائق کے ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ علم کی گہرائی تحقیقات کی ندرت، مشکل مسائل کی عقدہ کشائی، سنت و شریعت کی پیروی پر زور کتاب و سنت کے صحیح و عمیق فہم مقام نبوت کی حرمت و عظمت کے بیان میں منفرد حیثیت اور اسلوب رکھتے ہیں ۔ علم و معارف کے علاوہ یہ مکاتیب زور قلم قوت بیان اور حسن انشاء کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کے بہت سے ٹکڑے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہترین ادبی نمونوں میں شامل اور اور ادب عالیہ میں شمار کئے جائیں۔ ہندوستان کی فارسی ادب کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو یہاں کے ادب و انشاء پر ظہوری ابوالفضل، فیضی و نعمت خاں عالی چھائے ہوئے نظر آتے ہیں حالانکہ ان کی تحریروں کا بڑا حصہ لفاظی سے پر ہے ان کے مقابلے میں حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبا

شاہ ولی اللہؒ کی ازالۃ الخفاء اور شاہ عبدالعزیزؒ کی تحفہ اثنا عشریہ، کے بہت سے ٹکڑے فارسی ادب وانشا کا کامیاب نمونہ ہیں۔

مکتوبات مجدد الف ثانیؒ تحریر کی قوت کلام کی تاثیر اور قبول عام و بقائے دوام کے ساتھ سوز دروں اور خون جگر بھی رکھتے ہیں جس سے تحریر میں ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے جو براہ راست دل پر اثر کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی ان کی تازگی و زندگی اور قوت تاثیر قائم ہے ان کی تحریریں خود ان کے دردمند دل کی صدا اور اپنے ضمیر و عقیدہ کے فرمان کی تعمیل ہیں جو زمین اہل حکومت اور صاحب اقتدار سے زیادہ قوت ہے اور جس سے سرتابی کرنا کسی صاحب ضمیر انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ غرض اس باطنی کیفیت یقین مشاہدہ اخلاص و دردمندی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی ذوق سلیم اور قدرت بیان نے مکتوبات مجددؒ کو ایک بلند آدبی مقام عطا کیا ہے۔ آپ کے مکتوبات نہ صرف فارسی بلکہ اسلامی ادبیات میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور ہر زمانہ کے قاری کو ان کا مطالعہ دعوت و فکر و عمل دیتا رہا ہے۔

حضرت مجدد صاحبؒ کے مکتوبات کے پس منظر میں اکبری دور کی ان تمام بدعات و رسومات قبیح اور شریعت و سنت سے بعد کو لایا جا سکتا ہے جن کا ذکر ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں مفصل کیا ہے اسی عہد کے پس منظر میں حضرت مجددؒ کی شخصیت ابھرتی ہے بہت عرصے غور و فکر اور حالات کا جائزہ لینے کے بعد وہ اپنا طریقہ کار طے کرتے ہیں اور دین اسلام کو سنت و شریعت کے مطابق کرنے کا بیڑہ اٹھاتے ہیں آپ نے لشکر شاہی میں اپنے خلفا بھیجے۔ ہندوستان کے کونے کونے میں خلفا کو روانہ کیا تاکہ بدعات وسیئات اور دوسری تمام رسومات جو شرع اسلامی کے مطابق نہیں ہے ان سے مذہب کو پاک و صاف کریں پھر آپ نے مکتوبات لکھنا شروع کئے جہانگیر کے دربار کا شاید ہی کوئی ممتاز رکن ہوگا جن کے نام آپ کے مکتوبات نہیں ہیں خان اعظم، خان جہاں، خان جانان، مرزا داراب، قلیچ خان، خواجہ جہاں اور سب سے زیادہ نواب مرتضیٰ خان فریدی بخاری وغیرہ کے نام آپ کے مکاتیب ہیں ان کے علاوہ اپنے مریدوں کی رہنمائی کے لیے بھی مکتوبات تحریر فرمائیے اور خود اپنے پیر حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بھی مکتوبات کے ذریعہ ہی رہبری حاصل کی۔ ان تمام خطوط کا موضوع مشترک ایک ہی ہے کہ جس طرح اور جس قدر جلد ممکن ہو ان نقصان کی تلافی ہونی چاہیئے جو دین کو پہنچ چکا ہے اس سلسلہ میں امرائے سلطنت کو خاص طور پر ان کے مذہبی فریضہ سے آگاہ فرمایا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات تین جلدوں پر مشتمل ہیں۔ پہلی جلد کو دارالمعرفتہ کے نام سے خواجہ یار محمد بدخشی الطالقانی نے ۱۰۲۵ھ مطابق ۱۶۹۶ء میں مرتب کیا اس جلد میں ۳۱۳ مکتوبات ہیں جن میں سے ۲۱ خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں ارسال کئے گئے ہیں بیشتر مکتوبات شیخ فرید بخاری کے نام ہیں جو دربار جہانگیری کے ایک معزز اور با اثر امیر تھے

۹ مکتوبات عبدالرحیم خان خاناں کے نام ۹ مکتوب خواجہ حسام الدین کے نام اور ۳ میر فتح اللہ حکیم کے نام ہیں۔ باقی مکتوبات دیگر امرا و مشرکے دربار کے نام ہیں۔ مکتوبات کی دوسری جلد مختصر ہے اور صرف ۹۹ مکتوبات پر مشتمل ہے۔ اس جلد کو خواجہ عبدالحیٔ چاکر حصاری نے خواجہ معصوم کے ایما پر ۱۰۲۸ھ مطابق ۱۶۱۹ء میں ترتیب دیا اس جلد کے مختصر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے فوراً بعد ہی جہانگیر کے حکم سے حضرت مجدد صاحب کو گوالیار کے قلعہ میں قید کر دیا گیا اس جلد کے مکتوب الیہ میں خلفا و مریدین کے علاوہ عبدالرحیم خان خاناں قلیچ خاں، مرزا داراب خاں بھی شامل تھے۔

تیسری جلد خواجہ محمد ہاشم کشمی نے ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۶۲۲ء میں معرفت الحقائق کے نام سے مرتب کی اور یہ ۱۲۴ مکتوبات پر مشتمل ہے اس میں سے ۳۰ مکتوبات حضرت مجدد کے گوالیار کے قلعہ میں قید ہونے سے قبل لکھے گئے تھے۔

حضرت مجدد کے مکتوبات کے موضوعات عام طور پر حسب ذیل ہیں۔

عبدیت و بشریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، شان کبریائی پروردگار عالم روح کلمہ طیبہ، موازنہ شریعت و تصوف، تدریج و تدریس علوم شرعیہ اہم تر از ذکر و فکری باشد، مرتبہ حدیث صحیح بخاری شریف بعد قرآن شریف بجا آوری احکام شرعیہ، مرتبہ احیاء سنت اصلاح تصوف خام، سمع و نغمہ و وجد و رقص نعت خوانی و مولود خوانی تردید نظریہ وحدت الوجود، نظریہ وحدت الشہود، معرکہ بدعت و سنت۔

حضرت مجددؒ کے مکتوبات کسی قسم کے مبالغہ اور حاشیہ آرائی سے قطعاً پاک ہیں۔ خود تحریر فرماتے ہیں۔ "این معارف کے مسودہ یافتہ است امید است کہ از الہامات رحمانی باشند کہ اصلاً شائبہ وساوس شیطانی را در اینجا مجال نبود۔ دلیل بریں معنی آں کہ چو در صدد تحریر ایں معلوم شد ملتجی بجناب قدس خداوندی جل سلطانہ، گشت، دید کہ ملائکہ ۔۔۔۔ از لوازمی آں مقام رفیع شیطان می کردند واز بند گذاشتند کہ در حوالی آں مکان نگردند (مکتوبات جلد اول مکتوبات ۲۳۴) یہ مکتوبات بغیر کسی صلاح و مشورہ کے بے اختیارانہ لکھے گئے ہیں جس کے متعلق مجددؒ خود تحریر فرماتے ہیں۔

"سبحان اللہ آں اسرار و معارف کہ ازیں فقیر حقیر ارادہ بے تکلف ظاہر می شوند اگر ہمہ مردم سعی بنمایند کہ مثل آنہا بیاد رند معلوم نیست کہ میسر شود۔۔۔۔۔

و مرقومات ما بنظر اقدس الور حضرت مہدی آخر الزماں علیہ الرحمہ ۔۔۔ خواہد در آمد و مقبول حضرت او خواہد شد، جلد اول ۲۳۴۔

امراء درباری کے نام جو مکتوب ہیں ان میں سے ہیں یہاں صرف ایک مکتوب کا ذکر کیا جا رہا ہے جو جہانگیری دربار کے ایک امیر لالہ بیگ کے نام ہے۔ ان کو تحریر فرماتے ہیں۔

در ابتدائی بادشاہت اگر مسلمانی رواج

یافت و مسلمانان اعتبار پیدا کردند فیہا و اگر
عیاذاً باللہ سبحانہ در توقف افتد کار بر
مسلمانان بسیار مشکل خواہد شد الغیاث ثم الغیاث
الغیاث ۔

حضرت مجدد صاحب بالآخر اپنے مشن میں
کامیاب ہوئے ۔ چنانچہ لشکر شاہی کی ہمراہی کے
زمانہ میں ایک خط میں اپنے صاحب زادگان
خواجہ محمد معصومؒ اور خواجہ محمد سعیدؒ کو جہانگیر
کے ساتھ اپنی صحبت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے
ہیں ۔

احوال و اوضاع این حدود مستوجب حمد
است، صحبتہای عجیب و غریب می گزارند
بعنایت سرموئی درین گفتگو ہای امور دینیہ
و اصول اسلامیہ ساہلہ و مداہنتہ
ہمان عبارات کہ در خلوات و در مجالس خاصہ
ان می گردد دریں معرکہ ہا بتوفیق اللہ سبحانہ
بیان می نماید اگر ایک مجلس را بنویسید دفتری
باید ....

اس کے بعد جہانگیری کی گرویدگی اتنی بڑھی
کہ آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور ولیعہد
شاہ جہاں کو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا حکم
دیا۔ آج ہم جب دیکھتے ہیں کہ مغل دور کے
دو بادشاہ ۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب
گذشتہ دو بادشاہوں یعنی اکبر اور جہانگیر
سے مذہبی امور میں اس قدر مختلف کیوں تھے
تو خاندان مجددیہ کے کارنامے روز روشن کی طرح
عیاں و ظاہر ہو جاتے ہیں ۔

علامہ اقبال نے حضرت مجددؒ جیسے مصلحین
اور عاشقان صادق کے بارے میں ارشاد
فرمایا ہے

چوں جہاں کہنہ شود، پاک بسوزند اورا
ونہ ہمان آب و گِل ایجاد جہاں نیز کنند

جب لوگوں کے عقائد و خیالات میں فساد رونما
ہو جاتا ہے (جہاں کہنہ شود) تو یہ حضرات اصلاح
حال اور تجدید یقین پر کمربستہ ہو جاتے ہیں اور
ان لوگوں کو نئی زندگی عطا کر دیتے ہیں یعنی
ان کی تقریروں اور تحریروں سے تجدید دین کا
فرض انجام پاتا ہے اور ایمان تازہ ہو جاتا ہے
حضرت مجددؒ کے لیے علامہ اقبال نے
اس طرح نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

مالیر کوٹلہ میں دینی تعلیم وتربیت کی پہلی

باقاعدہ درسگاہ

مدرسہ تعمیر سیرت مالیر کوٹلہ

۱ درجہ پرائمری:۔ پہلی جماعت سے پنجم جماعت تک جسمیں تمام مضامین کے علاوہ قرآن مجید دینیات، ابتدائی عربی وفارسی کا خصوصی اہتمام ہے،

۲ درجہ عالمیت:۔ اس میں چار سالہ منفرد نصاب ہے جسمیں تفسیر حدیث عربی وفارسی زبان کی تعلیم کا انتظام ہے،

۳ درجہ قرآن:۔ صرف قرآن مجید ناظرہ وحفظ کی تعلیم کیلئے درجہ قرآن قائم کیا گیا ہے،

۴ تعلیم بالغان:۔ بڑی عمر کے لوگوں کیلئے عربی وغیرہ کا شبینہ کلاسوں میں انتظام کیاجارہا ہے،

۵ ہوسٹل:۔ بیرونی طلبہ کیلئے قیام وطعام اور دیگر لوازمات کا انتظام ہوسکتا ہے۔ جس میں ان کی اسلامی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

۶ برانچ:۔ مدرسہ کی ایک شاخ اندرون سرہندی گیٹ دو منزلہ مسجد کے نچلے حصہ میں قائم ہے اس میں اب چار جماعت تک تعلیم ہے۔

۷ رسالہ:۔ مدرسہ کا ایک آرگن ماہنامہ تعمیر سیرت اپریل [illegible] سے ہر ماہ چھپتا ہے جسمیں مدرسہ کا حساب اور مفید مضامین شائع ہوتے ہیں۔

۸ بزم سیرت:۔ طلبہ کی انجمن جسمیں طلبہ تقریر وتحریر کی مشق اور مختلف تقریبات کا انتظام کرتے ہیں۔

۹ مکتبہ تعمیر سیرت:۔ کتابوں کی اشاعت وتقسیم اور فروخت کے لئے قائم ہے۔

۱۰ لائبریری:۔ مطالعہ کے لئے اخبار ورسائل کے علاوہ مختلف فن کی کتابوں کا انتظام ہے،

سال نو کے لئے داخلہ جاری ہے، دیر نہ کیجئے

تہذیب نو

جناب عبدالوحید صاحب (بی اے)
سابق مدرس مدرسہ کمیریؔ

"زمانہ بہت ایڈوانس ہوگیا ہے۔ عزت قلم کی نہیں ہوتی قمیض کی ہوتی ہے۔ تہذیب قلم میں نہیں ہے قمیض میں ہے۔" ایک جریدہ کا دلچسپ مضمون زیر مطالعہ تھا اچانک ان سطور پر نظر جم گئی" یہ الفاظ کسی عظیم مصنف نے طنزیہ طور پر کہے گئے تھے ان الفاظ کو پڑھتے ہی میرے دماغ میں دھچکا سا لگا کہ آج کا سماج اتنی پستی میں آگیا؟ لغت میں تہذیب کے معنی "آراستہ کرنا" ہیں۔ لباس سے نہیں، اچھے اخلاق و کردار سے آراستہ کرنا۔

ابھی ان سطور کے بارے میں غور و فکر کر ہی رہا تھا کہ اسی مضمون میں ایک اور جگہ لکھا تھا "آج تو وہی لوگ مہذب کہلاتے ہیں جو فیشن پرستی میں سب سے آگے ہوں باقی تو سوسائٹی کا کمزور طبقہ کہلاتے ہیں" اتنا پڑھنا تھا کہ میرے دماغ میں کئی خیالات ابھر آئے۔

"تہذیب؟ .... تہذیب نو؟ ... یا جہالت" میرے ذہن میں چند سوالات تھے آجکل جہالت کو تہذیب نو کا نام دیا جاتا ہے۔ سیگار نوشی ذوق فلم۔ فیشن پرستی، مے نوشی، پراگندہ مذاق آج کی تہذیب کا دوسرا نام ہے۔ آج کے سماج کی تہذیب نو کے متعلق سوچنے کے بعد مجھے بھی ویسا ہی غصہ آرہا تھا جیسا کہ جناب لق لق صاحب نے اس شعر میں ظاہر کیا ہے۔ ع

تہذیب نو کے منہ پر وہ تھپڑ رسید کر
جو اس حرام زادی کا حلیہ بگاڑ دے

"آج کل تو مزے لوٹ رہے ہونگے بہت عیش میں ہو!" ایسے سوالات کالج کے طلباء سے کئے جاتے ہیں۔ پڑھائی کے مزے نہیں بلکہ ہم جماعت طالبات سے گندہ مزاق کرنے کے مزے! تعلیم میں آزادی کا عیش نہیں نوجوان حسین و جمیل طالبات پر فقرہ بازی اور انھیں چھیڑنے کی آزادی کا عیش۔

کبھی کہا گیا تھا۔ "با ادب با نصیب" لیکن اب تو اس مقولہ میں بھی ترمیم ہوگئی ہے کیونکہ جب ملک کے آئین میں آزادی کے بعد تقریباً چالیس سے زیادہ ترمیم ہوچکی ہیں تو مقولہ میں بھی تو ترمیم ہونی چاہئے۔ اب تو لوگ اس مقولہ پر عمل کرتے ہیں کہ "بے ادب با نصیب" وہی لوگ خوش نصیب ہیں جو کسی غریب معصوم اور مظلوم لڑکی کی عزت محفوظ ہونے پر گرہیں

ہو سکتا! کوئی شریف لڑکا کالج کا متعلم ہو اور کسی لڑکی کا عصمت دری نہ کرے یا فیشن پرست نہ ہو تو دوسرے طلبا اسے بدھو سمجھتے ہیں اسے دیہاتی کہتے ہیں۔

دماغ پر تھوڑا سا زور ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ سماج کو اس تہذیب نو کا تحفہ کہاں سے ملا؟ یہ فلموں کی دین ہے۔ آج کل فلمیں دیکھنا ضروریات زندگی میں شامل ہو گیا ہے۔ آج کل فلم بینی کو فرض اولین سمجھا جاتا ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ع

سوٹ ہونا چاہیئے پاکٹ میں پائی ہو نہ ہو
جب ہوئی شام تو سینما کی طرف جانے لگے

اسی پر بس نہیں، اپنے ساتھ پوری فیملی کو لے جاتے ہیں۔ تاکہ ان کی شرم کا پردہ بھی اٹھ جائے وہ بھی نئی تہذیب کو اپنانے میں اپنا رول ادا کرسکیں ان کے جذبات بھی بھڑک اٹھیں۔ عورتیں غیر مردوں کا کھلونا بن جائیں۔ اب تو نئی تہذیب میں مزید ترقی ہو گئی ہے۔ "ڈیڈی! یہ نسوانی گولیاں اور نرودھ NIRODH وغیرہ کیا ہیں؟" "ممی! وہ مرد لڑکی کے معنقد [illegible] بار بار اپنے ہونٹ کیوں رکھ رہا ہے؟" ریڈیو پر آنیوالی بے ہودہ شہرت Adveilisment اور ٹیلی ویژن T.V. پر پیش کی جانے والی عریاں تصویروں کے بارے میں کمسن بچے اپنے والدین سے طرح طرح کے سوالات کرتے ہیں۔

نئی تہذیب کے پرستار اپنے گھروں کو چھوڑ کر ہوٹلوں میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔

آج کل یہ بھی نئی تہذیب میں داخل ہو چکا ہے حضرت اکبر الہ آبادی نے بجا فرمایا ہے ع

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

ایسے ہی حاجی لق لق کا شعر ہے

گھر میں کچھ تفریح کا ساماں نظر آتا نہیں
ہوٹلوں میں جا کر اپنے دل کو بہلانے لگے

آج کی تہذیب میں فیشن اعلیٰ مقام رکھتا ہے جو ہر مرد و زن کی شخصیت کو بلند و بالا رکھنے کے لیئے لازمی جزو بن گیا ہے۔ آج کی تہذیب میں اتنی ترقی ہو گئی ہے کہ اب مرد زنانہ اور عورتیں مردانہ لباس میں نظر آتی ہیں۔ عورتیں فل پینٹ پہنتی ہیں۔ لڑکے عورتوں کی طرح لمبے لمبے بال رکھنے لگے ہیں آج کے دور میں عورت اور مرد کو۔ آسانی سے شناخت کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔ ع

شکل میں وہ روئے مرداں ہیں نہ روئے زناں
داڑھی تو غائب تھی اب مونچھیں بھی منڈوانے لگے

نئی تہذیب کا یہ سرسری خاکہ ہے۔ آگے آگے دیکھیئے ہوتا ہے کیا۔!

بقیہ صفحہ

و حدیث سے جو عذاب ذکر کیئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام امت کو اس سے بچائے۔ کیونکہ آج عام طور سے یہ چار باتیں خصوصاً تمام مسلمانوں میں اور عموماً تمام انسانوں میں حلول ہو گئی ہیں۔ علماء تک اس سے محفوظ نہیں ہیں تو عام لوگوں کا تو پوچھنا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور عام مسلمانوں کو علماؤں کو دیگر دینی مخلص دین کا کام کرنے والوں کو اور پوری انسانیت کو اس بلا و آفات سے بچائے اور بچنے کی توفیق عطا فرمائیے

ہماری ذمہ داریاں

مرسلہ :- جناب حاجی محمد قادر صاحب
لواہنڈ (کشمیر)

لواہنڈ (کشمیر) کے جناب حاجی محمد قادر صاحب بڑے صاحب خیر لوگوں میں سے ہیں اور اپنے سینہ میں ایک درد مند دل رکھتے ہیں۔ ان کا بھیجا ہوا یہ مضمون بڑا فکر انگیز ہے۔

انسان دنیا میں کبھی جمود کا شکار نہیں ہوا، ہر انسانی قافلے میں ہر وقت حرکت اور تموج پایا جاتا ہے۔ ہر دور اپنے ساتھ کچھ مسائل لے کر آتا ہے اور اس دور کے لوگ اس کا کامل یا ادھورا یا ناقص یا غلط بہرحال کوئی نہ کوئی حل ضرور پیش کرتے ہیں۔ ہمارا ملک بھی اس کلیہ سے خالی نہیں ہے گاندھی جی آزاد ہندوستان کے اولین مفکر تھے جن کی تحریک آزادی کے وقت اس ملک اور سماج کی غالب ترین تحریک تھی۔ لیکن ہندوستان نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ یہ تحریک آزاد ہندوستان کی رہنمائی نہیں کر سکی۔ گاندھی جی کا چرخہ اور ان کی کھادی کا رواج ضرور باقی رہا لیکن انکی تعلیمات کتابوں سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

گاندھی جی کے بعد ونوبا بھاوے اور جے پرکاش نے مل جل کر اور الگ الگ رہ کر بھی ملک میں اپنی تحریکات شروع کیں لیکن آزادی کے گذشتہ ۲۵ سال کی تاریخ ان کوششوں کو بھی ناکامی کی صف میں داخل کر دیا۔

کانگریس پارٹی میں گاندھی کے بعد دو نام اور نمایاں ہوئے۔ جواہرلال نہرو اور مسز اندرا گاندھی جنہوں نے اگرچہ نام تو راشٹر پتی ہی کا لیا لیکن ریاست اور سماج کی زندگی کے ہر شعبے پر اپنا نقش ثبت کرنے کی کوشش کی اقتصادیات اخلاق، تعلیم، قانون، دستور، معاشرت سیاست، مذہب اور اجتماعیت ہر شعبۂ حیات پر ان لوگوں نے اپنے اثرات ڈالے۔ لیکن ایک طویل تجربے کے بعد اہل ملک کو یہ اندازہ ہوا کہ یہ سلئے زیادہ گہرے نہیں تھے۔ آج پھر ہندوستان ایک نئے مقام پر آکھڑا ہو گیا ہے اور نئی نئی تحریر اس پر سایہ فگن ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔

جے پرکاش جی کا مکمل انقلاب، مارکس وادیوں کا پرولتاری انقلاب۔ سوشلسٹوں کا سماج واد اور آر۔ ایس۔ ایس کا ہندو راشٹر اپنی اپنی جگہ ملک کی مستقبل کی کچھ راہیں ہیں۔ گاندھی واد ان میں سے بیشتر لوگوں میں ایک مشترک نعرے کی حیثیت رکھتا ہے لیکن نظریئے کی حیثیت سے وہ عمل کی راہ نہیں بلکہ استعمال کئے جانے والا نعرہ ہے۔ جس کا مارکس وادیوں کے علاوہ ہر نظریئے کے لوگ اپنی اغراض کی خاطر استعمال کرنا چاہتے ہیں اس موقع پر ہمارا حق ہے کہ مسلم ملت اور اس

کے دانشوروں اور لیڈروں سے بھی پوچھیں کہ کیا آنے
والے ہندوستان کے بناؤ سنگھار کا ان میں بھی کوئی حصہ
ہوگا یا نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ ایک مذہبی اکائی اور ایک
دستوری اقلیت ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی
سو فی صد صحیح ہے کہ وہ ایک دین اور ایک نظام حیات
کے علم بردار ہیں جو مدعو بننے کی بجائے داعی بننے کے لیے برپا
کی گئی ہے۔ ان کے گرد و پیش کی دنیا میں کوئی بھی بگاڑ آئے
ان کی حیثیت تماشائی کی نہیں بلکہ ایک چیلنج قبول کرنے
والے گروہ کی ہے کہ وہ اپنے اصول کے تحت کس طرح
اصلاح کریں کیا یہ بدقسمتی نہیں کہ ایک ماہر معالج تجربات
کی کتابیں اپنی الماری رکھے ہو۔ لیکن ہر سڑک پر کھڑے
ہونے والے عطائی سے نسخہ لیتا پھرے مسلمان بہرحال ایک
واضح نظریہ رکھتے ہیں کہ کسی ملکی سماج کی تعمیر کن خطوط پر
ہونی چاہیئے۔ ان کے اخلاق و معاشرت۔ سیاست و قانون
معیشت و تمدن کی اصلاح کے لیے مسلمانوں کے پاس کیا
نسخہ ہے اور وہ اس کا استعمال کس طرح کر سکتے ہیں۔

یہ وہ بنیادی سوال ہے۔ جس کا جواب زمانہ ہم سے
چاہتا ہے۔ ملک میں بہرحال جمود باقی نہیں رہے گا۔
مختلف تحریکیں اٹھیں ہیں اور فنا ہو چکی ہیں اب نئی تحریکیں
اٹھیں گی اور ان عوام متاثر ہوں گے۔ ہم مسلمان اگر
خود کوئی واضح رائے قائم نہ کر سکیں تو ہمیں ان میں سے
ہر ایک کا مدعو بننا پڑے گا اور نہ صرف ملک کا عام سماج
بلکہ ہمارا معاشرہ بھی ان کا خادم بنے گا پھر کیا یہ مناسب
نہیں ہے کہ ہم خود ہی اپنے اصول و نظریے کے خادم بنیں
اور داعی بن کر دوسروں کو اپنی طرف دعوت دیں
بنا ہندوستان ہر تحریک کی آواز پر لبیک کہے گا تاہم
اگر کوئی آواز اٹھائیں اور ملک کے دلوں پر دستک
دیں تو یہ آواز بھی رائیگاں نہیں جائے گی لیکن اس کے
لیے پہلے اپنی خود شناسی کو بیدار کرنا ہوگا اور اپنے
احساس بیدار کرنا پڑے گا کہ ہم مدعو نہیں ہیں، بلکہ
ہماری حیثیت داعی کی ہے۔

○

دارالعلوم دیوبند کے سابق شیخ الحدیث
حضرت مولانا محمد شریف حسن صاحب دیوبندی
رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ بخاری شریف کے
درس میں باب الزکوٰۃ پر تقریر کرتے ہوئے
فرمایا:

اسلام کے اقتصادی نظام کی حقانیت کو
غیر بھی مانتے ہیں۔ جس وقت حضرت شیخ الہندؒ
کے شاگرد مولانا عبید اللہ سندھیؒ ترکی سے
روس پہنچے اور لینن سے اسلام کے اقتصادی
نظام پر گفتگو کی تو لینن بے ساختہ کرسی سے اچھل
پڑا اور کہا کاش مارکس کو اس نظام کا پہلے
پتہ لگ گیا ہوتا۔

مرسلہ: وسیم اختر بلال (مدرسہ تعمیر سیرت مالیرکوٹلہ)

گاہے گاہے باز خواں....

از :- خلیفہ محمد حنیف انصاری چشتی
امام مسجد جٹ والی ملیر گوجران ۔ مالیرکوٹلہ

یہ ان دنوں کا واقعہ ہے جب حضرت ابراہیم ادھمؒ ملک بلخ کے بادشاہ تھے آپ دولت دنیوی کے سرمایہ دار عظیم الشان ملک کے بادشاہ تھے ۔ ایک رات آپ اپنے محل میں محو خواب تھے ۔ آدھی رات کے وقت اچانک آنکھ کھل گئی معلوم ہوا کہ ایک آدمی چھت پر ٹہل رہا ہے آپ نے اوپر جاکر پوچھا۔ تم کون ہو اور یہاں اس وقت کیا کر رہے ہو۔ اس نے کہا آپ کا دوست ہوں اور یہاں اپنا اونٹ تلاش کر رہا ہوں۔ آپؒ نے فرمایا بھلا یہ ممکن ہے کہ شاہی محلات کی چھتوں پر اونٹ آجائیں اس آدمی نے جواب دیا بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عیش و عشرت میں خدا ملجائے یہ جواب سن کر آپ کے دل میں ایک خوف سا پیدا ہو گیا دوسرے دن دربار عام میں جب آپ شان و شوکت سے تخت پر تشریف فرما تھے ۔ یکایک ایک بارعب آدمی اندر داخل ہوا۔ امراء ، وزراء اور غلام وغیرہ میں سے کسی کو یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس طرح گستاخانہ طور پر اندر آنے کی وجہ پوچھے چنانچہ وہ بے تحاشا آپ کے تخت تک آگیا ۔ آپ نے نہایت تعجب سے پوچھا تو کون ہے اور یہاں کس طرح سے آیا ہے اس نے کہا میں اس سرائے میں ٹھہرنا چاہتا ہوں بادشاہ نے فرمایا ۔ یہ سرائے نہیں شاہی محل اور دربار ہے ۔ اس آدمی نے کہا جناب آپ سے پہلے اس محل میں کون رہتا تھا ۔ فرمایا میرا باپ ۔ پھر پوچھا تمہارے باپ سے پہلے ۔ فرمایا میرا دادا ۔ اسی طرح کئی پشتوں تک پہنچکر اس نے پوچھا تو جناب آپ کے بعد یہاں کون رہے گا ۔ آپ نے فرمایا میری اولاد پھر اس آدمی نے کہا ذرا خیال کرو جس مقام میں اتنے آدمی آئیں اور جائیں کسی کا مستقل قیام نہ ہو۔ تو پھر وہ مقام سرائے نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ کہکر وہ باہر آگیا آپ تنہا اس کے پیچھے دوڑے اور پوچھا تم کون ہو؟ اس نے جواب دیا میں حضرت خضر ہوں یہ سنتے ہی آپ کا درد اور بڑھ گیا ۔ واپس آکر لیٹ گئے مگر سکون نہ ہوا ناچار باہر ہوا خوری کے لیے گھوڑے پر سوار ہو کر گئے اس وقت آپ نے آواز سنی کہ ابراہیم اس وقت سے پہلے جاگو ۔ جب تمہیں موت کے ذریعے جگایا جائے چنانچہ آپ نے تخت حکومت پر لات ماردی اور فقیرانہ لباس بدل کر شہر سے باہر نکل گئے پیچھے کہاں پر رو رہے جاتے تھے ۔ جنگلوں اور وادیوں سے پاپیادہ گذرتے جاتے تھے ۔ آپ نے ایک درویش کو دیکھا جو مفلسی کی شکایت کر رہا تھا ۔ آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے درویشی مفت میں حاصل

کی ہے ۔ درویش نے پوچھا کیا درویشی کو خریدا بھی جاسکتا ہے ۔ فرمایا . ہاں میں نے درویشی ملک بلخ کے عوض خریدی ہے ۔ پھر بھی سمجھتا ہوں ارزاں خریدی ہے ۔

ایک موقعہ پر ایک مرید نے عرض کیا . حضرت میں اپنے آپ پر بہت ظلم کرچکا ہوں . مجھکو کوئی نصیحت فرمائیں ۔ آپ نے فرمایا اگر تم منظور کرو تو چھ باتیں بتاتا ہوں اول . یہ کہ جب حق تعالیٰ کی نافرمانی کرو تو خدا کی دی ہوئی روزی مت کھاؤ ۔ اس نے عرض کیا ۔ پھر کہاں سے کھاؤں فرمایا یہ زیبا نہیں ہے کہ جس کی روزی کھاؤ اس کی نافرمانی کرو ۔

دوم ۔ یہ کہ جب گناہ کرنے کا ارادہ کرو تو خدا کی بادشاہت سے باہر نکل جاؤ ۔

عرض کیا ۔ ساری کائنات اسی کی ہے کوئی کہاں جائے ۔ فرمایا کہ اس کے ملک میں رہ کر گناہ کیا جائے ؟

تیسرے :۔ یہ کہ گناہ ایسی جگہ کیا جائے جہاں خدا دیکھ نہ سکے ۔ عرض کیا حضرت یہ ناممکن ہے وہ تو دلوں کے بھید سے واقف ہے ۔ فرمایا ! جب رزق اس کا کھاؤ تو اس کے ملک میں رہ کر پھر اس کے سامنے گناہ کرنا کہاں تک انصاف پر مبنی ہے ۔

چوتھے ۔ یہ کہ جب موت کا فرشتہ آئے تو اس سے کہنا ذرا توبہ کرلینے کی مہلت دیدے ۔ عرض کیا یہ ناممکن ہے وہ میرا کہنا نہیں مانے گا ۔ فرمایا جب یہ حالت ہے تو اس کے سامنے آنے سے پہلے توبہ کرلو ۔

پنجم یہ کہ ! جب منکر نکیر آئے تو ان کو سے باہر نکل دینا ۔ عرض کیا یہ بھی ناممکن ہے فر تو پھر اس کے سوالوں کا جواب دینے کیلئے ہو جاؤ

چھٹے یہ کہ قیامت کے دن گنہگاروں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا ۔ تم جانے سے ا کر دینا ۔ عرض کیا یہ بھی ناممکن ہے ۔ تو فرمایا پھر مت کرو ۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا کیا سبب کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو قبول نہیں کرتا ۔ آپ نے فرمایا ۔ (۱) تم خداوند تعالیٰ کو جانتے ہو مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہو مگر آپ کی پیروی نہیں کرتے (۳) قرآن کریم پڑھتے ہو مگر اس پر عمل نہیں کرتے (۴) اللہ تعالیٰ کی نعمت کھاتے ہو مگر شکر نہیں کرتے (۵) جانتے ہو کہ دوزخ گنہگاروں کیلئے ہے مگر اس سے ڈرا نہیں کرتے (۶) شیطان کو دشمن سمجھتے ہو مگر اس سے نہیں بھاگتے ۔ موت کو برحق جانتے ہو مگر کوئی سامان کرتے ۔ عزیز و اقارب کو اپنے ہاتھوں سے زمین دفن کرتے ہو لیکن عبرت نہیں پکڑتے بھلا جو شخص اس طرح کا ہو اس کی دعا کیونکر قبول ہو سکتی ہے ؟　(ماخوذ از انوار اصفیا)

كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ ،

دنیا میں ایک مسافر یا رہ گیر کی طرح رہو

جی ہاں! تمام مذاہب کی اصل ایک ہے

از۔ مولانا سہیل عزیز (فاضل دیوبند)
مدرس مدرسہ تعمیر ملت مالیر کوٹلہ

دنیا کے تقریباً تمام مذہبوں میں کچھ نہ کچھ باتیں
ے دوسرے سے ملتی جلتی پائی جاتی ہیں۔ یہ اس بات
بوت ہے کہ تمام مذہب اپنی اصل کے اعتبار سے ایک
مہ سے نکلی ہوئی مختلف نہروں کی طرح ہیں۔ کیونکہ
یت کا منبع اور سرچشمہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے
ر اس ہدایت کا ذریعہ نبی اور پیغمبر ہیں ــ جب
یت کا سرچشمہ بھی ایک ہے اور ہدایت کا ذریعہ
ایک ہے تو لازمی بات ہے کہ دین بھی ایک ہی ہوگا
جس طرح ایک سرچشمہ سے نکلی ہوئی نہر جب دور
چلی جاتی ہے تو اس کے پانی میں راستہ کا گرد و غبار
ل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اصل دین کی تعلیم سے
ہو کر۔ لوگوں نے اپنے خیالات کے گرد و غبار
مل دین میں شامل کر لیا اور اصل دین کا چہرہ بگاڑ
لیا۔ اس طرح ایک دین سے مختلف دین بنتے گئے۔

پیغمبر آئے اور اس گرد و غبار کو جو انسانوں
پنی خواہشات اور اپنے خیالات سے شامل کیا
۔ صاف کرنے کی کوشش کرتے رہے کچھ نے
کی بات مانی اور کچھ نے نہیں مانی۔

آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت دے کر
ت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا اور
والی کتاب قرآن مجید۔ دی جس میں انسانی
ہاتھ کچھ رد و بدل نہ کر سکیں۔ کیونکہ اس کتاب کی
اصل جوں کی توں محفوظ رکھنے کی ذمہ داری خود صاحب
کتاب یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اور جب
اللہ تعالیٰ اپنے اوپر کسی بات کی ذمہ داری لے لیں تو
انسان کا کچھ بس چل نہیں سکتا۔ اب اللہ کی ہدایت
کا ذریعہ بالکل محفوظ ہو گیا اور انسان کے لئے
آسان ہو گیا کہ اپنے دین کی ٹھیک ٹھیک اصل
معلوم کر سکے۔

یقیناً تمام مذہبوں کی اصل ایک ہے مگر یہ
اصل خدا کی کتاب قرآن مجید کے سوا کہیں اور سے
معلوم نہیں ہو سکتی۔ ہمارا نسلی تعلق کسی بھی مذہب
سے ہو۔ اگر ہمیں اپنے مذہب کی اصلیت معلوم کرنی
ہے تو قرآن مجید اسکا واحد ذریعہ ہے قرآن مجید
ایک ایسا آئینہ ہے جو ہر مذہب کے اصل چہرے کو اپنے
پڑھنے والے کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ اسلئے وہ تمام
انسانوں سے خطاب کرتا ہے کسی خاص قوم سے خطاب
نہیں کرتا۔ قرآن مجید کی پہلی سطر۔ اَلْحَمْدُ
لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ تمام عالم کا رب اور پالن
ہار۔ جس نے ہمارے جسم کے لئے کھانے پینے ہوا پانی
کا۔ اور ہماری روح و جان کے لئے ہدایت کا خود انتظام فرمایا
یقیناً وہ ہم انسانوں پر بڑا مہربان ہے۔

بدگمانی

جناب فتح محمد صاحب کاغذی
احمد آباد (گجرات)

بدگمانی :- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن نجات نہ پائے گا جب تک بدگمانی نہ چھوڑے بدگمانی دو قسم پر ہے ایک اللہ تعالیٰ کی طرف اور دوسری مومن کی طرف۔ بعضوں نے اللہ کی طرف سے بدگمانی کرنے والوں کی مثال کفر کی طرف دی ہے اور دوسری مومن سے بدگمانی دراصل یہ سمجھ کر جو بدگمانی ہے وہ بھی اللہ کی ذات سے وابستہ ہے اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے بندہ میرے ساتھ جیسا گمان کرتا ہے ویسا معاملہ میں اس کے ساتھ کرتا ہوں اچھا معاملہ کرتا ہے تو اچھا معاملہ کرتا ہوں اور غلط گمان کرتا ہے تو غلط تکلیف برداشت کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے پوچھا کہ میرے لئے اللہ کے ہاں کیا معاملہ ہوگا؟ تو آپؐ نے کہا تیرا گمان اللہ کے ساتھ کیا ہے تو صحابی نے کہا کہ میں اللہ کے ساتھ رحمت و بخشش کی امید رکھتا ہوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بس تو اللہ سے اچھے گمان کی امید میں جنت میں داخل ہوگا۔

اسی طرح ہم اگر کسی کی طرف سے دل میں بدگمانی کریں تو ہم سزا کے مستحق ہونگے اور کسی طرف سے اچھا گمان کریں تو بھلائی کو پہنچیں گے۔ اسی طرح کسی کی طرف سے بدگمانی تو بدظنی و غیبت دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو عذاب کے مستحق ہوتے ہیں ایک آیت کا مفہوم یہ سمجھ میں آیا کہ آواز دی ایمان والوں کو اور ایمان والیوں کو اور توبہ نہ کی تو جہنم کا عذاب ہو کر رہے گا اور اگر جھوٹا برا گمان کرے کسی سے تو یہ بہتان ہے اور یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے نبیؐ نے فرمایا کہ کسی کے متعلق جھوٹا گمان کرے جیسا کہ فلاں شخص خائن ہے تو خائن کا عذاب غلط گمان کرنے کو ہوگا ایک حدیث میں ہے کہ جو ایمان والوں سے بدگمانی کرے اللہ تعالیٰ اس پر جنت کی بو حرام کر دیگا۔ ایک جگہ نبیؐ نے فرمایا جس کے دل میں مومن کی طرف سے بدگمانی نہ ہو مثل مجاہد کے ہے جو رات دن کافروں سے جہاد کرتا ہے نبیؐ نے فرمایا مجھے ڈر ہے اپنی امت پر شرک اصغر کا۔ صحابہ نے پوچھا وہ کیا ہے۔ تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کرنے والوں کا۔ کیونکہ یہ صفت کافروں کی ہے۔ اس لئے کہ مومن اپنے رب پر بدگمانی نہیں کرتا اور اسی طرح بندوں کے ساتھ بدگمانی کے معاملے میں سخت سزا کے مستحق ہوں گے اور اگر ہمیں گمان کرنے کی عادت ہی ہے تو اچھا گمان کریں اور اچھا گمان کرنا نیکی میں داخل ہے

اوپر کی جو چار چیزیں اور مختصر اس کے متعلق قرآن

بقیہ ص ۳۳ پر

ہمارے معاون

جن کی رقومات مدرسہ تعمیر سیرت کے لئے مارچ - اپریل - مئی ۱۹۷۸ء میں موصول ہوئیں - (اگر تم دین کے کاموں میں مدد کروگے اللہ تمہاری مدد کرےگا)

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم	رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
۴۸۴۳/۴۹	ماہ مارچ جناب مولانا بلال صاحب نائب صدر مدرس	امداد	۲/-	۴۸۶۵/۴۹	جناب محمد شکیل صاحب معرفت محمد حنیف ٹیلر	امداد	۱/-
۴۸۴۵/۴۹	جناب حافظ مشتاق احمد صاحب مدرس "	"	۲/-	۴۸۶۶	جناب عبدالرشید " " "	"	۱/-
۴۸۴۸	جناب محمد سلیم صدر بازار	"	۵/-	۴۸۶۷	جناب عبدالحمید " " "	"	۱/-
۴۸۴۹	جناب ولی محمد ڈرائی کلینرز	"	۲/-	۴۸۶۸	جناب تاج محمود " " "	"	۱/-
۴۸۵۰	جناب محمد صاحب محمد الیاس خان	"	۵/-	۴۸۶۹	جناب محمد اشرف ڈھلوں نیوز پیپر ایجنٹ	"	۱/-
۴۸۵۱	جناب رام چند صدر بازار	"	۲/-	۴۸۷۰	جناب جان اینڈ سنز مالیر کوٹلہ	"	۵/-
۴۸۵۲	جناب طفیل صاحب سنگم شیلز صدر بازار	"	۲/-	۴۸۷۱	جناب نثار احمد صاحب سیونتھی کمپنی مالیر کوٹلہ	"	۲/-
۴۸۵۳	جناب محمد جمیل صاحب "	"	۲/-	۴۸۷۲	جناب جان محمد " " "	"	۲/-
۴۸۵۴	جناب لیسین صاحب صدر بازار	"	۲/-	۴۸۷۳	جناب عبدالحمید ڈرائی کلینرز	"	۱/-
۴۸۵۵	جناب عبدالغفور صاحب نزد جامع مسجد	"	۲/-	۴۸۷۴	جناب محمد صادق چوہان ٹیلر حجتی گلی	"	۵/-
۴۸۵۶	جناب محمد صدیق " " "	"	۲/-	۴۸۷۵	جناب محمد حنیف الفاران " "	"	۲/-
۴۸۵۷	جناب عبدالستار عبدالغفار چلی قریشی	"	۲/-	۴۸۷۶	جناب محترمہ تجن بی بی فاطمہ " "	"	۵/-
۴۸۵۸	جناب فضل محمد سٹی بازار	"	۲/-	۴۸۷۷	جناب عبدالغفور صاحب " "	"	۵/-
۴۸۵۹	جناب محمد شکیل صدر بازار	"	۲/-	۴۸۷۸	جناب عبدالمجید صاحب بہترین فروش مالیر کوٹلہ	"	۵/-
۴۸۶۰	جناب صابر صاحب "	"	۱/-	۴۸۷۹	جناب بابو صاحب قلعی گر سٹی بازار	"	۲/-
۴۸۶۱	جناب سعید " نار جینا ٹیلرز	"	۲/-	۴۸۸۰	جناب محمد اخلاق صاحب "	"	۲/-
۴۸۶۲	جناب محمد اشرف ملک اشرف شیلرز	"	۲/-	۴۸۸۱	جناب محمد شریف " "	"	۲/-
۴۸۶۳	جناب محمد حنیف صاحب امام مسجد ...	"	۲/-	۴۸۸۲	جناب عبدالغفار " "	"	۲/-
۴۸۶۴	جناب محمد شریف معرفت محمد حنیف	"	۱/-	۴۸۸۳	جناب محمد حسن مرحوم شیلرز "	"	۵/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	مد	رقم
۴۹/۴۸۸۴	جناب عبدالشکور انصاری موتی بازار	امداد	۲/-
۴۸۸۵	جناب رشید صاحب بیرون سرہندی گیٹ	"	۲/-
۴۸۸۶	جناب محمد بشیر " پنجابی شال "	"	۲/-
۴۸۸۷	جناب حافظ مشتاق احمد امام مسجد غوثیہ نگری	"	۲/-
۴۸۸۸	جناب مولانا نسیم اختر بلال صاحب امام مسجد سنگرمل	"	۲/-
۴۸۸۹	جناب شبیر محمد صاحب بیج میکر نزد کلو بیٹا	"	۲/-
۴۸۹۰	جناب محمد بشیر صاحب کچہ کوٹ	"	۵/-
۴۸۹۱	جناب قاری محمد منعم صاحب صدر مدرس مدرسہ	"	۲/-
۴۸۹۲	جناب محمد حنیف چین گراں	"	۱/-
۴۸۹۳	جناب محمد حبیب صاحب پی شال	"	۵/-
۴۸۹۴	جناب دلبر حسن صاحب جنرل سٹور سنالی گیٹ	"	۵/-
۴۸۹۵	جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب سنالی گیٹ	"	۲/-
۴۸۹۶	جناب ڈاکٹر سید نجم الحسن صاحب زیدی تاج گیٹ	"	۱۰/-
۴۸۹۷	جناب ڈاکٹر محمد نذیر صاحب عیدگاہ روڈ	"	۵/-
۴۸۹۸	جناب محمد ابرار صاحب محلہ قصاباں	"	۲/-
۴۸۹۹	جناب محمد حبیب " ماڈرن ٹیلرز	"	۵/-
۴۹۰۰	جناب غلام رسول مدرس مدرسہ ہذا	"	۲/-
۴۸/۴۷۰۴	جناب سید محمد ارشد سرہند شریف	"	۲۰/-
۴۷۰۵	جناب محمد شعیب قریشی دل گیٹ	"	۵/-
۴۹/۳۸۴۴	جناب محمد رفیق صاحب سول ہسپتال	"	۴/-
۳۸۴۵	جناب عبدالحمید مدرس مدرسہ انوار	"	۲/-
۳۸۴۶	جناب عبدالحمید ولد عبدالکریم جیٹ پورہ	"	۱/-
۳۸۴۹	جناب شہاب الدین مرتضیٰ لسوڑی	"	۱۰/-
۳۸۵۰	جناب بشیر محمد بیج میکر چیدماں	"	۱/-
۳۸۵۱	جناب شفیع محمد قصاب مقراں	"	۵/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	مد	رقم
۴۹/۳۸۵۲	جناب شفیع صاحب بیج میکر سرہندی گیٹ	امداد	۲/-
۳۸۵۳	جناب محمد کا وصف دوکاندار "	"	۲/-
۳۸۵۴	جناب محمد بشیر حلوائی "	"	۲/-
۳۸۵۵	جناب ڈاکٹر محمد سلمان صاحب "	"	۲/-
۳۸۵۶	جناب نور محمد پشاوری	"	۵/-
۳۸۵۷	جناب عبدالغفور ٹیلرز نزد جامع مسجد	"	۲/-
۳۸۵۸	جناب ماسٹر حمید حسن ترمذی	"	۵/-
۳۸۶۱	جناب محمد شفیع صاحب بھنڈہ	"	۵/-
۳۸۶۲	جناب عبدالرحمٰن چیدماں	"	۲/-
۳۸۶۳	جناب عبدالوحید چیدماں	"	۲/-
۳۸۶۴	حبیب کلاتھ ہاؤس دل گیٹ	"	۵/-
۳۸۶۵	جناب ماسٹر اختر پرویز برانچ ۶	"	۵/-
۳۸۶۶	آفتاب ٹیلر نزد پوسٹ آفس	"	۱/-
۳۸۶۷	جناب سلیم اختر صاحب نقشہ نویس	"	۵/-
۳۸۶۸	جناب عبدالعزیز صاحب ہیڈ ماسٹر	"	۵/-
۳۸۷۰	جناب ڈاکٹر عبدالحلیم صاحب کچہ کوٹ	"	۱۰/-
۳۸۷۱	اہلیہ محترمہ جناب محمد سلطان ڈھالک	"	۵/-
۳۸۷۴	جناب عبدالواحد محلہ الیاس خان	"	۵/-
۳۸۷۵	جناب خوشی محمد شاہ بیرون دہلی گیٹ	"	۱/-
بذریعہ ڈرافٹ	AF 469520 (23-3-78)	"	۵۰/-
عرصہ ۷۸ فروری	امداد پنجاب وقف بورڈ انبالہ		
۴۹/۳۸۷۱	جناب محمد انوار صاحب کچہ کوٹ	امداد	۲۰/-
۴۸/۴۷۱۱	جناب محمد رمضان " تیلیاں بازار	"	۲/-
۴۷۱۲	جناب عبدالوحید جوہان بی اے	"	۲/-
۴۷۱۵	جناب عبدالحمید ولد عبدالکریم محلہ جیٹ پورہ	"	۱/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	مد	رقم
۲۸/۴۷۱۶	جناب تاج محمد صاحب مراچنٹ	امداد	۲/-
۴۷۱۷	جناب شمشاد علی قریشی قلعہ رحمت گڑھ	"	۲/-
۴۷۲۰	جناب ماسٹر رمضان مراچنٹ	"	۵/-
۴۷۲۲	جناب عزیز خان صاحب	زکوٰۃ	۵۰/-
۴۷۲۳	جناب شان الٰہی سنامی گیٹ	امداد	۵/-
۴۷۲۴	جناب سردار مہر سنگھ موضع فرید پور خورد	"	۲/-
۴۷۲۵	جناب نثار احمد صاحب اسلامیہ سکول	"	۵/-
۴۷۲۶	جناب سعید صاحب ہیڈ ماسٹر	"	۲/-
۴۷۲۷	جناب محمد شکیل " "	"	۲/-
۴۷۲۸	جناب محمد مشتاق صاحب ہیڈ ماسٹر	"	۱/-
۴۷۲۹	جناب نذیر صاحب موتی بازار	"	۱/-
۴۷۳۰	جناب محمد صابر "	"	۱/-
۴۷۳۱	جناب محمد جمیل ہیڈ ماسٹر "	"	۲/-
۴۷۳۲	جناب رام چند سنگم ٹیلر صدر بازار	"	۲/-
۴۷۳۳	جناب محمد یٰسین ستار ٹیلر "	"	۲/-
۴۷۳۴	جناب محمد حامد صاحب جوڑ ماراں	"	۲/-
	اپریل ۷۸ء		
۲۹/۳۸۷۷	جناب جمیل صاحب صدر بازار	"	۵/-
۳۸۷۸	جناب جعفر علی "	"	۵/-
۳۸۷۹	جناب عبد الحمید " ملساماں	"	۱/-
۳۸۸۰	جناب ماسٹر رشید " جوڑ ماراں	"	۱۰/-
۳۸۸۱	جناب حامد علی "	"	۵/-
۳۸۸۲	جنابہ طاہرہ سیر دین	"	۱/-
۳۸۸۳	اللہ کا بندہ موضع ہتھن	"	۲۰/-
۳۸۸۴	جناب سراج احمد بیرون دہلی گیٹ	"	۵/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	مد	رقم
۲۹/۳۸۸۶	جناب محمد حنیف صاحب جھنگی گلی ملیر	امداد	۲/-
۳۸۸۷	جناب بشیر محمد موضع دگنی	"	۲/-
۳۸۸۸	جناب جعفر خاں "	"	۱/-
۳۸۸۹	جناب حبیب محمد "	"	۱/-
۳۸۹۰	جناب خورشید علی خاں "	"	۱/-
۳۸۹۱	جناب عبد الستار "	"	۲/-
۳۸۹۲	جناب محمد اسلم "	"	۱/-
۳۸۹۳	جناب محمد سلیمان "	"	۵/-
۳۸۹۴	جناب حاجی محمد اسحٰق "	"	۱/-
۳۸۹۵	جناب عنایت خاں "	"	۱/-
۳۸۹۶	جناب مستری احمد دین "	"	۵/-
۳۸۹۷	جناب مطلوب احمد گنگوہی (سہارنپور)	"	۱/-
۳۸۹۹	جناب مجید خاں موضع دگنی	"	۴/-
۳۹۰۰	جناب محمد یعقوب خاں "	"	۱/-
۲۹/۳۸۷۹	جناب میاں محمد اقبال ایم اے کچہ کوٹ	"	۲/-
	مدرسہ کی کتابوں کی اور فیس آمدنی	"	۱۳/-
۳۳/۲۲۷۴	جناب عبد الجبار عظیم پورہ	"	۴/-
۲۲۷۵	جناب عبد الغفار خاں "	"	۲/-
۲۲۷۶	جناب عبد الجبار "	"	۴/-
۲۲۷۷	جناب عبد الغفار خاں "	"	۲/-
۲۲۷۸	جناب عبد الغفار خاں "	"	۲/-
۲۹/۳۸۸۸	جناب شیر علی جوڑ ماراں	"	۲/-
۲۲۸۱	نسیم اختر محلہ بیلیں سرہندی گیٹ	"	۱۰/-
ماہانہ	امداد وقف بورڈ ماہ مارچ ۷۸ء	"	۵۰/-
۲۹/۳۸۸۴	جناب شمشاد علی خاں سابق سیشن جج	"	۲۵۰/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
۱۸/۱۷۷۰	جناب مشتاق ٹیلر موتی بازار	امداد	۱/-
۱۷۷۱	جناب حبیب نزد مدرسہ تعمیر سیرت	"	۱/-
۱۷۷۲	جناب عبدالوحید	"	۲/-
۱۷۷۳	جناب محمد حنیف	"	۲/-
۱۷۷۴	جناب محمد نثار	"	۲/-
۱۷۷۵	جناب بشیر محمد بیچ میکر چوہ ماراں	"	۱/-
۱۷۷۶	جناب عبدالشکور ایڈووکیٹ موتی بازار	"	۲/-
۱۷۷۷	جناب عبدالستار چوڑی فروش	"	۲/-
۱۷۷۸	جناب محمد شریف موتی بازار	"	۲/-
۱۷۷۹	جناب حسن ٹیلرز "	"	۵/-
۱۷۸۰	جناب شکوراں بی بی ٹیلر	"	۵/-
۱۷۸۱	جناب محسن فاطمہ بی بی "	"	۵/-
۱۷۸۲	جناب ڈاکٹر محمد نذیر "	"	۵/-
۱۷۸۳	جناب ڈاکٹر سعید سنامی گیٹ	"	۲/-
۱۷۸۴	جناب محمد نذیر سٹہ بازار	"	۲/-
۱۷۸۵	جناب کالو صاحب دوکاندار سرہندی گیٹ	"	۲/-
۱۷۸۶	جناب محمد شفیع بیچ میکر "	"	۲/-
۱۷۸۷	جناب حاجی شفیع مقبراں	"	۵/-
۱۷۸۸	جناب بشیر پنجابی سٹال "	"	۲/-

رسید نمبر	اسم گرامی معطی	بمد	رقم
۱۸/۱۷۸۹	جناب محمد رشید سرہندی گیٹ	امداد	۲/-
۱۷۹۰	جناب محمد اشرف ڈھلوں چوہ ماراں	"	۱/-
۱۷۹۱	جناب محمد بشیر کارپینٹر کچہ کوٹ	"	۵/-
۱۷۹۲	جناب محمد یوسف سرہندی گیٹ	"	۵/-
۱۷۹۳	محترمہ بی بی عائشہ شیروانی گیٹ	"	۲/-
۱۷۹۴	جناب محمد حنیف حیقی گلی ٹیلر	"	۲/-
۱۷۹۵	جناب محمد صادق صاحب چوہان "	"	۵/-
۱۷۹۶	جناب محمد اسحاق سرہندی گیٹ	"	۵/-
۱۷۹۷	جناب عبدالوحید چوہان بی اے	"	۲/-
۱۷۹۸	جناب عبدالحمید ولد عبدالکریم	"	۱/-
۱۷۹۹	جناب دلبر حسن سٹہ بازار	"	۳/-
۱۸۰۰	جناب اختر پرویز براغ	"	۲/-
۲۹/۲۸۹۶	جناب محمد مشتاق چوہ ماراں	"	۵/-
۲۸۹۷	جناب محمد خالد بیرون چوہ ماراں	"	۱/-
	امداد بجانب وقف بورڈ ماہ اپریل بذریعہ ڈرافٹ AU821767 مورخہ 9/5/78	"	۵۰/-
	ماہانہ چندہ از طلبہ	"	۲۲/-

حساب آمد و خرچ مدرسہ تعمیر سیرت مارچ ۷۸ء

بقایا سابقہ بتاریخ یکم مارچ ۷۸ء	5240-58	کل آمدنی	6257-58
آمد بمد امداد	833-0	اخراجات تنخواہ وغیرہ	3915-24
آمدنی بمد رسالہ وکتب	134-0		
آمد بمد زکوٰۃ	50-0	بقایا بتاریخ 31/3/78	2342-34

سالانہ حساب آمد و خرچ بابت سنہ ۷۸-۱۹۷۷ء

یکم اپریل سنہ ۱۹۷۷ء سے ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۷۸ء تک

بقایا سابقہ بتاریخ $1\frac{4}{77}$	7693 — 15
آمدنی ۷۸-۱۹۷۷ء	22320 — 40
کل آمدنی	30013 — 55
اخراجات ۷۸-۱۹۷۷ء	27671 — 21
بقایا بتاریخ $31\frac{3}{78}$	2342 — 34

سال گذشتہ یعنی ۷۷-۱۹۷۶ء میں کل آمدنی چھبیس ہزار آٹھ سو ایک روپے چھیاسی پیسے تھی۔
اور اس سال یعنی ۷۸-۱۹۷۷ء میں کل آمدنی تیس ہزار تیرہ روپے پچپن پیسے ہے۔
یعنی الحمدللہ گذشتہ سال سے تین ہزار دو سو گیارہ روپے اناسی پیسے زائد۔
ظاہر ہے کہ مدرسہ تعمیر سیرت کے ساتھ لوگوں کے تعلق میں اضافہ ہوا ہے، مدرسہ کے بڑھتے ہوئے اثرات دیکھ کر کچھ "چودھراہٹ کے رسیا" پریشان ہوئے اور انھوں نے پہلے مدرسہ اور پھر بانی مدرسہ پر ناپاک حملے کیے۔ ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے چاہے یہ لوگ کسی طبقے اور کسی بھی مقدس جماعت کے لباس میں ہوں اور اس دینی مدرسہ کو جملہ آفات سے محفوظ رکھے۔ آمین (محمد سبحان صاحب خزانچی)

حساب آمد و خرچ

اپریل ۱۹۷۸ء

بقایا بتاریخ یکم اپریل سنہ	2342 — 34
آمدنی بمد امداد	1836 — 65
" بمد کتب و رسالہ	181 — 0
" بمد چندہ طلبہ	279 — 60
کل آمدنی	4039 — 59
اخراجات تنخواہ وغیرہ	1549 — 77
بقایا بتاریخ $30\frac{4}{78}$	2489 — 82

مئی ۱۹۷۸ء

بقایا سابقہ بتاریخ $30\frac{4}{78}$	2489 — 82
آمدنی بمد امداد	670 — 0
" بمد کتب و رسالہ	251 — 70
" بمد چندہ طلبہ	202 — 0
کل آمدنی	3613 — 52
مصارف تنخواہ وغیرہ	1475 — 07
بقایا	2138 — 45

احوال وکوائف

(ادارہ)

تعمیر سیرت کا جلسہ اعلان نتائج و تقسیم انعامات

۱۲ اپریل ۱۹۷۹ء کو مرکزی مدرسہ تعمیر سیرت سالانہ نتائج کے اعلان اور تقسیم انعامات کا جلسہ ہوا، اس جلسہ کی صدارت پنجاب وقف بورڈ کے سکریٹری جناب غضنفر علی خان صاحب (بی اے ایل ایل بی) نے فرمائی، جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا پھر بچوں نے عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں دلکش پروگرام پیش کئے، مدرسہ کا میدان حاضرین سے پر تھا، تمام کامیاب طلبہ کو جناب صدر نے انعامات تقسیم کئے

۱۳ اپریل مدرسہ کی برانچ کا جلسہ ہوا یہاں بھی حاضرین کی تعداد کافی تھی، پروفیسر اخلاق احمد چوہان (ایم اے) نے بطور شکرانہ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں ایک فاؤنٹین پین کا ہدیہ پیش کیا، بچوں کے سرپرستوں نے برانچ میں ایک جماعت بڑھانے کا مطالبہ کیا حالات کی ناسازگاری کے باوجود مفتی صاحب نے ایک جماعت کا اضافہ فرمادیا ہے اور اب برانچ میں چوتھی جماعت تک تعلیم ہے

سلائی سنٹر مالیر کوٹلہ کی شاندار کارکردگی

یاد ہوگا اس سے پہلے کسی پرچہ میں ہم نے خبر دی تھی کہ مالیر کوٹلہ کے ایم ایل اے جناب حاجی انوار احمد خاں کی کوشش سے مالیر کوٹلہ میں ضرورت مند خواتین کو باروزگار بنانے کے لئے ایک سلائی سنٹر قائم کیا گیا ہے، حاجی انوار احمد خاں صاحب ایم ایل اے کی اہلیہ بیگم صاحبہ اس سنٹر کی چیئرمین ہیں، یہ معلوم ہوکر خوشی ہوئی کہ بیگم صاحبہ کی چیرمینی میں یہ سنٹر شاندار کارگذاری کا مظاہرہ کر رہا ہے اور بچوں کے کپڑے کم قیمت اور دلکش تیار ہو رہے ہیں،

ہم ایم ایل اے صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ کو ہدیۂ مبارکباد پیش کرتے ہیں، اور آئندہ بھی اس طرح کے تعمیری اقدامات کی توقع رکھتے ہیں،

دارالعلوم دیوبند میں نمائندہ اجتماع

دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ جشن مارچ ۱۹۸۰ء میں منایا جائے گا اس کی تیاری کے لئے ۲۲ر ۲۳ر جون ۱۹۷۹ء کو ایک نمائندہ اجتماع بلایا گیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر حضرت مفتی صاحب مالیر کوٹلہ اسی اجتماع میں شرکت کے لئے دیوبند کے سفر پر روانہ ہوگئے ہیں۔

ہماری تمنا اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کے زیر سایہ اس جشن کو کامیاب فرماوے۔ آمین

دعوت کی عملی ترتیب

اسلام نے تبلیغ میں ایک خاص ترتیب قائم فرمائی ہے جس کی ابتدا خود مبلغ کی ذات سے کی ہے یعنی مبلغ پہلے اپنے نفس کو تبلیغ کرکے اسے نمونۂ عمل بنا کر دکھائے پھر اپنے اہل و عیال کو تبلیغ کرکے انہیں عمل کا نمونہ بنائے پھر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو اپنے نمونۂ عمل بنائے پھر اپنے شہر اور اس کے معاملات میں عمل کے نمونے قائم کرے [illegible]

* مولانا قاری محمد طیب صاحب، اپنی دعوت کا قرآنی اصول ص [illegible]

فارسی کا ایک عظیم نصاب
فارسی نصاب جدید
ماہرین تعلیم کا کہنا ہے — کم وقت میں فارسی سیکھنے اور سکھانے کیلئے "فارسی نصاب جدید" ایک لاثانی نصاب
مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ۔ مولانا اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ دار العلوم
مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔ مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی ایڈیٹر
جیسے علماء واکابر نے اسکو موجودہ وقت کا بہترین نصاب قرار دیا ہے۔ ہندوستان کے بیشتر مدارس میں داخل نصاب
نصاب کی کتابیں حسب ذیل ہیں
فارسی نصاب جدید کے سلسلہ کی پہلی کتاب، جس سے بچوں کو فارسی بول چال میں سہولت اور صیغ
کے استعمال میں مہارت حاصل ہوتی ہے۔ قیمت 1-20
اس سلسلے کی دوسری کتاب، جس کا مطالعہ ایک ماہ میں فارسی نوشت وخواند اور گفتگو کی صلاحیت
پیدا کر دیتا ہے۔ قیمت 1-20
دروس فارسی
یہ کتاب صرفی ونحوی قواعد کا نچوڑ ہے۔ آسانی کے لئے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ پہلا
صرف کے بیان میں قیمت 1-80 دوسرا حصہ نحو میں۔ قیمت 1-20
اس کتاب میں چھوٹی چھوٹی نصیحت آموز کہانیوں کے ذریعہ طلباء میں فارسی ادب کا رجحان
کیا گیا ہے۔ قیمت 1-50
دیوبند